

انوارِ ولایت شمسین

بموسوم

افکار لدنیہ عرفانیہ حصہ اول و دوم

حالات و تعلیمات

حضرت شیخ المشائخ عارف باللہ

خواجہ شمس الدین نقشبندی مجددی سید پوریؒ

(نور اللمرقۃ)

تالیف: حبیب الرحمن حبیب



طالب دُعا: سید محمد انور شاہ

شعبہ اشاعت ادارہ بلاغ الناس اسلام آباد پاکستان

0344-5559888

جملہ حقوق بحق مؤلف کتاب محفوظ ہیں

نام کتاب	_____	انوار ولایت شمسیہ
مصنف	_____	حبیب الرحمن حبیب
ناشر	_____	حبیب الرحمن حبیب
صفحات	_____	600
تعداد اشاعت	_____	1000
طبع	_____	تیسرا 2009
پرنٹرز	_____	ندیم پولس پرنٹرز

تکنیکی تعاون

محترم مولانا ابوذر صاحب ابن حضرت مولانا پیر طریقت غلام ربانی صاحب مرحوم ساکن کلوشنگ بنگرا،
 برادر محمد عمران صاحب نقشبندی ساکن شہید آباد تحصیل ایبٹ آباد
 عزیز محمد جمشید صاحب برادر خورد ہیڈ ماسٹر ہارون صاحب ساکن شہید آباد تحصیل ایبٹ آباد کے خصوصاً
 تعاون اور اہتمام کا شکر گزار ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب مذکور
 انوار ولایت شمسیہ کو شرف قبولیت عطا فرما کر عوام کے لیے روحانی ترقی کا ذریعہ فرمائے لہذا یہ چند حروف
 بذریعہ عزیز محمد حافظ عبدالشکور لکھوادئے ہیں تاکہ یادگار باقی رہے۔

نوشتہ بمانند سیاہ بر سفید

نویسنده رانیت فراد امید

کاتب الحروف حافظ عبدالشکور ابن (عمر) عبدالحی صاحب

عرض گزار عبدالحی تنک اسلاف ابن حضرت خواجہ شمس الدین حال ساکن کیر وال ڈھودیاں مانسہرہ ہزارہ

فہرست مضامین

حصہ اول

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۱	عرض مؤلف	۱
۲	انتساب	۲
۳	رائے گرامی مرشدی شیخ طریقت مولانا عبدالحی مدظلہ العالی	۳
۴	شیخ الحدیث سیف حق حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونگی	۴
۵	رائے گرامی جامع کمالات علیہ و عملیہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب زید محمد مرم	۵
۶	رائے گرامی منبع فیوضات جامع کمالات ظاہریہ و باطنیہ حضرت حکیم غلام رسول صاحب نقشبندی مجددی	۶
۷	تاثرات شیخ الحدیث قاطع رفض و بدعت حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہ	۷
۸	از بیہ طریقت جناب سیکرٹری پیر محمد خان صاحب مدظلہ	۸
۹	تاثرات پیکر اخلاص و محبت اشرف خان صاحب خلیفہ مجاز سید سلیمان ندوی	۹
۱۰	رائے عالی بقیہ اسلف شیخ مفتی ولی حسن صاحب شیخ الحدیث نور یہ کراچی	۱۰
۱۱	پیش لفظ	۱۱
۱۲	پیش لفظ - ہارموم از صاحبزادہ ابوذر غفاری ابن حضرت مولانا غلام ربانی صاحب	۱۲
۱۳	تاثرات و رائے جناب قاری محمد طیب صاحب نقشبندی خلیفہ مجاز حضرت پیر عبدالحی صاحب گیر وال	۱۳
۱۴	قاری محمد طیب صاحب کی بیعت اور کتاب ہذا کی تمنا	۱۴
۱۵	شان کبریائی	۱۵
۱۶	سبب تالیف کتاب ہذا	۱۶
۱۷	تمہید	۱۷

۳۳	اعمال صالحہ کی ترغیب	۱۸
۳۶	قلب سلیم	۱۹
۴۰	اصلاح قلب	۲۰
۴۶	دل کی حفاظت اور اصلاح کے پانچ اصول	۲۱
۵۳	اصلاح قلب کے لئے مرد کامل کی ضرورت	۲۲
۶۲	رہبر و شیخ یعنی خلیفہ/سجادہ نشین کا معیار کیا ہے	۲۳
۶۶	اصلاحات صوفیہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی تشریح	۲۴
۶۹	رہبر و شیخ ذریعہ قرب خداوندی ہے	۲۵
۷۹	فکر داعی کی اہمیت	۲۶
۸۳	اصطلاحات صوفیہ کرام	۲۷
۸۳	ہوش دردم	۲۸
۸۵	نظر بر قدم	۲۹
۸۶	سفر و وطن	۳۰
۸۸	خلوت و راجحمن	۳۱
۹۳	یاد کرو۔ بازگشت	۳۲
۹۴	نگہداشت	۳۳
۹۵	یادداشت	۳۴
۹۶	وقوف زمانی۔ وقف عددی	۳۵
۹۸	وقوف قلبی	۳۶
۱۰۱	سلاسل اربعہ کا مختصر تعارف	۳۷
۱۰۷	سلاسل اربعہ کے نام سے غلط رسومات	۳۸
۱۱۰	سلاسل اربعہ کے چار شیوخ کا مختصر تذکرہ	۳۹
۱۱۰	حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ	۴۰
۱۱۲	حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	۴۱

۱۱۳	حضرت شیخ اشیرخ خواجہ شہاب الدین سہروردی	۴۲
۱۱۷	حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ	۴۳
۱۲۸	مناجات خواجہ نقشبندؒ بدرگاہی	۴۴
۱۳۲	کشیم سر زمین اولیاء اللہ ہے	۴۵
۱۳۶	حضرت خواجہ شمس الدین سید پورؒ	۴۶
۱۳۷	سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آپؒ کی بیعت	۴۷
۱۴۵	مقصد تخلیق کائنات	۴۸
۱۴۹	حضرت خواجہ سید پورؒ کے خصائص و ثنائی کا تذکرہ	۴۹
۱۷۰	مقام انسانیت	۵۰
۱۸۱	آپؒ کے کشف و کرامات	۵۱
۱۹۰	خواجہ شمس الدینؒ کی وفات	۵۲
۱۹۲	آپؒ کا مزار	۵۳
۱۹۳	آپؒ کی اولاد	۵۳
۱۹۵	حضرت سید پورؒ کے خلفاء	۵۵
۱۹۷	خلفاء علاقہ آزاد کشمیر	۵۶
۱۹۷	حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ	۵۷
۲۰۲	حضرت نانگا باباؒ کے کشف و کرامات	۵۸
۲۰۸	حالات مائی چائن صلابہؒ (زوجہ نانگا بابا صاحب)	۵۹
۲۱۶	حضرت صاحبزادہ مولوی محمد حسینؒ	۶۰
۲۱۸	حضرت صاحبزادہ مولوی مظفر دین صاحبؒ	۶۱
۲۲۰	حضرت مولانا غلام رسول صاحب مدظلہ	۶۲
۲۲۱	حضرت صاحبزادہ مولوی عبدالحی صاحب گیر وال	۶۳
۲۳۳	آپؒ کے وعظ و بیاں سے ماخوذ کارہ: ابنِ راہق کے لئے چند نصائح	۶۳
۲۷۰	حضرت قبلہ گاہی صاحب کے خلفاء اور مجازین	۶۵

۶۶	حضرت کے مجازین اور خلفاء کا مختصر تعارف	۲۷۳
۶۷	سید مومن شاہ صاحب	۲۷۳
۶۸	قاری محمد طیب صاحب نقشبندی خلیفہ و امام صابری مسجد گارڈن	۲۷۵
۶۹	حضرت مولانا سید نواب حسین شاہ صاحب	۲۷۵
۷۰	پیر زادہ صاحب الحق سید فضل الہادی گسٹو الائی بالا	۲۷۶
۷۱	صاحبزادہ مولوی عبدالرشید صاحب گیر دال	۲۷۷
۷۲	قاری و حافظ عبدالرشید ہوڈیالوٹی	۲۷۸
۷۳	صاحبزادہ عبدالنہاں ڈوڈیاں والے خلیفہ حضرت سید پوری	۲۸۰
۷۴	حضرت عارف باللہ اسم ہاسکی معرفت اللہ	۲۸۱
۷۵	حضرت محمود رحمۃ اللہ علیہ	۲۸۶
۷۶	سید غلام علی شاہ عرف اشمال والا بابائی خلفاء علاقہ پکھلی و اگرور	۲۸۷
۷۷	خلفاء علاقہ پکھلی و اگرور	۲۸۸
۷۸	حضرت خواجہ مولانا عبدالستار گیر وال والے	۲۸۸
۷۹	حضرت صاحبزادہ محمد اسحاق صاحب ہٹی بالا	۲۹۶
۸۰	حاجی اعظم خاکسار	۳۰۵
۸۱	دل کیا ہے؟	۳۰۸
۸۲	سبب تالیف	۳۱۱
۸۳	حضرت مولانا عبدالرحمن	۳۱۲
۸۴	حضرت مولانا حاجی محمد یوسف صاحب مچھی	۳۱۹
۸۵	حضرت مولانا عزیز الرحمن المعروف بیڈ والے بابائی	۳۲۲
۸۶	مولانا حاجی رحیم اللہ صاحب بٹلوی خلیفہ مجاز حضرت نانگا بابا	۳۲۳
۸۷	حضرت سیکرٹری محمد خان صاحب مدظلہ بھہ خورد والے	۳۲۷
۸۸	صوفی ہدایت اللہ	۳۲۹
۸۹	حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب	۳۳۰

۳۳۱	حضرت جشید اللہ جی "اوگی" نامسمہ (ہزارہ)	۹۰
۳۳۲	حضرت فردوس اللہ جی "اوگی"	۹۱
۳۳۵	حضرت سید پوری "کے خلفاء (علاقہ نندھاڑ) تعارف	۹۲
۳۳۵	حضرت مولانا محمد گل عرف کنواثرے استاد	۹۳
۳۵۲	حضرت مولانا غلام ربانی گلزشتی بگرام	۹۴
۳۶۷	حاجی محمد سعید سالک مجذوب	۹۵
۳۶۹	حضرت مولانا نور مان عرف پاشتوا استاد	۹۶
۳۷۰	حضرت مکی میاں	۹۷
۳۷۲	صاحبزادہ محمد الیاس میاں	۹۸
۳۷۳	سید محمود شاہ عرف میاں صاحب	۹۹
۳۷۴	حاجی قطب جمالدار	۱۰۰
۳۷۴	حضرت پیر رحمت ثانی میاں	۱۰۱
۳۷۷	حضرت مولانا اسرار میاں	۱۰۲
۳۷۷	حضرت مولانا مولوی فضل اللہ	۱۰۳
۳۷۸	حضرت سید پوری کے دیگر خلفاء	۱۰۴
۳۸۱	قارئین کرام سے گزارش	۱۰۵

حصہ دوم

۳۸۳	انتساب	۱۰۶
۳۸۳	پیش لفظ	۱۰۷
۳۸۵	تمہید	۱۰۸
۳۹۲	بندگان خدا کا تعارف	۱۰۹
۳۹۸	تصوف و سلوک یا طریقت و بیعت کی حقیقت	۱۱۰
۴۰۸	دل کی تاریکی اور روشنی کے نتائج	۱۱۱
۴۱۰	شیخ و رہبر کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط کے تحت ذکر الہی کے برکات و ثمرات	۱۱۲

۴۱۵	طریق مراقبہ	۱۱۳
۴۱۹	پیر مرشد کا بنیادی تعلق و واسطہ نیز بیعت کی ضرورت و اہمیت	۱۱۴
۴۲۶	پیر مرشد کے آداب اور باہمی ربط و تعلق	۱۱۵
۴۳۲	پیر مرشد کی محبت و تربیت ثمر خیر ہوتی ہے	۱۱۶
۴۳۵	پیر مرشد کا تقرب الہی میں کمال مرید کے لئے نفع بخش ہے	۱۱۷
۴۳۹	شیخ کے لئے احتیاط	۱۱۸
۴۴۳	ایسے مبتدی اور متوسط کے لئے مقام غور و اتاہ جو کہ خلیفہ مجاز ہے	۱۱۹
۴۵۲	طریقہ بیعت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ	۱۲۰
۴۵۴	اندر اراج انہایت فی البدایت کی مختصر تشریح	۱۲۱
۴۵۹	ایک شبہ کا ازالہ سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے	۱۲۲
۴۶۳	ترغیب بیعت	۱۲۳
۴۶۸	بیعت کی حقیقت و اہمیت	۱۲۴
۴۷۶	نفسانیت و انانیت	۱۲۵
۴۸۳	طالب حق کی ابتدائی سعی و کوشش	۱۲۶
۴۸۸	اقسام ولایت و انوار لطائف	۱۲۷
۴۹۰	انوار لطائف خسرہ	۱۲۸
۴۹۲	طالب حق کے ابتدائی لمحات فکر کے ثمرات	۱۲۹
۴۹۴	حصول مقامات ولایت اولیائے کرام	۱۳۰
۴۹۸	متفرقات (ملفوظات و مشاہدات اولیاء اللہ)	۱۳۱
۵۱۸	قبض اور ربط	۱۳۲
۵۲۰	بحر معرفت میں مد و جزر	۱۳۳
۵۲۷	تمہکات (عارفانہ کلام کی خصوصیات)	۱۳۴
۵۲۹	عشق الہی میں رونا رحمت ہے	۱۳۵
۵۳۶	اقسام تجلیات	۱۳۶

۵۳۷	حضرت دیوان راجا بابا	۱۳۷
۵۳۹	حضرت مولانا رومؒ کا مختصر تذکرہ	۱۳۸
۵۵۳	کلام شیخ فرید الدین عطارؒ	۱۳۹
۵۵۵	صحبت آمیز کلمات (منکوم)	۱۴۰
۵۵۹	راویجات	۱۴۱
۵۶۰	کلام حاجی محمد اعظم خلیفہ حضرت سید پوریؒ میر وال	۱۴۲
۵۶۱	شجرہ طریقت نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ	۱۴۳
۵۶۳	شجرہ طریقت نقشبندی بنوریہ بطریق مناجات	۱۴۴
۵۶۵	شجرہ طریقت بطریق مناجات از قلم حافظ عبدالرشید دھوڑیال	۱۴۵
۵۶۶	دعائے صدیق اکبرؐ	۱۴۶
۵۶۹	کلام حضرت عبدالرحمن جامیؒ	۱۴۷
۵۷۰	فیض و نحوست	۱۴۸
۵۷۲	بعد الوفاات اولیاء اللہ کے مزارات پر فیض کا تعلق	۱۴۹
۵۷۶	طالب راہ حق کے لئے چند ضروری باتیں	۱۵۰

عرض مؤلف

کتاب ہذا انوارِ ولایت شمسۃ طبع اول مارچ ۱۹۸۰ء جو ختم ہو چکی ہے کتاب ہذا نو دوبارہ طباعت کے لئے مناسب قطع و برید اور کچھ مزید اضافہ کے ساتھ تیار کیا گیا ہے اور طبع اول کے دوران جو حضرات حضرت خواجہ شمس الدین سید پورئی کے خلفاء میں سے زندہ تھے اور بعد میں دنیائے فانی سے کوچ کر گئے ہیں ان کے حالات میں کچھ تبدیلی ضروری تھی نیز دیگر کچھ مضامین حذف کر کے ان کے جگہ نئے مضامین لگائے گئے ہیں۔ اس لئے کتاب ہذا دو حصوں میں کر دی گئی ہے حصہ اول حسب سابقہ مضامین کے ساتھ انوارِ ولایت شمسۃ، حصہ سوم افکارِ لدنیہ عرفانیہ کے نام پر ہوگی اور جلد دوم جدید مضامین کے ساتھ انوارِ ولایت شمسۃ جلد دوم افکارِ لدنیہ عرفانیہ کے نام پر پیش خدمت ہے۔

یہ ترتیب میں نے بذاتِ خود نہیں بلکہ اپنے مرشد پیر طریقت مولانا عبدالحی دامت برکاتہم کے حکم اور اپنے پیر بھائی قاری محمد طیب صاحب مرحوم ناشر طبع اول کے صلاح و مشورہ کے مطابق کی ہے۔ اللہ اس کارِ خیر کو قارئین کرام کے لئے اور میرے لئے مفید بنائے آمین اور جن جن حضرات نے اس کارِ خیر میں تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی دنیاوی مشکلات سہل فرما کر کامیاب فرمادے اور آخرت کی منازل آسان فرما کر اپنے قرب و معرفت کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمادے آمین!

انتساب

ناچیز اس کتاب انوار ولایت شمسۃ حصہ اول کو شمس العارفین رہنمائے سالکین شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی مبارک مجلس کے انوار و برکات کی طرف منسوب کرتا ہے جن کی صحبت اکیسری بدولت لاکھوں زنگار خوردہ قلوب پاک و صاف ہو کر خدا تعالیٰ کی یاد میں متحرک ہو کر زندہ ہو گئے اور نورِ موفت سے متور ہو گئے۔

نیز طالبانِ راہِ حق کو اقربِ الطرق پر راہِ سلوک طے کر کے قربِ الہی نصیب ہوا۔ اور دنیا سے رحلت کرتے وقت دین کی خدمت کرنے والے بے شمار درخشندہ ستارے چھوڑ گئے۔ جن حضرات کا سرسری تذکرہ کتاب ہذا میں قلم بند ہے۔ قارئینِ کرام اس ہدیہ تبریک کو جو حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی طرف منسوب ہے زیرِ مطالعہ رکھ کر استفادہ کریں۔ اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی تعلیمات اور فیوضات سے اپنے قلوب کو منور کریں۔ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی حقیقت کو سمجھنے اور اپنے اندر ان انوارات و برکات کو پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور بدعات و رسومات جاہلانہ سے بچنے کی از حد کوشش کر کے پورے طور پر شریعت پر چلنے کی سعی جمیل کریں۔ اور مؤلف کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد فرمادیں۔

تا کہ بعد از مرگ آپ کی پر خلوص دعاؤں کی برکت سے مؤلف کو تحفہٴ دعائے

مغفرت پہنچتا رہے۔

(تمننی دُعا حبیب الرحمن عفی عنہ)

رائے گرامی مرشدی شیخ طریقت مولانا عبدالحی مدظلہ العالی

کیروال ڈھوڈیال مانسمہ ہزارہ

(مورخہ ۲۱ محرم الحرام بروز جمعہ المبارک بمطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۷۸ء کو تقریباً ثبت کی گئی ہے)

عزیزم حاجی حبیب الرحمن صاحب نے بندہ کے والد ماجد حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی سوانح حیات و ملفوظات کو ان کے صحبت یافتہ حضرات سے اخذ کر کے پوری محنت و کاوش کے بعد فراہم کیا ہے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ حالات و واقعات کو مبالغہ کی آمیزش سے پاک رکھتے ہوئے صحیح صورت کو قلم بند کیا گیا ہے اور خلفاء کا بھی مختصر تذکرہ کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اولیائے عظام و صوفیائے کرام کے مفید حالات و واقعات کا نچوڑ حاصل کر کے کتاب ہذا کو مزین کر دیا ہے۔ تاکہ کتاب ہذا ایک مہکتے ہوئے سرسبز باغ کی طرح رنگارنگ پھولوں کی خوشبو سے معطر رہے۔ اور قارئین کرام کے دلوں کو سنور و معطر کرتی رہے۔

میں نے کتاب ہذا کا اول سے آخر تک بغور مطالعہ کیا ہے۔ کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف نظر سے نہیں گزری۔ مؤلف نے بتوفیق ایزوی یا راہن طریقت کے لئے تصوف سلوک کا روحانی مواد فراہم کر کے راہ سلوک میں کافی آسانی پیدا کر دی ہے۔ اور کامل و ناقص بیرو کا جائزہ لینے کے لئے اشارات فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ جذبہ سلوک اور روحانی محبت رکھنے والوں اور قرب خداوندی حاصل کرنے والوں کے لئے چراغ راہ ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی اولاد کے تذکرہ میں مؤلف نے جو میرا تذکرہ کیا ہے۔ وہ مؤلف نے اپنے حسن ظن کا اظہار کیا ہے۔ درنہ۔ ”من آثم کہ من دانم“ یعنی جو کچھ میں ہوں میں حق جانتا ہوں کہ میں لیسلس بششی، کا مصداق ہوں۔ اگر مؤلف کی ناراضگی کا باعث نہ ہوتا تو میں اس حصہ کو کاٹ دیتا۔ بہر حال آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس سعی، جیلہ کو شرف قبولیت بخشے ہوئے مؤلف کے لئے ذریعہ نجات بنادے آمین۔

دعا گو! احقر عبدالحی عفی عنہ

شیخ الحدیث سیف حق حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی

الجامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

حضرت سید آدم بنوریؒ حضرت مجدد الف ثانی قد اللہ سرہ العزیز کے بڑے خلیفہ تھے۔ حضرت مجددؒ کے سوانح نگار حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور حضرت آدم بنوریؒ حضرت کے بڑے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت آدم بنوریؒ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہندوستان کے دو نامور خانوادے جن سے ہندوستان کی ظلمتیں دور ہوئیں اور شرک و بدعت کے بادل چھنے وہ حضرت آدم بنوریؒ سے فیض یاب تھے میری مراد حضرت شاہ ولی اللہؒ اور سید احمد شہیدؒ کے خاندان ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحبؒ سے بیعت تھے اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحبؒ حضرت حافظ عبد اللہ صاحبؒ سے اور حافظ عبد اللہؒ حضرت آدم بنوریؒ کے چشمہ و فیاض سے سراپ تھے۔

اسی طرح حضرت سید احمد شہیدؒ کے جدِ اجد حضرت شاہ علم اللہؒ حضرت آدم بنوریؒ سے رشد و ہدایت کی منزلیں طے کی ہیں الغرض یہ سلسلہ بیت مبارک اور میمون ہے اسی سلسلہ عالیہ آدمیہ کے ایک بزرگ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ علاقہ گھوڑی تحصیل و ضلع مظفر آباد جن کی روحانی کرنوں سے آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد کا علاقہ پکھلی، نندھاڑ، بقعہ نور بنا، اور ایک عالم آپ سے فیض یاب ہوا۔

ان کے حالات و کوائف، سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کی کیفیات اور شریعت کے رموز اور سلاسل اربعہ طیبہ کے مختصر تعارف پر مشتمل ایک کتاب بنام انوار ولایت شمس (جلد اول بہ موسوم افکار لدنیہ) عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔ راقم آثم کو اس مبارک کتاب کے جستہ جستہ مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا کتاب بحمد اللہ جامع اور زمانہ حال کی ضرورت کے مطابق ہے۔ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے۔

اور تشنہ گاہِ علوم روحانی کو اس سے سیراب و شاداب فرمائے۔ آمین!

خادم جامعہ العلوم الاسلامیہ کراچی نمبر ۵ ولی حسن ٹونگی غفر اللہ لہ، ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

رائے گرامی جامع کمالات علمیہ و عملیہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب زید مجدہم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

زیر نظر کتاب المسکنی انوار ولایت شمسیہ (بہارِ افکار، لدنیہ عرفانیہ جلد اول) کا جہتہ جہتہ مطالعہ کیا۔ سلوک اور تصوف سے متعلق مفید مضامین کو جمع کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح اہل اللہ کی صحبت اکسیر اور کیمیا ہے اسی طرح ان کے حالات کا مطالعہ بھی دلوں کو زندہ کرتا ہے اور عشقِ الہی کی آگ لگاتا ہے۔ اس کتاب میں اہل اللہ کے حالات اور اصلاحِ نفس و تازگیِ ایمان اور تعلق مع اللہ کے ایسے اصول مصنف موصوف نے جمع کئے ہیں۔ جو وصول الی اللہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت اور نافعیت بخشیں آمین۔

راقم الحروف: محمد اختر غفی عنہ۔ جی ۱۲/۱ ناظم آباد کراچی

رائے گرامی منع فیوضات جامع کمالات ظاہریہ و باطنیہ حضرت حکیم غلام رسول صاحب نقشبندی مجددیؒ سرپرست مرکز اشاعت السلام کراچی

بِسْمِہِ الْکَرِیمِ :- بے شک صفائی قلب اور جلائے باطنی کے لئے شیخ کامل کے حالات زندگی انوار ولایت شمسیہ (بموسوم افکار لدنیہ عرفانیہ جلد اول) میں جو قلم بند کئے گئے ہیں وہ عجیب و غریب ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے سالک کے اندر جذبہ دینی اجاگر ہوتا ہے۔ رزائل نفسانہ کا علاج ہوتا ہے۔ اور فضائل روحانیہ کا علم تسکین باطنی سے روح کو مزین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سالک کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باعمل حیات مبارکہ کے فیض و برکات سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق بخشے آمین!

خاکپائے علماء و صلحاء

العبد الضعیف حکیم غلام رسول نقشبندی مجددی۔

خادم ادارہ مرکز اشاعت اسلام کریم منزل فردوس کالونی، کراچی

تاثرات شیخ الحدیث قاطع رخص و بدعت حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم
مہتمم جامع فاروقیہ کراچی

الحمد لله و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما
بعد ”انوار ولایت شمس“ (بموسم افکار لدنیہ عرفانیہ جلد اول) تصوف کا ذوق رکھنے والے
دوستوں کے لئے بیش قیمت تحفہ ہے محترم حبیب الرحمن صاحب زید مجدہم نے حضرت خواجہ شمس
الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آزاد کشمیر) کے مبارک حالات اور پاکیزہ تعلیمات پر یہ کتاب
تالیف فرمائی ہے لیکن اس میں سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کے ساتھ اور بہت سے اولیاء اللہ کا
ذکر بھی کسی نہ کسی عنوان سے آگیا ہے۔ تصوف کی اصطلاحات اور اس فن شریف سے متعلق
دوسری قیمتی بحثیں بھی کتاب کی زینت ہیں۔ عام طور پر مستند واقعات کو انتہائی سادہ انداز میں
پیش کیا گیا ہے۔ پڑھتے وقت قاری کے ذہن پر ان واقعات کا خوشگوار اثر فوری طور پر ہوتا ہے
احقر پر کتاب ہذا کے مطالعہ کے وقت یہ تاثر غالب تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کہاں کہاں اور
کس کس طرح اپنے رب تعالیٰ کی بندگی میں اور اس کے حبیب ﷺ کی سنت کی اتباع میں سرگرم
عمل رہتے ہیں۔ خانوادہ شمس کے حالات کو پڑھ کر جذبہ و شوق کو بھی تحریک ہوتی ہے۔ اور اللہ
تعالیٰ کے بے شمار الطاف و انعامات کی عمومیت کا بھی خاکہ سامنے آتا ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ
مولیٰ تعالیٰ کی راہ کے رہ نور دجہاں بھی ہوتے ہیں اور فیض و ترتیب کا عنج گرا نمایا لٹایا ہی کرتے
ہیں جس سے خوش نصیب رو جس سعادت اندوز ہوتی ہیں۔ احقر (سلیم اللہ خان) کی دعا ہے اللہ
تعالیٰ اس سلسلہ فیض کو تاقیامت جاری رکھیں اور خلق خدا کو خوب مستفید فرمائیں مؤلف محترم زید
مجدہم کی اس خدمت اور دیگر تمام مساعی جلیلہ کو حسن قبولیت سے نوازیں۔ آمین!

جامع فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴

کراچی نمبر ۲۵/۹۹/۶۷ھ

از پیر طریقت جناب سیکٹری پیر محمد خان صاحب مدظلہ سکتہ بد خورد ماسمہ (ہزارہ)

الحمد للہ والشکر للہ کہ پہلی بار اپنے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ کا دور جدید کے تقاضوں کے پیش نظر اور یاران طریقت کی تمناؤں کے موافق کتابی صورت میں مطالعہ نصیب ہوا۔ میرے عزیز رفیق دین حاجی حبیب الرحمن صاحب مدظلہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ فقیر محمد ہشتنگری کے مایہ ناز خلیفہ حضرت خواجہ سید پوریؒ کی محبت اور ان کی خلفاء کے محبت کثیر ذالی نیز اپنے شیخ شفیق شیخ طریقت حضرت مولانا مولوی عبدالحی صاحب مدظلہ تعالیٰ دامت برکاتہم کی محبت موجزن ہوئی اس محبت کے جوش میں حضرت خواجہ سید پوریؒ کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ دیگر خلفاء اور اپنے شیخ طریقت مولوی عبدالحی صاحب مدظلہ کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ حالات و واقعات بشکل اور ارق کتابی صورت اختیار کر گئے۔ جو اپنی حقیقت و تعارف کے لحاظ سے اسم باسمی کتاب انوار ولایت ہمسیم (بہ موسوم افکار لدنیہ عرفانیہ جلد اول) کے نام سے موسوم ہو کر ایک کتاب مذکورہ وجود میں آئی۔ اس کتاب کا میں نے ابتدا سے انتہا تک مطالعہ کیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے دودھ اور پانی الگ ہو جاتا ہے۔ اس کا مطالعہ نفس کا بہترین علاج ہے اور اصلاح دل کا نسخہ کیسیا ہے۔ سفر آخرت کی فکر دلاتا ہے۔ اور یاران طریقت کے لئے تحفہ اور خزیہ معرفت ہے۔ عام و خاص کے لئے رہبر کامل کی پہچان کا ذریعہ اور ناقص سے بچنے کے لئے بہترین اشارے ہیں۔

مبتدی کے لئے رہبر کی حیثیت سے دینی کاموں میں نفع بخش ہے اللہ تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کا ثواب دارین ابتدا سے انتہا تک سب خاندان بزرگان نقشبندیہ کو نصیب فرمائے قارئین کرام کے لئے متفع فرمائے اور مؤلف کے لئے ذریعہ نجات بنائے آمین!

احقر العباد

سیکٹری محمد خان عفی اللہ عنہ خورد ماسمہ ہزارہ

تاثرات پیکر اخلاص و محبت و مرید جناب اشرف خان صاحبؒ

خلیفہ مجاز سید سلیمان ندویؒ

جناب محترم ڈاکٹر فدا محمد صاحب زید مجدہم پروفیسر خیبر میڈیکل کالج پشاور

نحمدہ، ونصلی علیٰ رسولہ الکریم! انسان عموماً مادی

ضروریات کی ہی فکر کرتا ہے اور دن رات مال و دولت، جائیداد، عہدہ ہی کی سوچتا ہے۔ اچھا کھانا، اچھا پہننا، اچھی رہائش اور دیگر خواہشات کا پورا ہونا ہی کامیابی سمجھتا ہے۔ لیکن مذکورہ اشیاء عارضی کامیابی کی شکلیں تو ہیں مگر حقیقت نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ انسان عافیت، راحت و اطمینان، عزت و حفاظت کے حصول کے لئے کرتا ہے۔ خدائے پاک کا یہ فیصلہ ہے کہ جو آدمی اشیائے مادیہ کو مقصد بنا کر دن رات ان کے لئے کوشاں ہوگا۔ اشیائے مادیہ تو مل بھی جائیں گی لیکن عافیت و راحت و اطمینان قلب کے حالات پیدا ہو نکلے اور نہ ہی سکون حاصل ہوگا۔

اب اگر انسان حالات درست کرنا چاہتا ہے تو اس کا راستہ دوسرا ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کی پہچان حاصل کر کے اس کی محبت دل میں پیدا کر کے ظاہر و باطن کو شریعت کا متبع بنائے تو خدا تعالیٰ اس کے حالات درست فرمائے گا۔ خواہ مادی اشیاء سے حقیقت کی طرف راغب کرے یا مادی اشیاء کے بغیر ہی حقیقت نصیب کر دے مگر دائرہ شریعت کی حدود کی پابندی لازمی ہے۔ اعمال کو فقہی مسائل کی روشنی میں کرنا ہر کسی کے سامنے ہے۔ لیکن اعمال کو خدا تعالیٰ کے دھیان کی کیفیت اور محبت سے سرشار ہو کر کرنا اور تکبر، حسد، خب جہ و مال سے خالی قلب کے ساتھ کرنا فقہ باطنی کا کارنامہ ہے۔ ایک فقہ ظاہری ہے اسی طرح ایک

فقد باطنی بھی ہے جیسے تصوف و سلوک اور طریقت و حقیقت، احسان نام کے ماتحت ہے۔

فرمان نبویؐ ہے "وَعْبُدْ رَبَّكَ كَمَا تَرَكَ تَرَاهُ" فَلَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَبِأَنَّهُ

يُرَاكَ"

اسی کی جانب اشارہ ہے اور یہ خوبی احسان و سلوک میں محویت سے ہی میسر آ سکے گی۔

۔ نگاہ نیچی کئے کھڑا ہوں وہ سامنے میرے جلوہ گر ہیں

زبان میری کلام اُن کا میں پڑھ رہا ہوں وہ سن رہے ہیں

یہ شعر بھی مندرجہ بالا حدیث نبویؐ کی ترجمانی کرتا ہے مگر یہ چیز کافی حد تک ناپید ہو

چکی ہے۔

۔ وہ بیچتے تھے دکان اپنی بڑھا چلے لیکن پھر بھی چراغ نہ کہیں روشن ہے

۔ ہوا جیسی بھی تند اور تیز ہو چراغ اپنا جلا رہا ہے

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

یعنی حضرت امیر خسروؒ کی طرح اپنے دل میں چراغ ہر وقت ہر حالت میں روشن رکھتا

ہے پس جو شخص مسائل ظاہریہ کی رعایت رکھ کر اعمالِ حسنہ کرتا ہے بہت ممنون و مبارک ہے۔

لیکن احوالِ باطن کو بھی رضا الہی کے موافق درست کر کے اعمالِ حسنہ کرنے سے رفقاۃِ عشق و

محبت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

یہ باطنی دولتیں قلب کا ایک حال ہیں یعنی کیفیات و شیون ہیں جو کہ خصوصی بندہ گانِ

خدا کے سینہ کی لہریں ہوتی ہیں۔ سینہ بسینہ اور قلب سے قلب پر منعکس ہوتی ہیں۔ اتَّقُوا اللہ

کے مبارک الفاظ قرآن پاک میں موجود ہیں لیکن تقویٰ کی حقیقی کیفیت حضرت محمد ﷺ کے

قلب اطہر میں تھی۔ اسی طرح وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کے مبارک الفاظ بھی

موجود ہیں اور اس کے معنی و تفسیر بھی کی گئی ہے لیکن حُبِّ اللہ کی کیفیت و حقیقت بھی حضرت محمد ﷺ کے قلب مبارک میں تھی۔ لَبِیْ مَعَ اللہ وَقُتْ اِلَیْ آخِرہ اسی قلبی کیفیت کا ثبوت ہے۔ اور یہ الفاظ مبارک کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ جس طرح الفاظ کو کتب میں محفوظ کیا اور آگے بڑھایا اسی طرح احوال و کیفیات کو قلوب میں محفوظ کیا اور قلب در قلب آگے بڑھایا اگر کسی کو اس دولت کی خواہش پیدا ہو تو یہ دولت درویشانِ حق کے روشن قلوب سے ہی ملے گی۔

قال را بگذار مردِ حال شو پیش مردِ کامل پا کمال شو
ترجمہ: باتوں کو چھوڑ صاحبِ حال انسان بن اور صاحبِ حال قلب ہوگا کہ کسی مردِ درویش جو صاحبِ حال انسان سے تربیت یافتہ ہے اس کی صحبت میں باادب رہنے سے صاحبِ حال ہو جائے گا۔ کتاب انوارِ ولایت شمیہ جلد اول (بہرِ موسوم افکار لدنیہ عرفانیہ) اسی راہِ خدا کی ایک روشن قندیل ہے۔ محترم بھائی حبیب الرحمن صاحب باوجود اصطلاحی علوم سے زیادہ رابطہ نہ ہونے کے اس طرح کی مستند تالیف کر لینا سلسلہ کے اکابر کا قلبی فیض کا ذریعہ اور اُن کی کھلی کرامت ہے۔

خدا کرے کہ کتاب مذکورہ اُن ہستیوں تک پہنچے جو قلبی فیض اخذ کرنے کے اہل ہیں ان کے دلی جذبات بیدار ہوں اور قال کے ساتھ حال کی کیفیت پیدا کر لینے کا ذریعہ تلاش کر سکیں۔ اور مؤلف کے احسان مند ہو کر اپنی دلی دعاؤں میں یاد کرنے والے ہو جائیں۔ یہ سچ ہے۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شہابی سے کلیسی دو قدم ہے

فقط محتاج دعا

ڈاکٹر فدا محمد پروفیسر میڈیکل کالج پشاور شہر

رائے عالی بقیہ السلف شیخ مفتی ولی حسن صاحب شیخ الحدیث بنوریہ کراچی
 جناب حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب
 سرپرست ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما
 لبد: محی وکرمی جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سکندریہ وال ضلع مانسہرہ (ہزارہ
 ڈویژن) نے اپنے شیخ طریقت کے پیر و مرشد و والد ماجد شیخ المشائخ خاندان مجددیہ بنوریہ
 عارف باللہ حضرت خواجہ شمس الدین صاحب قدس سرہ العزیز سید پوری ضلع مظفر آباد (آزاد
 کشمیر) کے حالات و ملفوظات اور دیگر تعلیمات تصوف پر مشتمل کتاب انوار ولایت شمس جلد
 اول (بموسوم افکار لدنیہ عرفانیہ) تالیف فرمائی ہے۔ مؤلف موصوف نے حالات و واقعات کو
 قلم بند کرنے میں نہایت عزم و احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے اور ہر قسم کے مبالغہ کی آمیزش سے گریز کیا
 ہے۔ کتاب ہذا میں حضرت خواجہ شمس الدین صاحب موصوف قدس سرہ کی ولادت شجرہ
 نسب و بیعت و اجازت تبلیغ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اخلاق حسنہ ملفوظات، وفات، مزار مبارک
 وغیرہ امور کے ساتھ ساتھ آپ کی اولاد و احباب و خلفائے مجازین کے بھی حالات تحریر فرمائے
 ہیں۔ اور طالبین طریقت کے لئے تصوف و بیعت طریقت حالات اپنے سلسلہ عالیہ کے
 اسباق اقسام اولیاء و اصحاب حیات صوفیہ، مقامات سلوک اور دیگر امور طریقت کی تشریح بھی

افادہ عام کے لئے حتی الامکان ماخذ اور مستند کتب سے اخذ کر کے اس کتاب میں درج کی ہے۔

مزید برآں اپنے علاقے کے ایک قدیمی بزرگ حضرت دیوان راجا بابا کا مختصر تعارف اور ان کا کلام نیز دیگر اکابر صوفیاء یعنی شاہ نیاز احمد صاحب، حضرت مولانا روم، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت سعدی شیرازی، حضرت جامی، حضرت عطار قدس اللہ اسرارہم وغیرہ کا کلام اس کتاب میں شامل کیا ہے۔ مؤلف موصوف اردو فارسی کے شاعر بھی ہیں اس لئے انہوں نے اپنی بھی دودعاۓ نظمیں اور شجرہ منظم اس کتاب میں درج کیا ہے۔ یہ کتاب تصوف و صوفیائے کرام کے متعلق مفید معلومات کا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ رافم الحروف نے اس کتاب کے مسودہ کے تمام مضامین کو سرسری نظر سے اور بعض مقامات کو تفصیل سے پڑھا ہے۔ اور بہت مفید پایا ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کی ساعی جلیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اہل طریقت میں اس کو قبولیت عامہ بخشے اور عامۃ الناس کو بھی اس کے مطالعہ سے بہرہ ور فرمائے۔ نیز مؤلف، ناشرین و قارئین کرام کے لئے وسیلہ نجات اخروی و ذریعہ سعادت داریں بنائے آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوٰی نَا اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

احقر زوار حسین مٹھی عنہ وغفرلہ ولوالدہ یہ

پیش لفظ

بار اول

کتاب ہذا انوار ولایت شمسۃ (بموسوم افکار لدنیہ عرفانیہ جلد اول) میں حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے مختصر حالات اور ان کی زندگی کے چند واقعات پر سرسری روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور طالبان راہ حق کے لئے کچھ دیگر مضامین بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ راہ حق کے متلاشی ان واقعات کو پڑھ کر عشق و محبت کی آگ سلگا کر مطلوب حقیقی تک پہنچ جانے کی سعی فرمادیں۔ اور تاجیز کے لئے دعائے خیر و مغفرت مانگ کر مؤلف پر احسان فرویں تاکہ قارئین کرام کی دعائے خیر و مغفرت کتاب ہذا کے لئے دینی میلان و رجحان پیدا ہونے کے لئے سبب بنے اور بعد از مرگ ذریعہ نجات بن جائے۔

دعا مانگ لینے کا اگر کچھ اہتمام ہو جائے
(حبیب) آپ کا بھلا ہو جائے اور احقر کا کام ہو جائے

احقر حبیب الرحمن عفی عنہ وغفرلہ والوالدیہ آمین یا رب العالمین۔
سکنہ گیر وال ڈھوڈیال مانسہرہ

پیش لفظ - بارسوم

از صاحبزادہ ابوذر غفاری ابن حضرت مولانا غلام رہائی صاحب

کتاب انوارِ شمسِ بارسوم کا پیش لفظ لکھنے کا حکم مجھ ناچیز کو حضرت مولانا پیر عبدالحی صاحب نقشبندی مجذوبی فرزندِ رشید حضرت خواجہ خواجگان خواجہ شمس الدین سید پوری رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ کاغذ قلم لیکر جب میں کچھ لکھنے کے غرض سے بیٹھا تو آنکھوں کے سامنے ماضی کا ایک عجیب منظر تھا یہ 1978ء کی گرمیوں کے دن تھے، میں اپنے گاؤں کان بھہ بنگرام میں نمازِ ظہر کی تیاری کر رہا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی میں نے دروازہ کھولا تو حضرت قاری محمد طیب صاحب، احمد جان خان، بمعہ حبیب الرحمان صاحب اندر تشریف لائے، میں نے قبلہ باباجی (مولانا غلام رہائی) کو انکی آمد کے بارے میں بتایا۔ حضرت ”مسجد میں تشریف لائے اور نمازِ ظہر کے بعد قاری طیب صاحب نے مسودہ کتاب انوارِ ولایت شمسِ پیش کی۔ حضرت باباجی نے فرمایا کہ پڑھ کر سنائیں، قاری صاحب نے ابتدائی صفحات سے پڑھنا شروع کیا۔ باباجی صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ میرے دل میں تھا کہ میں حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور افکار و تعلیمات کے بارے میں لکھوں گا۔ جسکا نام افکارِ لدنیہ ہوگا، لیکن بوجہ بیماری اور کمزوری کے، یہ خواہش پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپکو اجر عطا فرمائے آپ نے یہ بہت بڑا کام کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے اور اس نیک کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

جنوری 1980ء میں قاری محمد طیب صاحب نے لاہور رہائی منزل میں طبع شدہ

کتاب انوارِ ولایت شمس (افکارِ لدنیہ) باباجی صاحب ”کو پیش کی۔ کتاب دیکھ کر حضرت ” بہت خوش ہوئے اور مجھے فرمایا کہ ابوذر اس کتاب کو پڑھا کرو۔ قبلہ باباجی صاحب کی اپنے شخص کی ذات سے عشق و محبت ضربِ المثل تھی۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ کتبِ دوم جو کہ بہت اعلیٰ مضامین اور اضافہ جات سے مزین ہے، حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے کتاب کی طباعت

میں مجھ ناچیز کی ادنیٰ خدمت کو قبول کیا۔

طبع دوئم کی کتاب دیکھ کر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کتابت (Font Size) بڑی ہوتا کہ پڑھنے میں دقت نہ ہو۔ بارسوئم کی طباعت کی سعادت حضرت صوفی مقبول احمد نقشبندی خلیفہ مازون و مجاز حضرت باباجی مولانا غلام ربانی صاحبؒ کے حصے میں آئی۔ حضرت صوفی صاحب قبلہ والد صاحب مولانا غلام ربانی صاحبؒ کے محبوب ترین خلفاء میں سے ہیں۔ ادب و احترام، ایثار و خلوص، مہمان نوازی اور شیخ کی ذات سے عشق آپ کو قبلہ باباجیؒ سے ورثہ میں ملا۔ حضرت باباجیؒ فرماتے تھے کہ مریدین میں صوفی مقبول صاحب کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے صوفی صاحب کا رنگ رکھا ہے۔ حضرت باباجیؒ پیار سے آپ کو نقشبندی صاحب فرمایا کرتے تھے۔

یہ باباجیؒ کی دُعا اور فیضانِ نظر ہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجذہ دیہ سید پوریہ کا فیض آپ کی ذات سے پاکستان کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ عوام کے علاوہ علماء کی کثیر تعداد آپ سے مستفید ہو رہی ہے۔ اس نیک مقصد کے لئے ”نقشبندی مسجد“ الفلاح ٹاؤن تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور ذکر و فکر کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔

قارئین کتاب سے درخواست ہے کہ حضرت صوفی مقبول احمد نقشبندی صاحب کی صحت، درازی و عمر اور درجات کی بلندی کی دُعا کے ساتھ مجھ ناچیز کو بھی اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سید پوریہ کی خدمت ہم سے بھی لے، ہم سب سے راضی ہو جائے اور ہمیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے انوار و برکات سے ہمیشہ مستفید فرمائے۔ (آمین)

اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ پاک بزرگانِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور خصوصاً حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ پر، اُنکے تمام مریدین، خلفاء اور اہل و عیال پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

دعاؤں کا طالب

صاحبزادہ ابوذر غفاری ابنِ حضرت مولانا غلام ربانیؒ صاحب

ربانی منزل E-526/13 اکرم آباد وائٹن روڈ لاہور

تاثرات و رائے جناب قاری محمد طیب صاحب نقشبندی خلیفہ مجاز حضرت پیر عبدالحی صاحب گیر وال

بشکل مقدمہ و تقدیم

مقدمہ و عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف دین و شریعت کی روح اور اس کا جوہر عظیم ہے اور اسلام و شریعت کے مقاصد علیا میں سب سے زیادہ لطیف و عمیق ہے تصوف (بقول حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ) اضطراری و بے چینی کا نام ہے۔ خدا کی طلب و محبت میں ہر وقت اضطراری کیفیت رہے اور کسی لمحہ پیاس بجھنے نہ پائے بے طلبی اور بے غمی کی حالت پیدا نہ ہونے پائے جب بے غمی، بے طلبی کی صورت پیدا ہو تو تصوف نہ رہا۔ گویا تصوف سے مرتبہ احسان تک رسائی ہوتی ہے اور قرب و معرفت حقیقی کی جانب راستہ ملتا ہے۔

نیز تصوف حدود و شریعت اور سنت نبوی ﷺ کی پابندی کرتے ہوئے راہ معرفت میں متلاشی رہنے کا نام ہے۔ عزیز و! تصوف و سلوک صرف چند ادراد و وظائف اور اشغال دینیہ کا نام نہیں بلکہ پورے نظام ہائے زندگی قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے اور کمال تقویٰ و اخلاص کے حاصل کرنے کا نام ہے۔ جس میں نفس کی کوئی رائے اور چاہت شامل نہ ہو۔ بلکہ ہمہ تن ظاہر و باطناً رضائے الہی ہی مقصود ہو۔ اور اس کیفیت کا جائزہ انسان خود ہی لگا سکتا ہے۔ دوسرا انسان تو صرف ظاہری نقشہ دیکھ سکتا ہے۔ ہاں اللہ والوں پر خلوص و غیر خلوص کے اعمال کا اثر ضرور ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر ایسے شخص مردان خدا ہی ہو سکتے ہیں اس میں علوم ظاہری والوں کی دال نہیں گل سکتی۔ اسی تشخیص و تھخیص کے حصول کی تک و دو کرنے کا نام تصوف ہے۔ اس کو علم باطنی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

علم ظاہری کے ساتھ ساتھ اگر علم باطنی کا حصول بھی ہو جائے تو نور علی نور ہے اور اصل حقیقت علم دین کی یہی ہے اور ایسی ہی صفات رکھنے والا عالم وراثت انبیاء کا مصداق ہوتا ہے۔ مگر افسوس کے ایسے ہمہ صفت موصوف عالم کم یاب ہیں۔

۔ ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشند خدائے بخشندہ

اعمال کی اصلاح مسائل اصول فقہ کی رعایت رکھنے سے ہوتی ہے۔ جو کہ فقہ ظاہری ہے اسی طرح اعمال کی حقیقی اصلاح اصول تصوف و سلوک میں منہمک رہ کر اپنے آپ کو ہمہ تن خدا تعالیٰ کے سپرد کرنے اور اُسی کی مرضی پر چلنے سے ہوتی ہے اور تصوف کے اصول بھی اصول فقہ باطنیہ کا مقام رکھتے ہیں۔ جس طرح فقہ ظاہری کے بغیر اعمال کی درستگی مفقود ہو جاتی ہے اسی طرح فقہ و باطنی یعنی تصوف و سلوک کے بغیر اعمال میں خلوص مفقود ہوتا ہے جو کہ اعمال میں وزن پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے قرب و معرفت کی طرف اقبال الطریق ہے جس طرح بادل باد و باران کی علامت و ذریعہ ہوتے ہیں اسی طرح تصوف خدا تعالیٰ کی رحمت اور انوار کے نزول کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے انکار کرنا ایسا ہے جیسے پانچ سال کا بچہ جوانی کی لذات و شہوات کا انکار کرے اور اس کا انکار جوانی کی منزل کی بے حصولی اور اس منزل سے دوری کی بنا پر ہوتا ہے۔ یہی حال تصوف و سلوک سے انکار کرنے والے نابلد اشخاص کا ہے۔ ان کا انکار تصوف کی حقیقت کو تو ختم نہیں کر سکتا بلکہ ان کی اپنی محرومی کا سبب ضرور ہو جاتا ہے۔

اصول تصوف کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) اپنے خالق و مالک سے صاف ستھرا اور سچا معاملہ رکھنا۔ (۲) اُس کی مخلوق کے ساتھ اچھائی و بہتری و تحمل و بردباری سے پیش آنا اور ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا مندی کی رعایت رکھنا۔ (۳) ہر لمحہ ہر گھڑی چلتے پھرتے کھاتے پیتے اُٹھتے بیٹھتے خدا تعالیٰ کی یاد میں محو رہنا اور یکسوئی اور تعلق مع اللہ رکھنا صوفی کا شیوہ ہوتا ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ اپنی اس صفت عالی کے ساتھ سب سے ممتاز ہے۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے فرمایا کہ سلاسل کی جہاں انتہا ہوتی ہے۔ وہاں سلسلہ نقشبندیہ کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس میں ریاء دکھلاوہ اور شہرت کا شائبہ تک پیدا نہیں ہو سکتا۔

۔ میان عاشق و معشوق رمزیت کرانا کاتین راہم خبر نیست

یعنی عاشق و محبوب کے درمیان ایسی رمز و تعلق ہوتا ہے کہ کرانا کاتین جو کہ الفاظ کے لکھنے پر مقرر ہیں وہ بھی اس رمز سے بے خبر رہتے ہیں۔ شریعت و طریقت اسلام کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں اور خدا تعالیٰ کی معرفت و رضا والے راستے پر رواں دواں ہیں۔ خوش قسمت نفوس کے لئے دونوں کا ہونا ضروری ہے شریعت اصل ہے اور طریقت اُس کی فرع۔ شریعت ایک منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا ہے۔ جو لوگ شریعت و طریقت کو الگ تصور کرتے ہیں وہ راہِ حق سے بے خبر ہوتے ہیں۔ طریقت کی جدائی شریعت سے دشوار و محال ہے۔ اور طریقت پر شریعت کا دار و مدار ہے اور حسب فرمان مؤلف کتاب ہذا کہ

۔ لازم و ملزوم ہست شریعت و طریقت طریقت نیست بیرون از شریعت (حبیب)

ترجمہ: شریعت و طریقت لازم و ملزوم ہیں اور طریقت شریعت سے باہر نہیں ہے نیز فرمایا ہے۔

۔ جو کہتا ہے شریعت اور طریقت اور ہے درحقیقت وہ صوفی نہیں کچھ اور ہے (حبیب)

شریعت اصل کا وہ معیار ہے اور وہ راستہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر صراطِ مستقیم پر

گامزن ہو سکتا ہے اور طریقت اسی راہ کا روشن و منور مینار ہے جو حصولِ الٰہی اللہ کا ذریعہ ہے۔

طریقت میں جو کچھ وصولی حاصل ہوتی ہے وہ شریعت کی کامل اتباع کا صلہ ہے۔

شریعت پر عمل کرتے ہوئے طریقت اختیار کرنے میں کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ تو

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تصوف و طریقت مرتبہ و احسان کی وہ حیثیت ہے جو جسم میں روح اور الفاظ

میں معانی کی ہے۔ امت کو جس طرح ہر دور میں علمائے حق و فقہائے کرام کی ضرورت ہے کہ

غلط عقائد و باطل خیالات و بدعات سے امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی حاصل ہو سکے۔ اسی طرح ہر

دور میں اللہ والوں کی بھی اشد ضرورت ہے کہ وہ امت مسلمہ کو خدا کے راستہ سے روشناس کرائیں۔ تاکہ اعمال میں وزن اور خلوص پیدا ہو کر اعمال حسنہ کو شرف قبولیت حاصل ہو۔ اور بدعات و رسومات سے اجتناب کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے قرب و معرفت کی طلب میں انہماک حاصل ہو۔ اور عبادات میں دھیان نصیب ہو جائے۔ اور یہ اوصاف اللہ والوں کو صحبت و مجلس میں رہ کر آداب کی رعایت کرتے ہوئے حاصل ہوتے ہیں۔ پس اہل اللہ عارفین کا ملین و صوفیائے عظام اس عظیم دولت کے حامل و امین ہوتے ہیں۔ جس طرح جسم بغیر روح کے مردہ ہوتا ہے۔ یعنی زندہ جسم روح سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اسی طرح قلب بغیر ذکر الہی کے مردہ تصور ہوگا اور دل بھی قبضہ شیطان میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور شیطان جو چاہے اس میں وسوسے داخل کرے اور خدا سے دوری پیدا کرے۔ اس لئے صوفیائے کرام کی مجلس اور صحبت کی تلاش ہر وقت رہے اور اللہ والوں کی مجلس اپنے لئے لازمی رکھے اور اللہ والوں کی نشاندہی کرنے کے لئے بھی افراد یا کتب کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کتاب انوار ولایت شمسہ (ہموسوم افکار لدنیہ جلد اول) سوانح حیات و ملفوظات حضرت خواجہ سید پوریؒ جو قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ اسی راہ تصوف و سلوک اور معرفت الہی کے لئے ایک روشن مینار کے مانند ہے اور قرب خداوندی حاصل کرنے والوں کے لئے چراغ راہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے حق بات کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور طلب حق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ہم زلف اور میرے بڑے پیر بھائی الحاج حبیب الرحمن حبیب کو طلب حق کی جانب بلانے اور رہنمائی کرنے کی توفیق و صلاحیت خصوصی عنایت فرمادے۔ آمین یا رب العالمین۔

احقر محمد طیب نقشبندی (مانسہرہ)

حال گارڈن کراچی نمبر ۳

قاری محمد طیب صاحب کی بیعت اور کتاب ہذا کی تمنا!

احقر نے مختلف مقامات پر ٹھوکریں کھانے کے بعد جب پہلی بار مرشدی و الحاج حضرت قبلہ گاہی پیر عبدالحی صاحب جانشین و خلف الرشید حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی خدمت بابرکت میں حاضری دی اور شرف انتساب کی دولت عظمیٰ حاصل ہوئی اور ہر وقت دل میں یہ تمنا رہتی تھی کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ بنوریہ سید پوریہ کے اکابر درویش و اہل اللہ جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور دشوار گزار مقامات پر بیٹھے اللہ اللہ کرنے والے دوسروں کو بھی اللہ اللہ کر رہے ہیں جن کی مجلس کے انوار و برکات اور جن کی اکیسر صحبت کی بدولت لاکھوں مردہ قلوب پاک و صاف ہو کر خداوند قدوس کی یاد میں متحرک ہو کر زندہ ہو گئے ہیں ان کے حالات و واقعات اور خصوصاً عارف باللہ شیخ المشائخ عاشق ربانی سلطان العارفین کے ملفوظات مبارک اولیائے سلف کی طرح کتابی صورت میں آجائیں۔ تاکہ عوام و خواص بلکہ پوری دنیا مستفید ہو سکے اور برصغیر پاک و ہند کی اسلامی و روحانی تاریخ میں تابانی کے ساتھ بادلوں میں چھپا سورج اپنی حرارت و تمازت کے سامنے آجائے تاکہ مذکورہ اسلامی و روحانی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو۔ اور خصوصاً ہمارے ملک کے عوام و علمائے کرام و بزرگان دین و صوفیائے عظام کی خدمت میں ایک جامع و مستند بیش قیمت تحفہ پیش کیا جائے۔ تاکہ اُس مذکورہ شخصیت کی روحانی کرنیں مردہ قلوب پر پڑیں اور اُن کے نورانی فیض و برکات سے بے حس اور غیر متحرک قلوب ذکر الہی میں زندہ ہو کر متحرک ہو جائیں۔

الحمد للہ! آج مجھے وہ دن دیکھنا نصیب ہو گیا اور میری عظیم تمنا پوری ہو گئی میری اس خواہش و تمنا کا تذکرہ مؤلف نے سبب تالیف میں کر دیا تھا تاہم میں نے مزید تصدیق کے طور پر چند جملے اثبات میں تحریر کئے ہیں مؤلف میرے ہم زلف اور بڑے پیر بھائی اخئی المکرم

مولوی حبیب الرحمن صاحب حبیب مدظلہ کو خدا تعالیٰ نیک اعمال کے لئے مدت مزید صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے کہ موصوف اپنے اور میرے شیخ کے فیضان روحانی اور توجہات باطنیہ کی جو چنگاریاں دل میں دبائے بیٹھے تھے ان کے بھڑکنے اور سلگنے کی صورت یوں رونما ہوئی کہ احقر کی بار بار درخواست پر اور حضرت قبلہ گاہی کے حکم کی تکمیل سے انہوں نے یہ کتاب اسم بامسکنی انوار ولایت شمس (بموسوم افکار لدنیہ جلد اول) تالیف فرمائی جس کو حضرت مرشدی و مولائی مدظلہ نے ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ ”کتاب ہذا مہکتے ہوئے سرسبز باغ کی طرح معطر ہے اور قارئین کرام کے دلوں کو معطر کرتی رہے گی۔“ اور یہ جملے حضرت کی تقریظ میں ثبت ہیں اسی طرح حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہ جو کہ حضرت شیخ الحدیث مفتی ولی حسن صاحب بنوری ناؤن کراچی والوں کے پیر و مرشد بھی ہیں اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں کہ ”یہ کتاب تصوف و صوفیائے کرام کے متعلق مفید معلومات کا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔“

خود شیخ الحدیث مفتی ولی حسن صاحب اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”راقم آثم کو اس مبارک کتاب کے جستہ جستہ مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا کتاب بحمد اللہ جامع اور زمانہ حال کی ضرورت کے مطابق ہے طریقت کو شریعت کے تابع رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور تشنگانِ علوم روحانی کو اس سے سیراب و شاداب بنائے آمین“ اور دیگر علماء نے بھی اچھے تاثرات لکھے ہیں۔

الحمد للہ ملک کے ممتاز علماء اور صوفیائے کرام کی تقاریظ و آراء گرامی نے اس کو چار چاند لگا کر مستند کر دیا ہے۔

میں یہیں پر اپنے قلم کو روکتے ہوئے رب العالمین کے حضور میں سجدہ شکر بجالاتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف و کرم کے طفیل بندہ عاصی پر تقصیر کو دوسری بڑی سعادت بخشی کہ کتاب ہذا کی طباعت و اشاعت و جملہ امور کے بارہ میں حضرت مرشد قبلہ مدظلہ العالی کی نگاہ کرم نے احقر کو خدمت کا موقع دیا ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل طباعت و

اشاعت کے بارہ میں حضرت مرشدی مدظلہ العالی نے تحریر ایہ حکم دیا کہ اہل کراچی گارڈن کے ساتھی اس کے جملہ اخراجات پورا کریں۔ تو مجلس ذکر کے ساتھیوں نے اس کو اپنے لئے غنیمت سمجھتے ہوئے اس کتاب کو اشاعت کے تمام اخراجات پورے کر دیئے۔ پس قال علیہ السلام
 من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کے تحت اس موقع پر اپنی طرف سے اور اپنے احباب کی طرف سے ان سب ساتھیوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں حسبِ توفیق حصہ لیا اور بالخصوص اپنے پیر بھائی جناب خواجہ عبدالحق صاحب بن خواجہ عبد الرشید مرحوم کا تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ موصوف نے کتاب ہذا کے جملہ اخراجات اپنی حلال کمائی سے پورے کر دیئے۔

میری دعا ہے کہ اللہ کریم موصوف کے اس جذبہ عالی کو اپنے دربار میں قبول و منظور فرماوے۔ اور تمام برادرانِ سمیت ان کی جان و مال اور ایمان میں برکت عنایت فرماوے۔ اور ان کے والد مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرما دے آمین۔ بحرمت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری گزارش بدرگاہِ رب الکریم ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ صاحبان صاحبِ ملفوظات کو اجر عظیم سے نوازے اور ملفوظات کو عوام و خاص کے لئے یکجا کرنے یعنی تالیف کنندہ کو بھی اپنے جوار رحمت سے نوازے اور معاونین کتابت و اشاعت کو بھی جوار رحمت میں رکھے۔ اور مجھ ناکارہ کو بھی نفس و شیطان سے محفوظ رکھ کر اپنی راہِ طلب کا متلاشی بنا کر یافت کی نعمت سے نوازے۔ اور اہل اللہ کی صحبت و مجلس سے ہمیشہ مستفید رکھے۔ اور میرے جملہ پیر بھائیوں کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ کے فیض و برکات سے مستفید فرما کر کامیاب و کامران فرما دے۔ اور خاتمہ بالخیر کے ساتھ دنیا سے باسلامت لے جائے آمین شہِ آمین۔ یا رب العالمین؛

احقر محمد طیب عابد فاضل الجامعہ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ناؤن وفاق المدراس عربیہ پاکستان

شانِ کبریائی کے بارے میں۔

رہے گا زمین و آسمان کچھ نہیں
 کچھ نہیں کچھ نہیں کون و مکاں کچھ نہیں
 فناء ہو کر سب کچھ معدوم ہو جائے گا
 اللہ کے بغیر رہے گا ذی جاں کچھ نہیں
 محصور کے بعد ہر طرف خاموشی ہو گی
 سنا جائے گا چڑیوں کا شور و فغاں کچھ نہیں
 نہ دولت مند رہیں گے نہ دولت ہی رہے گی
 رہے گا پھر نام و نشان کچھ نہیں
 نہ امیر غریب نہ شاہ و گدا رہے گا
 رہے گا ملک و ملت و جہاں کچھ نہیں
 نہ سیاست رہے گی نہ لوٹے رہیں گے
 رہے گا عہدہ و کرسی و حکمران کچھ نہیں
 سبھی گل و گلشن بھی مٹ جائیں گے
 رہے گا کسی کا بھی نشان کچھ نہیں
 سنبھل جاؤ سب تم سنبھل جاؤ سب تم
 مگر پھر سنبھلنے کا امکان کچھ نہیں
 مگر تم سے لیا جائے گا پھر امتحان
 یہ گماں ہر گز نہ ہو کہ امتحان کچھ نہیں
 آپھیں کھول کر زندگی بسر کر تو بھی حبیب
 دنیا میں پھر آنے کا امکان کچھ نہیں

سبب تالیف کتاب ہذا

مؤلف کتاب انوارِ ولایت شمسِ جلد اول (بہوسوم افکار لدنیہ) ہذا کے ہم زلف و ہم بھائی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت قبلہ گاہی مدظلہ تعالیٰ کیر وال والوں کو کراچی سے خط میں لکھا کہ مجلس کے ساتھیوں کی اصلاح کے لئے کچھ نصیحت آموز باتیں تحریر فرما کر ارسال فرمادیں تاکہ حلقہ ذکر میں برکت و ترغیب کے لئے پڑھ کر سنائی جائیں۔ جن سے دوستوں کو دینی فائدہ نصیب ہو جائے۔

اس دوران حضرت قبلہ گاہی صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی انہوں نے راقم مؤلف کتاب کو حکم دیا تصوف و سلوک کے بارہ میں کچھ باتیں لکھ کر بھیج دو۔ مؤلف نے ایک خط حضرت قبلہ

گاہی صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لکھ کر بھیج دیا۔ یہ خط قاری محمد طیب صاحب اور حلقہ ذکر والے دوسرے ساتھیوں کو کچھ پسند آگیا۔ سب نے ارادہ کیا کہ اس خط کو طبع کر کر دوستوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ ہر دوست گاہے گاہے پڑھ کر استفادہ کر سکے۔

یہ عمل پانچ تکمیل تک نہ پہنچا تھا کہ سب دوستوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا۔ کہ ایک خط کو طبع کر کر کیا کریں گے۔ مناسب ہے کہ حضرت صاحب مزید کچھ نصیحت آموز باتیں لکھیں نیز حضرت خواجہ شمس الدین سید پورنی اور ان کے خلفاء جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کرنے کے مجاز تھے یا فی الوقت موجود ہیں کے حالات بھی تحریر ہو کر کتابی صورت میں آجائیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ اور ملک کے طول و عرض میں طالبانِ راہِ خدا کے لئے قصد السبیل الی اللہ کا راہ و مقام معلوم ہو جائے گا۔ اور تیشہ گانِ علوم روحانی سیراب ہو گئے۔ چنانچہ سب نے یہ فیصلہ کر کے حضرت قبلہ گاہی صاحب کی خدمت میں دوبارہ درخواست دی اور اپنا ارادہ مدعا ظاہر کیا۔

اُن کا یہ فیصلہ حق اور خلوص پر مبنی تھا اس لئے حضرت صاحب نے پسند فرمایا۔

حضرت صاحب نے یہ کام بھی جو کہ نہایت ہی مشکل اور فہم و فراست کا حامل تھا مجھ جیسے ناقص الفہم اور اصطلاحی علوم دینیہ سے نا آشنا کے سپرد کر دیا۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور اس مشکل ترین اور اہم امور کو نبھانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ حضرت صاحب کی دعا و توجہ خاص کی برکات سے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی امداد سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا اور طریقت کے ساتھیوں کی دیرینہ خواہش و تمنا پوری کرنے کا موقع نصیب ہوا۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ میری لاعلمی اور ادبی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مطالعہ کریں۔ اور احقر کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو بار آور فرما کر قبول فرمائے۔ اور ہم سب کو طریق و سلوک کی حقیقت عطا فرمائے آمین!

جو کچھ ہوا ہوا اکرم سے تیرے جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

مؤلف حبیب الرحمن عفی عنہ گیر وال ڈھوڈیال، مانسہرہ مورخہ 16 اکتوبر 1977ء



تمہید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ، وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ط اما بعد! اللہ تعالیٰ ہر چیز زمین و آسمان، عرش و کرسی اور لوح محفوظ نیز کون و مکال کا خالق و مالک حقیقی ہے اور انسان اور حیوان، جن و بشر، حور و ملائک، چہند و پرند بلکہ تمام ذی روح اور بے روح اشیاء کا خالق و مالک اور رب کائنات ہے۔ کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں جو اپنے خالق و مالک سے ادھل اور اس کی یاد سے غافل ہو سکے بلکہ ہر ہرزہ، خشکی و تری، شجر و حجر جملہ موجودات اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے ہیں۔ اور اس کی حمد و ثناء، تسبیح و تعریف میں دوام و بدام صبح و شام مہ مصروف ہیں۔ ماسوائے جن و انس اس امر کی تصدیق کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَاَنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ
بِحَمْدِهِ وَلٰکِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ
تَسْبِیْحَهُمْ (بنی اسرائیل)

اور نہیں کوئی چیز مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ
تعریف اُس کی لیکن نہیں سمجھتے تم تسبیح اُن
کی۔

اسی طرح سورۃ نور رکوع نمبر ۶ میں ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ
فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
الطَّیْرُ صَفَّتْ طَّوْلًا قَدْ عَلِمَ
مَلٰٓئِکَتُهٗ وَتَسْبِیْہُ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ
بِمَا یَفْعَلُوْنَ

کیا نہیں دیکھا تو نے یہ کہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے
واسطے اُس کے جو کوئی بیچ آسمانوں کے ہے اور
زمین کے اور جانور پرند پر کھولے ہوئے۔ ہر
ایک تحقیق جانتا ہے۔ نماز اُس کی اور تسبیح اُس
کی اور جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں۔

سورۃ الرحمن میں ارشاد ہے:

أَشْمَسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَ
النُّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝

سورج چاند بچ گردش کے ہیں اور
ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں

جب کائنات کا ہر ذرہ اپنے خالق حقیقی کو یاد کرتا ہے۔ اور لیل و نہار خداوند کریم کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے بلکہ کسی وقت بھی یاد الہی سے غافل نہیں ہوتا تو اے جن و انس! جبکہ تو اسی مدعا و مقصد کے لئے تخلیق فرمایا گیا ہے۔ تجھ کو کہاں روا ہے اور کس طرح زیبا ہے کہ خالق حقیقی سے منہ پھیر کر اور اُس کی نعمتیں استعمال کرنے کے باوجود اس کی یاد سے غافل رہے۔ اور غیر حق کی جانب متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی سے محروم رہ کر اپنے لئے تباہی کا سامان مہیا کرے۔

اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب فرما کر تنبیہ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ
بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ
فَسْؤَلَكَ فَعَذَلَكَ ۝ فَمَنْ أَفَى
صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا
بَلْ تَكَذَّبُ ۝ بَوْنٌ بِالذِّينِ ۝ وَإِنْ
عَلَيْكُمْ لَحُفُظِينَ ۝ كِرَامًا كَا
تَبِينَ ۝ يَغْلُمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝
إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنْ
الْفُجَارَ لَفِي جَحِيمٍ
يَصْلَوْنَ مَا يُومِ الدِّينِ ۝ وَمَا
هُمْ عَنْهَا بِغَا مُبِينَ

اے انسان کس چیز نے فریب دیا تجھ کو ساتھ
پروردگار تیرے کے جو کرم کرنے والا ہے۔
جس نے پیدا کیا تجھ کو پھر تندرست کیا تجھ کو
پھر برابر کیا تجھ کو بچ جون سی صورت کے چاہا
ترکیب دیا تجھ کو ہرگز نہ یوں بلکہ جھٹلاتے ہو تم
قیامت کو اور تحقیق اُوپر تمہارے نگہبان ہیں
بزرگ (کرنا کا تین) لکھنے والے (اور وہ)
جانتے ہیں جو کچھ کرتے ہو تم۔ تحقیق نیک کام
کرنے والے البتہ بچ نعمت کے ہیں۔ اور
تحقیق بدکار (لوگ) البتہ بچ دوزخ کے
ہیں۔ داخل ہوں گے اس میں دن قیامت
کے اور نہیں وہ اس سے (یعنی دوزخ) سے

غائب ہونے والے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی
گرفت سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

پس آدمی جس مقصد کے لئے تخلیق فرمایا گیا ہے اگر اس نے اس مقصد میں کامیابی
حاصل کر کے خدا کو راضی کر دیا تو اس کے لئے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں اور اگر تخلیق کے مقصد سے
ہٹ کر نفس و شیطان کی مرضی پر چلا تو پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر دنیا میں بھیجا اور تیرے لئے
اپنی کائنات کو مسخر کر دیا۔ تاکہ اپنی بساط کے موافق فائدہ حاصل کر سکے اور اس نعمت کے شکر یہ
میں خدا کو یاد کر سکے۔ یہ زمین و آسمان یہ شمس و قمر اور باد و باران خدا تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثناء کے
ساتھ ساتھ تیری خدمت میں کمر بستہ ہیں۔ تو پھر تجھے چاہیے کہ تو اپنے مالک حقیقی کا ہو کر اس
کے حکموں کے مطابق زندگی بسر کرنے کا خوگر ہو جائے۔ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

ابرو باد و مد و خورشید و فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری وہ غفلت نہ خوری

ہمہ از بہرے تو سرگشتہ و فرمانبردار اند شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

ترجمہ:- یعنی یہ باد و باران یہ چاند اور سورج نیز آسمان تیرے کام میں مصروف
ہیں۔ جب تیرے دسترخواں پر کھانا رکھ دیا جائے تو تجھ کو بھی چاہیے کہ غفلت کے ساتھ نہ
کھائے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق تیرے لئے تابع ہو کر تیرا حکم تسلیم کرتی ہے۔ تو یہ بات انصاف
کی شرط سے باہر ہے کہ تو خالق مخلوق یعنی اپنے پروردگار کا حکم تسلیم نہ کرے۔

مندرجہ بالا اشعار کی تشریح یوں ہو سکتی ہے۔ کہ جو رزق تیرے پاس پہنچا ہے اس
میں اُگنے سے پکنے تک باد و باران چاند و سورج گرمی و سردی مٹی، ہوا آگ اور پانی سب ہی تیار
کرنے میں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ کسی کا پودے کی نشوونما کرنے میں حصہ ہے۔ کسی
کارگت دینے اور پکانے میں حصہ ہے۔ غرضیکہ ہر ہر کارکن اپنا اپنا عمل جاری رکھتا ہے۔ جب
فصل تیار ہو کر شکل روئی و غذا تیرے پاس دسترخواں پر پہنچ آئے تو بھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری

کے ساتھ استعمال نہ کر بلکہ حکم خداوندی کے تابع رہ کر خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کر جب تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرے گا اور اُس کی حکم کی بجا آوری کرے گا۔ اور اُس کا شکریہ ادا کرے گا تو تیرے لئے اپنی نعمتوں کا مزید اضافہ کرے گا۔ اور اگر تو نافرمانی کرتے ہوئے اپنے نفس اور شیطان کی پیروی کرتے ہوئے زندگی بسر کرے گا تو پھر اُس کا عذاب بھی سخت ہے جو نافرمانوں کو پہنچ کر رہے گا۔ ارشاد ربی ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَا زِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ
 (سورۃ ابراہیم رکوع نمبر ۲) عذاب میرا البتہ سخت ہے۔
 اگر تم شکر کرو گے تو البتہ زیادہ دوں گا
 میں تم کو اور اگر کفر کرو گے تم تو تحقیق

یاد رکھیے: کہ لفظ شکر صرف زبان سے کہہ دینے کا نام نہیں اور نہ زبان سے کہہ دینے سے شکر ادا ہو سکتا ہے۔ بلکہ شکر خدا تعالیٰ کی یاد میں محو ہو جانے کا نام ہے۔ خواہ زبان سے شکر کا لفظ نہ بھی ادا ہو سکے مگر خدا تعالیٰ کی یاد میں مصروف ہو تو گویا شکر ادا ہو گیا۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم یوں ہے۔

إِذَا ذَكَرْتَنِي شَكَرْتَنِي وَإِذَا نَسِيتَنِي كَفَرْتَنِي ط
 جس وقت انسان خدا کو یاد کرتا ہے تو گویا اس کا شکر ادا کرتا ہے اور جس وقت بھول جاتا ہے گویا ناشکری کرتا ہے

پس آدمی کے لئے لازم ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں رہے۔ جبکہ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی یاد میں سرگرداں ہے تو آدمی کے لئے کہاں روا ہے کہ یہ غفلت میں رہے۔

کائنات میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری مخلوق یہ باد و باران، شمس و قمر، ستارے و سیارے، آب و ہوا اور زمین و آسمان جب تیرے کام میں مصروف رہ کر تیرے لئے خورد و نوش کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ ہیں اور خالق کائنات کو بھی کسی لمحہ فراموش نہیں کرتے۔ تو اے انسان! تجھ کو کس چیز نے بے غمی اور دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے کہ اُس خالق حقیقی کی یاد میں غفلت

اور لا پرواہی برتا ہے۔ جبکہ تیرا خالق و مالک نہایت ہی شفیق و مہربان اور رحیم و کریم ہے۔ ارشادِ ربی ہے:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرُّكَ
بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝

اے آدمی کس چیز نے فریب دیا تجھ کو
ساتھ رب تیرے کرم کرنے والے کے۔

ذرا ہوش کر اور اللہ تعالیٰ کے کرم و احسان کی جانب متوجہ ہو کر زندگی بسر کر تجھے
چاہیے کہ کسی دھوکہ فریب میں نہ آئے اور تو یہ گمان بھی نہ رکھ کہ شاید انسان کو اللہ تعالیٰ نے
کھانے اور پینے نیز دنیا میں پھرنے اور عیاشی کرنے کے لئے ہی پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ ایسا
ہرگز نہیں ہے شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است تو معتقد کہ زیستن برائے خوردن است

ترجمہ:- کھانا پینا زندہ رہنے کے لئے ہے۔ اور زندہ رہنا خدا تعالیٰ کی عبادت و
ذکر کے لئے ہے۔ اے انسان! تو اس بات پہ پختہ یقین کر بیٹھا ہے کہ شاید یہ زندہ رہنا کھانے
پینے اور عبث وقت گزارنے کے لئے ہے۔

اے برادر! ذرا سوچ سے کام لے اور غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر ہوش میں آ جا!
چند روزہ زندگی پر ہمیشہ کی زندگی کو قربان نہ کر اور اپنی حقیقت پیدائش سے آشنا ہو جا۔ اور اپنے
مخلیق کے مقصد کو شام و پکا، دوام و دما م سامنے رکھ کر زندگی گزار کوئی چیز بھی بے مقصد پیدا
نہیں کی گئی۔ آپ کے ہاں بھی اگر کوئی چیز بے مقصد ہو کر رہ جائے۔ تو آپ اُسے اوجھل کرنے
کی سعی و کوشش کرتے ہیں مثلاً۔ بھینس گائے وغیرہ کی پرورش اس لئے کی جاتی ہے کہ گھاس
چارہ کھا کر زندگی برقرار رکھ کر دودھ دیتی ہے۔ نہ اس لئے کہ صرف گھاس چارہ ہی کھاتی رہے
اور مالک کو کچھ فائدہ نہ دے۔ اور دودھ کا نام و نشان تک نہ ہو۔ کون ہے جو ایسی بھینس گائے کو
پالتا ہے بلکہ ایسی بھینس گائے وغیرہ قصاب کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

بس! یہی مثال انسان کی ہے کہ کھائے پیئے تاکہ زندگی برقرار رہے اور زندہ رہ کر

خدا کی عبادت و ذکر کرے۔ اور اُس کے احکام کے مطابق ہی زندگی بسر کرے۔ تاکہ خالق و مالک حقیقی اس سے راضی ہو کر اس پر مزید اپنے انعام و اکرام کرے۔ اگر خدا تعالیٰ کے احکام کی پرواہ نہ کی اور خواب خرگوش میں رہ کر غفلت کی زندگی گزار کر دنیا سے چلا گیا تو خدشہ ہے کہ مالک و خالق اس سے ناراض ہو کر اسے اپنے قہر و غضب میں گرفتار کر کے جہنم رسید نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو پیدا ہی اپنی اطاعت و بزرگی کے لئے کیا ہے۔ ارشاد ربی ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَهُ (الذاریات رکوع ۳)

اور نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر واسطے اپنی عبادت کے

تخلیق انسانی کا مقصد ہی اطاعت و فرمانبرداری ہے مفسرین نے لِيَعْبُدُونَهُ کا مطلب لِيَعْبُرَ قُؤُنَ لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان اپنی معرفت خاص کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور معرفت خاص محبت الہی پر وابستہ ہے۔ جس قدر محبت الہی میں وزن ہوگا اسی قدر معرفت الہی کے درجات مرتب ہونگے۔ اور محبت خاص کا حصول بھی فضل الہی پر منحصر ہے۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل بڑے کا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل کا سوال ہر وقت کیا جائے کیونکہ فضل اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ اور فضل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں حاصل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے کہ آدمی اُس کی عبادت و بندگی میں محبت و اخلاص کے ساتھ مصروف رہ کر جملہ اعمال کو خدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق سرانجام دے۔ اور جو اعمال خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر کئے جاتے ہیں یہی اعمال اعمالِ صالحہ ایسے اعمال ہی وزنی اور قابل قبول ہوتے ہیں۔ جن اعمال میں اخلاص و محبت مفقود ہو وہ اعمال قابل قبول ہرگز نہ ہونگے۔

اعمال صالحہ کی ترغیب

انسانی فطرت ہے اور جبلتی تقاضا ہے کہ انسان کسی وقت فارغ نہیں رہ سکتا کسی نہ کسی شغل میں مصروف رہتا ہے۔ جس وقت یہ اپنے آپ کو دنیا کے کاروبار سے فارغ کر کے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بالکل ہی فارغ سمجھتا ہے۔ اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو اس وقت بھی فارغ نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی حرکت و شغل میں مصروف رہتا ہے۔ کبھی ہاتھوں سے زمین پر اشکال کھینچتا نظر آتا ہے اور کبھی دھیمی دھیمی آواز سے کچھ پڑھتا سنائی دیتا ہے۔ اور کبھی کبھار سوچ و فکر میں مبتلا نظر آتا ہے۔ اسی بات سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ انسان کسی وقت بھی فارغ نہیں رہ سکتا۔ چاہے یہ حرکت عملی ہو یا فکری ہو مگر ہوگی۔

اگر انسان کے فطری تقاضوں کو اسلامی طرزِ عمل پر تربیتِ حسنہ نصیب ہو جائے۔ تو یہ خدا کا خاص بندہ و مالک سے عشق اور محبت رکھنے والا اور ہمیشہ خالقِ حقیقی کی جانب رجوع رکھنے والا کامل انسان بن سکتا ہے۔ اور اس کا ہر فعل نیک و صالح ہو سکتا ہے۔ اور خدا کے ہاں بلند مقام حاصل کر کے مقامِ ولایت حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر اسلامی طرزِ عمل پر تربیتِ حسنہ کے لئے وقت کی فراغت اور تربیتِ حسنہ دینے والے بندہٴ خاص کی ضرورت ہے۔

اور اگر بد قسمتی سے تربیتِ حسنہ مذکورہ نصیب نہ ہو سکے تو یہی انسان بے سہارا اور بے لگام ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور خواہشاتِ نفسانی کے تابع ہو کر صراطِ مستقیم کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور اپنے لئے خدائے واحد لا شریک کے بجائے سینکڑوں معبودوں کی پوجا پاٹ کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور باوجود عاقل و بالغ ہونے کے حق بات کے ماننے سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کے لئے ارشادِ ربی ہے:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۖ
(الفرقان رکوع ۴) کیا دیکھا تو نے اس شخص کو کہ پکڑا اُس
نے معبود اپنا خواہش (نفسانی) اپنی کو۔

یعنی جو حکم خدا تعالیٰ نے دیا اُس کی پرواہ نہ کی مگر جو بات نفس میں پیدا ہوئی اُسے
اپنانے اور عملی جامہ پہنانے کی پوری پوری کوشش کی گئی اور سرکشی و نافرمانی میں مبتلا ہو کر زندگی
بسر کرنے لگا۔ پس ایسا انسان خواہشاتِ نفسانی کا بندہ ہے۔ مگر جو شخص خواہشاتِ نفسانی کو
قابو میں رکھ کر خدا تعالیٰ کے خوف و امید میں رہتے ہوئے ہر عمل اُس کی خوشنودی و رضا کے لئے
کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام کی تعمیل کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے تو ایسے شخص کے
لئے جنت میں جانے کے لئے من جانب خالق و مالک حقیقی وعدہ ہے۔ ارشادِ ربی ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَلَئِنَّ
الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ
تم میں جو کوئی ڈرا کھڑا ہونے سے
آگے پروردگار اپنے کے اور منع کیا جی
اپنے کو خواہش سے پس تحقیق بہشت
(سورۃ التازعات) وہی ہے جگہ رہنے کی۔

یعنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنا خدا کی ناراضگی اور قہر و غضب کو دعوت دینا
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و ناراضگی کا صلہ جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی سے ہمیں بچائے
اور نیک اعمال کی توفیق عنایت فرماوے آمین۔ ایک بندہ خدا نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:-
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاک اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے
یعنی یہ انسان فطری طور پر نہ جنتی ہے اور نہ جہنمی ہے۔ بلکہ اپنے اعمال کی بدولت
جنت اور دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے اعمال نیک و صالح ہونگے تو اس کا مقام
جنت ہے۔ اور اگر اس کے اعمال برے اور غیر صالح ہونگے تو ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہے۔ گویا
یہ دنیا ایک میدانِ عمل ہے۔ جو اس میدان میں نیک اعمال کی محنت میں زندگی گزارے وہ عقبی
میں چین کی زندگی بسر کرے گا اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو حاصل کر کے ہمیشہ کے لئے جہنم کی

ممیتوں سے نجات پالے گا۔ اور ابدی خوشیوں کو حاصل کر کے فرحت و لذت محسوس کرتا رہے گا۔ خدا خواستہ اگر میدانِ عمل میں غافل رہ جائے گا تو ہمیشہ کے لئے ذلت و خواری میں مبتلا ہو کر جہنم کی تکلیفوں کا شکار بن جائے گا۔ حدیث شریف میں یوں آتا ہے:

الدُّنْيَا مَرْعَى الْأَخْرَةِ بِط دُنیا آخرت کی کھیتی ہے ۔

یہاں دُنیا میں جو کچھ بوئے گا آخرت میں پائے گا۔ یعنی اگر یہاں دُنیا میں نیکی کرے گا تو آخرت میں نیکی کا بدلہ جنت ہوگا۔ اور اگر یہاں دُنیا میں برائی کرے گا تو آخرت میں برائے کا بدلہ جہنم ہی ہوگا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جس نے دُنیا کی کھیتی نیکیوں کے پھولوں سے بھر دی اور رضائے الہی حاصل کر کے دُنیا سے عقبیٰ کی جانب چل پڑا حق اور باطل کو زائد سمجھ کر اپنے دل کو غیر اللہ کی محبت و گرفتاری سے محفوظ رکھ کر قلبِ سلیم اپنے سینہ میں لے کر خدا کے ہاں پہنچ گیا اور ہمیشہ کے غم سے نجات حاصل کر لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

قلب سلیم

قلب عربی زبان میں دل کو کہتے ہیں۔ دل کو اللہ تعالیٰ نے جسم عنصری میں حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ جس طرح جسم عنصری کی صحت و فروغ کا تعلق دل سے ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی کا تعلق اور دار و مدار بھی دل پر ہے۔ دل اگر ٹھیک کام کرتا ہے تو زندگی برقرار رہتی ہے۔ اور اگر دل بگڑ جاتا ہے تو زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ دل کے بیکار ہوتے ہی تمام جسم بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ جسم عنصری میں دل اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جسم کی پرورش اور زندگی برقرار رہنے کے لئے خون کی سخت ضرورت ہے۔ اور تمام جسم کو خون کی مناسب مقدار پہنچنی لازم ہے۔ دل جسم کے لئے جگر سے خون حاصل کر کے مناسب مقدار میں جمع کر کے صفائی بخشتا ہے۔ پھر صاف خون کو چھوٹی موٹی نوسوں شریانوں کے ذریعے تمام جسم میں مناسب مقدار سے تقسیم کرتا ہے اور جو خون جسم میں استعمال ہو کر گندا ہو جاتا ہے دوبارہ وریڈوں کے ذریعے دل میں آکر جمع ہو جاتا ہے اور دل اس کو پھر صفائی دے کر جسم میں سپلائی کر دیتا ہے۔ اور یہی عمل جاری رہتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جسم عنصری کی لئے دل اہم کردار ادا کرنے میں مصروف کار ہے۔ اور یہ عمل تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ دل کی اپنی کیفیت و حالت تسلی بخش اور صحت مند ہو۔ اگر دل خود ہی بگڑ کر بے کار معطل ہو جائے تو پوری زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور اسی طرح روحانی زندگی کے لئے خون کی بجائے دل اعمال صالحہ کا نور تمام جسم میں انعکاس کرتا ہے یعنی جسم کے تمام اعضاء کو اعمال صالحہ کا حکم صادر کرتا ہے۔

پس اگر دل میں خوف خدا کے آثار اور انواراتِ ربی بھجلی ہوں تو دل جسم کے تمام اعضاء کو منور رکھتا ہے۔ اور ہر ہر عضو کو نیکی کی تلقین کرتا ہے۔ کوئی حصہ جسمانی اس کے حکم سے

روگردانی نہیں کر سکتا۔ ایسا انسان حکم ربانی کے آگے ہمہ وقت سرنگوں اور سر تسلیم خم رکھتا ہے۔ اور یہ انسان خداوند تعالیٰ کے حکموں کے آگے گردن نہاد ہو کر زندگی بسر کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اور یہی سچا مسلمان ہے اور ایسا ہی انسان حقیقی معنوں میں مسلمان ہونے کا مصداق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل اس کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

خدا نخواستہ دل اگر شیطان کے قبضہ میں اور شیطانی پنجہ میں آگیا ہے اور شیطان نے تمام برائیوں کے جراثیم اس میں بھر دیئے ہیں تو پھر یہ دل خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو کر بیکار و مردہ صفت ہو جاتا ہے ایسا دل خواہشات نفسی اور وسوسہ شیطانی کے مطابق جسم کو برائیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ اور پھر روحانی زندگی بے کار اور مردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

وَلَنْ فِي الْجَسَدِ لَمْضَغَةٌ إِذَا
تَحَقَّقَ جِسْمٌ فِيهِ أَيْكٌ مِّنْ لُّغْزٍ هَبْ وَهْ
صَلَحَتْ صَلَاحُ الْجَسَدِ كُلُّهُ
تُحْكِمُ بَوَاتُ هَبْ تَوْتَامُ جِسْمٌ تُحْكِمُ بَوَاتُ هَبْ
وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ
جِبْ وَهْ خَرَابُ بَوَاتُ هَبْ تَوْتَامُ جِسْمٌ خَرَابُ بَوَاتُ
كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.
ہے۔ خبردار وہ گوشت کا کلکڑا (لو تھڑا) دل ہے۔

پس معلوم ہوا کہ نیک اعمال کا اور بد اعمال کا تعلق بھی دل سے ہے اگر دل خوفِ خدا سے نرم ہے اور ذکرِ خدا کے نور سے منور ہے تو ایسے روشن ضمیر انسان اور رقیق القلب آدمی سے ہمیشہ نیک اعمال صادر ہوتے ہیں اور برائیوں سے بچنے کی ہمت و توفیق نصیب ہوتی ہے۔ اگر دل خوفِ خدا اور ذکرِ خدا سے غافل ہوتا ہے تو ایسے دل میں خواہشات نفسانی کے طوفان اُبھر اُبھر کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور برے ارادے پیدا ہو کر برے اعمال صادر ہونے لگتے ہیں۔

کیونکہ جو دل خدا کے ذکر سے غافل ہوتا ہے اُس دل میں ابلیسِ ذریہ ڈال لیتا ہے۔ فارسی کا ایک مقولہ مشہور ہے ع خانہ خالی را دیوی گیرند۔ یعنی جو گھر ویران و غیر آباد ہوتا ہے اُس گھر میں دیو جن بھوت رہنے لگتے ہیں۔ اسی طرح دل بھی بمنزلہ گھر کے ہے جب ذکر اللہ

سے غافل ہو کر غیر آباد ہو جاتا ہے تو پھر شیطان جو کہ بڑا جن ہے قبضہ جما کر ڈیرہ ڈال لیتا ہے۔ اور اُس وقت تک رہتا ہے جب تک ذکر خدا سے آباد نہ کر دیا جائے۔ جب دل ذکر خدا سے آباد ہو جاتا ہے تو شیطان قبضہ چھوڑ دیتا ہے۔ دیگر کوئی ویران گھر (دل) جو یاد خدا سے خالی پاتا ہے اُس میں ڈیرہ جما لیتا ہے پس انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو نیکی کے سانچے میں ڈھالنے اور حکم خداوندی بجالانے کے لئے اپنے دل کی تربیت اور اصلاح کرائے۔

تاکہ اس کا پانچ چھٹ کا قد حکم ربانی کا مطیع ہو جائے اور اس کے دل میں اخلاص و محبت والے ارادے پیدا ہو کر نیک اعمال صادر ہونے لگیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص و محبت سے لبریز اعمال صالح قبولیت کا مقام رکھتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰی صُوَرُکُمْ
وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی
قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ (مشکوٰۃ متن مسلم)

حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو
نہیں دیکھتے مگر تمہارے دلوں کو اور
اعمال کو دیکھتے ہیں۔

پس اگر دل درست ہے تو اعمال صادر ہوتے وقت نیت بھی درست ہوگی اور اگر دل تاریک و غافل ہے تو اس کے اعمال ریا و دکھلاوے سے پاک ہرگز نہیں ہونگے۔ ایسے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے قابل ہرگز نہیں ہوتے ارشادِ ربّی ہے:

اِنَّمَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ؕ

سوائے اس کے نہیں کہ قبول کرتا ہے۔

(المائدہ رکوع ۵) اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں سے

یعنی خوفِ خدا رکھنے والوں سے پرہیز گار انسان وہی ہو سکتا ہے جس کا دل غیر اللہ سے ہٹ کر خدا تعالیٰ کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہو جائے۔ اور ہر وقت خوفِ خدا میں لرزہ بر اندام ہو۔ نیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کا پابند رہتے ہوئے خدا تعالیٰ سے انس و محبت رکھے۔ کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مال و زر، بیٹے اور برادریاں ہرگز کام نہ آسکیں گی۔ بلکہ وہ دل نفع بخش ہوگا۔ جو غیر اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر کے

صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں گرفتار ہو کر دنیا سے قلب سلیم لے کر چلا جائے۔ ارشادِ ربّی ہے:-
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الْمَالُ وَلَا بَنُونَ
إِلَّا مَنَ اتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ
 جو کوئی لاوے اللہ کے پاس دل
 سلامت۔

دوسرے مقام پر ارشادِ ربّی ہے:-

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ
 اور وہ دوستی کرتا ہے صالحوں سے
 یعنی ولایت کا تاج اللہ تعالیٰ نیک انسان کے سر پر رکھتا ہے۔ جو دوستی کے قابل ہوتا ہے۔ اور
 اپنے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ سلگائے رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے رُوگردانی
 نہیں کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہوئے شریعتِ مطہرہ
 (مصطفیٰ صاحبِ الصلوٰۃ والتسلیمات) کی پابندی کرتا ہے۔ برائی سے دور بھاگتا ہے اور نیکی کی
 جانب قدم بڑھاتا ہے۔ دُنیا و مافیہا سے مستغنیٰ اور خدا تعالیٰ کی چاہت و محبت کا بے حد حریص
 ہوتا ہے۔ قیامت کے روز خدا کی محبت و اخلاص سے کی ہوئی نیکی ہی کام آئے گی۔ پس اخلاص
 پیدا کرنے کے لئے دل کی اصلاح کرنی ضروری ہے۔ تاکہ رضائے الہی کے لئے نیکیاں
 کرنے کی ہمت و توفیق نصیب ہو جائے۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت میں سرشار رہتے ہوئے واصل
 باللہ ہو جائے۔ مگر اس کیفیت کے حصول کے لئے اصلاحِ قلب کا ہونا لازمی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اصلاح قلب

گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ کہ اعمال صالحہ کے لئے اصلاح قلب نہایت ضروری اور لازمی امر ہے۔ جو شخص قلب انیب و منیب یعنی خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے اور رجوع کرنے والا دل اور قلب سلیم یعنی غیر اللہ سے محفوظ رہنے والا دل رکھتا ہے۔ اس کا ہر کام خدا تعالیٰ کی خوشنودی و رضائے الہی کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اور وہ خواہشات نفسانی کی پیروی نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ امداد الہی شامل حال رہتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے کسی عمل میں ابلیس اور نفس دخل اندازی نہیں کر سکتے۔ اور اُس وقت تک اس پر اپنے وساوس کا جال نہیں پھیلا سکتا جب تک دل فسق و فجور کی سیاہی سے سیاہ و تاریک نہ ہو جائے۔

جب گناہوں کی کثرت سے دل میں فتور آ کر دل تاریک ہو جاتا ہے تو ابلیس اپنا تسلط و قبضہ جما کر طرح طرح کے زہریلے وساوس دل میں چھوڑ دیتا ہے۔ جو کہ خون کی طرح جسم میں دوڑتے ہوئے پورے جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان وساوس کی خباثت کی بناء پر پاکیزگی و پراگندگی و پریشانی اور ہوس و ہوا میں بدل کر بے رخی بے ذوقی پیدا کر کے نافرمانی کی جانب راغب کر دیتی ہے اور اچھائی برائی میں انسان فرق ہر گز نہیں کر سکتا اور مزید بگاڑ کی جانب ہی پیش رفت ہوتی رہتی ہے۔

پس انسان جس کا دل فسق و فجور کی بناء پر تاریک ہو کر ظلماتی حجابات کے اندر لپٹ جائے۔ اس کو چاہیے کہ اپنے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پوری ندامت و پشیمانی کے ساتھ صدق دل سے توبہ کرے۔ اور اپنی عمر گزشتہ کے گناہوں اور قصوروں پر ندامت کے آنسو بہائے۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر پورے رجوع اور دھیان کے ساتھ ذکر الہی میں مشغول ہو جائے۔ تاکہ اس کے دل کی پراگندگی و سیاہی دھل

کر صاف ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد و ذکر و فکر قلوب کے لئے صیقل زنکار کا واحد ذریعہ ہے۔ شیخ عطار فرماتے ہیں۔

ذکر گو ذکر تاترا جان است پاکنی دل ز ذکر رحمان است
ترجمہ:- جب تک تجھ میں زندگی کے سانس موجود ہیں خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا رہ
کیونکہ دل کی صفائی و پاکیزگی اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے
ذکر سے دل صاف و پاک ہو کر دل میں نور معرفت الہی روشن ہو جائے تو دل نافرمانیوں سے
متغیر ہو کر نیکی و بھلائی کی جانب راغب ہو جاتا ہے اور آدمی کو توبہ سے مغفرت نصیب ہو جاتی
ہے اور گناہوں سے پرانندہ تاریک دل پھر بجلی ہو کر نور معرفت سے منور ہو جاتا ہے۔ اور خدا
تعالیٰ کے قہر و غضب سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ ارشادِ ربی ہے:-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَذَكَّرَ (الاعلیٰ رکوع ۱) تحقیق با مراد ہو اوہ شخص جو پاک ہوا۔

یعنی جس نے گناہوں سے پاکیزگی حاصل کی وہ دنیا و آخرت کے عذاب سے
نجات حاصل کر لیتا ہے۔

پس دل کی پاکیزگی کے لئے ذکر الہی میں محو ہو جانا نہایت ضروری ہے۔ ذکر الہی
سے قلوب کو ضیاء و جلاء نصیب ہونے کے علاوہ چین و سکون بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یکینہ یعنی
حال کے عروج و نزول سے دل میں فرحت و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ظلماتی و نورانی
حجابت اُنھ جانے کا اور معرفت الہی کے نصیب ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔ ارشادِ ربی ہے:-

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ
قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا
بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُ ط
جو لوگ کہ ایمان لائے اور آرام پکڑتے
ہیں دل اُن کے ساتھ یاد اللہ کی۔ خبردار
ہو ساتھ یاد اللہ کے آرام پکڑتے ہیں۔

(الرعد رکوع ۴)

جب انسان کے دل میں ذکر اللہ کا اجرا ہو جاتا ہے۔ تو شیطان اس پر قوت و دسترس

کی عظمت و بڑائی دل میں قرار پکڑے گی۔ اور تمام چیزوں کی محبت دل سے نکل کر صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہی دل میں ٹھہر جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طلب و محبت اور اس کی دوستی کا شوق پیدا ہو جائے گا۔ نیز دوام ذکر اللہ سے عشق و مستی (یعنی دنیا و مافیہا سے مستغنی ہو جانا) نصیب ہو جائے گی۔ ذکر اللہ سے خوفِ خدا و امید بخشش حاصل ہوگی۔ بصورتِ نایافتی آہ و زاری اور عشق و محبت میں اضافہ ہوگا اور یافت کی شدت و پیاس پیدا ہو جائے گی۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ (بصورتِ یاف و نایافت کے عالم میں) اگر تو یارِ انداری چہ اطلب نہ کنی و گریہ رسیدی چہ اطرب نہ کنی ترجمہ: اگر ابھی تک تجھے یا حقیقی (اللہ تعالیٰ کا قرب) نہیں مل سکا تو اُس کے ملنے کی آرزو و تمنا کیوں نہیں کرتا تاکہ مل ہی جائے اور اگر خوش قسمتی سے یافت نصیب ہو چکی ہے۔ تو خاموش ہو کر کیوں بیٹھ گیا ہے اُس کے وصل کی خوشی کیوں نہیں مناتا۔

یہ اصول مسلم نہیں کہ ہر ولی اللہ بحالت وصل و یافت میں مست و الست کیفیت میں شوخی ظاہر کرتا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں اولیائے کرام کے وصل کی کیفیت پر منحصر ہے۔ اگر جلالی تجلی کے پرتو کے صلہ میں وصل نصیب ہو ا ہے۔ تو ولی اللہ کی کیفیت جلالی و مستی پر منحصر ہوگی۔ اور اگر جمالی تجلی کے پرتو پر یافت حاصل ہوئی ہے تو نیسی و گمنامی کا غلبہ زیادہ ہوگا۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مرشد حضرت عثمان ہارونیؒ پر جو کیفیت و مستی کا جو غلبہ تھا وہ جلالی کیفیت پر رونما تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

۔ نمی دامنم کہ چوں دم دیدار می رقصم مگر نازم بر ایں پیش زو قے یاری رقصم ترجمہ:- میں نہیں جانتا کہ دیدارِ الٰہی نصیب ہونے کے وقت میں رقص کرتا ہوں مگر اس بات پر مجھے فخر و ناز ہے کہ اگر رقص کرتا ہوں تو اپنے یار (اللہ) کے سامنے کرتا ہوں۔ اور مولانا رومؒ نے بھی مندرجہ بالا شعر میں خوشی و مستی کی کیفیت کی جو نشان دہی کی ہے اسی حالت پر مبنی ہے۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے۔

مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ، فَطَالَ لِسَانُهُ، جس نے اپنے رب کو پہچان لیا پس اُس کی

زبان دراز ہوگئی۔

یعنی انکشاف و معارف بیان کرنے لگی۔ اور ایک عارف باللہ یوں فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ، فَكَلَّا لِسَانَهُ،
جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اُس کی
زبان گوئی ہو گئی۔

یعنی گمنامی و نسی میں ڈوب گیا اور حالت استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ اور کیف و مستی میں
بتلا ہو گیا۔ یہ جمالی تجلی کی کیفیت کا اثر ہے۔ ایک عارف فرماتے ہیں:-

تجلی ذاتی مست می کند تجلی صفائی پست می کند

ترجمہ:- ذاتی تجلی کیف و مستی پیدا کر دیتی ہے۔ اور صفائی تجلی نسی و پستی کی
کیفیت غائب کر دیتی ہے۔ پس اولیائے کرام کے حالات اپنے اپنے حالات و واردات کے
تحت رونما ہوتے ہیں۔ حضرت دیوان راجا بابا بھنگلی باغ والے فرماتے ہیں:-

مطرباں را ز دگو تا طبل شاہی بزنند بخت راجا گشت میمون یاروے ریا را شد

ترجمہ۔ نقار چیوں کو جلدی کہوتا کہ شاہی طبل بجائیں کہ راجا کا بخت بیدار ہو گیا
ہے۔ کہ اُس کا یار (قرب الہی نصیب ہو گیا) اُس کا ہو گیا ہے۔ نیز دیدار الہی کے وقت جو
کیفیت راجا پر گزری یوں بیان فرماتے ہیں۔

روئے کہ من بدیدم اندر جہاں نکلجد لذت جمال آں زو اندر بیاں نکلجد

گر کس پر سد چیزے بدہ نشانی از روئے کہ بے نشان است اندر نشان نکلجد

آں روئے محض مطلق بے چون و بچگون است از وہم و فہم بیروں صورت در آں نکلجد

یعنی جو جمال قدرت میں نے دیکھا ہے۔ اس جہاں میں نہیں آ سکتا اور اس کے
جمال قدرت کی لذت جو بوقت دیدار نصیب ہوئی ہے بیان کے اندر نہیں آ سکتی اگر کوئی شخص
مجھ سے پوچھے کہ دیدار الہی کی کوئی کیف و نشانی تو ظاہر کرو تو میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں جمال
قدرت بے نشان و بے کیف ہے۔ جو نشان کے اندر نہیں آ سکتا جمال قدرت محض مطلق بے
چون و بچگون یعنی بے کیف ہے۔ اور وہ وہم و فہم و خیال سے برتر و بالا و ارفع ہے۔ اور اُس کی

کیف و صورت عقل و فکر دیدہ و دانش میں ہرگز نہیں آسکتی وہ وراء الراء ہے۔ اسی مقام پر حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:-

اے برتر از خیال و قیاس و گمان وہم و زہر چہ گفتہ ایم، شنیدہ ایم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و پیا یاں رسید عمر ماہچہاں در اول و صف تو ماندہ ایم
شیخ سعدیؒ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی طرف اشارہ فرما کر آخری فیصلہ دیتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ تیری عظمت تیری شان کبریائی ہمارے خیال و قیاس اور وہم و گمان سے کہیں بلند و
برتر ہے۔ بلکہ ہم نے تیری شان کبریائی میں جو کچھ بیان کیا یا بیان کرتے ہیں۔ اور تیرے
بارہ میں ہم جو کچھ پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں تیرا مقام اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور تیری شان
کبریائی کی تعریف کرنے سے ہم مطلق قاصر ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ تیری تعریف کرتے کرتے
دفتر ختم کر چکے ہیں۔ اور عمریں آخر حد کو پہنچ چکی ہیں۔ مگر ہم ابھی تک تیری پہلی صفت بیان
کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت سعدیؒ نے اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی میں اپنے یہ تاثرات اُسی وقت بیان
کئے ہیں جبکہ ان کے دل میں صفائی پیدا ہو کر انوار ربی بکھلی ہوئے تار یک دل خدا تعالیٰ کی شان
کبریائی کی کیا قدر دانی کر سکتا ہے۔ قلب کو جب تک دوئی سے نجات مل کر یک سوئی حاصل نہ
ہوگی۔ اس پر اسرار و معارف ہرگز نہیں اتریں گے۔ اور معرفت الہی کے قابل ہرگز نہیں ہو سکے
گا۔ یاد رہے کہ معرفت الہی کے لئے قلب سلیم ہونا ضروری ہے۔ قلبی کیفیت کے بارے میں
حضرت دیوان راجا بابا بھگت گلی باغ والے فرماتے ہیں۔

۔ قلب مومن حرم خانہ دخل غیرے شد حرام یک ز نے ربا دو شوہر عقد کجا کے بود
یعنی مومن کا دل حرم خانہ ہے۔ اور اس کا تعلق دوسرے کے ساتھ حرام ہے جس
طرح حرم خانہ (کعبہ) کو بتوں سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح دل کو بھی حرص و ہوا
کے بتوں سے اور غیر کی محبت کی مورتیوں سے پاک رکھنا ضروری ہے جس طرح ایک عورت دو

خاندوں سے بیک وقت نکاح نہیں کر سکتی اسی طرح دل بھی دو یا دو سے زائد کی محبت اپنے اندر نہیں رکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی یا غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا بھی دعویٰ کرے اور دنیا کی محبت بھی دل میں موجود ہو تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا قرب ہرگز ہرگز نہیں حاصل کر سکتا۔ کیونکہ دو ضدیں ایک جگہ نہیں جمع ہو سکتیں کیونکہ ہر دو کا یکجا جمع کرنا محال ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

ہم خدا خواہی دہم دنیائے دوں ایں خیال است و محال است جنوں
یعنی خدا تعالیٰ کو بھی چاہتا ہے اور دنیا کی محبت بھی دل میں موجود ہے پس تیرا خدا
رسیدہ ہونا محض خواب و خیال ہے۔ اور ایسی حالت میں خدا کی معرفت خوش فہمی اور محض جنون
ہے۔ اگر دنیا سے تو نے دلی تعلق جوڑا ہو اور ساتھ ساتھ خدا کی طلب کا بھی خواہش مند ہو تو ایسی
حالت میں قرب خدا خواب و خیال سے کم نہیں ہے۔ حضرت امام غزالیؒ جو کہ حضرت بوعلی
فارمدیؒ کے خلیفہ اور یوسف ہمدانیؒ کے پیر بھائی ہیں انہوں نے اصلاحِ قلب کے لئے پانچ
اصول وضع کئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

دل کی حفاظت و اصلاح کے پانچ اصول

(ماخوذ از منہاج العابدین مصنفہ امام غزالیؒ)

تم پر دل کی حفاظت اور اُس کی اصلاح اور اُسے درست رکھنے کی کوشش کرنا بھی
ضروری ہے کیونکہ دل کا معاملہ باقی اعضاء سے زیادہ خطرناک ہے۔ اور اس کا اثر باقی اعضاء
سے زیادہ ہے۔ اس کی درستی زیادہ دقت طلب اور اس کی اصلاح زیادہ مشکل ہے۔ اور اس کا
حال زیادہ محنت طلب ہے۔ میں (امام غزالیؒ) اصلاحِ قلب کے لئے پانچ اصول بیان کرتا
ہوں۔ جن پر عمل کرنے سے دل کی اصلاح انشاء اللہ پوری طرح ہو جائے گی۔

پہلا اصول:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَعْلَمُ خَائِنَتَهُ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (المؤمن رکوع ۲) جانتا ہے۔

یعنی آنکھوں سے غیر محرم کو غلط نگاہ سے دیکھنا اور دل میں طرح طرح کے خیالات و جذبات سے اُس کے بارے میں خیالی پلاؤ پکانا یا آنکھوں کے غلط اشارے اور دل کی بدنیتی سے کسی کے طرف خیال کرنا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ آدمی کے دل کے غلط ارادے اور اخلاص پر مبنی خیالات ہر دو سے باخبر رہتا ہے۔ اس لئے اپنے ارادے کو خدا تعالیٰ کی مرضی سے باہر اپنی مرضی پر نہ چھوڑا جائے دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ (الاحزاب رکوع ۶) بے شک اللہ تعالیٰ سینے کے پوشیدہ رازوں کو جانتا ہے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتنی دفعہ اس بات کو دہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سینے کے اسرار پر آگاہ ہونا ہی ڈرنے اور خوف کرنے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ غَلَا الْغَيُْوب کے ساتھ معاملہ بہت نازک ہے اس لئے تمہیں خیال کرنا چاہیے کہ تمہارے دلوں میں کس طرح کے راز ہیں جن سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ اگر معاذ اللہ! تمہارے خیالات اور ارادے گندے ہوں (یعنی تم کسی بدنیتی اور دلی حسد میں جل رہے ہو اور کسی کو تباہ کرنے یا گرانے کی سازش میں سوچ رہے ہو یا کسی دیگر برائی کی فکر میں دل ہی دل میں گندگی گوندھ رہے ہو) تو پھر تمہیں شرم کرنی چاہیے (کہ یہ سب کچھ معاملہ جو میرے ارادہ میں ہے اسے اللہ تعالیٰ باخوبی جانتا ہے اور اس کی سزا فی الوقت دینا چاہے تو ابھی ہی گرفت بھی ہو سکتی ہے اور پھر مہلت کا موقع بھی نزل سکے گا لہذا ان بڑے ارادوں کا ترک کرنا اور اپنے دل کو خالص و نرینا ہی مفید تر ہے۔)

دوسرا اصول:

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى صُوَرِكُمْ
وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلَى قُلُوْبِكُمْ
(اوکما قال)
اللہ تعالیٰ تمہاری صرف ظاہری صورتوں
اور کھالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے
دلوں کو بھی دیکھتا ہے۔

(پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظاہری لباس بناؤ سنگار بزرگانہ انداز کو ہی نہیں بلکہ اندرونی کیفیت اور خلوص نیت پر معاملہ فرماتا ہے)۔

مندرجہ بالا اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دل رب العالمین کے نظر کرم کا مقام ہے چاہیے تو یہ تھا کہ بندہ دل کو پاکیزہ رکھے اسے آراستہ کرے اور تاکہ رب العالمین اس میں کسی عیب کو نہ پائے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ جس پر مخلوق کی نظر پڑتی ہے اس کے لئے کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی عیب و قباحت نہ پائی جائے۔ (دوسروں کو دکھانے کے لئے ہر عیب ظاہری اور ہر گندگی ظاہری کو صفا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ یقین ہوتا ہے کہ میرا یہ نقص کوئی دیکھ کر برا نہ مانے اور دوسروں کی نظر میں میرا پوشیدہ وقار گر نہ جائے مگر اللہ تعالیٰ جو ظاہر و باطن کو جانتا ہے جس سے کوئی راز پوشیدہ نہیں اُس کو دکھانے کے لئے گندگی و قباحت باطنی کے دور کرنے کی سوچ بھی نہیں ہوتی حالانکہ زیادہ فکر اس امر کی ضروری ہے کہ اعمال و حسنات کے مقبولیت کا راز اور دار و مدار باطنی صفائی پر منحصر ہے۔ اور پھر ظاہری صفائی جو شریعت نے نشاندہی کی ہے کرنی بھی ضروری ہے۔)

تیسرا اصول:

دل ایک بادشاہ کے مانند ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور باقی اعضاء رعایا کی طرح ہیں کہ سب کے سب اس کی پیروی کرتے ہیں تو اگر بادشاہ درست ہو تو اس کے تابع بھی درست ہوتے ہیں۔ اس بیان کی وضاحت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث

ہے ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

وَأَنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْفَظَةً إِذَا
صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ
وَأِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ
أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھرہ ہے
اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے
اگر وہ خراب ہے تو سارا جسم خراب ہوتا
ہے۔ سن لو! کہ وہ دل ہے۔

جب تمام جسم کی اصلاح قلب کی اصلاح پر موقوف ہے تو قلب کی اصلاح بہت
ضروری ہے۔ (چاہے ظاہر صورت بلحاظ صحت و تندرستی ہو یا باطنی صورت بلحاظ روحانی کیفیت
ہو ہر دو صورتوں میں دل کا کردار لازمی امر ہے دونوں ہی صورتوں میں دل کی اصلاح از حد
ضروری امر ہے۔)

چوتھا اصول:

دل بندے کے نفیس و اعلیٰ جواہر کا خزینہ ہے۔ ان اعلیٰ جواہروں میں سے ایک جوہر
اعلیٰ و عمدہ ہے وہ معرفت خداوندی ہے۔ جو دونوں جہاں کی سعادت کا ذریعہ ہے۔ وہ قلبی
بصیرت ہے۔ جس کی وجہ سے دربار الہی میں انسان کو وجاہت و بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ پھر
دل سے تعلق رکھنے والی عمدہ چیزوں میں سے ایک عمدہ چیز عبادات و طاعات میں نیت خالص
ہے۔ جس کے ساتھ ثواب و اجر کا تعلق ہے اس کے علاوہ دل کے متعلقات میں سے علوم اور
حکمت کی باتیں ہیں۔ جو بندے کے لئے شرف کا باعث ہیں اور پاکیزہ جن سے انسان کو
فضیلت و عظمت اور عزت حاصل ہوتی ہے۔ تو دل جب ایسے گراں قدر اور بہترین جواہر کا
خزینہ ہے۔ تو ایسے خزانے کی ہر قسم کی میل و پچیل و ہر آفت اور چوروں، ڈاکوؤں وغیرہ سے
حفاظت و نگہداشت ضروری ہے۔ یہ ایسا خزانہ ہے جس کی حفاظت ہر طرح ضروری ہے۔ تاکہ
اس کے گراں قدر موتی ضائع نہ ہوں اور کوئی دشمن (شیطان وغیرہ) ان پر قبضہ نہ کر سکے۔

پانچواں اصول:

میں (امام غزالی) نے دل کے حالات پر غور کیا تو مجھے اس کے پانچ حالات ایسے ملے جو کسی دوسرے عضو میں نہیں پائے جاتے:-

(۱) یہ کہ دشمن (شیطان لعین) ہر وقت اس کی طرف متوجہ ہے۔ اور اُسے تباہ کرنے کا قصد کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ شیطان انسان کے دل کے ساتھ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ تو قلب الہام و وساوس دونوں کی منزل ہے فرشتہ اور شیطان دونوں اسے اپنی اپنی دعوت دینے میں مصروف ہیں۔

(۲) اس کی دوسری حالت یہ کہ قلب کی مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ عقل اور شہوت دونوں اس میں اپنے اپنے لشکر دوڑاتے ہیں۔ گویا یہ عقل اور شہوت دونوں کے لشکروں کا میدان کارزار ہے۔ اس طرح دل دونوں کی جنگ اور دونوں کے مقابلے کا مقام بنا رہتا ہے۔ تو جو مقام دونوں دشمنوں کے درمیان کی حیثیت رکھتا ہو۔ اس کی نگہداشت بہت ضروری امر ہے۔

(۳) اس کی تیسری حالت یہ ہے اس کے عوارض و لواحقات ہیں۔ جو ہمیشہ اس پر برستے رہتے ہیں کبھی بند نہیں ہوتے یا بارش کے قطروں کی طرح ہیں کہ ہمیشہ اس پر گرتے رہتے ہیں اور کبھی تھمتے نہیں۔ اور انسان کو یہ طاقت نہیں کہ انہیں روک سکے یا بند کر سکے۔ اور دل کوئی آنکھ کی طرح تو ہے نہیں کہ خطرے کے وقت اسے بند کر دیا جائے۔ نیز یہ قلب کسی تنہا مقام میں بھی نہیں اور نہ کہیں رات کی تاریکی میں مخفی ہے۔ کہ دشمن اسے نہ پاسکیں۔ اور نہ یہ زبان کی مانند دانتوں اور ہونٹوں کی حفاظت میں ہے کہ اسے بچاسکیں۔ اور محفوظ رکھسکیں۔ بلکہ دل تو خطرات اور وساوس کا نشانہ ہے۔ اس بنا پر قلب سے تعلق رکھنے والے خطرات کا مقابلہ سخت کوشش اور محنت چاہتا ہے۔ اور ان خطرات کا دفاع عظیم جدوجہد کا متقاضی ہے۔

(۴) اس کی چوتھی حالت یہ ہے کہ اس کا علاج اس بنا پر بھی مشکل ہے کہ یہ انسان کی

دسترس اور نظر سے بھی غائب ہے۔ اس بنا پر بعید ہے کہ تم اس کی آفات اور اس کے لئے
 ہزاروں اشیا کو بھانپ سکو۔ اور ان کی اطلاع پاسکو۔ اس لئے اصلاحِ قلب کے لئے طویل
 مجاہدوں اور کوششوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے (مگر طویل مجاہدے اور کوششیں کرنے کے
 باوجود فضلِ خداوندی کا شامل حال رہنا از حد ضروری ہے ورنہ ریاضتیں اور کوششیں بھی بار آور
 ثابت نہیں ہونگی۔)

۵۔ اس کی پانچویں حالت یہ ہے کہ آفات اس پر جلدی حملہ آور ہوتی ہیں۔ اور یہ ہر
 وقت انقلاب اور تبدیلی کے لئے تیار رہتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دل ہنڈیا کے ایلنے
 سے بھی جلدی انقلاب میں آجاتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

مَا سَمَى الْقَلْبُ إِلَّا مَنْ تَقَلَّبَهُ وَرَأَى يَضْرِبُ بِالْأَنْفَسَانِ أَطْوَارَا

ترجمہ۔ قلب کا نام اسی بنا پر قلب رکھا گیا ہے یہ ہر آن ازل بدل ہوتا رہتا ہے۔ اور
 اس میں مختلف رائیں (خیالات) پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ پس اگر دل لغزش کھا جائے تو اس کی
 لغزش بہت بڑی لغزش ہوگی اس کا بگڑ جانا نہایت پریشان کن امر ہوگا۔ اس لئے اس کی لغزش کا
 ادنیٰ درجہ قساوتِ قلب (دل کا سخت ہو جانا) ہے اور غیر اللہ کی طرف میاں ہے۔ اور اس کی
 لغزش کا آخری درجہ یہ ہے کہ اس پر کفر کی مہر لگ جاتی ہے۔ کیا تم نے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد
 گرامی نہیں سنا:

أَبَىٰ وَتَكْبَرُ وَكَانَ مِنَ الْكُفْرَيْنِ (البقرہ رکوع ۴)

اس (ابلیس) کے دل میں تکبر تھا۔ جس کے باعث وہ حکمِ ربانی سے منکر اور کافر ہو
 گیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَتَبَعَ هَوَاهُ (الاعراف ع ۲۴)

اور لیکن وہ زمین سے چمٹ گیا اور اپنی
 خواہش کا پیرو بن گیا۔

تو گناہوں کی طرف میلان اور خواہش کی پیروی چونکہ اس کے دل میں تھی اس لئے

اس کے باعث وہ ایک منحوس گناہ پر آمادہ ہو گیا۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ
كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ
(الانعام ع ۱۲)

اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو الٹا دیں گے تو جیسے اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہ لائے اسی طرح پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم اُن کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔

پس اے عزیز! خاصانِ حق اسی بناء پر دل کے معاملے میں نہایت چوکے رہتے ہیں۔ اور گریہ و زاری میں مصروف رہتے ہیں۔ اور اپنی پوری کوشش اس کی اصلاح و درستی میں صرف کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ
الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور ع ۵)

اُسی دن سے ڈرتے ہیں جس دن خوف و ہراس کے باعث دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو عبرت پکڑنے والوں ہدایت یافتہ لوگوں اور اصلاح قلب کی تک و دو کرنے والوں میں شامل فرمادے اور نفس و شیطان کے مکر و فریب اور زندگی کو عبث گزارنے سے بچائے اور اپنے فضل و کرم سے ہماری حفاظت فرمادے آمین۔

اصلاح قلب کے لئے مردِ کامل کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دس لطائف سے نوازا ہے۔ ان دس لطائف میں سے پانچ عالمِ خلق سے ہیں اور پانچ عالمِ امر سے ہیں عالمِ خلق یہ ہیں: نفس، باد، آب، آتش، خاک عالمِ امر سے یہ ہیں: قلب، روح، سر، خفی، اخفاء۔
۱۔ عالمِ خلق اور عالمِ امر میں فرق:- جو چیز بحرِ دامنِ کن سے ظہور پزیر ہوئی ہو وہ عالمِ امر ہے۔ اور جو چیز بتدریج مخلوق ہے وہ عالمِ خلق ہے۔

پس: عالمِ خلق تختِ عرشِ مجید ہے اور عالمِ امر فوقِ عرشِ مجید ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے لطائفِ خمسہ عالمِ امر کو جو کہ جو اہرِ مجرہ وہ ہیں امرِ کن سے تخلیق فرمایا تو انسان کے چند مواضع یعنی جگہ و مقامات کو ان کے ساتھ تعلق پیدا فرمایا۔ لطائفِ خمسہ عالمِ امر کے وہ مواضع و مقامات درج ذیل ہیں:-

لطفہ قلب:- یہ لطیفہ انسان کی بائیں چھاتی سے بقدر دو انگلی نیچے واقع ہے۔ جسے دل بھی کہتے ہیں۔ اور یہ دل تو تھڑہ گوشتِ صنوبری شکل سے مراد ہے مگر قلب جس کو خاص اہمیت حاصل ہے اس مذکورہ صورتِ دل سے متعلق تو ہے مگر اپنے طور پر جس کو خاص جوہر کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے عرفان کے حصول کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ اور ذکرِ الہی سے یہی جوہر روشن و منور ہو کر عرفان حاصل کرتا ہے۔ نیز شریعت سے سرِ موخرف کیے بغیر ذکرِ دائمی میں محور بننے سے اور باقی لطائف میں بھی اسی طرح خصوصہ جوہری موجود ہیں۔ یہ گویا اصلاحِ قلب کی ابتدائی کوشش ہے مگر فضلِ خدا کی استدعا ہر لمحہ ہر گھڑی نہ جائے۔ آہستہ آہستہ مزید ترقی و تقربِ الہی میں پیش رفت ہوتی رہے گی۔ کوشش و انہماک اور طلب و محبت شرطِ اول ہے۔ تو تھڑہ گوشتِ دل صنوبری شکل کی مثال ایک بلب تصور کریں جو کہ ایک مجسم شیشہ قدرے مشابہ صنوبری شکل

ہے اور اس میں خاص تکلیفی انداز میں باریک تاریں خاص انداز میں پیوست ہیں ان کو جو ہر دل تصور کریں۔ بجلی کے کرنٹ کو بلب سے جوڑ کر چھوڑا جاتا ہے بلب کے اندر تاریں کوئی تکلیفی تصور نہ ہو تو بلب روشن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی تصور ہو بھی یعنی تار کا کنکشن لگا ہوا نہ ہو یا بلب کے اندر کسی جانب سے سوراخ ہو کر ہوا داخل ہو گئی ہو تو بلب ہرگز روشن نہ ہوگا۔ اسی طرح دل میں بھی تعلق خاص یا احکام خداوندی کی پابندی شریعت سے انحراف اور حرص و ہوا کا موجود ہونا بھی قلب کے منور ہونے میں رکاوٹ کا باعث ہوگا۔ اسی طرح بجلی کا کرنٹ ایسے کھجے سے لیا ہو جس کا تعلق پاؤں ہاؤس سے جڑا ہوا نہ ہو بلب کے اندر کرنٹ پیدا نہ ہوگا اور بلب روشن ہرگز نہ ہوگا۔ بعینہ دل کا روشن ہونا بھی ایسا ہی اقدام ہے اگر کسی خاص بندہ خدا جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر سینہ بسینہ نور معرفت چلا آ رہا ہے اس کے ساتھ تعلق جوڑ کر تکلیفی تکمیل یعنی دائرہ شریعت کی پابندی اور حرص و ہوا سے اجتناب کی صورت میں دل کا جو ہر ضرور روشن ہوگا۔ اور پھر باقی لطائف بھی روشن ہونے لگیں گے۔ اصلاح قلب کے لئے مزید حالات اسی مضمون میں آگے بتدریج زیر مطالعہ آئیں گے۔

۲۔ لطیفہ روح: یہ لطیفہ انسان کی دائیں چھاتی سے بقدر دو انگلی نیچے واقع ہے اور لطیفہ قلب روشن ہونے کے بعد انوار اس لطیفہ روح میں منعکس ہو کر اس کو روشن کر دیتے ہیں۔ اور زندہ ہو جاتا ہے یعنی اس میں بھی ذکر الہی کا اجراء ہو جاتا ہے اور ذکر کو محسوس ہونے لگتا ہے اور مزید ترقی ہوتی رہتی ہے۔

۳۔ لطیفہ سری: یہ لطیفہ انسان کی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں پست جگہ پر واقع ہے۔ لطیفہ روح کی زندگی کے بعد نوری شعاعیں اس لطیفہ سر میں سرایت کر کے اسے منور کر دیتی ہیں۔

۴۔ لطیفہ خفی: یہ لطیفہ انسان کے دونوں ہونٹوں میں واقع ہے اور یہ بھی اپنے قریبی لطیفہ سر سے نور حاصل کرتا ہے اور پھر اس میں ذکر الہی کا اجراء ہو جاتا ہے۔

۵۔ لطیفہ اخفاء: یہ لطیفہ انسان کی پیشانی میں واقع ہے اور یہ بھی اپنے قریبی لطیفہ خفی سے نور حاصل کر کے منور ہو جاتا ہے اور ذکر الہی کا اجراء ہو جاتا ہے۔

مزید تشریح:- مذکورہ بالا لطائف خمسہ جو اللہ تعالیٰ کی یاد کے مقامات ہیں۔ پیر و مرشد کی بیعت سے قبل مردہ اور بے حس رہتے ہیں۔ جب انسان اپنے رہبر کے سامنے با ارادت صادق اور گزشتہ عمر کے بے کار گزر جانے کی حسرت کو دل میں لئے ہوئے اپنے گناہوں اور غفلت پر پشیمانی و ندامت کے پر سوز آنسو بہاتے ہوئے شیخ طریقت کے آگے دوزانوں ہو کر عاجزی کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ اور شیخ کامل مرید صادق کو گناہوں سے توبہ پڑھا کر سلسلہ طریقت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر شیخ مذکور کے سینہ مبارک تک پہنچا ہے۔ اسے مرید صادق کو قبول کراتا ہے۔ پھر اپنی استعداد خداداد سے انوار الہی کا انعکاس مرید کے مردہ دل یعنی لطیفہ قلب پر مرکوز فرماتا ہے تو اسی اثناء میں اپنی اپنی بساط اور شوق و جذبہ کے مطابق اور طلب و محبت کے موافق طالب حق میں ایک گونا گونا جذبہ اور لذت و سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی کا دل (لطیفہ قلب) اسی وقت بیدار و زندہ یعنی ذکر اللہ سے ذکر ہو جاتا ہے۔ اور لطف و سرور سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور کیف بے خودی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی کو بعد میں وظائف شیخ کا تواتر رکھنے اور محبت شیخ میں رہنے اور وقت گزارنے نیز توجہ شیخ حاصل کرنے سے اور اپنے اوقات فراغت میں ذوق و شوق اور طلب و محبت کے ساتھ ذکر و فکر اور مراقبہ کرنے سے وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ ربط و تعلق نشست و برخاست و محبت رکھتے ہوئے مزید ترقی ہوتی رہتی ہے۔

یہی لطائف خمسہ جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کے مقامات انسانی جسم میں مردہ اور بے حس ہوتے ہیں۔ بوقت بیعت جب شیخ کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھتا ہے تو شیخ کی مجلس و توجہ کی برکت سے ان میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی یاد میں متحرک و زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور انوار الہی سے منور ہونے لگتے ہیں۔ ان متحرک اور ذکر شدہ لطائف خمسہ سے

انوار ذکر نکل کر انسانی نفس امارہ میں پہنچ کر نفسانی میل و کجیل اور کدورت کا خاتمہ کرنے میں معاون ہوتے ہیں اور نفس کی خصائل رذیلہ اور دیگر امراض کا قلع قمع ہوتا ہے اور نفس کی صفائی ہوتی رہتی ہے اور سرکشی کی خصلت سے نفس لواحد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ نافرمانی و ہٹ دھرمی سے ہٹا کر پشیمانی و اطمینان کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔ اور یہ تبدیلی ذکر کی برکت و قوت سے رونما ہوتی ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَالذُّكْرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اور اُس کا ذکر بھی بہت بڑا ہے۔

اُس کے ذکر کی تاثیر کے آگے پر چیز جو اُس کی محبت میں رکاوٹ پیدا کرنے والی ہے نہیں ٹھہر سکتی اور امراض نفسانی و قلبی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

جب کسی خوش نصیب اور نیک بخت انسان کا نفس اطمینان و سکون کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس نیک سیرت اور بیدار بخت مرد خدا کے لئے انعام و اکرام کا اعلان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا أَنْفُسُ الْمُطْمَئِنَّتِ ۝ اے جان آرام پزیرنے والی پھر جا طرف
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ پروردگار اپنے کے کہ خوش ہے تو پسند کی گئی
ضِيَّةً ۝ فَإِنْ خَلَىٰ فَيَ عِبَادِي ۝ ہے۔ پس داخل ہو بیچ بندوں میرے کے
وَذَخُلِي جَنَّتِي ۝ اور داخل ہو بیچ بہشت میری کے

جس نے نفس سے توڑ پیدا کر کے خدا تعالیٰ سے جوڑ پیدا کر لیا۔ اللہ تعالیٰ سے مکمل دوستی کی وعدہ و وفا کی کر کے اُن کے خاص بندوں میں شامل ہو کر جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ ہمیشہ کی رہائی اور نجات کا اعلان ہو جاتا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ خبردار ہو دوست خدا تعالیٰ کے نہیں ڈران
 پر اور نہ غمگین ہونگے۔

(یونس ع)

پس خدا تعالیٰ سے دوستی لگانے کے لئے تنہا کوشش بے سود ہے۔ بلکہ رہبر و رہنما کی اشد ضرورت ہوتی ہے تاکہ کسی خاص بندہ خدا سے زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھ کر سنت نبویؐ پر عمل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ط
(المائدہ ع ۶)

پس معلوم ہوا کہ راہ حق پر چلنے اور اپنے قلب کی اصلاح کرانے کے لئے ہر حال میں رہبر و رہنما کی ضرورت لازمی امر ہے۔ حاجی محمد اعظمؒ جو کہ حضرت سید پورئیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اپنی کتاب یادگار اعظم میں فرماتے ہیں۔

۔ طفیل پیر ہے اتباع سنت اسی سے قرب ہے تیرا خدایا!
یعنی پیر و مرشد کے وسیلہ سے سنت نبویؐ کی اتباع نصیب ہوتی ہے۔ اور شیخ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا قرب و وصل اور نور معرفت حاصل ہوتا ہے ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ كِيَانِي :- یہ سبق مرشد سوامتا نہیں یعنی اگر کوئی شخص بغیر پیر کامل کے اَللّٰهُ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ کا وظیفہ کر کے باطنی امراض کو ختم کر کے اپنی نفی کرتا ہے تو ایسا کب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اپنی اور غیر کی نفی کا سبق پیر و مرشد کے بغیر حاصل ہونا مشکل ہے۔ یہ سبق تو پیر و مرشد کے ساتھ تعلق بیعت جوڑ کر اس کے بتائے ہوئے درود و وظائف پر پابندی کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اس کی صحبت میں وقت گزار کر ہی حاصل ہوگا۔ ہاں البتہ ثواب حاصل کرتے ہوئے بغیر مرشد بھی درود و وظائف کرتے ہوئے اجر و ثواب ضرور ہوگا۔ مگر معرفت الہی حقیقت کھلنے کا عقدہ اور کنجی قدرت نے پیر و مرشد کے ساتھ متعلق کر دی ہے۔ جیسے قرآن پاک

میں وسیلہ اختیار کرنے کا ارشاد ہے۔ مگر مرشد کسی کامل شخص کا قبولیت یافتہ کمالیت خاص حاصل کر چکا ہو۔ اور اس کی مجلس میں علماء و فضلاء اور متقی پرہیزگار لوگوں کا آنا جانا اور نشست و برخاست ہو۔ پیر و مرشد کے سینہ مبارک میں عشق و محبت کی آگ سلگ رہی ہو۔ اور بظاہر عام آدمی کی طرح ہی وضع قطع کیوں نہ ہو۔ قابل تقلید ہوگا۔ ظاہری رنگ اور لباس بزرگانہ معیار درویشی نہیں ہے۔ دنیا کی ہر چیز قبول کرتے وقت پرکھ کر کے حاصل کی جاتی ہے سونا چاندی اور دیگر اشیاء میں کھوٹا کھرا کا امتیاز کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ دین و ایمان کے بارے میں بالکل پرکھ اور کھوٹا کھرا معلوم کئے بغیر اس کے گرد جھوم بنا لیتے ہیں۔ کھوٹا کھرا ہونے کی تفصیل آگے آئے گی۔

یہاں صرف سرسری نشان دہی کئے دیتا ہوں۔ کہ اول شرط شریعت مطہرہ سے سر موخراف نہ ہو۔ یعنی بال برابر بھی شریعت کی مخالفت نہ ہو۔ لالچ و حرص و ہوس میں پھنسا ہوا نہ ہو۔ اور اس کی مجلس میں دنیا کی محبت سے سرد مہری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اپنی تعریف سے دل برداشتہ ہو جاتا ہو۔ اور ہر قیمت پر اپنی تعریف برداشت نہ کرے۔ علماء اور صلحا سے دلی محبت رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ نیک و پارسا لوگ ہوں اور اس کی نشست و برخاست بھی نیک لوگوں سے ہو اور عام دنیا دار انسان اس کی مجلس میں نظر نہ آتے ہوں اور نہ یہ دنیا دار لوگوں اور مالدار لوگوں کی مجلس کی زینت بنا ہو چہرہ پر مسکراہٹ ہو مگر بے باکی اور فضول گفتگو نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی طلب و محبت میں ہمیشہ فکر مند رہتا ہو اور منازل سلوک شناسی کے بارے میں آگے تفصیلاً سپرد قلم کیا جائے گا۔

اس قسم کا پیر و مرشد بندہ خدا اگر ملے تو اصلاحِ نفس اور معرفتِ الہی کے حصول کے لئے ضرور اس کی مجلس اختیار کریں۔ سلطان باہو ترماتے ہیں۔

نفس سرکش را یکش از ظل پیر دامن آں نفس کش محکم بمیر
ترجمہ۔ اپنے نفس سرکش کو پیر کی مجلس کے سایہ میں یعنی زیر سایہ تربیت شیخ اس کی

اصلاح کرو اور اُس (شیخ) نفس کی اصلاح کرنے والے کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو۔
سلطان باہو اپنے بارے میں تحدیث بانمت کے طور پر فرماتے ہیں۔

مرشد کامل ایسا ملے جس دل دی کھڑی لائی ہو۔ میں قربان مرشد توں باہو جس دیا بھید الہی ہو
ترجمہ۔ یعنی مجھ کو مرشد کامل ایسا ملا ہے کہ جس نے بھید و اصرار کا نظارہ کرنے کے
لئے دل کی کھڑکی لگا دی ہے۔ اور میں قربان ہو جاؤں ایسے مرشد پر جس نے بھید و اسرار الہی کا
نظارہ کرایا ہے۔ اور مولانا روم فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کامل پامال شو
فرمایا باتوں کو چھوڑ زیادہ باتوں نہ بن۔ باتوں سے قرب الہی نصیب نہیں ہوگا۔ اگر
خدا کی طلب اور معرفت الہی کا خواہشمند ہے۔ تو خاموش رہا کرو کسی شیخ کامل کی تلاش کر کے
اس کے سامنے گم رہ کر زندگی گزار، قرب خداوندی سے نواز دیا جائے گا۔ اور اپنے بارے میں
فرماتے ہیں۔

مولوی از خود نشد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نشد
فرمایا کہ مولوی روم اپنی محنت و کوشش سے ملک روم کا (مولانا و آقا) اُس وقت تک
نہیں بن سکا۔ جب تک کہ حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کی قدم بوسی یعنی غلامی حاصل نہیں
ہوئی تھی۔ اور جب تک اُن کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوا تھا۔ مولوی ہدایت اللہؒ اپنی سحرانی میں
فرما گئے ہیں۔

طرف محبوب دے و بجنے نوں گھوڑا شوق دا تیز رفتار ہو دے
منہ نفس دے چپ لگام کافی بدلے کو لڑے دے استغفار ہو دے
کاشی گھٹ کے صبر وی نفس اُتے چاہیے مردنوں خوب سوار ہو دے
راہ پوچھیو! و ہنوں ہدایت اللہ سوا راہ دا واقف کار ہو دے
مولوی ہدایت اللہؒ طالب حق کو چند نکلتے اور نصیحتیں دکھانا کر شیخ و رہبر کی ترغیب

دلاتے ہیں۔ فرمایا کہ خدا کی جانب قریب ہونے کے لئے عشق و محبت، سوز و گداز اور درد و اشتیاق کی از حد ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گزشتہ گناہوں پر ندامت و پشیمانی اور اُس کی طلب و فکر میں خاموشی بھی لازمی ہے۔ اور اگر اس راہ میں کوئی تکلیف و مصیبت پیش آجائے۔ تو صبر کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنا چاہیے یہ سب کچھ کرنے کے بعد پھر بھی مرد خدا یعنی شیخ و مرشد کی تلاش کرنی چاہیے۔ جو کہ نیک و پارسا اور پابندِ شریعت ہو۔ کسی بھنگی چرسی کے ہاتھ میں ہاتھ ہرگز نہیں دینا چاہیے اور نہ ہی جاہ و جلال اور مال و زر کے بھوکے اور خواہشات کے پوجاری کے دامن کو پکڑا جائے اور نہ ہی کسی رکی گدی نشین جو کہ ورثہ کے طور پر گدی نشین ہو چکا ہو۔ اور عوارف و معارف اور سیرالی اللہ کی نعت سے محروم ہو۔ جو کہ اس راہ کے راہی کی پہلی منزل ہے۔ ایسے شخص سے دوری ہی بہتر ہے۔ اسی طرح کسی غیر شرح انسان کے ہاتھ پر بھی بیعت نہیں کرنی چاہیے اور نہ کسی بناوٹی پیر اور شہرت کے چاہنے والے کی مجلس اختیار کی جائے اور نہ کسی طلبہ رباب اور سارنگی، بجانے والے نیز ڈھولک پیٹنے اور پنوانے والے کی مجلس اختیار کی جائے۔ کڑے پہنانے والے کے پاس بھی نہ جانا چاہیے۔ بلکہ حقیقت شناس راہ معرفت کے رموز و اسرار سے واقف پابندِ شریعت ہمہ صفت موصوف عارف باللہ اگر ملے تو اس سے راستہ پوچھنا چاہیے۔ جو خود بھی راہِ سلوک طے کر چکا ہو۔ اس کی مجلس اختیار کر کے طلب خدا میں مصروف ہونا چاہیے۔ اور حضرت ہدایت اللہ نے بھی انہی امور کی جانب اشارہ کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ طلب حق کے لئے ایسا رہبر و شیخ تلاش کر کے رہنمائی حاصل کی جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ وار صدقہ طور پر تعلق فیض رکھتا ہو۔ اور خود بھی سلفِ صالحین کے نقش قدم پر قائم رہتے ہوئے۔ سنتِ نبویؐ پر عمل پیرا ہو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے پتہ دیتی ہے شوخی نقشِ پاؤں کی
جو انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے وہ
کب پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ اُس کے ہر قول و فعل میں سنتِ نبویؐ اور شریعتِ مطہرہ کی پابند نظر آتی

ہے۔ حضرت خواجہ معصومؒ فرماتے ہیں کہ رابطہ شیخ خدا تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کے لئے تمام راہوں سے زیادہ اقرب الطرق ہے۔ یعنی خدا تک جانے کا قریب تر راستہ ہے۔ نیز فرمایا ہے ذکر تنہا بے رابطہ و بے فنا فی الشیخ موصول نہیں ہوتا اور رابطہ تنہا بر عایت آداب صحبت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا راستہ ہمارے لئے آسان فرمادے اور ہمیں ذوق اور شوق در طلب حق نصیب فرماوے آمین۔

رہبر و شیخ یعنی خلیفہ/سجادہ نشین کا معیار کیا ہے

ہر دور میں اصل و نقل ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خیر سے دوری کے باعث اصل کی نسبت نقل میں قدرے اضافہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ نقل کی بھی نقل نکل آئی ہے جسے موجودہ اصطلاح میں اصل کو نمبر ایک نقل کو نمبر دو سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اب نمبر تین کا آواز بھی کانوں میں پڑتا سنائی دیتا ہے۔ گویا ہر چیز اور ہر عمل جو زندگی سے تعلق رکھتا ہے ان مذکورہ نمبرات میں جگہ لے چکا ہے۔ نمبر ایک کی طلب اور خواہش کرنے والے بہت کم تعداد میں نظر آتے ہیں مگر نمبر دو اور تین کے طلب گار زیادہ ہی دکھائی دیتے ہیں اور اس کی بڑی وجہ جہالت، سادگی اور نادانستگی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم مسلمان ان تینوں اقسام میں فرق و امتیاز کرنے سے قاصر و معذور ہیں۔ ورنہ کون ہے جو اصل چیز کو چھوڑ کر نقل اشیاء کی طلب کرے۔ اور اصل کے مقابلہ میں نقل کو پسند کرے۔

اسی طرح باقی شعبوں میں بھی یہی کیفیت ہے آلات و مشینری اور اشیائے خوردنی وغیرہ خوردنی میں بھی یہی فرق پایا جاتا ہے۔ اس میں بھی دو قسم کے اوصاف رکھنے والے عالم ملیں گے۔ پہلی قسم میں علمائے حق جن کو علمائے آخرت بھی کہا گیا ہے مل سکتے ہیں اور دوسری قسم میں علمائے ظاہرین طالب جاہ و مال اور نفس پرست بھی ملیں گے جن کو علمائے سو سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہر دو قسم کے علماء کے پیروکار موجود ہیں مگر دوسری قسم کے علماء کے پیروکاروں کی کثرت ہے۔

اسی طرح علم و فضل اور سلاسل اربعہ سے شغف اور تعلق رکھنے والے صوفی و درویش بھی ہیں ان میں ہر سہ اقسام پہلی دوسری اور تیسری اقسام کے لوگ دکھائی دیں گے۔ پہلی قسم میں خاص لوگ جو حقیقی طور پر بندگانِ خدا میں شمار ہوتے ہیں ملیں گے۔ جن کو بفضل الہی فقر و

فقیری سے حصہ ملا ہے اور قرآن پاک میں ان کی صفت بیان ہے۔ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ، یعنی یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی چاہت رکھنے والے ہیں اور ان کو ولایت ربی وہی طور پر میسر اور ان کے منازل سلوک یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کی جانب جانے والے راستے وہی طور پر طے ہو کر قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ خاص الخاص لوگ فناء و بقاء کے مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ بِهِمْ يُرْزَقُونَ وَ بِهِمْ يُنْظَرُونَ یعنی ان ہی کی بدولت جہاں والوں کو رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی بدولت بارش برسی ہے۔ یہ ان کی صفت حدیث شریف کی رو سے بیان ہوئی ہے۔ ان ہی میں اپنے اپنے درجات کے موافق جو اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت و عشق کی نسبت سے عطا فرمائے ہیں غوث، قطب، ابدال، اوتاد وغیرہ موسوم ہیں۔ اور یہی حقیقی اولیائے کرام کی فہرست میں ہیں اور ان ہی میں خلیفہ سجادہ نشین گدی نشین کے صورت میں بندگانِ خدا گزرے ہیں اور گزریں گے۔ اور پہلی قسم کی فہرست میں یہی لوگ ہوتے ہیں اور کالمین امت کہلاتے ہیں۔ اور یہی سجادہ نشین اور گدی نشینی نیز خلافت و خلیفہ مجاز ہونے کا معیار ہے۔

اور دوسرے قسم کے لوگ ان سے منسلک وہ ہیں جو منازل سلوک سے ابھی بے خبر و بے بہرہ ہیں۔ ابھی ان کا تزکیہ نفس نہیں ہو سکا اور نہ رموز و اسرار کے خزانے سے ان پر کچھ بھید ظاہر ہوئے اور نہ حقیقت حال اور عروج و زوال کی فہم و فراست اُن کو حاصل ہے۔ صرف اپنی ہوشیاری و چالاکی اور کچھ دینی امور سے واقفیت کے طور پر پیش رو یا پیشوا کا روپ اختیار کر چکے ہیں یا باپ دادا کی مشہوری اور سجادہ نشینی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسندِ شجیت پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ یہ کالمین کی فہرست سے باہر ہیں یہ خواہ مخواہ خوش فہمی کے طور پر مسندِ خلافت کا حق دار خود کو تصور نہ کریں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا ورنہ کل بروز قیامت خدا کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

اور تیسری قسم کے لوگ بے لگام نفس و ہوس کے دلدادہ بھگتی چری یا نشاناتِ فقر سبز

لباس گودڑی ڈنڈا لال پیلے سبز منکوں سے بنا ہوا ہار پہن کر زلفیں لمبی کی ہوئی درویشی روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ لوگ سخت خسارے میں ہیں۔ ابھی سے توبہ کر لیں ورنہ کل عذاب و عتاب کے مستحق ہو گئے العیاذ باللہ آپ کو ایسی صفت رکھنے والے گدی نشین / سجادہ نشین بھی ملیں گے اور ان کے پیروکار بھی بکثرت دیکھنے میں آئیں گے۔ عقیدت مندوں اور پیروکاروں کا اضافہ تعجب کی بات نہیں وہی جملہ مؤخر الذکر جملہ جہالت، سادگی اور نادانستگی کی بناء پر مخلوق درباروں میں حاضر اور چمٹی رہتی ہے۔

۔ دلیل رسائی یہ ہرگز نہیں اے شیخ

تیرے در پہ اگر مریدوں کا اثر دھام ہوتا ہے

(حبیب)

یعنی کسی شیخ و سجادہ نشین کے چاہنے والے بہت زیادہ ہوں اور ہر وقت اس کے دربار اور حلقہ مجلس میں عقیدت مندوں کی کثرت ہو تو یہ خدا تک رسائی کی کوئی دلیل نہیں ہے لوگ تو بوجہ جہالت و نادانستگی بھٹکی چڑی اور غیر شرع انسان کے ساتھ بھی ہر وقت ہجوم لگائے رکھتے ہیں اور آداب بجالاتے رہتے ہیں۔ پس اپنی نیت کو خدا کے چاہنے اور طلب کرنے کے لئے خالص کر لو۔ اور اپنے آپ کو پہنچا ہوا نہیں بلکہ مبتدی کے مقام پر تصور کرتے رہو۔ اسی میں خیر اور بھلائی ہوگی۔

کم از کم معیار خلافت: پیر بننے کی اہلیت کا کم سے کم معیار یہ ہے کہ مسائل دینیہ

میں یَسْجُوزُ وَلَا یَسْجُوزُ کا علم رکھتا ہو۔ متقی پرہیزگار ہو۔ حرام اور مشتبہ خوراک سے بچتا ہو فضول کلام سے اجتناب رکھتا ہو۔ عمدہ اخلاق کا مالک ہو۔ ہنستے ہوئے قہقہہ مار کر ہنسنے سے اجتناب کرتا ہو۔ نظر بد جسے قرآن پاک میں خَا بِنْتُهُ اَلَا غَیْنُ سے پکارا گیا ایسی حالت سے اجتناب کلی ہو۔ کسی کا دنیاوی امور کے لحاظ سے مخالف نہ ہو۔ حسد، کینہ بغض اور غیبت وغیرہ گناہوں سے اجتناب رکھتا ہو۔ یہ تمام اوصاف موجود ہونے کے باوجود مزید برآں علم

تصوف کی حقیقت و ماہیت سے روشناس ہو اور لطائف خمسہ میں ذکر کا اجرا ہو چکا ہو۔ بلکہ سلطان ذکر کی نعمت سے مستفید ہو۔ حال اور عروج و نزول کی حالت و کیفیت سے باخبر ہو اور روحانی نفع و نقصان کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور جہاں سے کدورت دل پر بیٹھنے کا خدشہ ہو۔ اس کی پہچان کی صلاحیت نصیب ہو۔ اور مجلس کی اثرات بد اور اثرات عمدہ کی پہچان رکھتا ہو۔ طلب حق کی چاہت شدت سے ہو۔ اور اس کی حصول کے لئے تک و دو بھی کرتا ہو۔ ذکر دائمی اور رجوع الی اللہ ہر وقت رہتا ہو۔ اگر اس قدر بھی اوصاف پائے جائیں تو ایسے شخص سے بیعت ہو جانے سے روحانی نفع حاصل ہونے کا امکان ہے مگر ایسا شخص بھی کسی کامل انسان سے ذکر بتلانے پر مجاز ہو چکا ہو۔ ورنہ نہیں۔ اور یاد رہے کہ یہ شخص خود کو خلیفہ مجاز جانشین یا سجادہ نشین ہر گز تصور نہ کرے بلکہ اجازت ذکر پر مامور ہونے پر ہی اکتفاء کرے تب خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی۔

ایسا شخص کسی پیر و درویش سجادہ نشین کے خاندان سے متعلق ہو یا کسی سجادہ نشین کا بیٹا پوتا یا نواسہ ہو اس منصب خلافت کا اہل ہرگز نہ ہوگا جب تک مندرجہ بالا اوصاف اس میں نہ پائے جائیں۔ اگر کسی شخص میں مذکورہ اوصاف پائے بھی جائیں تو عارف باللہ کا مقام تو بہت دور بلند یوں پر فائز ہوتا ہے۔ ان کے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی منازل سے کالمین کی مثال اور غیر کالمین کی مثال و نسبت ایسی ہے جیسے عالم و فاضل شیخ القرآن شیخ الحدیث اور درجہ اولیٰ یا ثانیہ کے طالب علم کے مابین فرق و نسبت پائی جاتی ہے۔ سبق دونوں ہی پڑھا سکتے ہیں مگر دونوں کے عوارف و معارف علمی تبحر میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح کالمین و غیر کالمین کے درمیان بھی ایسا ہی فرق قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ اور اسفل سے اعلیٰ کی جانب عروج نصیب فرمائے آمین یا رب العالمین۔

اصلاحاتِ صوفیہ سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ کی تشریح

(ماخوذ از مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی مکتوب نمبر ۱۳۴)

سیر و سلوک کے معنی اور سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ اور دیگر دوسروں کی بیان میں جو ان دوسروں کے علاوہ بعد میں ہیں۔ حافظ محمود لاہوریؒ کی طرف صادر فرمایا۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی منازل سلوک و تصوف کے بارے میں بے شمار اصطلاحات ابتدائے انتہا موجود ہیں اور ہر اصطلاحی نام اپنے اندر ایک جامع احوال و حالات سموئے ہوئے ہے ایک ہی اصطلاحی نام کی اگر تشریح تفصیل کے ساتھ کی جائے تو بے شمار اوراق کی ضرورت پڑے گی۔

یہاں پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وقت اور حالات کا تقاضا مد نظر رکھتے ہوئے حضرت محمود لاہوریؒ کی جانب صرف دو اصطلاحات کے بارے میں شوق و جذبہ پیدا کرنے کے لئے خط صادر فرمایا ہے اور حضرت محمود لاہوریؒ آپ کے مخلص احباب میں سے تھے اور ان کو آپؒ نے مقامِ ولایت کے اعلیٰ درجہ کے حصول کی خوشخبری بھی سنائی تھی جو کسی دوسرے مکتوب میں ہوگی۔ یہاں پر آپؒ حضرت محمود لاہوریؒ کا نام لئے بغیریوں مخاطب کر رہے ہیں۔

خط

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بطیفیل حضرت سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات جو کجی نظر سے پاک ہیں آپ کے درجات کمالات میں بے حد ترقیات عطا فرمائے۔

ع از ہر چہ مرد و خن دوست خوشتر است

ترجمہ:- یعنی دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے۔ سیر و سلوک حرکت در علم (یعنی انتقالِ علمی) سے مراد ہے جو کہ مقولہ کیف سے ہے (مقولہ کیف یعنی اس عرض کا نام ہے جس کا تصور و تعقل غیر ہے تصور و تعقل پر منحصر ہو۔ اور جو اقتضاءِ اولیٰ کے لحاظ سے تقسیم یا عدم تقسیم

کی متقاضی نہیں ہے) حرکتِ اُتنی (یعنی انتقالِ مکانی) کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ پس سیرِ الی اللہ حرکتِ علیہ سے مراد ہے جو کہ علمِ اسفل کے علمِ اعلیٰ تک ہوتی ہے۔ اور اس اعلیٰ سے دوسرے اعلیٰ تک حتیٰ کہ ممکنات کے علوم پوری طور پر طے کرنے اور کلی طور پر اُن کے زائل ہو جانے کے بعد واجبِ تعالیٰ کے علم تک منہتی ہو جاتی ہے۔ اور یہ وہ حالت ہے۔ جو فنا سے تعبیر کی جاتی ہے اور سیرِ فی اللہ سے وہ حرکتِ علیہ مراد ہے جو مراتبِ یعنی اسماءِ صفات و شیون و اعتبارات اور تقدسیات و تنزیہات میں ہوتی ہے یہاں تک کہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی نام سے اس کو موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ کسی کنایہ (اشارہ) سے اس کا اظہار ہو سکتا ہے اور نہ کوئی عالم اس کو جان سکتا ہے۔ اور نہ کوئی مُدرک اس کا ادراک کر سکتا ہے اس سیر کا نام بقاء رکھا گیا ہے (یعنی سیرِ الی اللہ اور سیرِ فی اللہ درحقیقت فناء بقاء کی منازل ہیں)

اور سیرِ جو عن اللہ باللہ ہے جو تیسری سیر ہے اس سے بھی حرکتِ علیہ مراد ہے۔ جو کہ علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی طرف نیچے آتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف یہاں تک کہ ممکنات کی طرف پس پاء (یعنی پیچھے کی طرف) رجوع کرتی ہے۔ اور تمام مراتب و جوب کے علوم سے نزول کرتی ہے اور یہ وہ عارف (باللہ) ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جانے کی وجہ سے سب کچھ بھلانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے وہ واجدِ فائدہ (یعنی پانے والا گم کرنے والا) اور واصلِ مجبور (یعنی ملنے والا فراق زدہ) اور قریب بعید (یعنی نزدیک دور) ہوتا ہے۔

اور چوتھی سیر جو کہ اشیاء میں سیر ہے۔ اس سے مراد یکے بعد دیگرے اشیاء کے علوم کو حاصل ہونا جبکہ تمام اشیاء کے علوم سیرِ اول میں ضائع ہو چکے تھے۔ پس سیرِ اول سیرِ چہارم کے بالمقابل ہے اور سیرِ سوم سیرِ دوم کے بالمقابل جیسا کہ بیان ہوا۔

اور سیرِ الی اللہ اور سیرِ فی اللہ نفسِ ولایت کے حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ جس کو فنا

و بقاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تیسری اور چوتھی سیر مقام دعوت کے حصول کے لئے ہے۔ جو کہ انبیائے کرام و رسل عظام صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیٰ جمعہم عموماً و علیٰ افضلہم خصوصاً کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ان کے کامل متبعین کو بھی ان بزرگواروں علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات کے مقام سے حصہ حاصل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ تَتَّبَعْنِيْ (سورۃ یوسف آیت ۱۸)

آپ کہہ دیجئے یہی میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میرے متبعین بصیرت (یعنی دلیل محکم) پر ہیں۔

یہ بیان ابتدا اور انتہا سے متعلق ہے۔ جس کے ذکر (یعنی تذکرہ) سے مقصود یہ ہے کہ اُس کی (یعنی اللہ تعالیٰ کا) ذکر بلند کرنا اور طالبان حق کے اندر شوق پیدا کرنا ہے۔

وَالسَّلَامُ اِلَیْہِ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَدَّمَ مَتَابِعَتِہُ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ ؕ

اور سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کرے۔ آمین۔

مندرجہ بالا خط کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت و ولایت کا جیسے موجودہ اصطلاح میں سجادہ نشین یا گدی نشین کا نام بھی دیا گیا ہے کون حق دار ہے اور اس کو سیر و سلوک میں کیا کیا حاصل ہونا لازمی ہے اور کس مقام پر مقام دعوت یعنی خلیفہ مجاز ہونے کا یہ مستحق ہو جاتا ہے صاف صاف ہے۔ اب ہم اگر خود کو خواہ مخواہ خلافت اور مسندِ شجیت کے اہل تصور کریں تو یہ ہماری خوش فہمی ہوگی۔ و ما علینا الا البلیغ۔

رہبر و شیخ ذریعہ قرب خداوندی ہے

اللہ تعالیٰ کے قرب و معرفت کے راستے بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا چاہیے جس طریقہ سے حاصل کیجائے۔ یہی راہِ حق اور صراطِ مستقیم ہے۔ نماز و تلاوت قرآن پاک، روزہ، حج اور زکوٰۃ و صدقہ خیرات غرضیکہ جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی طرف صادر ہوئے۔ نیز جن افعال و احکام کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنے کا حکم فرمایا اور خود ان کی پابندی کی اور پسند فرمایا یہ سب افعال و احکام خدا تعالیٰ کی طرف قریب کرنے کے ذرائع ہیں۔

منجملہ ازاں ایک طریقہ تصوف و سلوک ہے جسے احسان سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ جامع اور خدا تعالیٰ کی جانب بڑھنے کے لئے قریب تر راستہ ہے۔ نیز یہ طریقہ شریعت کے دائرہ کے اندر ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ اپنے ایک رسالہ مرغوب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

شریعت را مقدم دار اکنوں طریقت از شریعت نیست بیروں ترجمہ۔ اب شریعت کو پہلے رکھ اور طریقت بھی شریعت سے باہر نہیں ہے یعنی سب سے پہلے شریعت پر عمل کرتے ہوئے طریقت اختیار کرو اور طریقت بھی شریعت کے دائرہ کے اندر ہے باہر نہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے وہ تو سادہ لوح انسانوں کو ایسے ہتھ کنڈوں سے گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں مرغوب القلوب ہیں یہ حدیث بھی نقل ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

لِلشَّرِيعَةِ كَالسُّنَنِ وَالطَّرِيقَةِ كَالْبَحْرِ وَالْحَقِيقَةِ كَالصُّدْفِ وَالْمَعْرِفَةِ فِيهَا شَرِيعَتُكَ كَشَيْءٍ كَانَتْ مَعَهُ شَرِيعَتُكَ كَالْبَحْرِ وَالْحَقِيقَةِ كَالصُّدْفِ وَالْمَعْرِفَةِ فِيهَا

شریعت کشتی کی مانند ہے۔ طریقت سمندر کی مانند اور حقیقت صدف اور معرفت صدف کے منہ میں موتی کے

گَالِدْرٍ فَمَنْ أَرَادَ رَكِبَ فَيُ
السَّفِينَتِهِ ثُمَّ شَرَعَ فِي الْبَحْرِ
ثُمَّ يُصَلِّ إِلَى الدَّرِّ يَعْنِي إِلَى
اللَّهِ (اوکا قال علیہ السلام)

مانند ہے۔ پس جو کوئی ارادہ کرے موتی
کے حاصل کرنے کا چاہیے کہ سوار ہو جائے
کشتی میں پھر چلا جائے بچ سمندر کے پس
پہنچ جائے گا موتی کے قریب یعنی اللہ تعالیٰ
کے قرب میں (مرغوب القلوب ص ۲)

پس معلوم ہوا کہ تصوف و سلوک یعنی طریق احسان یا طریقت جو کہ شریعت مطہرہ
(علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے دائرہ کے اندر ہے جامع کمالات کا مظہر اور اللہ تعالیٰ کے
قرب و معرفت کے لئے قریب تر راستہ ہے۔ اور اس امر سے کسی محقق عالم دین کو انکار نہیں ہو
سکتا۔ اگر کسی کو کچھ اشکال ہے تو وہ اُس کی اپنی نادانستگی اور اس نعمت خاص سے محرومی کا باعث
ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنی ساری زندگی دین کے لئے صرف کر دی جو کہ علم و عمل کے
سمندر تھے۔ زہد و تقویٰ، ورع اور پرہیز گاری کے مجسمے اور عمل اخلاق کے مثالی نمونہ تھے۔
چالیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی خدا تعالیٰ کے حضور میں خلوص و محبت کے
ساتھ عبادت گزار رہے مگر جب حضرت جعفر صادقؑ (جو کہ حضرت بایزید بوسلطانیؒ کے بھی
مرشد ہیں) کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت فرمائی تو ان پر حقائق و معارف کے اسرار و رموز کا
انکشاف ہوا۔ تو فرط محبت کے ساتھ فرمایا۔ لَوْلَا السَّنَنَانِ لَهْلَكَ النُّعْمَانُ
یعنی اگر نعمان کو زندگی کے یہ دو سال میسر نہ آتے تو یہ ہلاک ہو گیا تھا۔ اور وہ ایسا کیوں نہ
فرماتے کیونکہ اُن کے یقین کا درجہ عین الیقین اور حق الیقین میں بدل کر حقیقی معرفت سے نواز
دیا گیا۔ جب ایسی کیفیت حاصل ہو جائے تو پھر انسان کے ہر ذرہ اور رُوس و رُوس سے خدا تعالیٰ
کا شکر ادا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی کیفیت نصیب فرمائے۔ آمین!

اسی طرح حضرت الیاسؑ جو بانی تبلیغ کے نام سے معروف ہیں۔ ان کی بھی تمام
زندگی تبلیغ کی محنت میں صرف ہو رہی تھی۔ شب و روز اُن کے اوقات دینی کاموں میں صرف

ہورہے تھے۔ اور دین کی تبلیغ و محبت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو قبول فرمالیا تھا۔ لسانی درود و مخالف درود شریف استغفار اور تسبیحات کا ورد بھی باقاعدہ کرتے تھے مگر تصوف و سلوک کی نسبت سہارن پور اور رائے پور والوں سے رکھی ہوئی تھی۔ وہ تصوف و سلوک کا سہارا لیتے ہوئے اشارہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں۔ پھر بھی احتلاط عمومی سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعے اس کو (تنہائی میں بیٹھ کر ذکر و فکر اور مراقبہ کے ذریعے دل کی صفائی نہ کر لوں) غسل نہ دے دوں یا چند روز کے لئے سہارن پور یا رائے پور کے خاص مجمع میں اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر (واپس) نہیں آتا (یعنی عمومی احتلاط اثرات، زہم اور کدورت دور نہیں ہوتی)“ نیز فرمایا ”دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہیے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو (میری طرح) خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعے دھویا کریں۔ (یا میری طرح کسی خانقاہی نظام میں خاص ماحول میں چند روز ٹھہر کر اپنے قلب کی صفائی کرانے کا خاص اہتمام کریں ورنہ صرف یقین کا درجہ ہی حاصل رہے گا اور عین الیقین کے درجے سے محرومی رہے گی)“ (از ملفوظات حضرت الیاس)

ذرا غور کیا جائے تو حضرت موصوف تصوف و سلوک کے ساتھ منسلک اہل دل اور اہل حال لوگوں کی طرف اشارہ فرما گئے ہیں کہ دینی کاموں اور دینی مذاکرے اور دینی اجتماعات میں محنت کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ وقت اہل دل حضرات کی مجلس سے استفادہ کرنے کے لئے بھی فارغ کیا جانا ضروری ہے کہ جس مجمع کا مقصد صرف اور صرف حصول معرفت الہی ہو۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ رہنے کی تاکید و ہدایت فرماتا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ
اور روک رکھ جان اپنی کو ساتھ اُن لوگوں کے پکارتے ہیں۔ پروردگار اپنے کو صبح کو

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ، وَلَا تَعْدُ
عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَتَهُ
الحَيوة الدنيا ط (الکہف ع ۴) ارادہ کرے تو بناؤ زندگانی کا۔

یعنی لوگ صرف اللہ تعالیٰ کے طلب گار ہیں۔ ان کی مجلس اختیار کرو اور پھر کر ان سے نہ جاؤ اور ان کی مجلس کو دنیا کی زندگی اور زیب و زینت پر ترجیح دو یہ عام مومنوں کے لئے سبق حاصل ہوا۔

پس طالب دین کے لئے ضروری ہے دین کی تکمیل کے لئے کسی بندہ خدا کے پاس رہ کر یا گھر سے اس کی مجلس میں جا کر دین کی تکمیل کرے۔ اور خدا تعالیٰ کی طلب اور معرفت الہی کی حصول کی تک دو کرے۔ خدا تعالیٰ کی معرفت کی طلب فرض عین ہے۔ اور خدا کی طلب معرفت کا واحد راستہ جو ذرا اثر ہے اور اقرب الطرق ہے۔ یہی تصوف و سلوک کا راستہ ہے۔ مگر حقیقت تک پہنچنے کے لئے کمال محبت و خلوص اور عجز و انکساری شرط ہے۔ تلاوت قرآن مجید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور خدا تعالیٰ کے دین کے لئے محنت و سعی کرنا عین عبادت اور ذکر ہے۔ مگر خصوصی ذکر جو تصوف و سلوک کے راہ میں بتلایا جاتا ہے۔ امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ ہے۔ اور اسی ذکر و فکر اور کثرت مراقبہ کی برکت سے نفس کی امراض دور ہو کر خدا تعالیٰ کی معرفت خاص حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے طالب دین کو کسی بندہ خدا کی خدمت میں رہ کر ذکر سیکھنا چاہیے۔ کسی بندہ خدا نے فرمایا ہے۔

۔ گر تو سنگ خارا و مر مر شدی چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
ترجمہ۔ اگر تو سنگ خارا اور سنگ مرمر کی طرح سخت دل ہو گیا ہے مگر جب تو کسی صاحب دل اور صاحب حال انسان کے پاس پہنچے گا تو اس کی مجلس کی برکت سے موتی بن جائے گا۔ اور ایسے بہمہ اوصاف موصوف اور صرف خدا کو چاہنے والے بندے جو طالب حق کو

خدا سے ملانے والے ہیں اگر مل جائیں تو ان کی مجلس کی چند گھڑیاں سالہا سال کی عبادت سے بہتر ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے پاس بیٹھنے کے لئے ایک گھڑی بھی میسر ہو جائے تو وہ
گھڑی سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے مگر شرط یہ ہے کہ بندہ خدا کے ہاں استفادہ کی
نیت لے کر جائے اور خود تمام خواہشات دنیاوی سے خالی ہو کر صرف خدا تعالیٰ کی طلب گاروں
میں جائے۔ اور با ادب ہو کر محبت و خلوص کے ساتھ وقت گزارے۔ ورنہ کوئی فائدہ نہ ہوگا۔
خدمت و محبت کا جذبہ ہو۔ ربط و محبت و فرمانبرداری اور طلب خدا کی شرط ہے۔ خود کو صاحب علم
جان کر کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔ اور غیر شرح انسان جو بدعت و سنت میں امتیاز نہ رکھتا ہو ایسے شیخ
سے بھی فیض حاصل ہونے کی توقع نہ کرے۔ بلکہ ایسے شخص کے قریب سے ایسے دور ہو جائے
جیسے سفید کپڑوں والا کالی ہنڈیا سے جان بچانے کے لئے دور ہوتا ہے اور اگر شیخ خود کو دنیاوی
آلائشوں سے بچانے والا طلب و محبت الہی میں دلسوز اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت
کرنے والا اور بدعات و رسومات سے جان دور رکھنے والا ایسا کوئی ملے تو پھر اس کی مجلس کو
غنیمت جان کر شریک مجلس ہو جائے۔ اُس کو مخدوم اور خود کو خادم تصور کرے۔

حیر کہ خدمت کرو او مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد
ترجمہ۔ جو خود کو دیکھتا ہے یعنی اپنے آپ کو صاحب عزت تصور کرتا ہے وہ محروم رہتا
ہے اور جو صاحب عزت اشخاص یعنی اللہ والوں کی خدمت کرتا ہے وہ مخدوم یعنی خدمت
کرانے والا ہو جاتا ہے۔ اللہ والے کی مجلس و خدمت کی برکت سے بعد میں لوگ اس کے خادم
ہو جایا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پہاڑوں جیسے گناہ ان کی توبہ اور پشیمانگی کے طفیل معاف
کر دیتا ہے۔ اور ان کو پاک و صاف کر کے اپنے برگزیدہ بندوں کی فہرست میں داخل کر دیتا

وحشی غلام جس نے زمانہ جاہلیت میں جبکہ غیر مسلم تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت امیر حمزہؓ کو جنگ احد میں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ جب وہ مسلمان ہو کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نہایت شرمندگی اور ندامت کے ساتھ اور کمال خلوص و محبت کے ساتھ حاضر ہوا، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیدت و محبت کی نظر سے دیکھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بوجہ پشیمانی اور مسلمان ہونے کی صورت میں پیار و شفقت کی نگاہ سے دیکھا۔ چند گھنٹیاں مجلس میں گزار کر واپس ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم کی برکت سے صحابیت کا مقام حاصل کر لیا۔ کیونکہ وحشیؓ دلی طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بارادۂ حصول فیض متوجہ تھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیض پہنچانے کی نیت سے وحشیؓ کی جانب دلی طور پر نہایت پیار اور شفقت سے متوجہ تھے۔ جس کے صلہ میں وحشیؓ کا درجہ و مقام امت کے جملہ اولیائے کرام کے مقام و درجہ سے بڑھ گیا (متفق علیہ) ورنہ ابو جہلؓ پر بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اکسیر پڑتی رہی مگر وہ بد بخت دلی طور پر متوجہ نہ تھا بلکہ حسد و بغل اور نقصان پہنچانے کے درپے تھا۔ اس لئے آپؐ کی نظر اکسیر اُس کے دل میں جذب نہ ہو سکی اور وہ پتھر دل انسان ابو جہلؓ کا ابو جہل ہی رہا اور عذات و عتاب کا مستحق رہا۔ اسی طرح ابو طالبؓ پر جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی اور پرورش کرنے والا چچا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور نظر کرم بھی اُن پر تھی مگر ابو طالبؓ کا اپنا دل مطیع اور متوجہ نہ ہوا تب بھی فیض کی سرایت اُن کے قلب میں نہ ہو سکی اور اسلام سے محروم ہی رہا۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں اطراف سے دل کی توجہ دینے اور حاصل کرنے کے لئے تڑپ ہو تو استفادہ فیض ہوگا۔ ورنہ ہرگز نہیں۔ یہی اصول مرشد اور مرید کے درمیان کا رفرما ہے۔ مرید دلی طور پر مرشد کی جانب متوجہ ہو اور مرشد بھی دلی طور پر مرید کو فیض پہنچانے کے لئے توجہ مرکوز کرے تو مرید کو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں۔ مرشد سو توجہ کرے مرید کا دل حاضر نہ ہو اور فیض جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو فیض منقطع رہے گا۔ فیض کہاں سے ملے گا۔ پس

مرشد کو بھی کمالت حاصل ہونی ضروری ہے۔ سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ کا مقام و منزل طے ہو جانے کے بعد خود بخود مقام دعوت نصیب ہو جاتا ہے۔ اور فیض پہنچانے کی صلاحیت پر منجانب اللہ مامور ہو جاتا ہے۔ محنت ہی پر وقت صرف کیا جانا چاہیے۔ خلافت کی شوق کو ترک کر دینا چاہیے۔ اگر خدا کے نزدیک اس کے لئے خلافت مقرر ہے تو ضرور مل جائے گی۔ اور پھر خلافت بھی باصلاحیت ہوگی۔ ورنہ نام کے مجاز و ماذون ہونے سے دنیاوی وقار اور مشہوری ہوگی مگر خدا تعالیٰ کے ہاں معاملہ درست نہ ہوگا۔

میرے عزیز! خدا کے ہاں محبت، تڑپ، عجز و انکساری اور طلب خدا میں بے تابی و اضطرابی اور دائرہ شریعت کے اندر رہ کر کمال خلوص کے ساتھ احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونا نہایت قیمتی اور وزنی ہے۔ اس کی خواہش اور تگ و دو میں اوقات کو صرف کیا جائے۔ عام لوگ اگر اس کو بزرگ اور خدا رسیدہ نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں خدا تعالیٰ کے نزدیک معاملہ صاف ہونا ضروری ہے۔ میں اپنے اجراء کردہ نفس مضمون میں رہبر و شیخ کو قرب و معرفت کا ذریعہ ثابت کرنے کی دلیل پیش کر رہا تھا کہ اسی ضمن میں دیگر جزئیات کی طرف نکل گیا آدم برسر مطلب میں نے چند طور گزشتہ میں ذکر کیا ہے کہ وحشی انابت و پشیمانی لے کر بحالت ایمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا دونوں اطراف سے محبت و اخلاص کے عالم میں شفقت و انابت کا اظہار ہوا۔ تو معاملہ صحابیت کے حصول تک جا پہنچا۔ آخر یہ نعمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و مجلس کی برکت اور شفقت نیز وحشی کی انابت و یقین و ایمان کا صلہ تھا۔

جبکہ اولیں کرئی کو یقین اور ایمان و انابت بھی حاصل تھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال محبت نصیب تھی۔ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک کی خبر سن کر جذب و محبت میں اپنے سارے دانت ایک ایک کر کے اکھاڑ ڈالے تھے میرے محبوب کے دانت مبارک تو شہید ہوں اور میرے دانت موجود ہوں مگر ایک چیز مفقود تھی

کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس وصحت نصیب نہ ہو سکی تو باوجود اتنی محبت کے صحابیت کا درجہ پانے سے محروم رہ گئے۔ اور وحشی غلام چند گھڑیوں کی صحبت کی بدولت صحابیت کا اعلیٰ مقام و درجہ حاصل کر کے امت کے اولیاء سے درجہ میں بڑھ گیا۔

وحشی کو یہ ثمر صحبت و ربط اور عقیدت و اطاعت کی بدولت حاصل ہوا۔ مگر اویس قرنیؓ کو ان چار باتوں میں سے صرف ایک بات یعنی صحبت نصیب نہ ہو سکی۔ تو صحابیت کے مقام سے رہ گئے۔ پس دینی جذبہ رکھنے والوں کو چاہیے کہ بندہ گان خدا جن کو عرفان کی نعمت حاصل ہے۔ ان کی صحبت و مجلس میں حاضر ہو کر ان کے بتائے ہوئے طرائق پر ضرور عمل کریں۔ اور ان کی صحبت میں وقت گزارنے کی اذحد کو شش کریں حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز حاجی محمد اعظمؒ فرماتے ہیں۔

ان کی صحبت اندھے کو بینا کرے ان کی محفل مردہ دل احیاء کرے
یعنی اللہ والوں کی مجلس دین کے اندھے کو اپنے اثرات کی برکت سے دین کی روشنی سے مستفید کر دیتی ہے۔ اور غافل دل کے غفلت کے زنگ صاف کر کے اُس کے دل کو زندہ کر دیتی ہے۔ خدا کی یاد میں دل کے متحرک ہو جانے کو زندہ دل کہتے ہیں یاد دل میں ذکر الہی کا اجراء ہونا تعبیر کرتے ہیں اور واقعی دل خدا کی یاد میں ہر گھڑی ہر لمحہ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے یاد الہی میں متحرک ہی ہو جاتا ہے۔ زندگی کی دھڑکن اور یاد الہی کی دھڑکن کا احساس اور پہچان الگ الگ ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ نعمت ہر کس و نا کس کو نصیب نہیں ہوا کرتی اس کو بھی خاص خاص افراد کو اللہ پاک نصیب کرتے ہیں اور اگر نصیب ہو جائے تو پھر ہمیشہ ساتھ رہتی ہے اور قبر میں قیامت تک جاری و ساری رہتی ہے۔

حاجی محمد اعظمؒ خلیفہ مجاز حضرت سید پوریؒ اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ شمس الدینؒ

ساکن سید پور کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

فدسیوں کی سیر بھی تھی غیر ممکن جس جگہ اُس چمن کی بادہ نوشی ہو رہی تھی

یعنی جہاں پر فرشتوں کا گزر بھی غیر ممکن تھا حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی پاکیزہ اور با اثر مجلس کی برکت سے آپ کے تربیت یافتہ خلفاء اُس جہاں لامکاں کی بادہ نوشی و ہوا خوری کر رہے تھے۔ اور آپ کے خلفاء نام نہاد ماذون و غیرہ نہ بنائے گئے تھے بلکہ حقیقت میں اس افراد پر مشتمل تھے۔ اور نہ ہی اُن کے پاس کاغذی ماذونی ثبوت تھے۔ اُن کے سینہ کی حرارت و تمازت اور درد و محبت ہی ثبوت تھا۔ اُن کے مایہ ناز واقف و اسرار اور تمام خلفاء میں اظہر من الشمس حضرت نور محمد المعروف نانگا بابا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہ کوئی کاغذی سند تھی اور نہ دیگر خلفاء، عبدالستارؒ، ثانی میاں کنواڑے والے، محمد گلؒ، غلام ربائی گڑنگ والے اور سعید احمد مہذبؒ بلگرام یحییٰ میاںؒ الائی دیگر جملہ خلفاء میں سے بھی کسی کے پاس کوئی کاغذی سند خلافت موجود نہ تھی۔ اور نہ ہی حاجی محمد اعظمؒ کوئی کاغذی سند خلافت رکھتے تھے۔ مگر اپنے پیر مرشد حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی صحبت و مجلس میں رہ کر دینی فائدہ حاصل کر چکے تھے اور کمال فیوض و برکات حاصل کرنے کی وجہ سے ان پر اسرار رب العزت منکشف ہو چکے تھے۔ فرماتے ہیں۔

تیری مجلس میسر جس گھڑی ہو عبادت سالہا سے بڑھ کے پایا
مگر رموز و اسرار باری تعالیٰ سے واقف اور عروج و نزول کی پہچان کرنے والے کثیر
تعداد میں سلطان ذکر کی نعمت سے سرفراز تھے۔ مگر دورِ حاضر میں تو کئی ماذون بھی اس نعمت کے لئے ترس رہے ہیں۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ غیر معروف ہستی نہیں گزرے بلکہ مشہور اور معروف قطب زماں اور شیخ المشائخ ہو گزرے ہیں جن کے عقیدت مند یعنی مریدین اپنے علاقہ سید پور (آزاد کشمیر) کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں علاقہ پکھلی مندھاڑ الائی، راولپنڈی، لاہور، کراچی، سیالکوٹ، پشاور، گلگت، چلاس اور سوات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان علاقوں میں خصوصاً پکھلی مندھاڑ الائی اور سوات میں اگر دینی تاثرات موجود ہیں تو انہی بزرگوں کی صحبت و

مجلس کے نتائج ہیں۔ اور اب بھی ان کے بعض خلفاء جس مقام پر ابھی تک زندہ ہیں یا ان کے خلفاء کے تربیت یافتہ خلفاء موجود ہیں طالبان حق ان کی صحبت و مجلس سے فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے سینہ انور کے عکس ریز انوار سے تاریک قلوب کو جگمگی کرنے میں مصروف کار ہیں۔ اور جو حضرت سید پوریؒ کے بتلائے ہوئے اصول و ضوابط کے تحت پابندی شریعت و سنت پہ عمل پیرا ہیں ان کا فیض آگے ہدایت کا نور افشاں کرتا چلا جاتا ہے اور جو شخص حضرت سید پوریؒ کی تعلیمات سے الگ ہو کر اپنے فہم و فراست کے مطابق پروگرام مرتب کر کے اپنی جانب سے کوئی نئی بات پیدا کر کے مریدین کو خوش کرنے کے لئے ان کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے تو برکات و فیوضات نقشبندیہ سے محروم رہ جاتا ہے اور اس کی اندر کی حقیقت کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ جو کہ نہ خود روشن ہوتا ہے اور نہ اس کے ساتھ چمکنے والے روشن ضمیر ہو سکتے ہیں۔ بس گدی نشین کا صرف نام و چراچا ہی رہ جاتا ہے۔ لہذا حضرت سید پوریؒ کی زندگی گزارنے کا طریق آپؒ کا قول و فعل اور تعلیمات خلفاء و مریدین صادقین کے لئے تادمِ زیست مشعلِ راہ ہیں اور آپ کے طریق و قول و فعل میں حصولِ قرب الہی کا راز مضمر ہے۔

حضرت سید پوریؒ کے حالات و واقعات اور تصوف و سلوک کے رموز و اسرار کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ اصطلاحات صوفیائے عظام سابقین کے عین مطابق پائے جاتے ہیں۔ بلکہ دستِ درکار اور دلِ بایار جیسے قول کے سچے مصداق یہی حضرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان جیسے سچے اور مخلص لوگوں کی پہچان اور ان کی مجلس میں رہنے کے لئے اوقات صرف کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور دین کی حقیقی لذت نصیب فرما کر اپنے قرب کے راستہ پر گامزن فرمائے۔ آمین

فکردائى كى اهميت

انسان كو قدرت نے بے شمار صلاحيتوں كى مجموعہ عنایت فرمايا ہوا ہے اور اس كے اندر قدرت نے اپنى معرفت و پہچان كے بے شمار عنوانات و مظاہر جمع كر كے تخلیق فرمايا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

تحقيق ہم نے انسان كو بہترين خلقت میں پیدا فرمايا۔

یہ اس كى احسن پیدائش كى دلیل ہے۔ اور تمام مخلوق سے بہتر ہونے كا معیار بیان فرمايا ہے مگر اس كى بہترى كى دلیل اطاعت خداوندى اور احكام شریعت پر كار بند رہنے پر موقوف ہے۔ صرف جنس انسانى شرط نہیں جنس انسانى كى شرافت احكام الہى اور سنت رسول صلى اللہ علیہ وسلم پر كار بند ہو جانے كے بعد ظاہر ہوگى۔ ورنہ انسان كے اندر كى صلاحیت پوشیدہ ہی رہے گی اور فاسق و فاجر نیز غیر مسلم انسان بجائے معیار شرافت پر پورا اترنے كے ایسا گرا دیا جاتا ہے كہ چوپایوں سے بھی برتر ہو كر رہ جاتا ہے۔ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلٰ هُمْ أَضَلُّ یعنی یہ لوگ مثل چوپایوں كے ہیں بلکہ ان سے بھی برتر نہیں ان كى ذلت كى دلیل ہے۔ گویا شرافت انسان كے اندر ودیعت فرمائی ہے مگر اس كا اظہار احكام الہى اور حضور صلى اللہ علیہ وسلم كے طریقہ پر اوقات گزارنے پر منحصر ہے۔

انسان كے اندر قدرت نے پوری كائنات كا عكس اس كے جسم كے مركز یعنی دل میں ركھ دیا ہے۔ اور یہ عكس اتنا لطیف ہے كہ ظاہرى نظر كى دسترس سے باہر ہے اور لطیف عكس باطنى نظر سے ہی نظر آنا ممكن ہے۔ اور ان پوشیدہ معارف كا نظر آ جانا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود تو ذات بارى تعالى كى معرفت و پہچان ہے ہاں ان معارف پوشیدہ كا نظر آ جانا معرفت الہى كى طرف پیش رفت كا ذریعہ ضرور بنتا ہے۔ مگر مطلق ان عوارف و معارف میں پھنس كر رہ جانا راہ

میں رکاوٹ کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ منزل مقصود کی طرف پیش قدمی رک جاتی ہے۔

بندہ پر مغیباتِ بدنی کا ظاہر ہو جانا اس کے ذوق و شوق میں اضافہ تو ضرور کرتا ہے۔ اور معرفتِ الہی کی جانب قریب ہو جانے کی ایک گونا امید کی کرن پیدا تو ہو جاتی ہے مگر اس میں ہوشیاری اور بیداری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ نفس اور شیطان کے پھسلانے کے خطرات بھی بہت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی طلب و محبت میں بے قراری و اضطراب کی کیفیت پیدا کرنی چاہیے اور جو کچھ نظر آجائے اس کی تماشا بینی اور اس کے کھوج میں لگنے کی بجائے اسے جوں کا توں نظر انداز کرتے ہوئے آگے نکلنے کی تمنا اور آرزو کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ مناظرِ پوشیدہ کے اظہار پر اس کی خوشی میں مبتلا رہ کر اصل مقصود تک جانے میں ناکامی پیدا ہو جائے۔ اور راہ میں ہی رہ کر خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ اور نفس و شیطان اس کے دل میں کامل ہو جانے کی خوش فہمی پیدا کر کے اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور اسے حق شناسی سے محروم کر دے۔

لہذا ہر صورت اور ہر حال میں بندہ خود کو کسی مقام پر بھی پائے اور کچھ بھی مشاہدہ کرے۔ لیکن اپنی ضمیر میں اپنے آپ کو بے حصول اور نامکمل ہی خیال کرے ورنہ اپنے آپ کو کامل تصور کر کے محرومی کی شکار ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا کیفیات کے پیدا ہونے کے لئے انسان کو کچھ حرکت کچھ کام اور کچھ طریقہ اپنا کر ہی اپنے آپ کو مصروف رکھنا ہو گا۔ تب ہی ان اوصاف و کیفیات سے مستفید ہونے کا امکان ہے۔ مگر دنیا کی ہوس اور مال و زر کی طلب میں گم اور لہو و لعب میں گرفتار اور فکرِ آخرت سے بے نیاز نیز طلبِ خدا سے بے خبر انسان کو اس کیفیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اور غفلت میں لئے انسان کو کیفیات کا حاصل ہو جانا مشکل ترین امر ہے۔

ان کیفیات کے ظاہر ہونے کے لئے اپنے ظاہر و باطن کو پاکیزہ رکھنا پڑتا ہے اور شروع سے ہی کسی خدا رسیدہ بندہ سے اذن حاصل کر کے اُس کی ہدایت اور رہنمائی کے عین

مطابق اپنے باطن میں یہ تبدیلی پیدا کرنی ضروری ہے۔ اپنے قلب میں ذکر و فکر کے گہرے دھیان کے ساتھ اور صبح و شام متواتر عمل کے ساتھ مراقبہ رہنے سے یہ دولت نصیب ہونے کا امکان ہے اور اس راہ کی روشنی و چاشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ ارشادِ ربی ہے۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفْلا تُبْصِرُونَ یعنی تم اپنے نفوس کے اندر کیوں نہیں دیکھتے۔ جب تم اپنے نفس کی پہچان کر لو گے تو اپنے رب کی پہچان حاصل ہو جائے گی۔ نفس بندے اور اللہ کے درمیان حجاب ہے۔ پس انسان اپنے عیوب و معاصی پر نظر رکھتے ہوئے یا دالہی میں محو رہے اور پورے دھیان کے ساتھ دل کی طرف متوجہ رہے اور کسی وقت بھی غفلت اور بے توجہی کی نوبت پیش نہ آنے دے۔

جس وقت بھی تنہائی حاصل ہو فوراً دل کی جانب متوجہ ہو جائے اور آگے پیچھے بھی دورانِ گفتگو مجلس میں موجود ظاہراً اُن سے شریکِ گفتگو رہے مگر ضمیر میں خدا کی جانب رجوع رکھے ہوئے ہو۔ اور رجوع کو کسی وقت نہ توڑے۔ یعنی رجوع الی اللہ ہر حال میں قائم رہے۔ اور کسی کو یہ بات نہ بتائے کہ میں رجوع الی اللہ رکھنے والا ہوں۔ بلکہ خفیہ ارادہ سے رجوع الی اللہ رکھے اور ایسی حالت میں رہے کہ کسی کو محسوس نہ ہو دوسرا انسان اس کو اپنی طرف متوجہ سمجھے مگر حقیقت میں یہ خدا تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ ہو۔ انجمن میں ہو یا چند اشخاص کے ساتھ ہو مگر دلی طور پر اکیلا تعلق مع اللہ رکھتا ہو۔ اس کو خلوت و انجمن کا نام دیا گیا ہے ایسا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں خدا کے فضل خصوصی سے یہ کیفیت حاصل ہو سکتی ہے۔

پس انسان کو چاہیے کہ فکر دائمی میں ہر وقت خود کو مصروف رکھے اور کسی وقت رجوع الی اللہ نہ توڑے۔ اسی میں نفع اور خیر و برکت مضمر ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اسی اصول و ضوابط پر کار بند رہنے سے معرفتِ الہی کا حصول ہوتا ہے اور معرفتِ الہی کے حصول کی کنجی ذکر و فکر ہی ہے۔ جو کہ اخلاص و محبت اور پوری طلب کے ساتھ کیا جائے۔ اور کنجی کے نکلنے اخلاص و محبت ہی ہیں۔ جس کنجی سے معرفتِ الہی کا دروازہ کھلتا ہے۔

طلب جاہ اور حرص وہو نیز حرام و مشکوک خوراک اس دروازے کے تالے کا زنگ ہے۔ زنگ کی شدت سے تالے کو کنجی نہیں لگ سکتی اور دروازہ کھلنے میں رکاوٹ پیدا ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے لہذا منہیات شرعیہ سے دور رہ کر اور احکام شرعیہ پر عمل کر کے ہی حصول مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ احکام شرعیہ پر پابندی کرتے ہوئے اور منہیات سے دور رہتے ہوئے فکرِ دائمی میں مصروف رہ کر ہی اپنے باطن کو نورِ معرفت سے روشن کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ احقر سمیت ہر کسی کو یہ نعمت نصیب فرمائے۔ آمین!

اصطلاحات صوفیائے کرام

خواجگان نقشبند رحمہم اللہ نے اپنے طریقہ کی بنیاد گیارہ کلمات پر رکھی ہے۔ طالبان حق کے لئے ان اصطلاحات پر عمل پیرا ہونا لازمی امر ہے۔ اور راہ سلوک میں ترقی کا دار و مدار انہی خیال و اشغال پر مبنی ہے۔ ان اصطلاحات میں سے آٹھ اصطلاحات حضرت خواجہ عبدالخالق غنجدہ وائی کی وضع کردہ ہیں اور آخری تین حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی وضع کردہ ہیں طالب حق کے لئے ہر اصطلاح مشعل راہ ہے۔

۱۔ ہوش و دردم	۲۔ نظر بر قدم	۳۔ سفر و وطن
۴۔ غلوت در انجمن	۵۔ یاد کرد	۶۔ بازگشت
۷۔ یادداشت	۸۔ نگہداشت	۹۔ وقوف زمانی
۱۰۔ وقوف قلبی	۱۱۔ وقوف عددی	

۱۔ ہوش و دردم

ہوش و دردم سے مراد یہ ہے کہ اپنے ضابطہ حیات میں ہر وقت ہوشیار رہے۔ اور یہ ہوشیاری دنیا کی حصول کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کی جانب بڑھنے کے لئے ہو۔ دنیا کے لئے جو ہوشیاری ہے یہ ہوشیاری نہیں بلکہ مکاری ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:-

الدُّنْيَا زُورٌ لَا يَخْصِلُهَا إِلَّا بِاَلْزُّورِ
دنیا مکر و فریب ہے اور مکر و فریب کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

یہ پس دنیا کی ہوشیاری اصل معنوں میں مکاری ثابت ہوئی۔ مگر خدا طلبی کے لئے جو ہوشیاری ہے۔ یہی اصل اور حقیقت پر مبنی ہے۔

پس بندہ ہمیشہ خدا کی طلب کرتا رہے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھے کہ کوئی سانس غفلت و معصیت میں ضائع تو نہیں ہوا۔ اگر ضائع ہو گیا ہو تو نہایت عجز کے ساتھ استغفار کرے۔ اور اپنے گناہوں اور اوقاف کے ضائع ہو جانے پر ندامت کے آنسو بہائے اور قلب پر نظر رکھے تاکہ ذکر دائمی کا خوگر ہو جائے۔ اور وقوف زمانی بھی یہی معنی رکھتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہوش دردم مبتدی کے لئے ہر وقت ہر گھڑی اور ہر لمحہ کی سنبھال ہے اور خوف زمانی متوسط کے لئے موزوں و مناسب ہے۔ کہ کچھ کچھ دیر بعد سنبھال کرے۔

وقوف زمانی کو صوفیہ محاسبہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہوشیار ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو ڈرایا اور مابعد الموت کے واسطے عمل کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ میں فرمایا۔ کہ اپنی حالتوں کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے۔ اپنے اعمال کا وزن کرو قبل اس کے کہ وہ وزن کئے جائیں اور مستعد ہو جاؤ یعنی خدا کا سامنا جو قیامت میں ہوگا اُس دن تم سامنے کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی چیز چھپ نہ سکے گی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

روز محشر ہر نیاں پیدا شود خود بخود ہر مجرمے رسوا شود
یعنی قیامت کے دن ہر چھپی ہوئی بات ظاہر ہو جائے گی اور ہر گنہگار خود بخود اپنے گناہوں اور زیادتیوں کے اظہار کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔ اس لئے ابھی سے دنیا میں رہتے ہوئے اپنی سرخروئی اور کامیابی کے لئے بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہیے۔ اور اپنے کسی سانس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی سانس کو یاد الہی سے زندہ رکھنا ہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ حضرت سید پوریؒ کے خلیفہ اجل حضرت نانگا باباؒ نے ہاتھی آواز میں یہ جملہ سنا کہ سانس سانس کا حساب ہو جائے گا۔ یعنی انسان کا جو سانس خدا کی مرضی کے بغیر زندگی گزارتے ہوئے خارج ہوا وہ قابلِ تفتیش ہے اور جو سانس خدا تعالیٰ کی مرضی پر زندگی گزارتے ہوئے خارج ہوا وہ سانس قیمتی ہے اس کے بدلے اجر کا مستحق ہوگا۔ اب ہمیں سوچ و فکر کرنی ہو

گی کہ ہماری زندگی کیسے گزر رہی ہے اور ہم جو سانس لیتے اور خارج کرتے ہیں کیا قیمتی ہو کر اندر باہر آتے جاتے ہیں۔

۲۔ نظر پر قدم

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور نہایت عاجزی کے ساتھ نرم نرم قدم رکھتے ہیں۔ اکڑ کر چلنے سے گریز کرتے ہیں۔ نظر پر قدم سے مراد بھی یہی ہے۔ کہ اپنے پاؤں کی طرف نظر کرتے ہوئے چلے اور قدرے جھک کر چلے۔ نیچی نگاہ رکھ کر چلنا بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔ اور سب سے افضل یہ ہے کہ نیچی نگاہ رکھتے ہوئے عاجزانہ انداز میں چلے اور نیچی نگاہ رکھنا سنت نبویؐ ہے۔ اور طریق سنت نبویؐ پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزارنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ سالک کو چاہیے کہ اپنی نظر پاؤں کی جانب رکھے تاکہ سامنے سے آتی ہوئی یا ادھر ادھر کسی جگہ کھڑی ہوئی غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ غیر محرم عورت پر نظر پڑنا ایک تیر ہے زہر آلودہ کہ بغیر ہلاکت کے چارہ کار نہیں اور ہلاکت سے مراد نقصان ایمان ہے۔ اور رسوائی و تباہی دارین ہے۔ دوسری حکمت عملی یہ ہے کہ راستے پر چلتے ہوئے مکانات اور دوکانات میں رنگ برنگ پڑی ہوئی اشیاء اور زیب و زینت پر پڑنے سے اُن کی طرف مائل ہونے سے بچ جائے اور توجہ منتشر ہو کر خدا کی جانب یکسوئی میں خلل نہ پڑ جائے۔ اور طالب حق کی یکسوئی قائم ہی رہے۔ کیونکہ نظر کے ذریعے اشیاء کے اثرات دل میں اترتے ہیں اور اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ اور یہی حالت بازار سے گزرتے ہوئے بھی اختیار کی جائے اگر کسی چیز پر نظر پڑ جائے اور وہ اسے اپنی طرف مائل کرے تو لا حول ولا قوۃ الا با اللہ العلیٰ العظیم ہ پڑھے۔ نیز نیچی نگاہ رکھنا ایک گونا گوا جزئی کی علامت ہے۔ اور عاجزی خدا تعالیٰ کو مقبول اور مرغوب ہے اس کے علاوہ راستہ پر سانپ، بچھو اور پتھر روڑہ اور کانٹا پڑا ہوا آسانی سے دکھائی دے دیتا ہے اور آدمی ان سے اپنی جان کی حفاظت کر لیتا ہے۔ اس ضمن میں کسی بندہ خدا نے بہت خوب فرمایا ہے۔

وقت رفتن بر قدم باید نظر پست سنت حضرت خیر البشر
ترجمہ:- چلے وقت پاؤں پر نظر ہونی چاہیے اور یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
سنت ہے۔

اندریں بس حکمت است و بے شمار دیدہ خواہد طالب حق آشکار
ترجمہ:- اس نگاہ کے نیچے رکھنے میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کو طالبِ راہِ حق
راہ چلتے ہوئے ظاہر اُدیکھ لے گا۔

اتباع حضرت محمد مصطفیٰ می رسائد نزد حق جلّ و اعلیٰ
ترجمہ:- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع سنت اللہ تعالیٰ کے عالی دربار کے
قریب کر دیتی ہے۔ پس نظر بر قدم ہر مالک اور راہِ حق پر چلنے والے کے لئے لازمی امر ہے اور
ساتھ ساتھ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی توفیق بھی حاصل ہوگی۔

۳۔ سفر در وطن

اس سے مراد ہے کہ انسان صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات کلیہ کو حاصل کرے۔ یعنی
طلب و جاہ و مال، عجب و حقد، بغض و کینہ اور تکبر سے دل کو پاک کرے جب تک یہ خصائل
رذیلہ دل میں بھری ہوگی۔ تو نور معرفت ہرگز نصیب نہ ہوگا۔ بوعلی قلندر فرماتے ہیں۔

صد تمنا درد لت ! داری فضول کے کند نور خدا در دل نرول
یعنی اے دل سینکڑوں آرزوئیں تو اپنے اندر رکھتا ہے۔ تو پھر ایسے دل میں خدا کا نور
کیسے آتا سکتا ہے اور مولانا روم فرماتے ہیں۔

زباں تسبیح در دل گاؤ خیر ایں چنین تسبیح کے دارد اثر
یعنی زباں سے خدا تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل پڑھتا ہے اور دل کے اندر گائے اور گدھے کی
فکر لگی ہوئی ہے تو ایسی تسبیح کا تیرے دل میں کیا اثر پیدا ہوگا۔ پس ظاہر و باطن کو ایک ہونا
چاہیے۔ اور یہ دل کی صفائی سے متعلق ہے۔ سفر در وطن اپنے دل کے اندر صفائی پیدا کرنے کے

لئے اپنے خیال کو پاکیزہ رکھ کر اپنے نفس میں دھیان کر کے نفس کی شرارتوں کو بھانپ کر ان سے بچنے کی کوشش کرے اور یہ دھن دھیان ذکر الہی کے بغیر نہ ہو ورنہ صفائی پیدا نہ ہوگی صفائی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی پیدا ہوگی۔ حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است پاکنی دل ز ذکر رخن است
یعنی ذکر الہی کر تا رہ جب تک زندہ ہے اور ذکر الہی کے ساتھ دل کی صفائی ہوتی ہے
پس ذکر الہی کے ساتھ قلب میں جھانک کر فکر کرتے رہیں اس طرح تمہارے نفوس میں
اقتلاب پیدا ہوگا۔ نفس کی شرارتیں کم ہوتی جائیں گی اور روحانی قوت بڑھتی چلی جائے گی۔
ارشاد ربی ہے وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ترجمہ:- اور تم اپنے نفس میں کیوں
فہمیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف جانے کا راستہ انسان کے اندر سے ہی گزرتا ہے۔
اس لئے اندر ہی کا مشاہدہ کرے انشاء اللہ ایک نہ ایک وقت ضرور معارف پوشیدہ ظاہر ہونگے۔
البتہ یہ فعل بزرگی حاصل کرنے کی غرض سے نہ ہو بلکہ اپنی عاقبت سنوارنے کی غرض سے قرب
خداوندی کی چاہت و طلب کی غرض سے کیا جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ سیر آفاقی کو چھوڑ
کو سیر انفسی کی طرف سفر کرے۔ یعنی نفس کی پاکیزگی کا اہتمام کرے اللہ اور بندے کے
درمیان حجاب صرف اپنا نفس ہے۔ اولیاء اللہ کو استغراق و مشاہدہ صفات کے دوران ہی ہاتھی
آواز آئی کہ اے بندے ذُغْ نَفْسُكَ وَتَغَالِ یعنی اپنے نفس کو چھوڑ کر آجا۔ ہر شرارت کو
جان کر اے الوداع کر دینا ضروری ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس گھر میں کسی زندہ چیز کی تصویر رکھی
ہوئی ہو۔ اُس گھر میں رحمت کے فرشتے رحمت لے کر نہیں اترتے پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس
دل میں بری آرزوؤں کے کتے باندھے ہوئے ہوں اُس دل میں رحمت کا نزول ہو جائے تا
وفیقہ خواہشات کے کتوں کو دل سے پاک نہ کیا جائے۔ خواہشات نفسانیہ کا خاتمہ ذکر الہی کے

ساتھ شریعت کے مطابق کیا جائے تب خدا تعالیٰ کی محبت کی چاشنی دل میں پیدا ہوتی ہے جو کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرنے میں مدد دیتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا خالص مزہ چکھا تو اللہ نے اس کو حرص دنیا سے باز رکھا۔ اور سب لوگوں سے الگ کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ کا لیگانہ اور غیر سے لیگانہ بنا دیا دلی تعلق صرف خدا سے جوڑ دیا۔ اسی تک ود کو اولیائے کرام ”سفر در وطن“ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

۴۔ خلوت در انجمن

خلوت در انجمن کا مطلب یہ ہے کہ دل خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے اور قالب اگرچہ انجمن میں موجود ہو مگر اس کی یکسوئی جو اسے نصیب ہے متاثر نہ ہو اور اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہر حالت میں یاد الہی میں مشغول رہے۔ دنیاوی کام اور کاروبار اس کی فکر آخرت اور ذکر خدا میں مغل نہ ہو سکیں۔ ارشاد ربی ہے۔ رَجَالٌ لَا تُلْمِيهِمْ تَجَارَةً وَّ لَا بَيْعًا وَّ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور) ترجمہ۔ وہ مرد کہ نہیں غافل کرتی اُن کو سوداگری اور نہ بیچنا یا خدا سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خرید و فروخت اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی وہ خرید و فروخت کو کسب حلال کی بناء پر حکم خداوندی کے مطابق کرتے ہیں اور تعلق مع اللہ قائم ہی رہتا ہے تجارت کی طرف مائل ہو کر غفلت میں مبتلا نہیں ہوتے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا۔ دل بیار دست در کار یعنی دل خدا کے ساتھ ہو اور ہاتھ کام میں مصروف ہوں گویا کہ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر بیان کر دی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا۔ سفر در وطن میں خلوت در انجمن کا مطلب حاصل ہو جاتا ہے۔ خلوت در انجمن کا تقاضا ہے کہ جسم تو لوگوں میں موجود ہو اور دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا خیال نہ ہو۔ اور ایسی کیفیت حاصل ہو جائے طبیعت پر زور نہ رکھا جائے بلکہ فطری طور پر اس کیفیت کا خوگر ہو جائے۔ مگر یہ کیفیت مخفی طور پر رکھی جائے۔ اپنے یکسو ہونے کی حالت کو غیر پر ظاہر نہ کرے۔ ورنہ لباس فقراء میں نشان مند ہونا اور ہمیشہ

حقیقی بہ ذکر خدا رہنا اس طرح ہو جائے کہ لوگوں پر مخفی نہ رہے۔ اس میں اکثر دکھانے اور
 مٹانے کا خدشہ و گمان ہوتا ہے۔ اور لوگوں کی اس پر نظر رہتی ہے۔ اور لوگ چاہے کچھ بھی کریں
 مگر اس کی طرف جھکے رہتے ہیں کوئی تو خدا کی طرف قریب ہونے کی وجہ سے اس کے قریب
 ہوتے اور قدر دانی کرتے ہیں اور اکثر دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے تواضع کرتے ہیں۔ یہ
 لوگ اس کے لئے منزل مقصود کی طرف ترقی کرنے کے لئے رکاوٹ کا باعث ہوتے ہیں۔ اور
 اس کو اپنے زنگ و میل میں ملوث کئے بغیر نہیں چھوڑتے اور اس کے قیمتی اوقات کو ضائع کرنے
 کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ بندہ خدا کا لباس اور وضع قطع ایسی ہونی چاہیے کہ عام لوگ اس پر نظر نہ
 رکھ سکیں اور ان لوگوں کی بھیڑ اور بجوم سے نیز ان کے دنیاوی تقاضے اور فرمائشوں کے حل
 کرنے کی مصروفیات سے بچ جائے۔ اور اپنے قیمتی اوقات کو خدا تعالیٰ کی یاد میں گزار سکے۔
 جیسے حضرت خواجہ میر دردؒ اپنی کتاب میں نشان دہی فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نہ میں لباس
 عالموں کا پہنتا ہوں کہ لوگ مجھے عالم کہیں اور نہ درویشوں کا لباس پہنتا ہوں کہ لوگ مجھے
 درویش خیال کریں اور نہ ہی لباس ملامت کا پہنتا ہوں کہ جس سے عاقبت میں مواخذہ ہو۔
 بلکہ میں عام لوگوں جیسا لباس پہنتا ہوں کہ جس سے ان تمام باتوں سے بچا رہوں اور یہی
 حالت صحابہؓ کی تھی کہ عام لوگوں کی طرح رہتے تھے اور عام لباس پہنتے تھے۔ کوئی نشان فقر و
 درویشی کی ظاہر نہ فرماتے تھے۔ اور یہی طریق حضرت خواجہ نقشبندؒ کا تھا۔ اور اسی طریقہ پر جملہ
 خواجگان حضرات نقشبند گزرتے چلے آئے ہیں اور جو لباس فقر میں ملبوس ہوتے ہیں درحقیقت
 ان کو وہ صلاحیت نصیب نہیں ہوتی جو ایک درویش کو قدرت اپنی جانب سے عنایت فرماتا ہے
 اور درویش اپنی خداداد صلاحیت کو طالبان راہ حق کی تربیت کرتے ہوئے کام میں لاتا ہے۔
 بناوٹی لوگ صرف اپنی وضع قطع اور لباس درویشی سے ہی لوگوں کے دلوں میں رعب پیدا کرنے
 کی کوشش کرتے ہیں حقیقی اثرات پیدا کرنے سے قاصر ہی رہتے ہیں۔ پس ظاہر آسادی ہو اور

باطنی طور پر عشق الہی کی آگ میں جل کر راکھ ہو یہی راکھ نسخہ کیمیا بنانے میں کام آئے گی اور
ریا کاری کا خدشہ نہ ہوگا۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

سما بیرون را ننگریم و قال را دروں را ننگریم و حال را
حدیث قدسی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم کسی کی ظاہری حالت کو نہیں
دیکھتے بلکہ ہم باطنی حالت و کیفیت پر نظر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں اور لباس اور
ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو دلی اخلاص و محبت پر نظر کرتا ہے۔ ریا اور دکھلاوے والے
اعمال اُس کی بارگاہ میں ہرگز قبول نہیں ہوتے یہاں پر ظاہر صورت، صورتِ درویشانہ مراد ہے
۔ نہ کہ ہر رنگ کی شکل و صورت۔ یاد رہے کہ خلاف شریعت شکل و صورت کا باطن اچھا ہو ہی نہیں
سکتا جس کا ظاہر خلاف سنت و شریعت ہو اس کا باطن بھی خراب ہی ہوتا ہے جیسے جس برتن کے
پیندے میں سوراخ ہو اُس برتن میں پانی ٹھہرنا محال ہے اس لئے ظاہری شکل و صورت سوراخ
کے مترادف تصور کریں اور پانی خدا تعالیٰ کی نورانیت و رحمت تصور کریں۔ ظاہر و باطن کو خدا
تعالیٰ کی مرضی پر استوار کرنا ہوگا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی کا طلبگار ہونا ہوگا۔ خلاف
شریعت ہرگز حقیقت کی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ شریعت اسلام کا مینار ہے اور بغیر شریعت کی
پابندی اسلام نامکمل ہوگا۔

مندرجہ بالا عبارات میں اُس شکل و صورت کی جانب بھی اشارہ ہے کہ جو آدمی ظاہر اتو
شریعت کے مطابق ہو مگر باطن اخلاص و محبت سے خالی ہو اور اخلاص اعمال کی اصل ہے اور اسی
پر اعمال کے وزن کا انحصار ہے۔ بغیر اخلاص کے اعمال بے وزن ہوتے ہیں۔ جس چیز کو خدا اتا
لی پسند فرماتا ہے بندہ گانِ خدا اس چیز کی تکمیل کی زیادہ کوشش اور زیادہ ہی خیال رکھتے ہیں۔
اور ہمیشہ رضائے الہی کی رعایت رکھتے ہیں۔ اور حق بھی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نظر کپڑوں
اور صورتوں پر نہیں تو پھر شکل و صورت بناؤنی فقیروں کی طرح بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے
زمانہ میں درویش بوجہ غربت و ناداری ایک تہہ بند ایک چادر پیوند جوڑے ہوئے (گودڑی)

استعمال کرتے تھے اور اوقات گزر کرتے تھے۔ اور بعض نیا لے اور سیاہ رنگ میں کپڑے اس لئے رنگ لیتے تھے کہ جلد میلے نہ ہوں اور دھلائی کا خرچ نہ ہو۔ اور دھونے میں وقت ضائع نہ ہو۔ کیونکہ وہ وقت کو زندگی کا آخری لمحہ اور اپنے سانس کو آخری سانس جانتے تھے۔ اس لئے وقت اور ہر سانس کو فضولیات سے بچا کر خدا تعالیٰ کی یاد اور رضا مندی میں گزارتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض بندہ گان خدا روٹی کو سالن میں گھول کر ایک بار ہی پی لیتے تھے تاکہ لقمہ لقمہ کر کے کھانے سے وقت ضائع نہ ہو اور یہ بچا ہوا وقت بھی یاد الہی میں صرف ہو جائے یہ اُن کا طریقہ تھا جس سے وہ وقت کی بچت کر کے خدا تعالیٰ کی یاد کو زیادہ وقت دیتے تھے اب لوگ اُن کے سیاہ لباس اور وضع قطع کی نقل تو کر لیتے ہیں مگر اُن کی طرح یاد خدا میں محو رہنے اور نفس کو سختی دکھانے کی ہمت و جرأت نہیں کرتے۔ فقط صورت درویشانہ اور گھرا میرانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ظاہر سے باطن کا معاملہ بھی برعکس ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

سلفِ شیخی در جہاں انداختہ خویشتن را بازیدے ساختہ
یعنی اپنی بزرگی کی بڑائی بیان کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بازید بوسطائی کا ہم مراتب اور ہم پلہ تصور کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع خود از عملہائے نکو ہیدہ بڑی دار
یعنی تیری گودزی و تسبیح اور مرقع کس کام آئے گا بلکہ اپنے آپ کو برے اعمال سے بچائے رکھو۔

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست درویش صفت باش کلاہ ترتری دار
یعنی تجھے فقیروں جیسی ٹوپی اوڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ فقیروں جیسی صفت پیدا کر اور عمدہ لباس و عمدہ ٹوپی پہن۔ درویش صفت ہونا ہی معنی خیز ہے نہ کہ درویشی لباس پہن لینا یہ تو مخلوقات کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے اور حضورؐ کا فرمان ہے فَمَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي یعنی جو دھوکہ دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں یعنی میرے ساتھ اُس کا کوئی واسطہ نہیں۔ پس کسی قسم کا

دھوکہ نہ دیا جائے نہ کاروبار میں اور نہ بزرگانہ انداز اپنا کر خود کو بزرگ ظاہر کرنے میں اور نہ کسی دوسرے معاملات میں بلکہ خدا کے ساتھ صاف صاف معاملہ رکھا جائے تب نجات ہوگی ورنہ خطرات ہی خطرات ہیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں کہ

فقیر خوردا پیش کس پیدا ممکن محنت امروز و فردا کن

ترجمہ:- اپنے فقر و درویشی کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کر اور آج کا کام کل پر نہ چھوڑ یعنی خدا کی طلب میں جلدی کرو یہ نہ کہو کہ ابھی وقت بہت ہے پھر کبھی اس راہ کی محنت شروع کریں گے کیا خبر تیری موت کی گھڑی نزدیک ہو اور تو طلب حق کی نعمت سے محروم چلا جائے اور پھر موت کے بعد سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئے۔ بوعلی رامیتنیؒ فرماتے ہیں۔

از دروں شو آشنا و از بیرون بیگانہ باش این چنین زیباروش کم فی بود اندر جہاں

ترجمہ:- دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد رکھ اور ظاہر اُبیگانہ رہ اور ایسی عمدہ روش اور عمدہ طریقہ دنیا میں بہت کم ہے یعنی اندر سے تعلق مع اللہ ہو اور ظاہری طور پر ایسا معلوم ہو کہ کوئی نہ پہچان سکے اور اس قسم کی چال اور خاصیت دنیا میں عام نہیں ملے گی بلکہ خاص خاص اشخاص اس صفت سے موصوف ہو گئے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غنجدانیؒ فرماتے ہیں۔

اے نصیحت بشنو تو از گوش دل کار نے آید دریں جاگوش گل

بندہ گاہ باید کہ در وقت سخن قلب با حق قالب در انجمن

ترجمہ:- اے طالب حق اس نصیحت کو دل لگا کر سن اور یہاں سننے کے لئے مٹی کے

کان کام نہیں آسکتے۔ بندوں کو چاہیے کہ بات کرتے وقت دل خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ اور جسم محفل میں شریک گفتگو ہوا گرا یا ہے تو خلوت در انجمن کی حقیقت حاصل ہو چکی ہے۔ اور خلوت در انجمن بندہ گاہ خاصان حق کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی حقیقت اور سمجھ فرمائے

آمین یا رب العالمین۔

۵۔ یاد کرد

یاد کرد سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے چاہے اسم ذات کا ذکر ہو۔ یا نفی اثبات کا پاس انفاں کا ذکر ہو۔ اسم ذات لفظ اللہ کا تصور دل میں ہو یا نفی اثبات یعنی لا الہ الا اللہ کی ضرب دل پہ لگائے یا سانس کے ساتھ جو پاس انفاں کا ذکر کہلاتا ہے پہلے نفی اثبات پھر اسم ذات پھر اسم ضمیر ھو کو سانس کے ساتھ دل میں دھیان رکھ کر کرے یہ سب اذکار مرشد کے بتانے کے بغیر نہیں کئے جاسکتے۔ مرشد کی ہدایت کے مطابق کرنے سے فائدہ ہوگا۔ بغیر مرشد کے بتائے زبان سے ذکر کر سکتا ہے مگر ضرر میں نہیں لگا سکتا۔ اگر ضرر میں لگائے گا تو استدراج کا خطرہ ہے اور جس کو استدراج ہو گیا ہدایت سے دور ہو کر شیطان کے قابو چڑھ جاتا ہے۔ استدراج غیر مسلم کو بھی ہوتا ہے اس لئے وہ کمال نہیں ہے۔ مرشد کامل کی اجازت سے ذکر کرنے سے حق تعالیٰ کی حضوری حاصل ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ مقصود ذکر سے یہ ہے کہ دل ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ بوصف محبت و تعظیم کے اس واسطے کہ ذکر دفع غفلت کا ذریعہ ہے۔ اور ذکر و فکر معرفت الہی کی کنجی ہے اور محبت و خلوص اس کے دندانے ہیں۔

۶۔ بازگشت

بازگشت کے معنی پھر نایا رجوع کرنا کے ہیں یعنی اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جانا اور اثابت حاصل کر لینا مراد بھی ہے۔ اور کبھی کبھی ذوق و شوق کے مدھم پڑ جانے پر بھی گزشتہ اولیاء صلحاء کے حالات کی طرف رجوع کرنا اور ان کو پڑھ کر سبق حاصل کرنا بھی بازگشت کہلائے گا۔ کسی ہندہ خدا نے خوب کہا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گرداغبائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں اس قصہ پارینہ را
اللہ تعالیٰ کی محبت کے داغ سینہ اگر پرانے ہو کر مٹنے والے ہیں اور ان کو دوبارہ تازہ

کرنا مقصود ہے تو کبھی کبھی پرانی یادوں کو دہرایا کریں اس طرح سینہ کے داغ محبت تازہ ہو جائیں گے اسی طرح اپنے ذوق شوق کو تازہ کرنے کے لئے عارفین کے اقوال و اشعار کا مطالعہ بھی مفید ہوتا ہے اور انسان کو گزرے حالات کی یاد دلاتا ہے۔ اس لئے ذکر کے بعد کامل عاجزی و انکساری کے ساتھ بدرگاہِ الہی میں مناجات کے طریق پر اپنے گزشتہ عیوب پر ندامت و استغفار کرنے سے بھی گزشتہ حالات کی یاد فائدہ بخش ہوتی ہے۔ خواجہ نقشبندؒ کی مناجات ہو یا کسی دوسرے ولی اللہ کی مناجات ہوں مفید ہیں۔ اور اسی طرح شجرہ مبارک میں بزرگوں کے حالات و تذکرہ سے بھی روحانی نفع ہوتا ہے۔ مناجات طالب حق کو گزشتہ حالات کی یاد دلاتی ہے اور آگے ترقی کرنے کی ترغیب میسر ہوتی ہے۔ بازگشت اپنی زندگی کے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگنا اور ندامت کا اظہار کرنا اور خود کو عاجز تصور کرنے کا اظہار بھی ہے۔ اس راہِ خدا میں سالک جس قدر بھی ترقی کرے خود کو بہت پیچھے تصور کرے اگرچہ یہ نقطہ کھولاؤ کو روحانی طور پر عبور کرے لیکن خود کو نقطہٴ انجام پر ہی تصور کرے گا۔ اگر شیخ الحدیث اور شیخ القرآن بھی بن جائے مگر خود کو ابتدائی طالب علم کے درجہ پر تصور کرے گا۔ گویا بازگشت کا مطلب خود کو ناکامی کی طرف گرا ہوا، اور کامیابی کی طرف ہاتھ پاؤں ہلاتا ہوا تصور کرے گا اسی کا نام بازگشت ہے یعنی اپنی ابتدائی حالت کو ہرگز فراموش نہ کرے۔ قرآن پاک میں بھی ابتدائی پیدائش کو یاد دلا کر بندہ کو متنبہ کیا جاتا ہے تاکہ بندہ ابتدائی پیدائش کو یاد رکھتے ہوئے حدِ اعتدال میں رہے اور تکبر و غرور کی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور اس سے بھی بازگشت کا تصور ظاہر ہوتا ہے۔

۷۔ نگہداشت

نگہداشت سے مراد ہے کہ ذکر حق، حوادث و خطراتِ نفس کو دور کرے یعنی جو وسوساں اور خیالاتِ دل میں غیر خدا کے آئیں تو سالک ان کو ترک کرنے کی سعی کرے۔ خیالاتِ فاسدہ کو کاٹ دے اور خیالاتِ حمیدہ کو دل میں جگہ دے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ سالک کو لائق ہے کہ خطرہ کو اس کے ابتدائے ظہور سے روک لے۔ کیونکہ جب ظاہر ہو

جائے گا تو وہ نفس انسانی میں اپنا اثر پیدا کرے گا اور پھر دور کرتا مشکل ہو جائے گا۔ یہ نگہداشت کا طریقہ ہے یعنی دنیا کے خیالات دل پر نہ جمیں اور دل مثل آئینہ صاف رہے۔ اور جو فیض باطن آئے اُس کا عکس دل پر پڑے اور جب آئینہ دل ہی صاف نہیں تو اس میں ظہور انوار و برکات الہی کیسے ہو سکتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

منب دسواس بیرون کن زگوش تا بگوش آید از گردوں خروش
ترجمہ:۔ کان سے وسوسوں کی روئی کو باہر نکال دے۔ تاکہ تیرے کان میں آسمان سے آوازیں پہنچ سکیں۔

تاکنی فہم آن معمہ ہاش را تاکنی ادراک امر فاش را
ترجمہ:۔ تاکہ تو ان اسرار کو سمجھ سکے اور راز کی باتوں کو جان سکے۔ یعنی اپنے کانوں سے زنگ اور گناہوں کی کدورت کو استغفار اور یاد الہی سے صاف کر کے باہر نکال دے تو آسمانوں سے اسرار و رموز کی باتیں تیرے کانوں کو سنائی دیں گی اور تو خدا تعالیٰ کے ساتھ اس قدر عشق و محبت پیدا کر کہ اس عشق و محبت کی پاداش میں تجھ پر جو اسرار ظاہر ہوں تو ان کو سمجھنے کی قوت بھی حاصل کر لے اور روحانی راز دار بن جائے۔ اللہ تعالیٰ یہ قوت روحانی اپنے خصوصی فضل سے ہمیں نصیب کرے اور ہمیں اپنے ہر کام کی حفاظت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے تاکہ ہم اس کام کو خدا کی مرضی پر استوار کر سکیں چنانچہ اسی غور و خوض اور پاسداری کو نگہداشت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۸۔ یادداشت

یادداشت کا مطلب ہے کہ توجہ صرف جو خالی ہے الفاظ و معانی سے حق کی جانب مستقل ہو جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں بقول اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم بنوری مجددی ”حق بات یہ ہے کہ ایسا متوجہ رہنا بالا ستقامت حاصل نہیں ہوتا مگر بعد فائے تام اور بقائے کامل کے یاد کرو اور نگہداشت میں طالب اپنی کوشش سے خدا کی جانب مشغول

ہوتا ہے۔ مگر یادداشت میں بلا کوشش خود بخود قلب خدا کی جانب مشغول ہوتا ہے۔“ ملاحظہ ہو
کلام عارفانہ

یادداشت حاصل می شود بعد از فنا بلکہ حاصل می شود بعد از بقاء
بعد از یں غافل نہ باشد یک زماں خواہ باشد فرح و غم سود و زیان
ترجمہ:- یادداشت فنائے تام کے بعد حاصل ہوتی ہے بلکہ بعد بقائے کامل کے
حاصل ہوتی ہے۔ یادداشت حاصل ہو جانے کے بعد تھوڑی دیر بھی غافل نہیں رہتا خواہ خوشی کی
حالت نصیب ہو یا غمی کی کیفیت حاصل ہو جائے۔ اور چاہے بندہ کو فائدہ نصیب ہو یا نقصان
ہر حال میں بندہ یادداشت کی صفت سے موصوف رہتا ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صفت
سے ہمیں مستفید فرمادے آمین۔

۹۔ وقوف زمانی

وقوف زمانی کی تشریح گزشتہ اوراق میں ہوش و ردم کی تشریح میں ہو چکی ہے۔ ہوش
وردم اور وقوف زمانی ہر دو ہم مطلب اور ہم معنی ہیں۔ اس لئے یہاں دوبارہ تشریح کرنا تکرار ہی
ہوگا اور اوقات کا ضیاع اور الفاظ کی تعداد بڑھانے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے گزشتہ اوراق
میں ہوش و ردم کو دوبارہ دیکھ کر وقوف زمانی کا مطلب معلوم کر لیں ضروری ہے۔

۱۰۔ وقوف عددی

وقوف عددی میں واقف رہنا سالک کا اثنائے ذکر میں جب ذکر حق کرے تو طاق
تعداد میں یعنی وتر کی صورت میں ہو۔ جیسے ۱، ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۱، ۱۳ اور غیرہ اس میں اثر و تاثیر زیادہ
ہوگی۔ اور اس میں مناسب ہے ذات حق کے ساتھ اللہ و تَرْتَرُجِبُ الْمَوْتَرُ اللہ تعالیٰ
ایک ہے اور ایک یعنی طاق کو پسند کرتا ہے اسی لئے حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ بیعت
کے بعد مریدین کو ایک تسبیح نفی اثبات اور چند کلمات اس شرط پر دکھاتے تھے کہ جب تیرا قلب
(دل) یا دالہی میں زندہ یعنی اجرائے ذکر کے ساتھ متحرک ہو جائے تو پھر یہ عمل تسبیح ترک کر کے

قلب کی جانب ہی متوجہ ہو جانا۔ اور جس کا دل بوقت بیعت ہی زندہ ہو جاتا تھا اُس کو اور کچھ نہ بتاتے تھے۔ نفی اثبات کے کلمات بھی وتر اور دوسرے کلمات بھی وتر تعداد میں بتاتے تھے۔ مثلاً نو بار نفی اثبات لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور ایک بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ ط 100 سودانوں کی تسبیح پر مکمل کرنا ہوتا تھا۔ اس کے بعد گیارہ بار اللَّهُ حَاضِرٌ بَلَا كَيْفٌ ط یہ ورد مذکورہ پورا کرنے کے بعد پھر دوزانوں ہو کر خدا تعالیٰ کی جانب محبت اور یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو کر تصور اسم ذات یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بلا الفاظ اور سانس کے صرف دھیان اور فکر کے ساتھ لفظ اللہ کا نقش دل پر باعدہ سے کا طریقہ بتاتے تھے اس کو مراقبہ اسم ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو کہ زود اثر ہے۔ اور یہ نعمت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کو بلا واسطہ خواجہ عبدالحق غنجدانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایسی طریق پر حاصل ہوئی تھی۔

اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام اللَّهُ کا دل پہ نقش باندھ دیتے تھے اور فی الفور دل اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام سے زندہ ہو جاتا تھا۔ اکابر نقشبند اولیائے کرام کو یہ نعمت ورثہ کے طور پر ملتی چلی آرہی ہے اور اب بھی وہ دل پر نقش باندھ دیتے ہیں۔ مگر مرشد کا کامل ہونا شرط ہے نہ کہ باپ دادا یا خاندانی طور پر رشتہ رکھنے کی وجہ سے مسند شجیتہ پر فائز ہو جائے اور اس نعمت سے محروم ہو ایسا شیخ شیعہ ناقص کہلاتا ہے۔ ایسے شیخ کے قریب ہرگز نہ آئیں۔ حضرت خواجہ شمس الدین سلسلہ نقشبند کے کامل ولی تھے۔ اور آپ کے خلفاء کو بھی یہی اوصاف نصیب تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اسی صفت کو اندارج انہایت فی الجہد ہمت کا نام دیا ہے۔ حضرت سید پورئی اور آپ کے خلفاء کی پہلی صحبت و توجہ سے یہ صفت حاصل ہو جاتی تھی اور اب بھی حاصل ہو رہی ہے۔ اسی لئے حضرت سید پورئی کی ہستی کے بارے میں بے ساختہ اعتراف بزرگی زبان پر آ گیا جسے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں۔

اللہ کے کامل ولی شمس الدینؒ تھے رہنما جن کی مجلس با اثر تھی موجب حق کی رضا (حبیب)

۱۰۔ وقف قلبی

وقف قلبی سے مراد ہے کہ سالک ہر وقت ہر آن اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے۔ اور قلب کو خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ رکھے۔ تاکہ سب اطراف سے ہٹ کر صرف معبود حقیقی کی جانب توجہ باقی رہ جائے اور جملہ خطرات و وساوس قلب میں داخل نہ ہو سکیں۔ خصوصاً بوقت ذکر و فکر صرف ذکر الہی کا پورا پورا خیال رہے۔ اسی واسطے حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ نے جس دم اور رعایت عدد کو ذکر میں لازم نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف فوائد میں داخل فرمایا ہے اور وقف قلبی تو حضرت خواجہ نقشبندؒ کے نزدیک بہت ہی ضروری اور رکن عظیم ہے۔ اور طریقہ نقشبند کا دار و مدار اسی پر موقوف ہے۔

حقیقی قلب سینہ کے اندر جو ہر لطیف کا نام ہے۔ اور گوشت کا لوتھرہ صنوبری شکل کا دل اس کا محل اور محافظ ہے جس طرح چڑیوں کا گھونسلہ ان کے انڈوں کا محل و محافظ ہے۔ گھاس پھوس کے بنے ہوئے گھونسلے کے بغیر انڈے محفوظ نہیں ہو سکتے اور انڈوں کے بغیر کبھی چڑیا خواہ مخواہ گھونسلہ تیار نہیں کرتی گویا گھاس پھوس سے بنے ہوئے گھونسلے اور انڈوں سے بھرے گھونسلہ کو آشیانہ کا نام دیا ہے۔

جس طرح چڑیا گھونسلے میں بیٹھ کر انڈے دیتی اور بچے نکالتی ہے اسی طرح لطیف جو ہر قلب جو کہ لوتھرہ گوشت صنوبری شکل دل کے اندر ہے اسی دل پر ذکر کی حرارت پہنچا کر جو ہر دل کو ذکر کی حرارت سے روشن و منور کیا جاتا ہے۔ جس طرح گھونسلہ میں انڈوں کو سی کر حرارت پہنچانے سے پرندہ پیدا ہو کر اڑنے لگتا ہے بعینہ جو ہر لطیف کو دل سے ذکر کی حرارت پہنچا کر ایک کیفیت کا عروج ہونے لگتا ہے جسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ عالم بالا کی جانب پرواز کرتا ہے۔ جس کو اولیائے کرام حقیقت / حال / روحانیت کا نام دیتے ہیں اس کو علامہ اقبالؒ نے مخاطب کیا ہے۔

اے طائر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

یہی روحانیت ہے جو لاہوت کی جانب اڑان کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور منکوک و حرام غذا سے اس کی رفتار رک جاتی ہے۔ اور گھونسلے کی مثال جو اس کے ساتھ منطبق کی ہے اس کے بارے میں کسی بندہ خدا نے خوب فرمایا ہے۔

عَلَىٰ بَيْضِ قَلْبِكَ كُنْ كَأَنَّكَ طَائِرٌ

فَمِنْ ذَالِكَ إِلَّا خَوَالِ فَيْكٍ تَوَلَّدَ

ترجمہ:- اپنے دل کے انڈے پر پرندوں کی طرح ہو کر اُسے سی پس اس طریقہ سے جس طرح انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے تیرے دل میں نور خدا پیدا ہو جائے گا۔

مگر یاد رہے کہ دل کے انڈے کو سی نے کے لئے مرشد سے طریقہ اخذ کرنا ضروری امر ہے بغیر مرشد کامل کے اگر کوئی یہ عمل کرے گا تو استدراج ہو جائے گا۔ جو کہ غیر مسلم کو بھی قاذو کشی اور چلہ کشی سے استدراج حاصل ہوتا ہے۔ اور عقیدہ باطل ہی رہتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

بھرا بگڑیں کہ بے پیراں سفر ہست راہ پر آفت و خوف و خطر
دامن او گیر زدو تر بے گماں تارہی از آفت آخر زماں
ترجمہ:- اپنے لئے مرشد تلاش کر کیونکہ بغیر مرشد کے یہ سفر نہایت پر خطر ہے۔
یعنی شیطان اور نفس کو اس میں بہت دھوکہ دینے کا موقع ملتا ہے۔ بلاشبہ اس بندہ خاص کا دامن جلدی پکڑے۔ تاکہ آخری زمانہ کی آفتوں سے محفوظ رہ جائے۔ دوسرے مقام پر مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

کار بے استاد خواہی ساختن جاہلا نہ جاں بخوای بافتن
ترجمہ:- بغیر استاد کے تو اگر کام بنانا چاہے گا تو کامیابی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ جاہلوں کی طرح جان پر کھیلنا پڑے گا۔

حضرت ابوالحسن خرقاؒ کے ایک خلیفہ عبد اللہ انصارؒ عارف باللہ فرماتے ہیں۔

۔ شریعت را استاد باید حقیقت را پیر درخت را آب باید طفل را شیر
 ترجمہ:- علم شریعت حاصل کرنے کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے اور حقیقت
 و معرفت حاصل کرنے کے لئے پیر و مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے درخت کے لئے
 پانی اور بچے کے لئے دودھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ درخت بغیر پانی کے نشوونما نہیں پاسکتا اور لو
 مولود بچہ بغیر دودھ کے پرورش نہیں پاسکتا۔ اسی طرح شریعت بے استاد حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور
 معرفت بغیر پیر و مرشد کامل کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور پیر ناقص چونکہ خود اس راہ سے بے خبر
 ہوتا ہے اس لئے رہنمائی کا اہل ہی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نور معرفت کے حاصل کرنے کے لئے کامل رہبر و مرشد کی رہنمائی
 نصیب فرمائے آمین یا اللہ العالمین۔

سلاسل اربعہ کا مختصر تعارف اور وجہ تسمیہ

اللہ تعالیٰ کے ہر نبی کو نبوت اور ولایت کے انوار نصیب ہوتے ہیں یعنی ہر نبی ولی اللہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ نبی کی نبوت کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ وہ مخلوقات الہیہ کو خدا تعالیٰ کی جانب بلا کر انہیں گمراہی کے راستے سے بچنے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی ترغیب دیتا تھا۔ لا تعداد معبودوں کی پرستش سے نجات دلا کر ایک معبود حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلانے میں رات دن محنت کرتا تھا اور لوگوں کی طرف سے دی گئی ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا۔ کبھی گھروں میں کبھی بازاروں اور دیگر اجتماعات میں پہنچ کر لوگوں کو دین حق کی طرف دعوت دیتا تھا۔ نبی اپنی طرف سے اور اپنی رائے سے کوئی بات لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرتا تھا بلکہ نبی پر ہر حکم من جانب اللہ بذریعہ وحی نازل ہوتا تھا اور یہی حکم خدا تعالیٰ کے بندوں تک پہنچاتا تھا۔ الہامی کتب درحقیقت انہی احکامات الہی کا مجموعہ ہیں۔ یہی احکام جو خدا تعالیٰ کی جانب سے اولوالعزم چار رسولوں پر نازل ہوئے اور انہیں کتابی نسخوں میں محفوظ رکھا گیا تھا۔

یہ چار کتب کی صورت درج ذیل ناموں پر موسوم ہیں:-

- ۱- تورات: جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
- ۲- زبور: جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
- ۳- انجیل: جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
- ۴- قرآن مجید: جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

اور باقی انبیاء علیہم السلام پر جو احکام نازل ہوئے۔ وہ صحائف کے نام سے موسوم تھے۔ اور بعض انبیائے کرام نے سابقہ شریعت پر بھی عمل پیرا رہ کر قوم کو رشد و ہدایت کا راستہ

دکھایا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیائے کرام کے سردار اور سب سے بعد تشریف لائے۔ آپ پر قرآن مجید نازل ہوا۔ اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور قیامت تک قرآن مجید کے احکام پر ہی عمل ہوگا۔

ہر نبی جو مخلوقات البسیہ کی جانب احکام خداوندی کے تحت رجوع کرتے ہوئے ہیں کو خدا کی جانب بلاتا تھا یہ نبی کی نبوت کا حصہ تھا اور نبی کی ولایت یہ ہے کہ نبی کا باطنی تعلق واسطہ اللہ کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور انوار الہی کی تجلیات کا تانتا نبی کے قلب و سینہ مبارک پر ہر وقت بندھا رہا ہے۔ اور دیدار الہی سے مشرف ہوتا رہتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لِي مَعَ اللَّهِ سَاعَةٌ لَا
يُسْعِنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ
وَلَأَنْبِيئُ مُرْسَلٌ (او کہا قال)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حضور میں میرے لئے ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ میرے ساتھ کوئی مرسل یا مقرب فرشتہ نہیں ہوتا

یعنی قرب خداوندی کا خاص عالم ہوتا ہے پس نبی کا رجوع الی الخلق جو اللہ تعالیٰ کی جانب بلانے کے لئے ہوتا ہے اس کی نبوت کا حصہ ہے اور رجوع الی اللہ نبی کی ولایت کا حصہ ہے۔ ہر نبی کی نیک امت نبی کی نبوت کی مظہر ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کو نبی کی ولایت کا بھی حصہ بقدر چاہت و طلب اور با اندازہ ظرف ضرور ملتا ہے۔ اس فیض باطنی کے ملنے کا زمانہ باطن کی نسبت سے ہے۔ جس شخص کو نبی کے ساتھ جس قدر نسبت باطنی ہوگی اتنی ہی روحانیت میں ترقی حاصل ہوگی۔ اور نبی کی باطنی نسبت سے فیض حاصل ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے بڑھ کر نسبت صحابہ کرام کو تھی۔ اسی لئے ان کی صحابی کی نسبت روحانیت اور درجہ و مقام کو امت کے جملہ اولیائے عظام غوث قطب ابدال وغیرہ ابدال نہیں پہنچ سکتے۔ (متفق علیہ) مومنین اور اولیائے عظام میں سے بھی جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنا پیار اور باطنی نسبت حاصل ہوئی۔ اتنا ہی درجہ و مقام دیا گیا

امت کے ہر فرد تک تک فیض نبوت سینہ بسینہ چلا آرہا ہے۔ قرآنی تعلیم ہر شخص کسی استاد سے سیکر حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح نبی کا فیض ولایت بھی از خود نہیں کسی سے اخذ کر کے سینہ بسینہ چلا آرہا ہے اور اسی طرح آگے چلے گا۔

اگر کوئی شخص علم ظاہری قرآن و حدیث سیکھنے میں محروم رہ جائے تو اس کو عالم یا شیخ الحدیث نہیں کہا جاتا جب تک کہ وہ قرآن و حدیث پر مکمل عبور حاصل نہ کر لے۔ جیسے علم نبوت صحابہ کرامؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور تابعین نے صحابہ کرامؓ سے اور تبع تابعین نے تابعین سے سیکھا اسی طرح سیکھتے سکھاتے جو پوری امت میں سیکھنے کا جذبہ و شوق رکھتے تھے علم ان کے سینوں تک پہنچ گیا۔ اور اب بھی ہر مسجد و مدرسہ میں اور ہر مقام پر جہاں دین سکھانے کی محفلیں لگتی ہیں۔ لوگ علم نبوت سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان محفلوں کو درس گاہیں کہتے ہیں۔ اور یہ درس گاہیں قیامت تک رہیں گی۔

اسی طرح فیض ولایت (نور نبوت) علم باطنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے عکسی طور پر حاصل کیا اور ہمارے علاقے ہندوستان میں جو فیض نور نبوت سے وابستہ پہنچا اور اپنی طور پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے واسطے سے آیا ہے۔ دنیا میں کسی اور مقام کی ذریعے بھی پھیلا ہو گا مگر ہندو پاک میں انہی دو اصحاب کبارؓ کے واسطے سے پہنچا ہے اور یہی نسبت زیر قلم بطریق شجرہ نسبت یا زبانی طور پر چلی آرہی ہے۔ اور اب تو ان ہی دو اصحاب کبارؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے سینہ مبارک سے نسبت رکھنے والی لائن فیض سلاسل میں رائج و مروج ہے۔ اور آگے دونوں کا تعلق دو واسطہ حضور سلی اللہ علیہ وسلم سے جا پہنچتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ۲۔ حضرت علی مرتضیٰؓ

نے جو نسبت باطنی کے ذریعے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض ولایت حاصل کیا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے اخذ کیا۔ جو فیض دو شاخوں میں آگے

بڑھتا ہوا قلوب المؤمنین کو روشن و منور کر رہا ہے۔ ایک سینہ شاخ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک سے حضرت سلیمان فارسی کے سینہ مبارک سے امام قاسم و جعفر صادق تک پہنچ گئی اور دوسری شاخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت امام حسینؑ اور پھر زین العابدینؑ و امام باقرؑ اور پھر جعفر صادقؑ تک پھر پہنچ گئی اور حضرت جعفر صادقؑ کا حسب نسب کا واسطہ بھی ان ہی حضرات ثانیہ مذکورہ سے متعلق ہے گویا جعفر صادقؑ کو اس طریق کا فیض حضرت ابو بکر صدیقؑ اور حضرت علیؑ ہر دو کے سینہ مبارک سے پہنچتا ہے۔ پس اس طریق میں حضرت جعفر صادقؑ کو حضرت ابو بکر صدیقؑ اور حضرت علیؑ سے فیض کی نسبت حاصل ہے۔ اور یہ شاخص پھر بایزید بوسلطانی ابو الحسن خرقانی سے ہوتی ہوئیں حضرت مجدد الف ثانیؑ تک آ کر پہنچ جاتی ہے۔ اور پھر مجدد الف ثانیؑ سے آگے مختلف اطراف میں سینہ بسینہ پھیلی چلی گئیں۔ مجدد الف ثانیؑ سے ایک شاخ سید آدم بنوریؑ کے ذریعے بڑھتی ہوئی حضرت سید پوریؑ تک پہنچ گئی۔ اور ایک شاخ حضرت آدم بنوریؑ سے شاہ ولی اللہؒ تک بھی پہنچی ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؑ سے ایک شاخ خواجہ محمد معصومؒ جو کہ حضرت ثناء اللہ پانی پٹیؒ تک پہنچی ہے۔ گویا ہر بزرگ سے کسی نہ کسی راہ پر آگے بڑھتی رہی ہے۔ یہ مذکورہ شاخ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ تک پہنچ کر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کی وجہ سے آگے نقشبند یہ کے نام سے موسوم ہو کر حضرات طریقت میں نقشبند یہ پر پختگی سے مشہور ہو گئی اور اب تک اس شاخ سے منسلک حضرات نقشبند یہ ہی کہلاتے ہیں۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دوسری شاخ حسن بصریؑ اور پھر ہوتے ہوئے مختلف اطراف میں پھیلتی ہوئی تین مختلف ناموں میں تقسیم ہو کر رہ گئی یعنی یہ دوسری شاخ چلتے چلتے سید عبدالقادر جیلانیؒ پر پہنچ کر آگے پختگی سے قادر یہ طریق پر موسوم ہو گئی۔ اسی طرح مختلف صوفیائے کرام کے سینہ بسینہ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؑ تک پہنچ کر پختگی سے سہروردیہ طریق پر موسوم ہو گئی۔ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؑ تک پہنچ کر پختگی سے طریقہ

چشتیہ کے نام سے موسوم ہو گئی۔ اور اب یہ طریق گویا چار شاخوں میں تقسیم ہو گئی۔ اب یہ چار طرائق نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں اور چاروں کے اپنے اپنے طریق پر وظائف و اوراد بزرگوں کے وضع کردہ طریق پر کئے جاتے ہیں۔ چاروں طریقے جواب بھی قرآن سنت کو اپناتے ہوئے موجود ہیں فائدہ مند اور خدا کے قرب کا راستہ ان پر چل کر حاصل ہوتا ہے۔ مگر اب بہت سے مکار اور فریب دہندہ افراد اپنے آپ کو ان طرائق سے منسوب کر کے غیر شرعی امور پر کار بند رہ کر سادہ لوح انسانوں کو فقر و درویشی کے نام پر گمراہ کرتے ہیں ان سے ہوشیار رہیں اور ان کے مکر و فریب میں آنے سے محفوظ رہیں۔ اگر شریعت سے سرمو بھی کوئی طریقہ ہو تو طریقہ غیر مناسب اور راہِ حق سے دور ہی تصور ہوگا۔ اس پر خواہ مخواہ کار بند رہ کر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ اور اب ان ہی دینی طرائق میں تبلیغِ محنت بھی رونما ہو چکی ہے۔ اس پر بھی محنت اور اس میں وقت لگانے سے دینی فائدہ حاصل ہوگا۔ ضرور وقت لگائیں۔ مخالفت نہ کریں۔ مخالفت سے دین کی توفیق سلب ہونے کا خطرہ ہے اس لئے دینی کام میں کسی کو بھی مخالفت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ جس کسی کا جس طریق و سلسلہ کے ساتھ دلی میلان پیدا ہو جائے اسی طریق میں وہ شمولیت کر سکتا ہے۔ درحقیقت یہ چاروں سلاسل اور تبلیغِ دین ایک ہی منبع سے تعلق رکھنے والے دریا ہیں۔ اور یہ منبع و بحر خود حضور پر نور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ ان شاخوں اور دریائے فیض سے جس دریا کا پانی بھی لیا جائے کافی ہے۔

چاروں سلسلوں اور تبلیغِ دین کا مدعا واحد ہے۔ اور وہ مقصد و مدامتِ تہذیب و نفس اور قرب و معرفت کی طلب و چاہت ہے۔ شریعت کی کمال پابندی خدا تعالیٰ کی رضا جوئی و اعمالِ حسنہ جو کہ اخلاص پر مبنی ہوں پابندی کرنا۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی والے اعمال سے اجتناب۔ پس یہ غویاں ان طرائق کے ساتھ منسلک ہو کر محبت و کوشش سے جلد ہی میسر آ جاتی ہیں۔

اور ان طرائق کے ساتھ منسلک ہونا ہی طریقت ہے۔ نیز شریعت اور طریقت لازم

و ملزوم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب قریب ہونے کے لئے دوزینے ہیں۔ جن کی وجہ سے حقیقت و معرفت کی منازل طے ہوتی ہیں۔ پس ترتیب یوں ہوئی۔ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت ذات باری تعالیٰ اور پہلی سیرگی شریعت ہے جس کے بغیر تمام کوشش بے سود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے قرب و معرفت کے حصول کی توفیق عنایت فرمائے اور قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، طریق اور طریق والوں کی پہچان نصیب فرماوے آمین۔



سلاسل اربعہ کے نام سے غلط رسومات

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردار انبیاء ہیں۔ انبیائے کرام کی نبوت سے آپ کی نبوت کا مقام جتنا بلند ہے اتنا ہی انبیائے کرام کی ولایت سے بھی آپ کی ولایت کا مقام اعلیٰ وارفیع ہے۔ صحابہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت ایمانی میں محبت کے ساتھ ایک نظر سے دیکھنے سے وہ مقام ملا جو کہ امت کے جملہ بنی اولیائے عظام بھی مل کر وہ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک ادنیٰ صحابیؓ کا درجہ صحابہؓ کے بعد امت کے تمام اولیائے کرام سے بڑھ کر ہے۔ (متفق علیہ) حضرت خولجہ اولیس قرنیؓ جو کہ آپؐ کے زمانہ میں زندہ موجود تھے۔ مگر بوجہ مجبوری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ تو اُس صحابیؓ کے درجہ کو بھی نہ پہنچ سکے جو صرف چند لحوں کے لئے مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت تھا جس کی بدولت ایک ہی نگاہ کرم کے ساتھ مقام اعلیٰ حاصل ہو گیا۔ باقی صحابہ کرامؓ تو ہر وقت آپؐ کی صحبت میں حاضر رہ کر مقامات و درجات حاصل کرتے رہتے تھے اور آپؐ کی زندگی گزارنے کا طرز و طریقہ حاصل کر کے نیز آپؐ کے ہر قول و فعل کی نقل فرما کر اُسے اپناتے تھے۔ اور سب کے سب ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کے اعمال حسنا اپنے اندر منعکس کر چکے تھے۔ اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بِأَيْهِمْ
اقتديتم اهتديتم
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس
کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اور جنہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی
اقتداء نہیں کی وہ حقیقت و حق سے محروم رہ گئے۔ گویا کامل اقتداء ہی فیض رسالت کو اپنے اندر

منعکس کرنے کا ذریعہ ہے۔

صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اقتداء اور اتباع کیا۔ تو فیض رسالتؐ کو اپنے قلب میں منعکس کر لیا اور اسی طرح صحابہ کرامؓ کی کامل اقتداء جن لوگوں کو نصیب ہوئی۔ تو وہی فیض رسالتؐ جو صحابہ کرامؓ کو نصیب تھا۔ کمال اتباع و نسبت رکھنے کی برکت سے حاصل ہو گیا۔ اور پھر سلسلہ وار اتباع اصحابؓ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو اپناتے ہوئے اسی فیض رسالتؐ سے اپنے قلوب کو روشن و منور کر دیا۔ مگر جن جن لوگوں نے جہاں سے اقتداء اور اتباع کا دامن چھوڑ کر اپنی خواہشات و مرضی کو دینی کاموں میں شامل کر دیا۔ وہ فیض رسالتؐ سے محروم ہو گئے۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو نیک و پارسا تصور کرتے ہوئے سلاسل اربعہ میں کسی سلسلہ و طریقہ کے ساتھ بھی اپنی نسبت کیوں نہ جوڑ رکھیں مگر کمال اتباع رسالتؐ کے بغیر کامیابی اور حقیقت اسلام کا حاصل ہونا دشوار ہے۔ اور خلاف سنت و شریعت اگر کوئی سلسلہ طریقت و فقر ہے تو وہ حق نہیں بلکہ حق سے کوسوں دور ہے۔ یاد رہے کہ مکمل فائدہ اُس وقت تک ہرگز نہیں ہوگا جب تک وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اقتداء اور آپ کی زندگی کا مکمل ضابطہ حیات اپنے اندر راسخ نہ کر لیں۔ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی پابندی نہ کر لیں۔

بعض لوگ اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں اور اس غیر شرعی فعل کو وہ سلاسل اربعہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ ایسی نسبت دیکرو وہ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں۔ راہِ حق کے متلاشی حضرات کو بھی راہِ مستقیم سے بھٹکا دیتے ہیں۔ نہ خود فقر و درویشی کی حقیقت کو جانتے ہیں اور نہ ان کو اس راہ کی حقیقت کی خبر ہوتی ہے۔ بس حیران و سرگردان ہی زندگی گزر جاتی ہے۔ ہائے افسوس! ان کے نزدیک سرخ، سبز لباس اور مختلف رنگوں میں جھنڈے وغیرہ اور موتیوں منکوں کے بار بنا کر پہننا اور بازوؤں پر کڑے پہن کر اپنی زاری وضع قطع بنانا ہی فقر و درویشی ہے۔ حالانکہ درویشی و فقر کا ان چیزوں سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ ہاں گداگری سے ضرور

قطع ہے۔ مگر فقری و درویشی سے نہیں ہے کیونکہ فقر و درویشی در حقیقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرامؓ کی وراثت ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فعل کبھی نہیں کیا اور نہ صحابہؓ کو ایسا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہ طریقہ ان لوگوں نے خود ایجاد کر دیا ہے اور ایسی وضع قطع کا اپنی طرف سے اختراع کر لیا ہے اور لاعلم لوگ ان کے فریب میں پھنس کر حقیقت سے دور چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح رقص و سماع کا رواج بھی بعد میں رونما ہوا۔ تو بزرگان دین اور صوفیائے کرام نے ذکر کی محفل میں کسی عارف کا کلام پرانی یاد کو تازہ کرنے اور اپنے اندر جذبہٴ محبت پیدا کرنے کے لئے خود پڑھا کسی دوسرے کو پڑھنے کے لئے کہا گیا کہ اس کلام سے خدا تعالیٰ کی جانب محبت و میلان پیدا ہو۔ آہستہ آہستہ تابلہ اور ناقص پیروں نے اس کو پختہ رسم بنا دیا اور رقص و سماع کا نام دے کر راہِ طریقت میں شامل کر دیا۔ اور پھر بزرگان دین اولیائے کرام کے مزارات پر پڑھنے کا اہتمام شروع کر دیا۔ اور پھر ہوتے ہوتے اسے بڑھاتے پھیلاتے چلے گئے اور بعد میں اس کو رقص و سماع سے تعبیر کر کے نیک بزرگان دین کی زیارات و خانقاہوں پر گانا بجا با اور ڈھولک کے ساتھ محفلیں رچائی گئیں۔ اور اس بدعت کو رقص و سماع کا نام دے کر بزرگوں کے ساتھ منسوب کر دیا۔ حالانکہ اس فعل مروجہ کا سلاسل کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی نیک لوگ پسند کرتے ہیں اور نہ ہی شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ بزرگان دین کا عارفانہ کلام درد و سوز کے ساتھ پڑھنا اور خدا کی محبت میں مست اور بیخود ہو کر وجد میں آجانا ان کے نزدیک سماع و رقص کے برابر ہے۔ جو کہ بعد میں غلط شکل اختیار کر کے سلسلوں کی جانب منسوب ہونے لگا۔ سلاسل اربعہ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطہٴ حیات کے مظہر ہیں اور ابو بکر صدیقؓ نے ایسا کیا اور نہ حضرت علیؓ نے ایسا کیا جو کچھ ہوا بعد میں ہوا۔

سلاسل اربعہ کے چار شیوخ کا مختصر تذکرہ

۱۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی:

محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت خواجہ سید عبدالقادر جیلانی علم طریقت میں اپنے دور کے امام و پیشوا و ولی کامل گزرے ہیں۔ اور آپ کی ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے شان محبوبیت عطا فرمائی تھی۔ اور ایسی شان محبوبیت اللہ تعالیٰ بعض بعض اولیائے کرام کو عطا فرماتے ہیں۔ کشاں کشاں اپنے قرب و معرفت کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک شیخ عبدالقادر جیلانی بھی ہیں۔ جن کو قدرت نے اپنے فضل سے محبوبیت والا مرتبہ عطا فرمایا تھا۔

ذالک فضل اللہ یؤتیه من الیشاء واللہ ذو الفضل العظیم ہ

ترجمہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اسے عنایت کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل بڑے کا ہے۔

آپ کے ارشادات کے لفظ لفظ اور حرف حرف میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر اور کرامت رکھی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ تصنع اور بناوٹ ہرگز نہ تھی جو کچھ بھی تھا حقیقت پر ہی مبنی تھا اور حقیقت میں اثرات ضرور ہوتے ہیں۔ آپ جب مجمع میں وعظ و بیان فرماتے تو مجمع تڑپ جاتا تھا۔ اور خوف خدا اور طلب خدا میں اشک بار اور بے قرار ہو جاتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مقام اعلیٰ پر فائز فرما کر شیوخ کا رہنما اور بہر بنادیا تھا۔ اور آپ کی رہنمائی و ہدایت پر اولیائے کرام بھی عمل پیرا ہوتے اور اپنے مریدین کی تربیت فرماتے تھے اور آپ کے عوارف و معارف کی رہنمائی میں تزکیہ نفس پر کار بند رہتے تھے۔ آپ پیدا کئی ولی اللہ تھے۔ چنانچہ بچپن کے زمانہ میں آپ کی ملاقات حضرت خواجہ یوسف ہمدانی سے ہوئی۔ تو انہوں نے نور بصیرت سے دیکھ کر فرمایا کہ ”یہ لڑکا امت محمدیہ کا کامل مقتدا ہوگا“ آپ کی صحبت و مجلس میں بہت سے لوگ فیض یاب ہو کر نور

معرفت کی دولت سے نواز دیئے گئے۔ اور یہ سلسلہ ولایت جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور پھر حضرت حسن بصریؒ کے سینہ بسینہ گزرتا ہوا آپ تک پہنچا۔ تو آپؑ کے دور میں اس سلسلہ کو کمال حاصل ہوا۔ اور عروج و ترقی نصیب ہوئی۔ آپؑ سے منسلک اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کمال عقیدت و محبت سے اس سلسلہ طریقت کو قادر یہ سے موسوم کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اور پھر آگے یہ سلسلہ جہاں تک سینہ بسینہ چلا تو سلسلہ قادریہ کے نام پر ہی موسوم ہو گیا اور اب تک سلسلہ عالیہ قادریہ کے نام سے منسوب ہے۔ اور اس میں محنت و کوشش کرنے والے موجود ہیں اور اس کا اجر و ثواب آپؑ کی روح مبارک کو پہنچتا ہے اور قیامت تک پہنچتا رہے گا۔ مگر افسوس! کہ نام نہاد لوگ بھی اس میں بہت نمودار ہو چکے ہیں جو حقیقت میں رکاوٹ کا باعث بن چکے ہیں و رسومات و بدعات میں زور لگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب کرے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جو صحیح سلسلہ طریقت چلا آ رہا ہے اس پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ مندرجہ ذیل چند زریں اقوال درج ہیں:-

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ

۱۔ قرآن و شریعت خدا تعالیٰ کی طرف راستہ پر چلانے والے ہیں۔ قرآن تیرا رہبر ہے خدا تک پہنچنے کا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیری رہبر ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا۔

۲۔ نیز فرماتے تھے کہ اُن لوگوں سے میل جول ترک کر جو تجھ کو دنیا کی رغبت و محبت دلائیں۔ اور اُن کی ہم نشینی تلاش کر جو تجھ کو دنیا سے بے رغبت بنائیں۔

۳۔ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے خاص بندوں کے ساتھ اچھا گمان نہ کرے اور اُن کی تواضع نہ کرے۔ تو اُس کو فلاح نصیب نہ ہوگی۔ یعنی بندہ خدا کے قلب و سینہ میں جو نورانیت من جانب اللہ اُسے حاصل ہے اُس کا عکس اس کے قلب و سینہ میں منعکس نہ ہو سکے گا۔ جو کہ فلاح ابدی کا ذریعہ ہے۔ کسی بندہ خدا کے سینہ مبارک کی نورانیت حاصل کرنے

کرنے کے لئے اُس کے بارے میں اچھا گمان اور پھر عقیدت و محبت کے ساتھ پیش آنے کی از حد ضرورت ہے۔

۴۔ فرمایا کہ جنت کی کنجی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا کہنا ہے مگر نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے نفس اپنے غیر اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے فناء ہو جانے سے کہ بجز اللہ کے کوئی مطلوب و موجود نظر نہ آوے۔ اور یہ حالت بھی حدودِ شریعت کی حفاظت کے ساتھ ہو۔ ورنہ الحاد و زندقہ ہے۔ اصل حقیقت کو تلاش کر کے حقیقت کو اخذ کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے شیعہ کامل سے محبت کرنی ضروری ہے مگر خود کو بھی اس محبت کا اہل بنانا ضروری امر ہے۔

۲۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی

حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت عثمان ہاروئی کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ نے کچھ عرصہ حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ کے مزار پر ٹھہر کر چلہ کشی کی اور خوب ریاضت و مجاہدہ کیا اور فیض حاصل کیا۔ آپ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہندوستان میں اجمیر کے مقام پر قیام پذیر ہو گئے اور آپؒ کی محنت و کوشش سے ہندو مسلمان ہونے لگے۔ جب پرتھوی راجہ کو پتہ چلا تو ان کو اس جگہ سے ہٹانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ جب راجہ نے چند سپاہی ان کو اس جگہ سے ہٹانے کے لئے روانہ کئے جب ان کے قریب پہنچے تو اجمیریؒ نے ان کی طرف جب نظر اٹھا کر دیکھا تو سب لرزہ بر اندام ہو کر گر پڑے اور ناکام ہو کر واپس آئے۔ تب راجہ ڈر گیا اور ان کو نہ چھیڑا۔ اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ہزاروں کی تعداد میں ہندو مسلمان کرائے۔ اور وہ اسی مقام پر دین کی خدمت کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے اور اسی مقام پر اب ان کا مزار ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سلسلہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور پھر حضرت حسن بصریؒ کے سینہ بسینہ ہو کر کنفی واسطوں سے حضرت عثمان ہاروئیؒ تک پہنچا اور انہوں

نے یہ امانت ولایت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو ان کی اہلیت کی بنا پر سونپ دی۔ آپؒ کے دور میں سلسلہ طریقت نے خوب ترقی کی اور اس سلسلہ طریقت کو خوب عروج حاصل ہوا۔ اس ترقی اور محبت و عقیدت کی بناء پر طریقت کے ساتھی اپنے آپ کو چشتی طریقہ کے نام سے منسوب کرنے میں فخر سمجھتے تھے۔ اور یہ طریقہ آگے ترقی کرتا گیا اور آپؒ کی صحبت اور مجلس میں کافی لوگوں نے فیض حاصل کیا۔

چنانچہ بڑے بڑے صوفیائے کرام حضرت بختیار کاکیؒ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ حضرت جمال الدین ہانوسیؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہیؒ حضرت مخدوم علی احمد صابریؒ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ جیسے اکابر و شیوخ المشائخؒ آپؒ کے مرید و خلیفہؒ مجاز ہوئے۔ آپ کے سلسلہ طریقت میں داخل حضرات بعد میں اس نسبت سے منسوب طریقہ عالیہ رکھنے والے اب بھی موجود ہیں مگر اس سلسلہ میں بھی بعض مکار اور فریبی حضرات داخل ہو چکے ہیں جو کہ من مانی کر کے رسومات کو سلسلہ چشتیہ کی طرف منسوب کر کے اپنا اُلُو سیدھا کرتے ہیں۔ اس لئے اہل طریقت حضرات کو خوب جانچ پڑتال کر کے دائرہ شریعت کی پابندی کرنے والوں کی تلاش کرنی ضروری ہے۔ تاکہ غلط طریقہ سے داخل ہونے والے مکار صوفی نام نہاد گدی نشینوں کے پھندے سے بچ کر حقیقت کی تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ دائرہ شریعت کے اندر جو سلسلہ چشتیہ میں محنت کرنا چاہتے ہیں ان کا ثواب تا قیامت سابقہ بزرگان سلسلہ کو متواتر پہنچتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شریعت کی پابندی اور سلاسل کی حقیقی شناخت نصیب فرمادے۔

۳۔ حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ

جناب حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ بھی طریقت میں امام و پیشوائے اولیائے کرام ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور پھر حضرت حسن بصریؒ کے سینہ بسینہ یکے بعد دیگرے اولیائے کرام کی وساطت سے

آپ تک پہنچ کر سلسلہ کو کمال عروج حاصل ہوا۔ شیخ سعدی شیرازیؒ جو کہ گلستاں و بوستاں کی مشہور کتب فارسی کے مصنف ہیں آپؒ کے مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ آپؒ کے بارے میں کمال محبت و عقیدت سے فرماتے ہیں۔

میرا پیر دانائے روشن شہاب دو انداز فرمود بروئے آب
کے آن کہ بر خویش خود میں مباح دیگر آں کہ بر غیر بد میں مباح

ترجمہ:- فرماتے ہیں میرے پیر کامل حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ نے نہر دجلہ کے کنارے مجھے دو نصیحتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ تو اپنے آپ کو بڑا مت جان۔ دوسری یہ کہ دوسرے کے بارے میں بُرا خیال مت رکھ۔ یعنی خود بینی کی مرض سے نجات حاصل کر اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کے مرض سے بھی نجات حاصل کر کیونکہ کیا خبر؟ آج تو نیک ہے تو کل تیرے کسی فعل قبیح کی وجہ سے تجھے گرا نہ دیا جائے اس لئے ڈرتا ہی رہا کر اور اپنی نیکی و پارسائی پر فخر و غرور نہ کیا کر کہ میں بھی کچھ ہوں نیکی اور عبادت اللہ تعالیٰ کے بندہ ہونے کی حیثیت سے کیا کر اور نیکی کرنے کے بعد مقبولیت کی دعا کر لیا کر اور دل ہی دل میں نادم رہا کر با اللہ میں نے جو نیکی کی ہے مجھے وہ اخلاص کہاں نصیب ہے جس سے یہ نیکی قبولیت کا درجہ حاصل کر سکے۔ ابلیس نیک و پارسا تھا کہ اپنی پارسائی اور ذہانت اور پارسائی کی بنا پر فرشتوں کا بھی پیشوا تھا اور اُس نے سالہا سال عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں وقت گزارا مگر اخلاص و محبت سے خالی تھا۔ اور حسد و تکبر کی وجہ سے راندہ درگاہ ہو کر اپنے منصب سے گر گیا۔ اس لئے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ ظاہر کرے۔ اسی طرح بلعم باعور کے واقعہ پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ اور اپنے آپ کو مجز و انکساری کے دائرہ کے اندر رکھا جائے مگر زبانی نہیں حقیقی طور پر یہ صفت حاصل ہونی چاہیے۔

اور دوسروں کو حقیر جاننا بھی بری بات ہے کیونکہ آج اگر ایک آدمی برا ہے کل وہ توجہ کر کے نیک اور پارسا اور بندہ خدا ہو جانے کی صفت حاصل کی سکتا ہے پس اپنے آپ کو غما

جھب کرنے اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کی کوشش کی جائے ہاں دوسروں کو حق بات کہنے اور حق پر چلنے کی تلقین ضرور کرے اسی کوشش و محنت سے انشاء اللہ برے اخلاق نیک اخلاق میں بدلنے چلے جائیں گے۔ یہ چند سطور مؤخر الذکر اشعار کی تشریح کے ضمن میں لکھی گئی ہیں کیونکہ اشعار مختصر مگر جامع ہیں اور اپنے اندر پند و نصائح کے گراں قدر موتی سموئے ہوئے ہیں۔

ان ہی اشعار پر غور کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ خداوند اتونے اپنے بندوں کو کیا کیا حکمتیں عطا فرمائی ہیں جن کی مدد سے وہ امت مسلمہ کو نصیحت فرما کر غلط راہ سے مڑنے اور سیدھی راہ پر گامزن کرنے کی سعی و کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یا اللہ تو نے اپنے بندوں کے اندر کیسی تاثیر رکھ دی ہے کہ جو شخص بھی ان کا کلام سنتا یا پڑھتا ہے اس کے دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اور وہ حق بات کا متلاشی ہو جاتا ہے۔ اسی مقام پر مؤلف نے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی گویا ہر افشاں پند و نصیحت سنی جو کہ ان کے مرید خلیفہ حضرت شیخ شیرازیؒ نے اپنی کلام منظوم میں تحریر کیا ہے ہر دو کے الفاظ نے میرے دل پر اثر کیا۔ اور ان دونوں کے فیض کی برکت سے میرے ذہن و فکر میں چند جذبات ابھر کر نمودار ہوئے۔ جن کو میں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ منظومہ میں یہاں ہی ثبت ہی کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والے حضرات کے دل میں میرے حق میں دل کی گہرائی سے دعا نکل جائے۔ اور ان کی دعا کی برکت سے میرا کام بھی بن جائے۔ کیونکہ بھائی کی دعا بھائی کے حق میں قبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کو بار بار پڑھنے سے میرے اللہ کو میری حالت پر رحم آجائے گا۔ اور میری تمنا اور آرزو کو حقیقت میں بدل دے گا۔ جس طرح حدیث قدسی ہے اَنَا عَبْدٌ ظَنِّ عِبْدِيْ بِيْ اُسى کا اعلان ہے وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنْ اللّٰهِ قَبِيْلًا اُسى کا فرمان ہے۔ یعنی میں اپنے بندہ کے ظن و گمان کے زیادہ قریب ہوں حدیث قدسی ہے۔ اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے بات میں سچا ہے نص قطعی ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے اور اس طرح نواز نے میں اُس کے ہاں کیا اشکال ہے۔ وہ خالق و مالک ہے اور مسائل کے سوال پر خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ اور سوال نہ کرنے پر نا پسندیدگی فرماتا ہے اسی لئے

اُس کی جو دستِ پا کی بنا پر سوال کیا گیا ہے اور سوال میں اخلاص و محبت کی کمی کو پورا کرنے کا بھی سوال اس کی بارگاہ میں عرض ہے اور کام بنانے میں میرے اللہ کا اشارہ کافی و شافی ہے۔ اور اُس کے اشارے اور امرِ کن سے سب کچھ ہوتا چلا آیا ہے۔ کیا بعید ہے کہ وہ بندۂ ناجیز کے حق میں امرِ کن سے فیصلہ فرما کر اس کے بخت کو بھی بیدار کرے۔ ملاحظہ ہو دعائے منظومہ جو درج ذیل ہے:-

جہاں پر بھی تیرے ہیں بندے خدایا
تو نے خود اُن کو اپنی طرف ہے بلایا

اللہ تو نے بندوں کو کیا کیا دیا ہے
سینہ میں اُن کے ہے دل کو جگایا

یہی دردِ دل اور یہی فہم و حکمت
عطا کر کرم سے کبھی کو خدایا

یہاں بھی کرم کر وہاں بھی کرم کر
یہی آرزو اور طلب ہے خدایا

کرم تیرا ہوتا ہے جس پر کبھی گر
خزانہ سے دیتا ہے اُس کو خدایا

میں دامن پھیلا کر تیرے در پہ آیا
تو رحمت سے دامن کو بھر دے خدایا

بوقتِ نزع کر جلی کرم سے
اسی پر ختم کر حیاتی خدایا

دلِ مضطرب کو نہ آئے قرار
الہی کروں کیا کروں میں خدایا

کبھی بیٹھ کر میں کبھی لیٹ کر میں
تجبی سے میں تجھ کو ہی چاہوں خدایا

کدھر کو میں جاؤں تجھے ڈھونڈنے کو
میرے بس سے باہر ہے گردش خدایا

خدایا لحد پر تو روزِ حشر تک
رحمت فشاں کر تو میرے خدایا

انھوں جب لحد سے اڑوں تیری جانب
خبر ہو نہ مجھ کو حشر کی خدایا

فضل کا طلب گار ہے یہ حبیب
عطا کر کرم سے تو مجھ کو خدایا

میں نے گزشتہ اوراق میں سلسلہ سہروردیہ کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ شہاب الدین
سہروردیؒ تک جو سلسلہ طریقت پہنچ کر عروج کو پہنچا اور خوب ترقی کی اس لئے طریقت سے
منسلک صوفیائے کرامؒ نے اپنے آپ کو عقیدت و محبت کی بنا پر سہروردی کے نام سے موسوم کر دیا
اور پھر ان حضرات سے منسلک جو سلسلہ آگے چلا رہا سہروردیہ کے نام پر ہی مشہور معروف ہوا۔
اور اس کا فیض اور اجر و ثواب حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی روح مبارک کو پہنچتا رہے
گا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی محبت تا قیامت ہمارے دل میں قائم رکھے اور ہمیں حقیقت حال
سے آگاہ فرمائے۔ آمین!

۲۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کی پیدائش سے قبل
اکثر اولیائے کرامؒ پیش گوئی کرتے تھے کہ عنقریب بخارا میں ایک ایسا بزرگ پیدا ہونے والا
ہے کہ اس کے نور سے جہاں روشن اور منور ہوگا۔ چنانچہ جس روز آپؒ پیدا ہوئے اُس روز

ایک بزرگ اس محلہ سے ہو کر گزرے تو فرمانے لگے کہ جس بزرگ کے پیدا ہونے کی پیش گوئی دیتے آئے ہیں اُس کی خوشبو آ رہی ہے۔ کسی نے کہا کہ ایک سید خاندان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ فرمایا اُسے میرے پاس لے آؤ۔ آپ کو بزرگ کے رو برو پیش کیا گیا۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ جس بزرگ کے آنے کی انتظار تھی وہ یہی بچہ ہے۔ یہ بچہ جوان ہو کر کامل و اکمل بزرگ ہوگا۔ اس کے نور سے ایک عالم فیض یاب دمور ہوگا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ پیدائشی ولی تھے۔ بچپن میں ہی آپ خرقہ عادات اور کمشوفات کا اظہار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ لاکھوں مردہ قلوب کو زکریا سے زندہ کر دیا۔ اور قلوب المؤمنین پر اسم ذات کا ایسا نقش باندھا کہ وہ نقش پھر مٹ نہ سکا۔ اور یہی نقش قبر میں بھی ساتھ جاتا ہے۔ اسم ذات (اللہ) کا تصور کے ساتھ دل پر نقش کرنے کا طریقہ آپؒ کو غائبانہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی طریق پر سکھایا گیا تھا۔

یعنی آپ کے قلب مبارک پر بطور الہام اس کا القا ہوا تھا۔ آپ جس کے دل پر توجہ خاص فرماتے تو دل پر اللہ تعالیٰ کا نام اُسی وقت منقش ہو جاتا تھا۔ اور دل زندہ ہو کر یاد الہی سے متحرک ہو جاتا تھا۔ اسی کو اجرائے قلب کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک اسی وجہ سے آپؒ کا نام حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ پڑھ گیا۔ اور یہی اوصاف قدرت نے آپؒ سے منسلک حضرات نقشبند کو بھی عطا فرمادیئے یعنی ان کی توجہ خاص سے دل ابتداء ہی میں ذکر الہی سے زندہ ہو جاتا ہے۔

آپؒ کی صفت نقشبند پڑنے کی وجہ یہ ہو یا کوئی دوسری وجہ ہو مگر یہ بات مسلمہ اور قوی تر ہے کہ آپؒ اور آپؒ کے خلفاء حضرات کو جو آپؒ کے طریق پر ہیں آپؒ کے بعد بدستور اب تک اسی صفت اور قوت کے حامل ہیں۔ اور اب بھی جو کہ کامل حضرات نقشبند یہ طریق رکھتے ہیں۔ اُن کی پہلی توجہ سے مردہ قلوب زندہ ہو جاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے ہاں عشق و محبت اور

عجز و ارادت اور شدت طلب کی بیقراری شرط اولین ہے۔ فیض کی حصولی کے لئے دلی توجہ شیخ کی طرف راغب اور متوجہ رہنے سے کام بنتا ہے اگر دل متوجہ نہیں تو فیض کا دل کے اندر سرایت کرنے کا راستہ نہ ہونے کی وجہ سے اثر انداز نہ ہوگا۔ کیونکہ دل کے متوجہ ہونے سے دل کے دروازے کھل جاتے ہیں اور لا پرواہی اور بے توجہی و بے یقینی سے فیض کا دروازہ بند رہتا ہے اور بند دروازہ سے اندر کوئی نہیں آسکتا جب تک دروازہ کھل نہ جائے۔ حضرت باقی باللہ قمر ماتے ہیں کہ حرام اور مشکوک غذا کے کھانے سے بھی دل کے وہ راستے بند ہو جاتے ہیں جن سے فیض کی رو میں فیض لے کر دل میں داخل ہوتی ہیں۔ اس لئے حلال خوراک کا استعمال فیض کے اثرات اثر پذیر ہونے کے لئے شرط ہے۔ اس لئے مریدین کو احکام شرعی کی پابندی کرتے ہوئے اور اپنے خیالات کو پاکیزہ رکھ کر اللہ والوں کی مجلس اختیار کرنی چاہیے۔ تب اللہ والوں کی محبت کی برکت سے قلب کے زندہ ہونے کا امکان ہے۔

دل کی زندگی کا حصول جسے اجرائے قلب کا نام دیا جاتا ہے یہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور یہ وہ حرکت نہیں جو کہ جسمانی زندگی کی وجہ سے دل کو حرکت حاصل ہے۔ اجرائے قلب کی حرکت اور جسمانی حرکت میں کافی تفاوت ہے۔ اجرائے قلب سے خدا کی طرف میلان اور یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اور دل سے ذکر الہی کی آواز خفیہ راستوں سے کانوں کے اندر پہنچ کر سنائی دیتی ہے اور فرحت بخشی ہے۔ بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ایک راز اور تعلق قائم ہو جاتا ہے اور بندہ رمز و راز کے ساتھ یاد الہی میں مصروف عمل رہتا ہے۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کی درمیان ایک ایسی رمز قائم ہو جاتی ہے کہ فرشتے جو لکھنے والے کرانا تبتین ہیں وہ بھی بے خبر ہی رہتے ہیں۔

۔ میان عاشق و معشوق رمزیت کرانا کاتین راہم خبر نیست

اور اس نعمت سے حضرات نقشبند ابتداء ہی میں نواز دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ نعمت من جانب اللہ خصوصی فضلوں سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ اکثر سالک طریقت اس نعمت کے

حصول کے لئے تڑپتے اور ترستے رہتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ
ترجمہ۔ یہ سعادت جبر و زور اور قوت بازو سے میسر نہیں آ سکتی جبکہ بخشش کرنے والا
اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو عطا نہ فرمائے۔ کیونکہ یہ ایک کرامت ہے۔ اور کرامت اپنے
اختیار اور زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ من جانب اللہ تعالیٰ عطیہ کے طور پر عطا کی جاتی
ہے۔ پس مردہ دل کا زندہ ہو جانا ولی اللہ کی کرامت ہے اور جملہ اولیائے کرام کے نزدیک یہ
بات مسلمہ ہے اور متفقہ طور پر ہے کہ مردہ انسان کو زندہ کرنے والی کرامت سے مردہ دل کا زندہ
کرنے کی کرامت افضل ہے۔ کیونکہ اگر مردہ انسان زندہ ہو گیا تو وہ دنیا سے قریب ہو گیا۔ اور
اس کے لئے موت پھر لازم ہے۔ اور جو دل ذکر الہی کے ساتھ زندہ ہو گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے
قریب ہو گیا اور پھر اس کو موت نہیں ہے یعنی عشق الہی میں زندہ ہو کر حشر تک زندہ رہے گا اس کو
روحانی زندگی نصیب ہو جاتی ہے۔

ہر گز نمیر د آنکہ دیش زندہ بعشق مثبت است پر جریذہ عالم دوام ما
یعنی اُس کا دل ہر گز نہیں مرتا جس کا دل عشق الہی سے زندہ ہو گیا ہو یہ اس لئے کہ
عشق و محبت الہی غیر فانی ہے۔ اور غیر فانی عشق و محبت سے اثر حاصل کر کے جو دل زندہ ہو گیا
وہ بھی غیر فانی ہو جاتا ہے اگر گوشت سے پیدا تو تھڑہ دل گل ستر کر قبر میں مٹی بھی ہو جائے۔ تو
اس تو تھڑہ دل کے اندر جو لطیف جو ہر جو کہ عشق الہی سے روشن و منور ہے اور اس کو جو ہر قلب یا
لطیفہ قلب سے تعبیر بھی کرتے ہیں قیامت تک روشن و منور ہی رہتا ہے۔ لہذا یہ بات جریذہ
عالم یعنی عالمی کتاب دلوچ پر دوام و ہمیشگی کی صفت سے موصوف ہو کر مثبت اور کنندہ ہو چکی ہے۔
حضرت خواجہ نقشبندؒ کے خلفاء بہت تھے مگر ہم تک صرف دو خلفاء کا تذکرہ اور ان کے
عوارف کی شہرت اور ولایت کا تذکرہ پہنچا اور معلومات فراہم ہوئے۔ ان خلفاء میں شیخ فرید
الدین عطارؒ اور دوسرے حضرت مفسر قرآن یعقوب چغتائیؒ ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ

نے اپنے خلیفہ شیخ عطارؒ سے فرمایا تھا کہ میرے دنیا سے جانے کے بعد میرے بیٹے یعقوب چرخیؒ کا خاص خیال رکھنا۔ اور یعقوب چرخیؒ کو خلافت و جانشین بنانے کے بعد شیخ عطارؒ کی صحبت میں رہنے کا فرمایا۔ چنانچہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کے بعد باقی منازل سلوک اپنے پیر بھائی شیخ عطارؒ سے ملے گئے ہیں۔ اس لئے بعض سلاسل میں اپنے پیر بھائی کا نام مرشد کے مقام پر رکھا ہے مگر درحقیقت پیر بھائی تھے۔ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے مرشد بھی خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ ہی تھے۔

یعقوب چرخیؒ سے طریقہ نقشبند کا فیض آگے سینہ بسینہ چل کر حضرت باقی باللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہنچا اور سلسلہ طریقت نقشبندیہ کو خوب عروج نصیب ہوا۔ اور پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ایک شاخ خواجہ محمد معصومؒ آپؒ کے فرزند کے سینہ بسینہ آگے ترقی پذیر ہوئی اور دوسری شاخ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ اجل حضرت آدم بنوریؒ سے چل کر خاندان شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ میں پہنچی اور ایک شاخ حضرت سعدی لاہوریؒ مرنگیؒ اور یحییٰ اہلؒ سے ہوتی ہوئی علاقہ پشاور میں پھیلی اور پھر ایک درویش فقیر صادق حضرت بابا فقیر محمد ہشتنگریؒ کی وجہ سے آزاد کشمیر علاقہ گہوڑی سید پور میں خواجہ شمس الدین سید پوریؒ تک پہنچ گئی اور حضرت سید پوریؒ تک پہنچ کر سلسلہ طریقت کو پھر عروج ہوا۔ اور یہ سلسلہ کئی اطراف میں سینہ بسینہ پھیلتا ہوا علاقہ نندھاڑ، الائی، پکھلی کے علاقہ کو روشن کیا۔

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزند کی حضرات نقشبند کے فیض نظر نے اتنا اثر کیا کہ جو بھی ان کی صحبت میں پہنچا کیسیا ہو کر واپس ہوا۔ اور اب بھی جو حضرات اصول و ضوابط نقشبندیہ کے مطابق اور دائرہ شرعیہ کی قید میں رہ کر نفس پرستی کی امراض سے بچ کر خدا تعالیٰ کی جانب رخ پھیرتے ہیں وہی فیض وہی قوت توجہ اپنے اندر رکھتے ہوئے طالبان خدا کی تربیت کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس سلسلہ میں بھی باقی سلاسل کی طرح نفس پرست حضرات درویشی کا لبادہ اوڑھ کر مکاری اور فریب میں مبتلا ہو

گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے کر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کے طریقہ پر کار بند فرمائے۔ اور حضرت خواجہ نقشبندؒ کے اقوال و ملفوظات کے عین مطابق زندگی گزارنے کے توفیق عطا فرمائے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے چند ملفوظات پیش خدمت ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا:

- ۱۔ ذکر الہی سے مقصود غفلت کو دور کرنا۔ ذکر میں اگر غفلت دور ہو جانے کے بعد اگر خاموش رہے اور دل کو متوجہ الی اللہ رکھے تب بھی ذکر کرنے والا ہے۔
- ۲۔ دل کی نگرانی کا خیال ہر لحظہ رکھے، کھانے پینے، اور کہنے سننے اور چلنے پھرنے اور خریدنے بیچنے، اور عبادت کرنے اور نماز پڑھنے اور وعظ کہنے وغیرہ میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور کتابت کرنے اور سبق پڑھنے میں ایک پلک جھپکنے جتنا بھی غافل نہ رہنا چاہیے۔ تا کہ مقصود (رضائے الہی) حاصل ہو جائے۔

۔ یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی
ترجمہ:- ایک پلک جھپکنے جتنا بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی تیری طرف نظر کرم سے دیکھے۔ اور تو اُس وقت غافل ہونے کی وجہ سے اُس کی رحمت سے محروم ہو جائے۔

- ۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لَا يَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ ط ترجمہ۔ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

امت سے آپؐ کی مراد امت کے وہ لوگ ہیں جو آپؐ کی پیروی اور متابعت کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ مراد نہیں (جو پیروی نہیں کرتے) صرف ایمان ہی لانے پر اکتفا کر بیٹھے۔ (اور نفس پرستی اور خواہش نفسانی کے اندر مبتلا ہیں)۔

- ۴۔ ہمارا طریق (طریقہ نقشبندیہ) نادر اور عُرْوۃ الْوُثْقٰی ط (یعنی مضبوط کڑی جو نہ ٹوٹنے والی ہو) ہے۔ اسی (طریقہ نقشبندیہ) میں سید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدرجہ کمال

اقتداء کرنا۔ اور آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کرنا ہے۔ اس راستہ (طریقِ نقشبندیہ) میں ہم کو محض فعلِ ریزوں سے لایا گیا ہے۔ آخر تک ہم اُس کے فضل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور نہ اپنے عمل کا۔ ہمارے اس طریقہ (نقشبندیہ) میں تھوڑے عمل سے بہت سی فتوحات ہیں۔ مگر اجتماع بہت بڑھی ہوئی ہے۔ ہمارے طریقہ (نقشبندیہ) سے کوئی شخص بھی روگردانی کرے گا اُس کے لئے دین کی خرابی کا اندیشہ ہے۔

۵۔ توکل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو توکل کرنے والوں میں شمار نہ کرے۔ اور اپنے توکل کو اسباب کے استعمال میں پوشیدہ کر دے۔

۶۔ شمع کی مانند بنو۔ مگر شمع کی طرح نہ رہو۔ یعنی شمع دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔ اور خود تاریک ہی رہتی ہے۔ تم ایسے نہ بنو خود بھی فائدہ حاصل کرو (یعنی خود بھی روشن رہو) اور دوسروں کو بھی روشنی پہنچاؤ۔

۷۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے صورتوں کا مسخ ہونا تو اس امت سے اٹھالیا گیا ہے۔ مگر مسخِ باطن (یعنی اندونِ حقیقت کا بگڑ کر اپنے اعمالِ فاسدہ کے مطابق جانوروں کی شکل اختیار کر لینا) باقی رہ گیا ہے۔

۸۔ اندریں امت نباشد مسخ تن لیک مسخِ دل بود اے ذوالفطن ترجمہ:- اس امت میں بدن کا مسخ ہونا نہیں ہے مگر اے عقل مند سن لے کہ دل کا بگڑ جانا (یعنی اندونِ باطن جانوروں کی مختلف شکلیں اختیار کرنا) ابھی باقی ہیں۔ پس بد عملی سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

۸۔ نیت کا صحیح ہونا ہر کام میں نہایت ضروری ہے۔ اچھی نیت بخششِ الہی ہے اس میں کسب کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (جن کے سینہ بسینہ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کے اکابر کے مابین سلاسلِ ان کے نام پر موسوم ہو کر پورے ہندو پاک اور دیگر ممالک میں رونما ہوئے۔ بڑے خلوص نیت کے۔ اتھ نماز پڑھتے تھے۔ مگر اس حقیقت کے باوجود آپ

فرماتے تھے)۔

لَمْ يَخْضَرْ فِي النَّبِيَّةِ تَرْجَمَ۔ مجھے خلوص نیت کا درجہ حاصل نہیں ہوا ہے۔

۹۔ آپؐ سے کسی نے کرامت طلب کی تو جواب میں فرمایا۔ کیا میری یہ کرامت کچھ کم ہے کہ باوجود اتنے زیادہ گناہوں کے میں زمین پر چل رہا ہوں۔

۱۰۔ کھانا خوب اچھی طرح کھانا چاہیے۔ اور (دینی) کام بھی خوب اچھی طرح کرنا چاہیے (آپؐ کے طریق نقشبندیہ سے منسلک حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے خلیفہ اجل حضرت نور محمد المعروف حضرت نانگا باباؒ جو کہ کشف و کرامت اور عوارف و معارف میں تمام خلفاء سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے وہ بھی فرمایا کرتے تھے دوستو! نفس کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور پھر اس پر خوب سواری کرو۔ نفس پر سواری کرنا تو اولیائے کرام ہی کا کام ہے ورنہ نفس تو ہم پر سوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس سے مخالفت کرنے کی ہمت اور توفیق نصیب کرے اور نفس کی پہچان نصیب کرے کیونکہ رب کی پہچان نفس کی پہچان سے مشروط ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ ترجمہ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور بایزید بوسطامیؒ نے مکاشفہ میں اپنے رب سے پوچھا رَبِّ ذَلَّنِي اقْرَبِ الطَّرِيقَ إِلَيْكَ۔ اے رب اپنے طرف قریب تر راستہ بتا دے۔ جواب میں ہاتھی آواز آئی يَا أَبَا يَزِيدُ ذُعْ نَفْسَكَ وَتَعَالِ۔ ترجمہ۔ اے بایزید اپنے نفس کو چھوڑ کر آ جا۔ پس معلوم ہوا کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے مابین نفس ہی آڑ اور رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اللہ نفس کی شرارت سے دور رکھے آمین۔ (ملفوظات ہذا خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ اخذ کردہ از کتاب انوار العارفين)

۱۱۔ سلوک کی راہ چلنے والے کو ہمیشہ ”روش اور کوشش“ کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ روش سے مراد ہے کہ اہل اللہ کے ادب کا خیال رکھا جائے۔ اور کوشش یہ کہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ احکام جو اُسے معلوم ہیں۔ ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور جو بات دوسروں کو

کہی جائے پہلے اس پر خود عمل کیا جائے۔ (اس بات پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے کہ جو بات میں مخاطبین کو محفل میں یا ممبر پر کہہ رہا ہوں کیا اس پر عمل کی توفیق مجھ کو بھی حاصل ہے یا نہیں۔
 تَوَلَّاهُ تَعَالٰی۔ یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف آیت
 نمبر ۲) ترجمہ۔ اے ایمان والو کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ (ماخوذ از رسالہ قدسیہ)

۱۲۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ مراقبہ میں میری استاد بلی ہے ایک دن میں نے اسے دیکھا کہ چوہے کے بل پر اس طرح متوجہ ہو کر بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کے بدن کے بال تک بھی نہ ہلے تھے۔ میں نے تعجب کی نظر سے اسے دیکھا اچانک باہر سے آواز آئی اے کم ہمت! تو اپنے مقصود میں اس بلی سے بھی کم ہے۔ لہذا تو اللہ تعالیٰ کی طلب سے بلی سے کم تر نہ بن۔ اسی دن میں مراقبہ کرنے لگ گیا۔

۔ دانی کہ مرا یار چہ گفتہ است امروز جزا بہ آکے نگر دیدہ بدوز
 ترجمہ:- تجھے خبر ہے کہ آج میرے دوست نے مجھے کیا کہا ہے؟ اس نے فرمایا ہے کہ میرے سوا کسی کی طرف نہ دیکھ صرف اور صرف میری طرف متوجہ رہا کر اور دوسروں کی طرف دیکھنے اور متوجہ رہنے سے آنکھیں بند کر لے۔

۱۳۔ اطاعت سے جنت ملتی ہے۔ اور اطاعت میں ادب کا خیال رکھنا قرب الہی کا ذریعہ ہے حضرات کامل مشائخ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں تصفیہ اور تزکیہ میں مشغول رہ کر اپنے باطل کو صاف کرنا چاہیے۔ تاکہ دوام مراقبہ حاصل ہو جائے۔ خبردار ہو عمل صالح بجالاتے ہوئے ادب کا خیال رکھیں۔

۔ ہر چہ گیرد علتی علت شود

یعنی بیمار جو لیتا ہے وہ بیماری ہی پیدا کرتا ہے اور بے ادب بیمار کی مانند ہے۔ اسے (محبت نیک بوجہ بے ادبی) فائدہ نہیں دیتی۔ (اس لئے ادب کا دامن پکڑو!) اور اطاعت میں جولا ہے (پکڑا بننے والا) کے شاگرد سے کم ہمت نہ ہونا چاہیے وہ بہت مدت میں دھاگہ کو

پیوند کرنا سیکھتا ہے۔ لہذا (سکھلائی کے) دوسرے سب کاموں کا بھی یہی (جولائے کے شاگرد جیسا) حال ہے طالب حق کو پوری کوشش اور جدوجہد کر کے نفی خواطر کرنی چاہیے اور اسے جاننا چاہیے کہ نفی خواطر کس طرح کی جائے۔ وہ یوں ہے کہ ابتداء میں سوائے نفی و خواطر کے اور کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔ (نفی خواطر سے مراد دل پر غیر خطرے جو ابھرا بھر کر آتے ہیں یعنی شیطانی اور نفسانی وساوس کے طوفان برپا ہوتے ہیں ان کو ذکر الہی سے جلا کر تزکیہ نفس کرنا چاہیے یہی خواطر کی نفی کرنا مراد ہے۔)

۱۴۔ ہمیشہ یاد حق سبحانہ میں لگے رہیں۔ تاکہ سب چیزوں سے زیادہ یہ شغل بڑھ جائے۔ حق سبحانہ سب سے زیادہ لطیف ہے جس شخص میں جتنی زیادہ لطافت ہوگی وہ اتنا ہی ذکر حق سبحانہ میں زیادہ مشغول ہوگا۔ (اور یہ لطافت ذکر الہی میں دوام یعنی ذکر دائمی کا خوگر ہو جانے سے حاصل ہوتی ہے جتنا زیادہ دنیاوی کثافتوں سے بھاگ کر آخرت کی جانب رخ کرے گا اور خلوص و محبت کے ساتھ طلب الہی میں اُس کی یاد کو اپنا شعار بنائے گا لطافت روز بروز زیادہ حاصل ہوتی رہے گی۔)

۱۵۔ ہر سانس جو گزر رہا ہے گویا وہ ایک خزانہ ہے جو کہ ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ اور اس حقیقت سے واقف ہونا چاہیے۔ حق تعالیٰ عزوجل حاضر و ناظر ہے۔ لہذا اُس سے شرم کرنی چاہیے۔ اور اُس سے غفلت نہ کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرِجُلٍ مِنْ قُلُوبَيْنِ فَبِیْ جَوْفِهِ (الاحزاب آیت ۴) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔ یعنی جسم کے اندر ایک ہی دل ہے دو دل نہیں کہ ایک دل کو دنیا میں مشغول رکھا جائے اور دوسرے کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا جائے۔ جسم کے اندر تو ایک ہی دل ہے اگر اس کو دنیا میں مشغول رکھو گے تو اللہ تعالیٰ سے بے بہرہ رہو گے۔ اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف دل کی کھڑکی کھل جائے گی۔ اور اس کھڑکی سے اللہ تعالیٰ کے فیض اور انوار کا آفتاب طلوع ہو کر چمکنے لگے گا۔ اور مشرق سے

مغرب تک کا ہر ذرہ جو ہے وہ اس کے انوار سے بہرہ ور ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا نور سب پر پڑتا ہے اگر کسی گھر میں کھڑکی نہ ہوگی تو وہ آفتاب کے نور کے آنے سے محروم رہے گا۔ لہذا اگر دل اُس کے حضور میں حاضر ہے اور کھڑکی اُس کی طرف کھلی ہوئی ہے۔ تو نور فیض اس کھڑکی سے گزر کر پہنچے گا۔ اگر وہ غافل ہے تو اس نور سے محروم رہے گا۔

دوست ہر لحظہ در تو نظری کند چوں ازو غافل از تو گزری کند
ترجمہ:- ہر لحظہ دوست (اللہ تعالیٰ) تیری طرف فضل و کرم کی نظر کرتا ہے جب تو اس سے غافل ہوتا ہے تو اس کی نظر کرم تجھے محروم چھوڑ کر گزر جاتی ہے۔

(منقول از ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک نومبر ۱۹۷۹ء)۔

۱۶۔ اگر ولی اللہ باغ میں جائے اور اسے ہر درخت کے پتے سے یا ولی اللہ کی آواز آئے تو چاہیے کہ اس کا ظاہر و باطن اس آواز کی طرف بالکل متوجہ نہ ہونے پائے۔ بلکہ ہر لمحہ و لحظہ اس کی کوشش عبادت و بندگی اور تضرع و زاری میں زیادہ ہونی چاہیے۔ (از خدام الدین ۲۸ ستمبر ۱۹۷۹ء لاہور)

مناجات خواجہ نقشبندؒ بدرگاہ الہی

یا الہ العالمین بارگناہ آورده ام بردرت ایں بار بر پشت دوتا آورده ام
غیر تو بجاو ماؤ کی عیسم در دوسرا رحم یا رحمن کن حال تباہ آورده ام
دست گیرم نیست جز تو یعنی در دنیا و دیں با ہزاروں انفعال ایں روسیہ آورده ام
گرچہ عصیاں بے عدد لہذا نظر بر رحمت لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ رَاگواہ آورده ام
عجز و مسکینی و بے خویشی و دلریشی بہم ایں ہمہ دعویٰ عشقت راہ گواہ آورده ام
من نمی گویم کہ بودم سالہا در راہ تو راہ گم کردہ کہ اکنون روئے براہ آورده ام
چہا رچیز آورده ام شاہا کہ در گنج تو نیست بے کسی و نا کسی عجز و گناہ آورده ام
چشم رحمت بر کشا موئے سیفد من مگر گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آورده ام
برگناہ من نہیں! بر کر مہایت خود نہیں زانکہ بہر ایں مرض توبہ دوا آورده ام
توبہ کردم تو بہ کردم رحم کن رحمت نما چوں بدرگاہ تو خود را در پناہ آورده ام
تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ط مناجات! نقشبندؒ تحفہ بہرے دوستان ایں مناجات آورده ام

مؤلف

ترجمہ مناجات

۱۔ یا الہ العالمین میں تیرے پاس گناہوں کا بوجھ لے کر آیا ہوں اور تیرے
در پہ یہ گناہوں کا بوجھ اتنا بھاری لے کر آیا ہوں کہ گناہوں کے بوجھ کے نیچے میری پیٹھ کھڑی
ہو گئی ہے۔ یعنی بہت زیادہ گناہ لے کر آیا ہوں۔

۲۔ تیرے بغیر میں اپنا بھلا و ماؤ کی یعنی آقا و مالک دونوں جہانوں میں نہیں رکھتا۔ اے
مہربان آقا مجھ پر رحم کر کیونکہ تباہ حالات لے کر آیا ہوں۔

۳۔ یعنی میرا ہاتھ پکڑنے والا دین اور دنیا دونوں میں تیرے سوا کوئی نہیں۔ ہزار ہا کامیوں کے باوجود تار یک چہرے کے ساتھ آیا ہوں۔

۴۔ اگرچہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں مگر تیری رحمت پر میری نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونے کا جو قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ اسی کو گواہ بنا کر آیا ہوں۔

۵۔ عاجزی اور مسکینی اور بے خویشی یعنی کسی کا اپنا نہ ہونا اور تیری طلب و محبت میں دل کا ٹوٹا ہوا ہونا بھی ہے اور یہ تیری محبت و عشق کے تمام دعوؤں کو گواہ بنا کر آیا ہوں۔

۶۔ میں نہیں کہتا کہ میں نے سالہا سال تیرے راہ میں عبادت کرتے ہوئے گزار دیئے ہیں بلکہ میں نے راستہ گم کر دیا تھا اور اب ہی اپنا چہرہ راہ مستقیم پر برابر کر کے آیا ہوں۔

۷۔ اے اللہ تعالیٰ میں ایسی چار چیزیں لے کر تیرے پاس حاضر ہوا ہوں جو کہ تیرے خزانہ میں نہیں ہیں یعنی تو ان سے پاک ہے۔ اور وہ چار چیزیں بالترتیب یہ ہیں (۱) بے کس ہونا (۲) ناکس ہونا یعنی لاچار اور بے چارگی یعنی کچھ نہ ہونا (۳) عاجزی کا مرتکب ہونا (۴) گناہ کا مرتکب ہونا۔ یہ چار چیزیں تیرے پاس نہیں ہیں یعنی تو ان سے مبرا اور پاک ہے اور میں یہی چار چیزیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔

۸۔ اے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی نظر مجھ پر کھول دے اور میرے حال پر رحم کرتے ہوئے میرے سفید بالوں کو دیکھ اگرچہ شرمندگی کے ساتھ تار یک چہرہ لے کے آیا ہوں۔ (حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک کا سہارا لے کر اپنے بڑھاپے کے سفید بالوں کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں رحم کی اپیل فرمائی ہے۔) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ
خَفَرَتْهُ ط

جو شخص کہ اسلام میں (یعنی مسلمان ہوتے ہوئے) زندگی گزار کر (بوزھا ہو گیا۔ وہ بخش دیا جائے گا۔

اسی مقام پر ایک اور واقعہ نقل ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز

حضرت عارف باللہ معرفت اللہ کسی بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے یہ حدیث سن رکھی تھی اور اپنے بیٹوں کو وصیت کر دی کہ اگر میں سیاہ داڑھی کے دوران یعنی جوانی ہی میں مر گیا تو مجھے کفن پہنا کر میری داڑھی میں آٹا ڈال کر دفن کرنا۔ چنانچہ وہ جوانی میں ہی کالی داڑھی لے کر فوت ہو گیا۔ بیٹوں نے وصیت کے مطابق ایسا ہی کیا۔ (یہ واقعہ قبر والے کی بندے کو خواب کے ذریعہ بتایا) جب قبر میں فرشتے سوال جواب کے لئے آئے تو وہ خاموش داڑھی کی جانب اشارہ کر دیتا تھا اور منہ سے کچھ نہ بولتا۔ فرشتے اُس کے یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیان کرنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ آٹا سے سفید کی ہوئی داڑھی کا واسطہ دے رہا ہے۔ جاؤ اُس کے حسن ظن پر میں نے اُسے معاف کر دیا۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ کی کریمی کی انتہا ہے۔

۔ بخشش را بہانہ جوید بہانہ نمی جوید

(واللہ اعلم بالصواب)

اور جو حقیقت میں نیک و پارسا ہوتے ہوئے بھی سفید ریش ہوگا اُس کے لئے نوز کرم کا دروازہ کھلا ہے مگر خلوص و محبت شرط ہے۔ منافقی اور تکبر کا ارتکاب خطرناک ہوگا۔ اس طرح دوسرے مضمر اور خطرناک گناہ بھی خدا کی رحمت کو برسنے نہیں دیتے اس لئے اپنی جانب سے مخلص رہ کر زندگی گزارنے اور انجام خدا تعالیٰ کی رحم و کرم پر چھوڑے اسی میں کمال اور امان میں خیر ہے۔ جس طرح خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے باوجود کمال، تقویٰ و پرہیزگاری اور دل اللہ عارف باللہ ہونے کے عاجزی و انکساری کا دامن نہ چھوڑا۔ اور اپنے حال پر رحم و کرم کی اپیل فرمائی۔ پھر ہم کس باغ کی مولیٰ ہیں کہ مست ہو کر دم بخور رہ کر چلے جائیں۔

۔ کام دوزخ کے کریں جنت کے ہیں امیدوار قصر جنت تو بنا ہے پارسا کے واسطے
۹۔ نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو نہ دیکھ بلکہ اپنے کرم اور مہمانی پر نظر رکھ تب ہی میں اس مرض کی شفا کے لئے توبہ اور استغفار کی دوائی لے کر آیا ہوں۔

۱۰۔ اے اللہ میں تیرے دربارِ عالی میں استغفار کرتا ہوں اور بار بار کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والے مجھ پہ رحم فرما دیجیو ! اور میں تیرے دربارِ عالی میں اپنے لئے پناہ لینے کی تمنا لے کر آیا ہوں۔

۱۱۔ مندرجہ بالا حضرات خواجہ نقشبندؒ کی دس کامل نصیحتیں پوری ہو گئیں ہیں۔ اے بھائی پڑھنے اور سننے والے اگر دین کی ہوشیاری رکھتا ہے تو تو بھی نصیحت ضرور حاصل کر دیے پڑھ کر نگزر جا۔ یہ دوستوں کے لئے چراغ لے کر آیا ہوں۔ (رائے مؤلف)

اور مؤلف کے لئے بھی دعا کر دیا کریں تاکہ جب تک زندہ ہے صراطِ مستقیم پر رہے اور بعد از مرگ اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں کا معاملہ فرمائے آمین یا رب العالمین۔ طالب دعا (مؤلف کتاب ہذا)

کشمیر سرزمین اولیاء اللہ ہے

عالم اسلام میں سے سعودی عرب، شام، عراق، ایران، افغانستان اور روسی قبضہ سے آزاد ہونے والے ممالک بلخ، بخارا وغیرہ اور پاک و ہند میں اکثر و بیشتر اولیاء اللہ ہو گزرے ہیں۔ اور اب بھی مختلف مقامات پر ظاہر و پوشیدہ موجود ہیں۔ پاکستان کے ہر صوبے میں کم و بیش اولیاء اللہ کے مزارات ہیں۔ جن کی تفصیل میں جانا باعثِ طوالت کتاب ہے۔ آدم برسرِ مطلب:-

ہندو پاک سے ملحق وادی کشمیر بھی اسی طرح اولیائے کرام کا مسکن اور مدفن ہے۔ اگر وادی کشمیر کو بھی اولیاء اللہ کا مسکن اور سرزمین اولیاء اللہ کہا جائے تو بجا ہے۔ اس وادی کشمیر کے ایک ہی حصہ کو اگر منظرِ عام پر لایا جائے تو اس تھوڑے سے حصہ میں بھی کافی اولیائے کرام کا پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ مضمون کے باعثِ طوالت کو مد نظر رکھ کر ہم اس سرزمین کشمیر کے صرف ایک حصے ضلع مظفر آباد علاقہ سید پور گہوڑی کو زیر بحث لا کر اندازہ کرتے ہیں کہ اس چھوٹے سے خطے میں کس قدر اولیائے کرام نے جنم لیا۔ اور اپنے روحانی فیض سے کتنے تاریک قلوب روشن و منور کر گئے۔ اور اس چھوٹے سے علاقہ میں کس قدر اولیائے کرام موجود مدفون ہیں۔ جن کی برکت علاقہ بھر کو متبرک کر چکی ہے۔

ضلع مظفر آباد کے دیگر علاقے بھی خالی نہیں علاقہ سید پور اور دیگر مقامات میں بھی قادرِ یہِ چشتیہ، سہروردیہ سلاسل سے تعلق رکھنے والے حضرات اور خاص خاص بندہ گانِ خدا بھی ضرور ہو گئے۔ مگر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک کامل اور اکمل مقتداء اور بزرگ شخصیت حضرت خواجہ فقیر محمد ہشتنگریؒ جو کہ ”گلی والے حضرات“ سے مشہور تھے مدفون ہیں۔ جنہوں نے اس سر

زمین میں قدم مبارک رکھ کر اپنے منور اور روشن قلب سے بہت سے قلوب کو منور کر دیا تھا۔
حضرت خواجہ فقیر محمد ہشتنگری ضلع پشاور مقام ہشتنگر سے روانہ ہو کر کئی علاقوں سے
ہوتے ہوئے ام در بند پکھل بالا کوٹ سے ہوتے ہوئے ضلع مظفر آباد علاقہ سید پور پہنچ کر قیام
پذیر ہوئے۔

علاقہ ام در بند میں قیام کے دوران آپ سے فیض حاصل کرنے والے مولانا
عبدالواحد ہیں جو کہ کامل و اکمل بزرگ ہوئے ہیں اور حضرت نصیر الدین چلاسی بابا کے
چچ و مرشد بھی ہیں۔ اور پھر بالا کوٹ گنہول میں آپ کے فیض یافتہ حضرات ابراہیم میاں گنہول
والے تھے جو کہ کامل و مکمل بزرگ ہو گزرے ہیں اسی طرح علاقہ سید پور میں آپ کے کامل و
مکمل خلیفہ مجاز حضرت خواجہ شمس الدین سید پوری گزرے ہیں۔ نیز آپ سے اپنے علاقہ سید
پور میں بے شمار لوگوں نے فیض حاصل کیا۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوری کا قلب و سینہ اپنے مرشد حضرت خواجہ فقیر محمد
ہشتنگری کی مست اور قلندرانہ نگاہ سے اس قدر گرم اور روشن ہو چکا تھا۔ جس کا اندازہ آپ کی
صحبت میں رہنے والے لگا کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ اسم بامسکی شمس الدین یعنی دین
اسلام کے لئے سورج کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے اندر نور معرفت کی حرارت و تمازت
اس قدر تھی کہ حق کے متلاشی آپ کی صحبت میں پہنچ کر دم بخود ہو جاتے تھے۔ اور کیفیات و سرور
محسوس کرتے اور انوار ولایت شمس کی عکس ریزی ہوتے ہی مقام ولایت ان کی نصیب ہو جاتا
تھا۔ اور کوئی پہلی ہی صحبت میں سیر و سلوک کی تمام منازل طے کر جاتا تھا۔ اور کسی کو بعد میں میل
جمل اور ملاقات اور صحبت کے نصیب ہونے سے بتدریج مقامات طے ہوتے رہتے تھے۔

آپ کے دور میں طالبان حق کی ترقی کا دار و مدار زیادہ تر نور ولایت کی حرارت و
تمازت پر ہوتا تھا۔ نور ولایت کی حرارت و تمازت سے طالبان حق کی دل کی غفلت و کدورت
مٹ کر ختم ہونے کے بعد ان کے قلوب زندہ ہو کر منور ہو جاتے تھے۔ اور آپ کی مجلس اور صحبت

سے جن لوگوں نے فیض حاصل کیا انہیں طریق قلندرانہ نصیب ہوا یعنی تھوڑی محنت اور مجاہدہ کے باوجود نفع کثیر حاصل ہوا۔ اور یہی حال آپؑ کے خلفاء سے منسلک طالبان حق کا بھی ہے مگر شہرت اور جاہ و زر کے بھوکے خود بینی اور دعویٰ کے مرتکب اسی نعمت حق سے محروم ہو کر حقیقت سے دور جا لگتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ طالبان حق و خلفاء حضرات آپؑ کی ولایت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ جس کسی کا جتنا ظرف تھا اتنا صحبت و مجلس سے فیض حاصل کیا۔ دوسرے علاقوں کے علاوہ سید پور اور مظفر آباد کے مختلف علاقوں میں آپؑ کے فیض یافتہ بہت سے اولیاء کرام گزرے ہیں۔ سید پور کے قریب بمقام پینٹھ حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ اور ان کے برادر حقیقی حضرت حبیب اللہؒ اور حضرت نور محمدؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت معرفت اللہؒ حضرت نور محمدؒ کی اہلیہ صاحبہ اور مائی شاہ بیگمؒ پانچھی مائی صاحبزادہ عبدالرحمانؒ ڈوگریاں والے حضرت محمود راج پیاں والے آپؑ کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد حسینؒ یہ سب حضرات آپؑ کے فیض یافتہ تھے اور اسی سرزمین میں گزرے ہیں۔

حضرت فقیر محمد ہشتنگریؒ کے صاحبزادے اسی علاقہ میں مدفون ہیں۔ علاقہ ازیں باقی سلاسل سے تعلق رکھنے والے اولیائے کرام بھی اسی علاقہ ضلع مظفر آباد میں مدفون ہیں۔ جیسے سائیں سہیلیؒ مظفر آباد میں ہیں اور کہیاں والے حضراتؒ اور میاں مٹھا صاحبؒ بھی اسی علاقہ کی سرزمین میں تھے۔ جن کے مزارات مرجع الخلائق بنے ہوئے ہیں۔ حضرت فقیر محمد ہشتنگریؒ اور خواجہ ٹمس الدین سید پوریؒ کے مزارات قریب قریب ہیں شیخ فقیر محمدؒ کا مزار قدرے بلند جگہ اور حضرت خواجہ ٹمس الدینؒ کا مزار اپنے شیخ سے قدرے پست جگہ پر ہے۔ دنیا سے جانے کے بعد ادب و آداب کا خاص لحاظ رکھتے ہوئے مزارات قدرتی بناوٹ کی جگہ پر ایک ڈھیری پر ہیں۔

حضرت خواجہ ٹمس الدین سید پوریؒ کی ولایت کی نوری شعاعیں پوری حرارت

اور روشنی کے ساتھ اپنے علاقے کے علاوہ پکھلی، نندھاڑ، الائچی (کوہستان ہزارہ) تک پھیل گئیں۔ اور آپؑ کی صحبت و مجلس سے فیض حاصل کر کے بہت سے خوش نصیب حضرات نور ولایت سے نواز دیئے گئے۔ اور آپؑ کی ولایت کی نوری شعاعیں مثل شمع طالبانِ راہِ حق کے قلوب و صدور کو گرما کر روشن و منور کر گئیں۔ اور آپؑ کی مجلس میں رہ کر ہر شخص نے بقدر ظرف فائدہ اٹھایا کوئی بیدار بخت ولایت کے نور سے نواز دیا گیا اور اکثر و بیشتر لوگوں نے قلبی ذکر کی نعمت حاصل کر کے ذکر الہی کو اپنے ساتھ قبر تک لے گئے۔ اس لئے مؤلف نے ضروری سمجھا کہ ایسے کامل و اکمل بزرگ نقشند یہ کے حالات اور واقعات اور آپؑ کے خصائل و شمائل آپؑ کے ولایت کے کرشمے تاثرات اور علوم و معارف کو زیر قلم کر دیا جائے۔ اور آپؑ کے حلقہ ارادت میں رہ کر فیض حاصل کرنے والے خلفاء حضرات کا مختصر تذکرہ کیا جائے تاکہ عوام الناس پاکستان کا تعارف ان کے ساتھ ہو سکے۔ اور طالبانِ راہِ حق کی درست رہنمائی بھی ہو سکے اور مکی پیروں کے ہتھکنڈوں سے بچ کر زندگی گزر سکیں۔ اور طالبانِ حق کو آپؑ کے نقش و قدم پر چل کر نور معرفت حاصل ہو جائے۔ نیز اپنے آپ کو جھوٹے مدعیانِ سجادہ نشین جو کہ شریعت کے پابند نہیں ان سے بچا کر حقیقت شناس، خدا ترس اور حقیقی معنوں میں بندہ گانِ خدا تک رسائی حاصل ہو جائے جو کہ پابند شریعت و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہیں۔ اور مال و زر کی ہوس اور شہرت سے گریز کرنے والے ہیں۔ خود بھی کسی شیخِ کامل کے تربیت یافتہ اور دوسروں کو بھی خدا تعالیٰ کا رستہ بتلانے کے حقیقی اہل ہیں۔ ایسے اشخاص اگر ملیں تو ان کی محبت و مجلس اکسیر ہوگی۔ لہذا اس ذکرِ خیر کی برکت سے اللہ تعالیٰ مولف کتاب ہذا کا تب کتاب ہذا اور معاونین کتاب ہذا کے قلوب و صدور کو نور معرفت سے منور فرما کر اپنی رضا نصیب فرمائے۔ اور بعد از مرگ اس کا اجر و ثواب ان کے حق میں قبول فرما کر مغفرت سے نواز دے آمین شہد آمین یا رب العالمین۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ

تاریخ ولادت باسعادت

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی البتہ آپؒ کی عمر مبارک جو گزار کر اللہ کو پیارے ہوئے اس سے اندازہ لگاتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کی ولادت تقریباً ۱۸۷۰ء کے بعد ہو سکتی ہے۔ اور وفات ۲۱ مئی ۱۹۴۳ء کو ہوئی۔

شجرہ نسب:

شجرہ نسب امام حنیف (محمد بن الحنفیہ) پر حضرت علیؑ سے جاملتا ہے۔ آپؒ کے آباؤ اجداد کئی پشتوں سے عالم چلے آئے تھے اور اب بھی آپؒ کی اولاد میں علم کی روشنی اور دین سے محبت باقی ہے۔ آپؒ کا مسکن اور جائے پیدائش آزاد کشمیر ضلع مظفر آباد علاقہ کہوڑی مقام سید پور ہے۔ اسی لئے آپؒ کو حضرت سید پوریؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اسی جگہ آپؒ کا مزار (کچا) ہے۔

علمی قابلیت

آپؒ ”علم تفسیر و حدیث فقہ و نظم پر بطریق احسن عبور رکھتے تھے۔ آپؒ حنفی المسلک تھے مثنوی مولانا رومؒ کے ساتھ آپؒ کا خصوصی شغف تھا۔ بولی قلندرؒ اور سلطان باہوؒ کا کلام بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ پشتو زبان نہ سمجھنے کے باوجود حضرت رحمٰن باباؒ کا کلام اگر کسی پشتو والے کی زبان سے سنتے تو آنکھیں تر ہو جاتیں تھیں۔ اور کلام پڑھنے کے وقت فرماتے کہ حضرت رحمان باباؒ کا حال بجلی کی طرح عرش کی جانب بلند ہو جاتا ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آپؐ کی بیعت

آپؐ حضرت فقیر محمد ہشتنگریؒ سے بیعت ہوئے۔ جو کہ بحکم خداوند قدوس علاقہ ہشتنگر پشاور سے چل کر میدان، صحرا سے گزرتے ہوئے ہزارہ کی دشوار گزار پہاڑیوں سے گزر کر مختلف مقامات پر سکونت فرماتے ہوئے آزاد کشمیر بمقام سید پور سکونت پذیر ہوئے۔ اور اسی مقام پر حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی امانت جو اپنے سینہ میں پوشیدہ رکھتے تھے پہنچا دی۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کا بخت بیدار ہوا اور ان سے بیعت فرما کر ولایت و معرفت کی امانت حاصل کی بیعت سے لے کر رحلت تک اپنے مرشد کی خدمت کی اکثر زندگی ان کی صحبت میں گزاری اور نور معرفت سے آپؐ کا سینہ مبارک روشن ہوا۔ چونکہ آپؐ کے مرشد فقیر محمدؒ کی خانقاہ قریب ہی تھی اس لئے شام و سحر ان کی صحبت میں حاضر رہتے تھے۔ اور اپنے مرشد کے دیدار سے مشرف ہوتے رہتے تھے۔ اور مرشد کی خاص نظر عنایت بھی آپؐ پر تھی۔ اور آپؐ اپنے مرشد کے خلفاء میں سے بڑے خلیفہ تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد آپؐ کے علاوہ ہزارہ ڈویژن کے بالائی حصہ علاقہ پکھلی نندھاڑ، آلائی، کوہستان اور علاقہ سوات کے لوگوں نے آپؐ سے فیض حاصل کیا۔ اور یہ فیض حاصل کرنے کا دائرہ گلگت چلاس تک پھیل گیا۔ اور آپؐ کی زندگی میں ہی بہت سے نیک بخت لوگوں نے آپؐ کی مجلس میں رہ کر تربیت حاصل کی اور سیر و سلوک کے مقامات طے کر لئے تھے۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ مریدین میں خلفاء اور مبتدی پے در پے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے تھے۔ اور ایک مجمع مدام آپؐ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔ پہلا قافلہ آپؐ کی مجلس میں رہ کر فیض حاصل کر کے گھر کو روانہ ہوتا تو دوسرا قافلہ پہنچ جاتا۔ اور جو قافلہ طالبان حق آپؐ سے رخصت ہو کر گھر کا رخ فرماتا تو سوز و فراق میں روتا ہوا واپس گھر پہنچتا تھا۔ اور جو قافلہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے

کے لئے راہ رواں ہوتا وہ سوز و صل سے جلتا پکھلتا رواں دواں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک قافلہ میں آپؐ کے خلیفہ مجاز حاجی محمد اعظم گیر والویؒ اپنے پیر و مرشد کی محبت میں دیوانہ وار اور مستانہ وار رواں دواں بڑھے جا رہے تھے اور انوار ولایت شمسِ نبیؐ کی عکس ریزی ان کے قلب و سینہ میں ہو رہی تھی۔ فرط محبت میں وہ راہ پر ہی فی البدیہہ یہ اشعار کہتے جاتے تھے اور گریہ و زاری میں سفر طے کر رہے تھے۔

کسی کا شوق ہم کو گھیر لایا
کسی کی دید نے بیکل بنایا
جمالِ یار کی پر تو ہے دل میں
وہی نقشہ ہے آنکھوں میں سجایا
رُخ پر نور کی بجلی جو چمکی
دل شیدا میں اس کا عکس پایا
رگِ جاں میں سائی تیری الفت
تصور کا مزہ جب سے چکھایا
تیری مجلسِ میسر جس گھڑی میں ہو
عبادتِ سالہا سے بڑھ کے پایا
طفیلِ پیر ہے اتباعِ سُنّت
اسی سی قرب ہے تیرا خدایا
سنہل کر اعظم! تو قدم رکھ
عجب ہے جذبۂ الفت دل پہ چھایا

آپؐ کے ایک اور خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا غلام ربانی اپنی کتاب "اسم

ذات" میں بڑی عقیدت و محبت سے فرماتے ہیں:-

از عکوس شمس الدین طائر شدم از مکاں تالا مکاں سائر شدم
ترجمہ:- یعنی حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ جو کہ میرے مرشد اور مربی ہیں
اُن کے فیض صحبت اور عکس ریزی کی وجہ سے عالم بالا کی طرف میں نے پرواز کی ہے۔ اور
مکاں سے لامکاں یعنی عرش بالا کی منازل تک سیر الی اللہ حاصل ہوا ورنہ میں تو وہی غلام ربانی
ہوں جو پہلے تھا۔ درحقیقت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے فیض باطنی کا یہی نتیجہ تھا۔ بقول شیخ
سعدی شیرازیؒ

جمال ہم نشین در من اثر کرد وگر نہ من ہمہ خاکم کہ ہستم
یعنی جس کے ساتھ میری نشست برخاست تھی (شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جو کہ شیخ
سعدیؒ کے شیخ و مرشد ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں) اُس ہستی کا جمال مجھ میں اثر کو چکا
ہے۔ ورنہ میں تو وہی مٹی (یعنی وہی انسان) ہوں جو پہلے تھی۔ یہ اثرات خوشبو ہم نشینی کے
اثرات ہیں۔ میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔ ان ہی کمالات و جمالات کو حضرت غلام ربانیؒ
کلو فتنی اور حاجی محمد اعظمؒ گیر والوی اپنے پیرو مرشد کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں۔ اور
حقیقت حق بھی یہی ہے۔ چنانچہ حاجی محمد اعظمؒ گیر والوی اپنے پیرو مرشد کی تعریف میں بیان
کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور عالم بالا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیر الی اللہ کی حقیقت
بیان کرتے ہیں۔

قدسیوں کے سیر بھی تھی غیر ممکن جس جگہ اُس چمن کی بادہ نوشی ہو رہی تھی سر بسر
یعنی جس جگہ فرشتوں کو جانے کی اجازت نہ تھی حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی
محبت و مجلس کی برکت سے اُس مقام کی ہوا خوری سر بسر ہو رہی تھی۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے عقیدت مندوں اور پروانوں کے یہ قافلے
کئی خاص موسم یا خاص وقت میں آپؒ کی مجلس کا فیض حاصل کرنے کے لئے نہیں حاضر ہوتے
تھے۔ بلکہ ہمیشہ اور سارا سال چلتے رہتے تھے۔ کوئی قافلہ نندھاڑ کے علاقہ سے تیار ہو کر روانہ

ہوتا۔ وہ ابھی واپسی کی سوچ میں ہوتا کہ دوسرا قافلہ علاقہ آلائی سے چل پڑتا۔ کوئی قافلہ پکھلی سے روانہ ہوتا۔ گویا ان قافلوں کا تاننا لگانا رہنما رہتا تھا۔ ان میں اکثر دردمت رکھنے والے ایسے لوگ بھی ہوتے تھے کہ ہر ہفتہ میں دور دراز علاقہ سے چل کر حاضری دیتے تھے۔ اور بعض کمال محبت اور ادب کی بنا پر جب سید پور گاؤں کے قریب پہنچتے تو اپنے جوتے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر پابرہنہ ہو کر چلنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اگر کوئی راستہ میں ان سے کبھی پوچھ لیتا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں تو بڑی عقیدت مندی سے جواب دیتے کہ ہم لوگ وہاں جا رہے ہیں جہاں مردہ کو زندہ کیا جاتا ہے۔ پوچھنے والے حیران ہو جاتے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور ایسی جگہ کہاں ہے۔ کیونکہ انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ جن کا دل غافل ہے اور مردہ دل ہوتے ہیں۔ اور وہ مردوں میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ اگرچہ چلتی پھرتی مورتیاں ہی کیوں نظر نہ آئیں۔ مگر حقیقت میں وہ مردہ ہیں حدیث شریف میں آیا ہے

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ وَالَّذِينَ لَا يَذْكُرُونَ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ ه

جو لوگ خدا کو یاد کرتے ہیں اور جو لوگ خدا کو یاد نہیں کرتے ان دونوں کی مثال

زندہ اور مردہ کی سی ہے

یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ کی یاد میں محو رہتے ہیں وہ زندہ ہیں اور جو لوگ غفلت میں مبتلا ہیں وہ مردہ ہیں اگر ظاہری طور پر زندہ ہی کیوں نظر نہ آئیں۔ مگر حقیقت میں مردہ ہیں۔ اور ان قافلہ والوں کا اشارہ اسی جانب ہوتا تھا۔ اور حقیقت بھی ہے کہ جن کا دل خدا تعالیٰ کی یاد میں زندہ ہو جائے وہ دنیا سے رخصت بھی ہو جائیں مگر حقیقت میں یہی لوگ زندہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ انہیں ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے پاس سے غافل مردہ دل لوگ واپسی پر زندہ دل ہو کر جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کی یاد میں محو ہو کر واپس ہوتے تھے۔ قافلے والوں کی مردوں کو زندہ کرنے سے یہی مراد ہوتی تھی۔ آپؐ کے اکثر خلفاء آپؐ کی موجودگی میں مقام

سکر و حیرت سے نکل کر فنا فی اللہ اور بقا باللہ میں قدم رکھ چکے تھے۔ آپؐ مریدوں اور خلفاء کی تعداد نہیں بڑھانا چاہتے تھے بلکہ جو خلافت کا اہل نظر آتا اُسے خلافت سے نوازتے۔ خواہ مخواہ مازون وغیرہ مازون کے لقب سے الگ رکھتے تھے۔ صرف اللہ اللہ کرنے اور خودی کو نفی کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ آپؐ کی اولاد میں بھی جو خلافت کا اہل پایا اسے خلافت سے نوازا جو اہل نہ تھا اُسے نہ خلافت دی اور نہ ہی مازون کا لقب دیا۔ آپؐ خالص تصوف کے قائل تھے۔ اور

قلندرانہ طریق سے متصف تھے۔ اپنی اولاد میں گدی برقرار رکھنے کے قائل نہ تھے بلکہ جملہ خلفاء کو اپنی ہی گدی کے جانشین تصور کرتے تھے۔ اپنی شہرت اور لوگوں کی ارادت مندی کو نہ جاہ و مال حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور نہ ہی اس کے قائل تھے۔ کسی شخص نے کوئی خاص قسم کا وظیفہ طلب کیا تو آپؐ اپنی فراست سے بھانپ گئے اور فرمایا کہ فلاں گدی پر جاؤ (نام نہیں لینا) تو وہ حزب البحر کا وظیفہ بتائیں گے لوگ تمہارے گرد بکھیوں کی طرح جمع ہو جائیں گے۔ اور خوب مال و زر حاصل ہوگا۔ مگر ہم تو صرف اللہ اللہ کرنے کا وظیفہ بتاتے ہیں اور ہم بھی غریب ہیں اور ہمارے ساتھی بھی غریب ہیں۔ ساتھی اس لئے کہا کہ وہ مریدین کو طریقت کے ساتھی ہی کہا کرتے تھے کبھی مریدین کا لفظ نہیں کہا۔ یہ اُن کی حقیقت پسندی اور کسر نفسی تھی۔

اب بھی جو آپؐ کے نقش قدم پر چلے گا کامیاب ہوگا اگرچہ شہرت و نیاوی حاصل بھی ہو جائے گی۔ کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ فائدہ سے میری مراد معرفت حقیقی حاصل نہ ہوگی۔

حضرت خواجہ شمس الدین برّاسؒ کا رخیر کا آغاز فرماتے جو تکمیل تک پہنچ جاتا اور ناکامیوں میں الجھا ہوا نہ ہوتا تھا اور نہ ہی شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق کرنے کا مرتکب برداشت کرتے اور نہ ہی تصوف و سلوک میں برائے نام شخص کی موجودگی کو برداشت کرتے تھے وہ تو تکمیل ہی چاہتے تھے اور ادھر اپن بالکل برداشت نہ کرتے تھے۔ آپؐ کا تربیت یافتہ سالک جب سیر و سلوک کی تمام منازل طے کر کے خلافت کا اہل ہوتا تو آپؐ اسے فرمادیا کرتے تھے کہ جاؤ ذکر بتلا دیا کرو۔ خلافت کا نام پھر بھی نہ دیتے۔ اور ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ

کوئی بیعت ہو کر پابندی سے صوم و صلاۃ اور ادوار و طائف کرنے لگا تو اُسے خلیفہ قرار دے دیا۔ اگرچہ اس نے سلوک کی تکمیل نہ کی ہو۔ ایسے خلیفہ جو مقاماتِ سلوک طے کرنے کے بغیر ہی بنا دیئے جائیں پیر ناقص کہلاتے ہیں۔ کیونکہ جو خود کسی راہ پر قدم بقدیم نہ گزرا ہو وہ دوسرے کو راہ بتانے کے لئے کس طرح رہنمائی کر سکتا ہے۔ پیری چکانا اور گدی سنبھالنا مقصود تو نہیں ہوتا بلکہ متلاشی کو راہ پر چلانا اور مقصد تک رہنمائی کرنا ہوتا ہے۔ نا اہل کو خلافت سے نوازنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طریقت اور پیری مریدی رسمی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور ایسا پیر اپنے آپ کو ولیِ زماں تصور کرنے لگتا ہے۔ اور خود کو صاحبِ معیار تصور کرتا ہے۔

مگر حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے ایسی صورتِ حال پیدا ہونے سے گریز کیا ہے آپؒ سے صحبت یافتہ ہمیشہ حق اور راستی پر قائم رہے ہیں۔ دنیا کی رنگارنگی اور شہرت سے دور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ جو خلیفہ یا گدی نشین دنیا کی شہرت کا خواہش مند ہوتا ہے۔ وہ باطنی کمالات کھو بیٹھتا ہے اور ایسے پیر و گدی نشین کو بروز قیامت سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر جس نے ہمیشہ اپنے کمالات کی نفی کی تو ایسا پیر و مرشد اللہ تعالیٰ کی امداد اور حفاظت میں رہے گا۔

اس لئے آپؒ اور آپؒ کے جملہ خلفاء جو آپؒ کی تربیت میں رہے اپنے کمالات کی نفی کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ ہی نفی کرتے رہیں گے اور اپنے آپ کو کامل تصور نہیں کریں گے بلکہ مبتدی ہی تصور کرتے رہیں گے اور ہمیشہ ہی شہرت سے بھاگتے ہی رہیں گے۔ کیونکہ فیصلہ حضرت خواجہ شمس الدینؒ کو سینہ بسینہ ہوتا ہوا خاص اخلاص والے راستہ سے پہنچا ہے۔ اور اس سلسلہ طریقت کو حضرت سید پوریؒ کے دور میں کمال عروج حاصل ہوا مگر طریقہ نقشبندیہؒ نام پر ہی فروغ حاصل ہوا۔ نیا نام شمس یا سید پوریہ مشہور ہونے سے گریز کیا۔ اسی سلسلہ نقشبندیہ کو حضرت خواجہ سید احمد مجدد الف ثانیؒ سر بندگی کے دور میں بھی بہت عروج حاصل ہوا مگر انہوں نے بھی اس کا نام نقشبندیہ ہونے پر فخر محسوس کیا۔ البتہ خلفاء نے کبھی کبھار نقشبندیہ مجددیہ عقیدت کے طور پر ضرور لکھا اسی طرح خواجہ شمس الدینؒ کے ارادت مندوں نے بھی کبھی

بھی نقشبندی مجددی بنوریہ سید پوریہ کا نام عقیدت مندانہ طور پر ضرور لیا ہے۔ مگر نام طریقہ نقشبندیہ ہی رہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ نقشبندیہ ہی نام رہے گا۔

«أَقْرَابُ الطَّرِيقِ وَطَرِيقُ يَهِي» ہے۔ اولیائے کاملین کی تحقیق یہی ہے۔

۔ (حبیب)

ترجمہ:- اولیائے خواص حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ دیگر اولیائے کرام کی تحقیق ہے کہ خدا کے قریب کرنے کا سب سے قریب ترین راستہ طریقہ نقشبندیہ ہی ہے۔

نیز حضرت خواجہ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا طریق صحبت ہے نہ کہ شہرت، شہرت میں آفت ہے۔ یعنی یہ طریقہ نقشبندیہ صحبت اور مجلس سے ترقی پانے کا ذریعہ ہے اور شہرت اس میں بالکل نہیں کیونکہ شہرت میں نفس و شیطان کی طرف سے خطرات بہت ہیں اسی لئے شہرت کو آفت کہا ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ بھی شہرت سے نفرت کرتے تھے۔ اور صحبت و مجلس کی تلقین فرماتے تھے جسے حلقہ ذکر کا نام دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپؒ کے دور میں پیر بھائی حضرات جگہ جگہ حلقے یعنی حلقہ ذکر و فکر قائم رکھتے تھے چاہے وہ آپؒ سے بیعت ہوئے ہوتے یا آپؒ کے پیر بھائی حضرت ابراہیمؒ میان گنول والوں سے بیعت ہوتے سب ہی اکٹھا ہو کر حلقہ ذکر کرتے تھے جب آپؒ کی مجلس میں عقیدت مند جمع ہوتے تھے تو حلقہ ذکر و فکر قائم کیا جاتا اور حلقہ میں خود بھی موجود رہتے تھے۔ اور احباب طریقت کی طرف اپنی خصوصی توجہ مبذول فرماتے تھے۔

گاہے گاہے حلقہ ذکر و فکر اتنا طویل ہوتا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر بیٹھتے تو مرغ سحر کی آواز سن کر تہجد کی نماز کے لئے فارغ ہوتے۔ آپؒ کے حلقہ مجلس میں ایک خاص فیض ہوتا تھا جو کہ ہر خاص و عام شریک محفل پر بارانِ رحمت کی طرح برستا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اور حلقہ ذکر سے اٹھنے کو کسی کا جی نہیں چاہتا تھا۔ غفلت و کدورت آپؒ کی خصوصی توجہ کی برکت سے اٹھ جاتی

اور ذاکرین کے قلب و سینہ میں ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ اور حقیقی مسرت نصیب ہوتی تھی۔ گربا آپؑ کے حلقہ ذکر و فکر میں ذاکرین پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اور قلبی واردات شروع ہو جاتے تھے۔ جیسے صوفیائے کرام حال کے عروج و نزول سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور بعض پر فنا ہیئت غالب آ جاتی تھی اور حلقہ ذکر سے اکثر ذاکرین رقت آمیز حالت میں یکسو ہو کر دوزانو ہی بیٹھے رہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلقہ پر جو رحمت برستی تھی اس سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ یہ آپؑ کا فیضِ محبت ان کے قلوب پر منعکس ہو کر اثر انداز ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی آپؑ کمالِ عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مریدین سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ ساتھیوں آپؑ کی ملاقات سے ہم کو بھی یاد الہی کا خیال آ جاتا ہے ایسا نہیں فرمایا کہ تم کو توجہ دے کر قلبی صفائی کی دولت سے سرفراز کریں بلکہ مریدین کو اپنے لئے استفادہ کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ اور یہ بات حقیقت بھی ہے کیونکہ پیر و مرشد من جانب اللہ فیض کے نزول کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح شیر خوار بچہ اور ماں دودھ پینے اور پلانے کے لئے لازم؛ ملزوم ہیں ماں ہے تو بچہ دودھ حاصل کر سکے گا اور بچہ موجود ہے تو ماں دودھ پلا سکے گی اگر بچہ کی وجہ سے جدا ہو جائے تو والدہ کا دودھ خشک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پیر و مرشد کا تعلق واسطہ بھی یہی ہے اگر پیر و مرید کامل و صادق ہیں تو پیر پر فیض من جانب اللہ اترتا ہے اور مرید صادق کے سینہ کا عکس اپنے قلب و سینہ میں جذب کرتا ہے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کی مجلس کی از حد ضرورت ہے اور ترقی کا ذریعہ ہے مگر پیر و مرید کا کامل اور صادق ہونا شرط ہے ورنہ ناقص اور مرید جاہل ہر دو اس نعمت سے محروم اور ناکام ہی رہیں گے۔ خشک پیری مریدی خشک درخت کی مانند ہے۔ نہ پھل اور نہ ہی سایہ ہوتا ہے صرف شکل و صورت ہی درخت کی طرح ہوتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ حَفِظْنَا مِنْهُ تَرْجَمہ۔ اے اللہ ایسی صورت حال سے حفاظت میں رکھنا آمین۔

مقصد تخلیق کائنات

اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو عقل و شعور اور فہم و ادراک کی دولت سے نوازا ہے اور ہر دو جن کو ایک خاص پروگرام کے تحت تخلیق فرما کر وہ پروگرام ان کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اور مجوزہ قانون و احکام کی پابندی کی صورت میں انعام اور اکرام کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ اور اگر احکام کی اطاعت و فرمانبرداری میں انکار یا سستی کو تاہی کی گئی تو سزا دینے کی تہیہ بھی کی گئی ہے۔ انس و جن کے علاوہ باقی مخلوقات کو یہ پروگرام نہیں دیا گیا۔ مگر اپنے خالق اور مالک کا حق اور شکر بجا لاتے ہوئے وہ تمام مخلوق جو کہ دائرہ کائنات میں موجود ہے۔ تسبیح و تقدیس باری تعالیٰ میں ہر وقت مصروف ہے۔ اور کائنات کا کوئی ذرہ بھی یاد حق سے غافل اور بے خبر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:-

وَلَنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ* (بنی اسرائیل رکوع ۵)

اور نہیں کوئی چیز مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ تعریف اُس (اللہ تعالیٰ) کی کے لیکن نہیں سمجھتے تسبیح ان کی کو

یعنی کائنات کا کوئی ایسا ذرہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح نہ بیان کرتا ہو مگر اُس وجہ ان کی اس یاد اور تسبیح کرنے سے بے خبر ہیں ان کی سمجھ سے ان کی تسبیح کرنا بالاتر ہے بیان کی تسبیح کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ کر سکتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربی ہے:-

الْشَّمْسُ دَالِقَةٌ فِيْ مَجْدَانِ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ

سورج اور چاند بچ گردش کے ہیں اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ مخلوقات الہیہ کی کوئی چیز اس کی یاد سے غافل نہیں ہے۔ فرشتے بھی

ہمہ وقت عبادتِ الہی میں مصروف رہتے ہیں۔ کچھ تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں اور کچھ کو رکوعِ سجود اور کچھ قیام میں ذکر باری تعالیٰ میں مصروف ہیں۔ کچھ عرش کے اٹھانے پر مامور اور کچھ عرشِ عظیم کے گرد طواف کرنے میں مصروف ہیں۔ اور کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ،
جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے
اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی
کرتے ہیں جو کہ اُن کو حکم دیا جاتا ہے۔

مگر جن اور انس باوجود عقل و فہم رکھنے کے یادِ الہی اور عبادت میں سستی اور کالی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں قسم کی مخلوقات الہیہ کی تخلیق کا مقصد یادِ الہی میں مصروف رہنا اور عبادت میں مصروف رہنا ہے۔ ارشادِ ربی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ہ ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا جن اور انس کو مگر عبادتِ اپنی کے لئے۔ یعنی مخلوقاتِ الہیہ میں انسان اور جن کو اللہ تعالیٰ نے محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ جب جن و انس کو اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے تو ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ یہ دونوں جنس باقی مخلوقات سے زیادہ اپنے خالق و مالک کو یاد کریں۔ اور زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزاریں مگر ان دونوں کے ساتھ مزید دو دشمن نفس و شیطان بھی مقرر ہیں۔ تاکہ ان دونوں دشمنوں کی رکاوٹ ڈالنے اور سو سے دینے کے باوجود ان کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت کریں گے تو ان کو زیادہ انعام و اکرام دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی۔ یہ دونوں دشمن نفس اور شیطان ہیں جو فریب دینے والے ہیں۔ اور اکثر لوگ ان دونوں کے مکر و فریب میں آ جاتے ہیں۔ اور گمراہی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ اور عبادتِ الہی کی بجائے آوری تو درکنار خدا تعالیٰ کا راستہ ہی بھول کر وہ جا لگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی تخلیق کے مقصد

ہی بھول کر نافرمانی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

پس ایسے گم کردہ راہ انسانوں کے رشد و ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی پاکیزہ و برگزیدہ انسان منتخب کر کے اور ان کے نفس و شیطان کو مغلوب کر کے نفس مطمئنہ عطا فرما کر اپنی گم کردہ راہ مخلوق کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔ جو خدا کا پیغام انسانوں تک پہنچا کر انہیں راہ راست پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اور گمراہی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا خالق و مالک ہونے کا یقین ان کے دل میں پیدا کرتے ہیں اور نفس و شیطان کی شرارتوں اور کمزوریوں سے انہیں بچتے اور نفس اور شیطان کی بات ماننے کے مضرات اور اثرات بد سے انہیں آگاہ کرتے ہیں۔ یہ برگزیدہ انسان انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جو کہ اطاعت و فرمانبرداری کے مجسمے اور مثال نمونہ پیش کرنے والے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی گم کردہ راہ مخلوق کو راہ راست پر لانے کی انتھک کوشش کر کے خدا تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور ایک خدا کا یقین ان کے دل میں پیدا کرتے ہیں۔

یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک قائم رہ جاتی ہے۔ سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے مگر کار نبوت تا قیامت باقی ہے۔ اور اس کا ربوت کو اولیائے عظام اور علمائے کرام تا قیامت سرانجام دیتے رہیں گے اولیائے کرام جو کہ نبی نہیں ہوتے مگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد علم و عمل میں اور عصمت و پاکیزگی نیز جود و سخا اور یقین و مشاہدہ کے لحاظ سے نبوت کے مظہر ضرور ہوتے ہیں۔

علمائے آخرت اور صوفیائے عظام یقیناً نبوت کے سوا اپنے اندر وہ کمالات رکھتے ہیں جو نبوت و رسالت کی عملی تصویر ہوتے ہیں۔ اور ان کا قول اور فعل بود و باش، خورد و نوش راہِ دُرُوم بلکہ ہر قدم اللہ تعالیٰ کے نبی کی پیروی میں بڑی حد تک صراطِ مستقیم پر پڑتا ہے۔ ان کا

وجودِ گرد و پیش کے علاقوں اور بستیوں کے لئے ہزاروں برکات و سعادت اور انعام و اکرام کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہی اولیائے کرام اور صوفیائے عظام خواص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق **بِهِمْ يُمَطَّرُونَ وَ بِهِمْ يُرْزَقُونَ** یعنی ان ہی کے ذریعے بارش برتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ اور برکت سے مخلوقات کو رزق دیا جاتا ہے کہ مصداق ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے وہ یہ کہ ہر فعل حیات میں یہ بندگان خدا رضائے الہی کا مد نظر رکھتے ہیں۔ ماسوا اللہ سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک خدا کے ہو جاتے ہیں۔ افعال کی بجا آوری میں پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کو نمونہ بناتے ہیں۔ اور اولیا اللہ بھی اپنی تمام تر صلاحیتوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں وقت صرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف مخلوقات کو بلاتے اور اللہ تعالیٰ کی پہچان و معرفت کی ترغیب دیتے ہیں۔ انبیائے کرام اور اولیائے کرام نے ہمیشہ بندوں کو خدا کی پہچان کرائی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق دیا۔ اور تخلیق کائنات کا حقیقی مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ ہمارا مالک و خالق ہے اس کی معرفت و پہچان ہو جائے۔ اور انبیائے کرام اور اولیائے کرام کا وجود اس مقصد کی تکمیل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کو بھی قدرت نے یہی اوصاف عطا فرمائے تھے کہ آپ دور افتادہ اور بے راہ انسانوں کو راہ راست پر چلانے اور خدا کا راستہ دکھانے کا فریضہ سرانجام دے کر دنیا سے رخصت ہوئے اللہ تعالیٰ آپؒ کے فیض کو ارادت مندوں کے سینوں میں روشن رکھے آمین۔

حضرت خواجہ سید پوریؒ کے خصائل و شمائل کا تذکرہ

۱۔ صلاح خوانی میں سنت کی پیروی:-

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر وہ چاہتے تو ہر خاندان کا ہر قبیلہ بڑے فخر کے ساتھ آپؐ کی مرضی کے مطابق رشتہ پیش کرنے کے لئے تیار تھا۔ مگر آپؐ نے اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک پاکدامن بیوہ خاتون بی بی خدیجہ الکبریٰؓ کے ساتھ نکاح کر کے امت کی بیوہ عورتوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور معاشرہ میں بیوہ عورتوں کا مقام بلند فرمایا۔ اور خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد آپؐ کے عقد میں چند ازواج مطہرات آئیں جن میں سے بعض بیوہ اور بعض کنواری بھی تھیں جن میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ چھوٹی عمر میں عقد نکاح میں آئیں تھیں۔

حضرت خواجہ سید پوریؒ نے سنت کی کمال پیروی کرتے ہوئے ابتدائی شادی ایک بیوہ جو کہ نہایت نیک و پارسا خاتون تھیں ان سے کی جو کہ تادم زیست و فادار رفیقہ حیات کی حیثیت سے رہیں۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری اجازت دار سلسلہ طریقت میں تین عورتیں الٹی ہیں جو کہ بظاہر عورتیں ہیں مگر حقیقت ان کی مردوں جیسی ہے۔ کیونکہ منازل سلوک میں عورتیں صرف قلب فنا تک ہی رسائی کرتی ہیں آگے ترقی نہیں ہوتی مگر جن کی حقیقت مردوں کی صفت پر ہو وہ آگے ترقی کر کے بڑھ جاتی ہیں جیسے رابعہ بصریؒ وغیرہ وغیرہ اسی طرح یہ تینوں عورتیں ترقی کر چکی تھیں ان میں سے ایک حضرت کی اپنی رفیقہ حیات مذکورہ بالا اور دوسری حضرت نور محمد نانکا باباؒ کی اہلیہ جو کہ مائی صاحبہؒ پینٹھ والی سے مشہور تھیں۔ اور تیسری شاہ بیگم مائی تھیں۔ آپؒ کی اہلیہ جن کا تذکرہ گزرا ہے ان کی اولاد میں سے آپؒ کے دو صاحبزادے تھے۔

(۱) صاحبزادہ مولوی محمد حسین صاحب (۲) صاحبزادہ مولوی محمد حسن صاحب اور ایک

صاحبزادی تھی۔ مائی صاحبہ کی حیاتی میں حضرت خواجہ شمس الدینؒ کی دوسری شادی حضرت بابا فقیر محمد ہشتنگریؒ کی پوتی سے ہوئی جو کہ کنواری تھیں اور ان کی اولاد سے (۱) مولوی مظفر الدین صاحب (۲) مولانا حاجی غلام رسول صاحب ہیں۔ آپؒ کی یہ دوسری اہلیہ صاحبہ آپؒ کی حیات میں ہی وفات پا چکی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سید پوریؒ نے تیسری شادی ایک نیک خاتون جو کہ بیوہ تھیں ان سے کی اور ان کی اولاد سے صرف سب سے چھوٹے صاحبزادہ میر عبدالحی صاحب مدظلہ ہیں جو کہ گیر وال میں رہائش پذیر ہیں۔ حضرت سید پوریؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد یہ مائی صاحبہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ بڑی مائی صاحبہ جن کا تذکرہ ابتداء میں ہوا ہے حضرت سید پوریؒ کی رحلت کے بعد ۱۸ سال تک زندہ تھیں۔ آخر کار یہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ان سب کی قبریں حضرت سید پوریؒ کے مزار کی چار دیواری کے اندر ہیں۔

۲۔ ازواج سے مساوی سلوک:-

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ سے مساوی سلوک فرماتے تھے۔ ہر ایک کے گھر رہنے کے لئے برابر ایام مقرر فرما رکھے تھے۔ کسی کے گھر دوسری بیوی کے مقابلہ میں زیادہ دن نہ گزارتے۔ اور سب کے ساتھ حسن سلوک اور خوش کلامی سے پیش آتے تھے۔ اگر کسی دوسری زوجہ اطہرہ کے گھر جانا مقصود ہوتا تو اُس وقت تک تشریف نہ لے جاتے جب تک اس زوجہ مطہرہ سے اجازت طلب نہ فرمالیتے جس کے گھر رہنے کی باری ہوتی تھی۔ آپؐ نے حد درجہ حسن سلوک سے ازواج مطہرات کے ساتھ وقت گزارا اگر کسی ایک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی وقت بھی شکایت کا موقع نہ ملا۔ حضرت خواجہ سید پوریؒ نے آپؐ کی اس سنت کو بھی اپنا کر اس پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت خواجہ سید پوریؒ نے تین شادیاں کی تھیں۔ مگر بیک وقت آپؐ کے ہاں دو بیویاں موجود رہی ہیں جن کے ساتھ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق حسن و سلوک کیا گیا۔ آپؐ نے اپنی ہر دو ازواج کو علیحدہ مکانوں میں چھوڑا ہوا تھا۔ اور ان کے نان نفقہ اور دیگر ضروریات کا بندوبست حتی المقدور کیا ہوا تھا۔ اس لئے کسی

زوجہ کے آپ سے گلہ شکوہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور آپ کے حق میں ازواجِ بابرکات نے بحیثیتِ رفیقہ حیات مکمل وفاداری کا ثبوت دیا اور خدمت گزار رہیں۔

آپ کی بڑی زوجہ محترمہ جو کہ نہایت نیک و پارسا تھیں۔ آپ کے مرشد پیر بھائی اور حضرت فقیر محمد ہشتنگری کے خلیفہ محمد ابراہیمؒ میاں گنول والوں سے بیعت تھیں۔ حضرت ابراہیمؒ گنول والے اور آپ کے درمیان بہت زیادہ ہی محبت تھی۔ اور گاہے گاہے آپس میں باہمی ملاقات اور مجلس کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی بڑی زوجہ ابتدائی کو ان سے بیعت کرا دیا تھا۔ حضرت مائی صاحبہؒ طریقت میں کافی سمجھ رکھتی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے نورِ معرفت سے بھی نواز دیا تھا۔

۳۔ پاک بازی و پاکدامنی :-

آپ شروع سے ہی پاک دامن تھے۔ نعمت و ولایت آپ کے نصیبہ میں نہاں تھی۔ اس لئے شروع ہی سے خدا کے بندوں کے متلاشی رہتے تھے۔ اور یہ تلاش اسی صورت میں رہتی ہے۔ جبکہ بری صحبت و مجلس سے دور رہ کے پاک بازی اور پاکدامنی کو قائم رکھا جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ قدرت والے نے میرا دامن پاک رکھا ہے اور گناہ کبیرہ سے بچا رکھا ہے۔ عین شباب کی حالت میں حضرت خواجہ فقیر محمدؒ سے بیعت ہوئے۔ اور نورِ معرفت کی دولتِ عظمیٰ سے نواز دیئے گئے۔ اسی طرح ہمیشہ اپنے مریدین کو پاک بازی اور پاک دامنی کی تلقین فرماتے تھے۔

۴۔ جرأت و دلیری :-

ایک بار آپ اکیلے گلوئی نامی جنگل سے جو کہ گڑھی حبیب اللہ اور سید پور کے درمیان واقع ہے۔ اس میں سے گھر کی طرف راستہ طے کر رہے تھے چلتے چلتے رات پڑ گئی۔ بیابانِ جگہ پڑا کوئے گھیر لیا اور متلاشی لینے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اُسے بہت سمجھایا کہ میں مسافر ہوں راستہ پر جا رہا ہوں مجھے نہ چھیڑو۔ مگر وہ برابر شرارت پر مصر رہا۔ اور متلاشی لینے کا مطالبہ کرتا رہا۔ اور

مارنے کی دھمکی بھی دینے لگا۔ آپؐ نے اس کو ایک ضرب ماری تو وہ زمین پر لڑکھڑا کر گر گیا۔ جب آپؐ نے دوسری ضرب لگانے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو ڈاکو نیچے پڑے ہوئے ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر امن مانگنے لگا۔ تو آپؐ نے ضرب نہ ماری اور اُسے امن دے کر آگے چل دیئے۔ یہ تھی آپؐ کی جرأت دلیری اور خدا ترسی۔ کہ جب اُس نے امن چاہا تو باوجود ضرب مارنے پر قادر ہونے کے معاف کر دیا۔

۵۔ سماع و سرود سے نفرت :-

سماع و سرود پر آپؐ توجہ نہ دیتے تھے آپؐ سنت نبویؐ کی پابندی کرتے ہوئے۔ ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ اور سماع و سرود سے نفرت کرتے تھے۔ ہاں عارفانہ اشعار خود بھی پڑھتے تھے اور مجلس میں سے کسی خوش آواز ساتھی کی زبانی بھی عارفانہ کلام سنتے تھے جو کہ سماع کی اصلی حقیقت ہے سرود باجے کے ساتھ سننے سے نفرت تھی۔ ایک بار ایک سارنگی (سازنگی) ورباب بجانے والا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؐ سے کہنے لگا کہ حضرت صاحب اگر آپؐ کی اجازت ہو تو میں سارنگی ورباب بجا دوں۔ آپؐ نے اسے منع فرمایا۔ اس نے کافی اسرار کیا مگر آپؐ نے اسے بجانے کی اجازت نہ دی۔ اگر سارنگی ورباب بجانا راہ فقر سے تعلق رکھتا تو آپؐ سے کبھی منع نہ فرماتے۔ مگر آپؐ نے اسے سختی سے منع فرمایا۔

۶۔ جود و سخا اور مہمان نوازی :-

آپؐ مہمانوں کے ساتھ نہایت الفت و پیار رکھتے تھے۔ اور ہر وقت آپؐ کا دسترخوان مہمانوں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ گھر میں جو کچھ حاضر ہوتا مہمانوں کے آگے پیش فرما دیتے تھے۔ دور و دراز کے مہمانوں کے علاوہ گرد و نواح کے مہمان بھی اکثر آپؐ کے ہاں دسترخوان پر حاضر ہو کر کھانا تناول فرماتے تھے اور آپؐ کو میزبانی کرتے خوشی اور لطف محسوس ہوتا تھا۔ کوئی سائل آپؐ کے دروازے سے خالی ہاتھ کبھی نہیں لوٹتا تھا۔ ایک سائل مائی صاحبہ کے تسائل کی بنا پر خالی ہاتھ چلا گیا تھا۔ آپؐ کو اس کے خالی جانے کو علم ہوا تو بڑے پریشان

تھے۔ تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی۔ میرے مولا اُس شخص کو جو میرے دروازہ سے خالی ہاتھ لوٹا ہے۔ دوبارہ لے آنا۔ چنانچہ سولہ یوم کے بعد وہ وسوالی دوبارہ آگیا اور آپؐ نے اُسے فرمایا کہ تم میرے دروازہ سے خالی چلے گئے تھے پہلے اُس کے ساتھ معافقہ کیا اور بیٹھنے کا کہا آپؐ کی جلالی توجہ سے اُس شخص پر اتنا اثر ہوا کہ تھر تھر کانپنے لگا اور کانپتے کانپتے کہنے لگا کہ حضرت مجھ پر خوف طاری ہو چکا ہے۔ آپؐ نے تسلی دے کر بٹھایا اور جو حاضر تھا کھلایا اور رخصت کیا۔ وہ شخص حیران تھا کہ یہ کون اور کیسا شخص ہے کہ بوقت معافقہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر پہاڑ جیسا بوجھ ٹوٹ پڑا اور اس کے اثر کو برداشت نہ کر سکا۔ پڑوس والوں سے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور کس کا گھر ہے لوگوں نے کہا کہ یہ ہمارے امام مسجد ہیں اور ان کو ہم بٹنگی والے استاد کے نام سے پکارتے ہیں۔ گویا پڑوسیوں کو ان کی کاملیت اور پیری مریدی کی بھی خبر نہ تھی۔ اُس آدمی نے یہ بات آپؐ کی وفات کے بعد ان کے حالات سے واقفیت کے بعد پکھلی میں اپنے خویش و اقارب سے بتائی اور پھر افسوس کرنے لگا کہ میں اُس وقت اُن سے روحانی فائدہ بوجہ انجام ہونے کے حاصل نہ کر سکا۔ آپؐ سید پور میں ہی رہتے تھے اور طریقت کے ساتھ عقیدت مند سید پور ہی تشریف لا کر واپس ہو جایا کرتے تھے۔ آپؐ کبھی کبھی بٹنگی میں بھی جا کر رہتے تھے اور وہاں بھی فرائض امامت آپؐ کے سپرد تھے۔ اور آپؐ کے صاحبزادہ محمد حسن صاحب اس جگہ امامت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اس لئے وہاں کے رہنے والے حضرت صاحب کو بٹنگی والے استاد سے یاد کرتے تھے۔ پکھلی مندھاڑ الائی کے عقیدت مند سید پور والے پیر صاحب سے یاد کرتے تھے۔ بڑے صاحبزادہ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم ان کی موجودگی میں ذکر بتلانے پر مامور تھے۔ مگر خلافت یا گدی نشین کا لقب نہیں دیا۔ بلکہ اپنے آپ کو بھی پیری کے لقب پر یاد نہیں کرنے دیا۔ اس لئے عقیدت مند آپ کو منہ پر کبھی پیر صاحب کہہ کر پکارنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ ہاں کشمیر والے پیر صاحب تو آپؐ صاحب

کے پس پشت الائی نندھاڑ اور پکھلی کے لوگوں میں مشہور تھے۔ پیر صاحب کے لفظ منہ پر بولنے کی کون جرات کر سکتا تھا جبکہ وہ اپنے عقیدت مندوں کو طریقت کے ساتھی کہتے اور کبھی مریدین نہیں کہا۔ یہ بھی حقیقت کس نفسی کہ باوجود غوثِ زماں لفظ پیر صاحب بھی برداشت نہیں کرتے نہ لفظ مرید کہہ کر پکارتے تھے۔ آج کل ہم بھی جائزہ لے سکتے ہیں کہ ہم حقیقت میں کہاں تک رسائی حاصل کئے ہوئے ہیں۔ الغرض جو کچھ بھی ہو مرنے کے بعد نقد و وصول کر لو گے۔ اگر حقیقت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہو تو بھی خدا کے ہاں اس کا بدلہ پالو گے اور اگر برائے نام ہی لوگوں میں اعلیٰ حضرت کی صفت پر مشہور ہو تو بھی بدلہ ضرور دیکھ لو گے۔ خواہ خواہ خوش فہمی اور مغر سوزی میں مبتلا ہونا بے کار ہے۔ آج کل تو لوگ اپنے ساتھ لقب لگانے اور لوگوں میں نمایاں شخصیت کے مشہور ہو جانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ مگر یہ ان کی کم فہمی کا نتیجہ ہے اور اپنے انجام کار سے بے خبری کا ثبوت ہے۔

لوگ جانیں یا نہ جانیں مجھ کو کیا

مجھے تو فکر رہتا ہے بعد الممات کا

گزرتے گزرتے گزر جائے گی

ہمیں تو غم ہے روزِ میثاق کا

(حبیب)

یعنی تجھ کو شہرت ملے یا نہ ملے مگر تجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہ ہو درحقیقت تجھے تو مرنے کے بعد کی فکر لاحق ہونی چاہیے۔ اے دوستو! ذرا ہوش سے کام لو کیونکہ یہ زندگی آہستہ آہستہ گزر کر ایک دن ختم ہو جائے گی۔ کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اُس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ ہر کسی کو اللہ تعالیٰ کی بے پرواہ ذات سے خوف دامن گیر رہنا چاہیے۔ اور اُس کے فضل کی بھی امید رکھنی چاہیے اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے قلندرانہ انداز کو اپنانے کی توفیق

نصیب دے آمین۔

۷۔ فقر وفاقہ پر قناعت :-

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زیادہ مال و دولت جمع کرنے کی کوشش نہ فرماتے تھے۔ تھوڑے پر ہی صبر و شکر کرتے تھے۔ اگر کسی عقیدت مند کی طرف سے کچھ بھیجا جاتا تو فوراً غریبوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ قناعت کے ساتھ بسر اوقات کرتے تھے۔ کسی سے طمع کی امید نہ باندھتے تھے۔ اور تھوڑے پر ہی اکتفاء کرتے تھے۔ اپنے عقیدت مندوں کو بھی یہی تلقین فرماتے تھے۔ کہ گزراوقات پر ہی ہمیشہ اکتفاء کرتے رہا کرو۔ اور زیادہ کی ہوس نہ رکھو۔ فرمایا کرتے کہ ہم بھی غریب ہیں اور ہمارے ساتھی (مریدین) بھی غریب ہیں اور اسی حالت پر راضی الرضا ہیں۔ اگر آپؐ چاہتے تو دیگر گدی نشینوں کی طرح مال و دولت سے مالا مال ہو جاتے اور خوب دولت جمع کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور فقر و فقہ اور مسکینی پر ہی قناعت کی۔ اور مال و دولت جمع کرنے سے گریز کیا ہے۔ آپؐ کے نزدیک بڑی دولت اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت الہی تھی اور اسی پر وہ دوسروں کو بھی ترغیب دیتے تھے۔

۸۔ خوش کلامی :-

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ فطری طور پر خوش خلق تھے۔ اور خوش مزاج تھے آپؒ کی مجلس میں ہر طبقہ کے لوگ عالم و فاضل، کسان و زمیندار ہر وقت موجود رہتے تھے۔ مگر انوار کی بارانِ رحمت آپؒ پر ہر وقت برستی رہتی تھی۔ اور پوری مجلس کو رحمت گھیرے ہوئے ہوتی تھی۔ مجلس کا ہر آدمی خاموش اور ذکر دائمی میں غرق رہتا تھا۔ کوئی شخص آپؒ کی مجلس میں اُس وقت تک کلام نہ کرتا تھا جب تک آپؒ اُس کی جانب متوجہ ہو کر کسی کام کی نوعیت کے بارے میں استفسار نہ فرماتے۔ آپؒ کی خاموشی بھی خدا کے لئے ہوتی تھی اور آپؒ کا کلام بھی رضا جوئی کی ترغیب دلانے کے لئے ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دوستوں کو خوش کرنے کے لئے خوش طبعی بھی فرما لیتے تھے۔ اور اکثر فکرِ آخرت کے بارے میں حاضرین سے ہم کلام رہتے تھے۔ اور دوستوں کو

راہِ حق کی ہی تلقین فرماتے اور تصوف و سلوک کی باریکیاں بیان فرماتے رہتے تھے۔ اور جملہ طریقت کے ساتھیوں کی احسن تربیت فرماتے رہتے اور نفس کی شرارتوں سے آگاہ فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ نفس کی شامت اور بد اعمالیوں کی وجہ سے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نفس کی بگڑی ہوئی مختلف حالتوں سے روشناس کیا ہے۔ اور جانوروں کی شکل میں دکھایا ہے۔ آپؐ اپنے کلام میں فرماتے ہیں۔

من بدیم نفس در ہر صورتے گاہ سگ گاہ فرس دیدم مورتے
 گاہ دیدم نفس اژ دھا گاہ شرر گاہ ایں راہ داغ دیدم گاہ خر
 ترجمہ:- میں نے نفس کی بگڑی ہوئی ہر صورت کو دیکھا ہے۔ کبھی اس کو کتے اور کبھی اس کو گھوڑے کی شکل میں دیکھا ہے۔ اور کبھی اژدھا کی شکل میں دیکھا ہے۔ اور کبھی شیر کی شکل میں دیکھا ہے۔ اور کبھی اس کو کتے کی صورت میں دیکھا ہے اور کبھی اس کو گدھے کی صورت میں دیکھا ہے۔ گویا اعمال کے بگڑنے پر اس کی صورتیں بدلتی ہوئی دیکھی ہیں یعنی بد اعمال انسان باطنی طور پر مختلف صورتوں میں بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر صدقِ دل سے توبہ نہ کی تو مرنے کے بعد اسی صورت کے ساتھ جہنم رسید ہونگے۔ (العیاذ باللہ)

اللہ تعالیٰ اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش عطا فرما کر نیک اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور برے اعمال سے بچائے آمین۔

۹۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ کی پابندی:-

حضرت خواجہ شمس الدین سید پورؒ کی کمال اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اطاعت اور پیروی کرتے تھے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اِلٰهَکُمْ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے مصداق تھے یعنی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری (نبیؐ) تابعداری کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ آپؐ اپنے عقیدت مندوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے کی سخت تاکید فرماتے تھے اگر کسی کو

غیر شرع دیکھتے تو اس سے منہ پھیر لیتے تھے۔ اور کلام نہ کرتے تھے۔ آپؐ کی مجلس میں حدود و شریعت کو توڑ کر آنے کی جرأت کسی کو نہ ہوتی تھی بلکہ خدمت میں حاضر ہونے والے پابند شریعت آپؐ کی مجلس میں شامل ہو کر فائدہ حاصل کرتے تھے۔ ریش کتروانے والے یا منڈوانے والے سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔

خورد و نوش اور وضع قطع نیز لباس پہننے میں کما حقہ سنت کی پیروی فرماتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اذع الی سبیل ربک بال حکمة والموعظة الحسنیۃ کو مد نظر رکھ کر بیان فرماتے تھے۔ اور جہاں ضرورت پیش آتی تو سخت گیری سے بھی کام لیتے تھے۔ جھک کو سلام کرنے کو سختی سے منع فرماتے تھے۔ توحید کی حقیقت و روح آپؐ کو حاصل تھی۔ خدا تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا اور توکل و قناعت کی دولت نصیب تھی۔ رضا بالقضاء کا مقام حاصل تھا۔ اور یہی ایک کامل ولی اللہ کی نشانی ہے۔ جو کہ آپؐ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اور تمام نیک صفات کے آپؐ مصداق تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اُن کے قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۰۔ مستجاب الدعوات :-

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ سید پوریؒ کو بہت سے کمالات عطا فرما رکھے تھے۔ آپؒ کی محبت اکسیر اعظم اور آپؒ کی نظر نظر کیسا تھی۔ آپؒ کی صحبت و نظر طالبان راہ حق کو خدا کے حضور میں جا کھڑا کر دیتی تھی۔ اور بہت سے لوگ پہلی صحبت میں ہی مقام ولایت سے نواز دیئے جاتے تھے۔ آپؒ کا کلام اکسیر اور مفید السالکین تھا۔ اور آپؒ مستجاب الدعوات تھے۔ آپؒ نے جس کی نیک حاجت کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس دعا کو قبولیت کا شرف بخشا۔ بہت سے نادار لوگ آپؒ کی دعا سے کامیاب و کامران ہوئے۔ اور بہت سے لوگ آپؒ کی دعا و تہجد کی برکت سے مقام ولایت سے نواز دیئے گئے۔ اور نور معرفت نصیب ہوا۔ آپؒ کے چلن میں ہمیشہ رسوا ہو کر پشیمان ہوئے اور معافی مانگی۔ آپؒ سحری کی نماز پڑھ کر بعض دوستوں کی

قبر پر جا کر دعا فرماتے اور ان کے لئے بخشش طلب فرماتے تھے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے نور فراست اور کشف معنوی سے نواز رکھا تھا اور کشف القبور سے بھی واقف کر دیا تھا۔ اس لئے قبر پر بوقت دعا مردہ کی خوشی کی حالت کو دیکھ کر خوش ہوتے اور مردہ کو عذاب و عتاب میں دیکھ کر رنجیدہ ہو کر چشم تر ہو جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لئے بخشش کی دعا فرماتے تھے۔

۱۱۔ کشف القبور:-

ایک بار چند عقیدت مند ساتھیوں کے ہمراہ راستہ پر جا رہے تھے کہ دو قبروں کے قریب جا کر رک گئے۔ گرمی شدت سے بڑھ رہی تھی مگر آپؐ گرمی اور دھوپ کی صعوبت برداشت کرتے ہوئے اپنا عصا زمین میں گاڑ کر کھڑے کھڑے دعا میں مچو ہو گئے۔ ہمراہ جملہ ساتھی گرمی اور دھوپ کی شدت کی وجہ سے قریب درخت کے سایہ میں گئے مگر آپؐ بدستور دعا میں مستغرق رہے۔ حتیٰ کہ آپؐ کا رنگ بوقت دعا تغیر و تبدیل ہوتا رہا آخر کار آپؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے کھل گیا۔ اور فرمانے لگے ان دونوں مردوں کو سود کے بارے میں عذاب ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عذاب اٹھا دیا۔ وہاں کے واقف کار لوگوں نے ان کی اس بات کا اعتراف کیا کہ حضرت یہ دونوں خاوند بیوی ہیں اور واقعی ان کا کاروبار سودی تھا۔ اور سود پر رقم دیتے تھے اور سود لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سید پوریؒ کی دعا کی برکت سے ان سے عذاب اٹھا کر معاف کر دیا۔

۱۲۔ آپؐ کے معمولات زندگی:-

آپؐ کی پوری زندگی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گزرتی تھی۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک آپؐ کے معمولات بیٹھنا کھانا پینا اور لباس سب کا سنت نبویؐ کے مطابق ہوتا تھا۔ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر بہت جلد سو جاتے تھے۔ خواہ مخواہ بیٹھ کر باتوں میں وقت نہ گزارتے سحری کو اوّل وقت سے جاگ کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے

تھے۔ اور پھر نماز تہجد پڑھ کر وہیں مصلّیٰ پر آرام فرماتے۔ ذکر و شغل اور مراقبہ میں رہتے۔ اور صبح صادق صادق ہوتے ہی پھر قیام فرماتے اور نماز صبح کی تیاری کرتے صبح کی نماز پڑھ کر تلاوت قرآن پاک فرماتے۔ اور سورج طلوع ہونے کے بعد نماز اشراق پڑھتے۔ اور گھر میں بال بچوں یا مہمانوں کے ساتھ خورد و نوش میں شمولیت فرماتے تھے۔ چاشت کے وقت نماز چاشت ادا کرتے تھے۔ اور پھر لوگوں میں کوئی کام ہوتا تو وہ سرانجام دیتے تھے۔ دوپہر کا قیلولہ سنت کے مطابق فرماتے۔ اور کھانا کبھی قیلولہ سے پہلے اور کبھی بعد میں تناول فرماتے تھے اور پھر نماز ظہر کی تیاری ہوتی۔ نماز ظہر ادا کر کے کوئی گھر کا کام سرانجام دیتے یا مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے۔ پھر عصر کی نماز کا اہتمام کرتے۔ اسی طرح نماز مغرب ادا کرتے اور نماز مغرب کے بعد نوافلِ اوایمن پابندی سے ادا کرتے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر اکیلے یا مہمانوں کے ہمراہ کھانا نوش فرماتے تھے۔ اور پھر نماز عشاء کی تیاری کرتے اور نماز عشاء پڑھ کر حسب معمول جلد سو جاتے تھے۔ سفر و حضر میں آپؐ کا ایک ہی معمول ہوتا تھا۔ البتہ طریقت کے ساتھیوں کی موجودگی میں اگر ضرورت ہوتی تو کافی وقت تک اُن کی تربیت اور ان کو توجہ دینے میں وقت صرف ہوتا تھا اور حلقہ ذکر و فکرات کو ساتھیوں کی موجودگی میں کرتے تھے اور کبھی کبھی حلقہ ذکر و فکر اتنا طویل ہو جاتا کہ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر بیٹھتے تو تہجد کی نماز تک محو ذکر و فکر ہوتے تھے۔ اور پھر مرغ سحر کی اذان ہونے پر تہجد کی تیاری کرتے تھے۔ یہ تھا آپؐ کا معمول زندگی اور اللہ تعالیٰ کی دربار میں اوقات کا صرف ہونا اللہ تعالیٰ۔ ب اہل طریقت حضرات کو یہی صفات عطا فرماوے آمین۔

۱۳۔ آپؐ کے تبلیغی سفر:-

حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے صرف چار دفعہ پوری زندگی میں اپنے علاقہ سید پور سے طالبانِ راہِ حق کی تربیت کرنے کی غرض سے دور دراز علاقوں پکھلی، مندرھاڑ، آلائی تک کے دشوار گزار پیدل سفر کئے اور ان اسفار میں ایسے لوگ جو سید پور شریف پہنچنے کی ہمت و

طاقت نہ رکھتے تھے اُن کو راہِ حق کا راستہ بتلا کر واصل باللہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

ان چار سفروں میں آپؐ سے بہت لوگ مستفید ہوئے اور دولت ذکر قلبی حاصل ہوئی۔ علاقہ کے ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہونے کا ذریعہ بنے اور جگہ جگہ پھر حلقے جاری ہو گئے جو کہ اب تک جاری ہیں۔ یہ آپؐ کے سفر کی برکت تھی کہ آپؐ کے فکر و نظر نے لوگوں کے قلوب گرما کر رکھ دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے والے بہت سے افراد نے یہ دولت حاصل کر کے آگے تقسیم کی۔ ایک سفر میں آپؐ کے کئی ہفتے گزرنے کے بعد سفر مکمل ہوتا اور پھر گھر واپس ہو جاتے تھے۔ گویا آپؐ نے پوری زندگی میں یہ چار سفر کئے ہیں۔ یہ سفر بھی از خود نہیں بلکہ علاقہ کے محب اور عقیدت مند حضرات کی چاہت و اصرار پر کئے اور عقیدت مند خود جا کر گھر سے ساتھ لاتے اور ساتھ ہو کر گھر پہنچا کر واپس آتے تھے۔

۱۴۔ حضرت سید پوریؒ کے حالات و ملفوظات کی روشنی میں اصلاحی نکات:-

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ولایت کوئی کسی چیز نہیں کہ سیکھتے سیکھتے اپنی ذہانت و چالاکی سے ولی بنا جائے۔ بلکہ یہ نعت ایک عطیہ اور وہی چیز ہے۔ خداوند کریم جس کسی کو چاہیں ولی اللہ بنادیں۔ (ذالک فضلُ اللہ یؤتیہ من ایشاء) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے فضل فرمادے۔ نیز فرمایا کہ یہ ولایت اور پیری مریدی موروثی چیز بھی نہیں ہے۔ کہ باپ مرے تو بیٹا ولی بن بیٹھے اور اپنے آپ کو گدی نشینی کا مستحق تصور کرتا رہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ وہ چاہے بیٹے کو اس قابل بنائے نہ چاہے نہ بنائے اللہ تعالیٰ ولی اللہ کی اولاد میں جس کسی کو اس منصب پر فائز کر دیں تو اُس کے آگے مشکل نہیں مگر بعض ولی اللہ کی اولاد اس کے اہل نہیں پائی گی کیونکہ اُن کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی یا شوق و جذب نہیں رکھتے۔ اور اس کو گھر کی کھیتی تصور کرتے ہیں بغیر واقفاری نصیب نہیں ہوتی۔ اور یہ چیز بغیر واقفاری کے بغیر ناممکن ہے۔ اور خود کو بیچ تصور کر کے محنت کی جائے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ماسوائے اللہ کو ختم کر کے ہی انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل

کر سکتا ہے۔ جب انسان کے دل میں غیر اللہ (چیزوں کی محبت مال و دولت اور عزت و وقار کی چاہت و طلب اپنے مرتبہ و منصب پر فائز ہونے کی چاہت یہ سب غیر اللہ ہیں ان سب کی طلب و چاہت) کی محبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی محبت دل میں ہرگز پیدا نہ ہوگی۔ اور یہ بھی فرماتے کہ فرائض الہیہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ طریقہ نقشبندیہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے تمام اواراد، وظائف سے زیادہ مؤثر اور بڑھ کر اسم ذات (اللہ) کا تصور رکھنا ہے۔ اور یہی معرفت الہی کی کنجی ہے۔ اور عبادت و ریاضت میں ذریعہ اخلاص ہے۔ اور اعمال میں وزن پیدا ہونے کا باعث ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی تعریف بھی یہی ہے کہ تمام باطل نقوش کو لوح دل سے مٹا کر بس ایک ذات باری تعالیٰ کے دھیان و فکر کا نقشہ دل پہ قائم ہو جائے تاکہ انوار الہیہ سے اس کا دل ہر وقت روشن اور منور رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسرار کا نزول دل پہ ہوتا رہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

چشم و بند و لب بہ بند و گوش بند گر نہ بنی سر حق بر ما بخند
ترجمہ:- آنکھیں بند کر اور اپنے ہونٹ بند رکھ اور کان آواز کی طرف متوجہ ہونے سے بند رکھ۔ اور پھر اللہ اللہ کر کے دیکھو اگر تجھ کو اسرار ربی نظر نہ آئیں تو مجھ پر ہنسنا کہ اُس شخص نے کیا کہا تھا۔

شعر بالا کی ظاہری صورت تو ذکر و فکر اور مراقبہ کرنے کی حالت کی نشاندہی کرتی ہے۔ مگر شعر کی ظاہری صورت کے ساتھ ساتھ حقیقی صورت حال یہ بھی ہے۔ کہ اپنی آنکھوں کو نہایت کے دیکھنے سے روکنا ہے۔ اور اپنے کانوں کو لغویات سننے سے روکنا ہے۔ اور اپنے ہونٹوں کو فضولیات باتوں سے بند رکھنا ہے۔ اگر یہ حالت نصیب ہوگئی اور اپنے آپ پر قابو پا جائے تو پھر اسرار ربی کا انکشاف ہونے لگے گا۔ ”دبر ما بخند“ شرط ترغیب ہے۔ اور حقیقت بھی ہے۔ نیز آپ اکثر فرمایا کرتے تھے میرے ساتھیو! گزارے کے یار بنو! یعنی دنیا میں گزر

اوقات پر ہی اکتفاء کرو۔ مال و دولت کی بہتات کے خواہش مند نہ رہو۔ وَلَا تَجْبُؤْا الدُّنْيَا
فَتَكُونُوا مِنَ الْخَالِسِينَ ۝ الحدیث ترجمہ:- دنیا سے محبت نہ رکھو۔ اگر ایسا کرو گے تو
نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ بوعلی قلندرقمر ماتے ہیں:-

حُبِّ دُنْیَا چوں کند بر دل نگاہ سبِ خارا گر دُشِ سخت و سیاہ
ترجمہ:- جب دنیا کی محبت دل پر چھا جاتی ہے تو دل کو سخت کالے پتھر کی طرح
دیتی ہے۔ یعنی خدا کی محبت پھر اس پر اس طرح اثر نہیں کر سکتی جس طرح کالے پتھر پر بارش
کے قطرے کچھ اثر نہیں کر سکتے۔ ادھر گرے ادھر خشک ہو گئے انسان بوقتِ رقت اور دُئی
اثرات کے یہ تصور کرتا ہے کہ اب تو قلب نرم ہو گیا ہے مگر جوں ہی کانا بدلا اثرات کا فور ہو کر
پہلے کی طرح سخت دل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دل میں دنیا کی محبت نے جگہ گھیری ہوئی ہے۔ دوسری
چیز کب سما سکتی ہے۔ دوسرے معنوں میں دل کو دنیا کی محبت نے پرانگندہ اور گندیر کر دیا ہے اس
لئے پاکیزگی بغیر حبِ دنیا کے دور کرنے کے حاصل نہ ہوگی۔ جیسے کنویں میں کتا پڑا ہے جب
تک کتے کو نکال باہر نہ کریں گے کنواں شرعی اصول پر ڈول ڈبول کی تعداد پانی نکالنے سے
پاک نہ ہوگا۔ پہلے کتا نکالنا ہوگا پھر ڈول ڈولے کی شرعی مقدار سے پانی نکالا جائے گا تو کنواں
پاک ہوگا۔ یہی مثال دل میں دنیا کی محبت جاگزیں ہونے کی صورت میں تصور کریں۔ پہلے دنیا
کی محبت سے دست بردار ہوں پھر دل کی پاکیزگی شرعی طور پر نصیب ہونے کا امکان ہے یعنی
خدا کی محبت اس میں مقام پکڑے گی۔ اسی دنیا کی محبت کے بارے میں حضرت دیوان راجا بابا
فرماتے ہیں۔

ترک دنیا سر عبادت حب دنیا سر خطا است آں جمال نازنین مجر ترک دنیا کے بود
ترجمہ:- دنیا کی محبت سے دل کو خالی کرنا عبادت کا سر ہے اور دنیا سے محبت رکھنا
غلطی اور خطا کاری ہے۔ دنیا کی محبت دل سے دور کرنے کے بغیر محبوب حقیقی کا جمال نہیں پا
سکتا۔ اور دنیا کی محبت کے معنی یہ ہیں کہ اس کی محبت میں اس قدر پھنسا ہوا ہو کہ خدا کی طرف

سے غفلت اس پر طاری رہے اور ذکر دائمی کی جانب متوجہ نہ رہے۔ یہ دنیا دار ہے اگرچہ اس کے پاس صرف گزراوقات ہی کا سامان کیوں نہ ہو۔ اگر کسی کے پاس کافی گنجائش اور کافی آمدن بھی ہو مگر اس کا دل خدا کے ساتھ انکار ہے یعنی تعلق مع اللہ نصیب ہو تو یہ دنیا دار کے زمرہ میں نہ آئے گا۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ ہمیں نصیحت فرمادیں۔ تو فرماتے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر پابند رہتے ہوئے اعمالِ حسنہ سرانجام دو۔ شریعت کی پابندی کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ شریعت کے اوامر اور نواہی پر غور کرتے ہوئے اوامر کا بجالانا اور نواہی سے بچنا اصل مقصد ہے۔ نیز فرمایا حُبِ دنیا اور حبِ جاہ و مال یعنی مالدار بننے کی فکر لائق رہتے ہوئے حلال و حرام کی تمیز کرنے کے بغیر دوڑ دھوپ میں مبتلا رہنا اور اپنی عزت و وقار کا بھوکا رہنا یہ ہر دو ایسی امراض ہیں کہ انسان کو نفس کی قید سے چھٹکارا حاصل کرنے نہیں دیتیں۔ اور انسان دل ہی دل میں گمان رکھتا ہے کہ میں ٹھیک چل رہا ہوں۔ حالانکہ غلطی پر ہوتا ہے اور آدمی اچھائی و برائی میں تمیز نہیں کر سکتا پس طالب حق کو چاہیے کہ ان آفات سے روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرے۔ اور اپنی کدورت و سیاہی کا جائزہ لیتا رہے ذرا تنہائی میں بیٹھ کر ذکر الہی میں مشغول ہو کر دیکھے اگر اس کو ذکر الہی کی چاشنی و محبت حاصل ہے ذکر الہی کے انوار اس پر بارش کی طرح برستے دکھائی دیتے ہیں تو پھر سمجھ لے کہ کدورت نہیں ہے اور اگر یہ حالت نصیب نہیں تو سمجھ لے کہ کدورت میں ڈوبا پڑا ہے۔ اور اس کدورت سے نکلنے کی کوشش کرے۔ آپؐ نے فرمایا ذکر قلبی بڑی دولت ہے پہلے ذکر قلبی نصیب ہوتا ہے پھر اس پر ذکر کے انوار وارد ہوتے ہیں۔ اور ذکر کو نظر باطنی کے ساتھ مشاہدہ ہوتے ہیں۔ فرمایا جس کا دل ذکر ہو جاتا ہے یعنی ذکر قلبی نصیب ہوتا ہے اگر ایسا انسان دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ تو نزاع کے وقت اللہ تعالیٰ اُس کے قلبی ذکر کو نوری جامعہ پہنا کر حاضر کریں گے۔ اور کہے گا کہ میں وہی اللہ کا نام ہوں جو تیرے دل میں قیام پذیر تھا۔ اب غم و فکر نہ

کر میں خود ہی شیطان کے لشکر کا مقابلہ کروں گا۔ اور خود ہی منکر نکیر کے سوال جواب کا سامنا کروں گا۔ اللہ اکبر وَلِذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ بڑا ہے اور اُس کا ذکر بھی بڑا ہے۔ جو شخص ذکر قلبی کو دل میں ساتھ لے کر قبر تک چلا جاتا ہے تو جب جسم گل سر کر مٹی ہو جاتا ہے تو یہ مٹی بھی قیامت تک اللہ اللہ کرتی رہتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔ عروج و نزول ایک بڑی دولت ہے۔ جس کو نصیب ہو جائے ذکر قلبی کے بعد عروج و نزول پر سمجھ جانا معرفت کی جانب پیش رفت ہے۔ کیونکہ عروج و نزول ایک کسوٹی کا کام دیتا ہے۔ عروج و نزول سے آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ یہ کام پسندیدہ افعال میں سے ہے یا ناپسندیدہ کاموں سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ پسندیدہ حرکات و افعال کی صورت میں سالک کو عروج نصیب ہوتا ہے۔ اور جس کام پر اللہ پاک خوش نہ ہو حال فوراً نزول ہونے لگتا ہے۔ اور سالک سمجھ جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے۔ پس سالک کو کسی وقت عروج ہوتا ہے اور کسی وقت نزول ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے فعل و عمل کا جائزہ لے لیتا ہے۔ اس لئے عروج و نزول بھی ایک نعمت اور بڑی دولت ہے۔ اس سیر الی اللہ عروج و نزول پر سمجھ کے بعد شروع ہوتا ہے جو کہ جزو ولایت میں سے ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ سالک کو محتاط رہ کر وقت گزرانا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ ایسی حرکات صادر نہ ہونے پائیں جس سے سیر الی اللہ بند ہو جائے۔ اور سالک کو پتہ بھی نہ چلے اگر سالک کو حال کے عروج اور نزول کی فہم حاصل ہو جائے تو پھر ہر وقت اس طرح متوجہ رہا کرے تاکہ کسی وقت نقصان پائے تو استغفار اور انابت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر بخشش طلب کرے۔ تاکہ اس کے راہ میں رکاوٹ کا ذکر یعنی پیدا نہ ہو جائے۔

ایک بار آپؐ اپنے عقیدت مندوں کے پاس بیٹھے تھے اور سلطان باہوکانیک تذکرہ ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نے کیا ہی خوب فرمایا کہ لا مقصودہ إلاّ هو۔ لا موجودہ إلاّ هو۔ لا مطلوب إلاّ هو۔ آپؐ کے حلقہ ذاکرین میں سے ایک عقیدت مند نے کہا

حضرت ایک بات رہ گئی ہے لا مذکورہ إلا ھو۔ اب یہ کلمات اس ترتیب سے ہوئے۔

لا مقصودہ إلا ھو لا موجودہ إلا ھو
لا مطلوب إلا ھو لا مذکورہ إلا ھو

لا مذکورہ إلا ھو کا مطلب و مدعا اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

ذکر و ذا کر محو گردوا و تمام جملگی مذکور ماندہ والسلام

ترجمہ: ذکر و ذا کر دونوں اس سے محو ہو جائیں گے نہ ذکر کا پتہ رہے اور نہ ذا کر کو اپنی

خبر رہے۔ بس صرف مذکور (اللہ) ہی رہ جائے۔

آپؐ اپنے عقیدت مندوں کو فرمایا کرتے تھے کہ دوستو! کہو ہو کر خدا کا ذکر کیا کرو کہ نہ اپنا خیال رہے اور نہ ذکر کا خیال رہے یعنی اللہ تعالیٰ کے تصور میں اتنا ڈوب جائے کہ اسے یہ پتہ نہ چلے کہ میں ذکر کر رہا ہوں اور یہ پتہ بھی نہ چلے کہ میں کہاں ہوں بس صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کا خیال دل پہ ٹھہر جائے یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون و بچگون ہے اس کو کسی کیف جہت و جسم اور کسی صفت و رنگ کے ساتھ خیال نہ کرے بلکہ وہ ذات وراء الوریاء ہے۔ اُس کو اُس کی اپنی شان کے ساتھ خیال کرے۔ اپنی طرف سے کسی کیفیت پر محمول نہ کرے۔

۔ چنست عالم خاک را با عالم پاک

یہ تو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور رحیمی ہے کہ وہ ایک ناچیز کو اپنے کرم میں شامل کر کے نوازتا ہے۔ اس امر کا اگر ہم لاکھ بار بھی شکریہ ادا کریں تو بھی کم ہے۔ اور ہم شکریہ ادا کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ بس اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہمارے لئے کافی ہے اور ایسا یاد کرے کہ صرف مذکور علی مذکور اپنی شان حقیقی کے ساتھ رہ جائے۔ اور یاد کرنے والا گم نامی و استغراق میں ڈوب جائے یا الہی کا اصلی مقصد یہی ہے۔

حضرت سید پوریؒ تلاوت قرآن پاک کے بعد اکثر اوقات مثنوی مولانا رومؒ دیوان

حافظ ہند نامہ شیخ عطارؒ اور دیگر کتب تصوف کو زیر مطالعہ رکھتے تھے۔ آپؒ کو فارسی زبان پر زیادہ

ہی عبور حاصل تھا اور مثنوی مولانا روم کو درد و سوز سے پڑھتے اور روتے رہتے تھے۔ ایک روز آپؒ پند نامہ شیخ عطارؒ کا مطالعہ کر رہے تھے جہاں شیخ عطارؒ نے نفس کشی کا علاج بتلایا کہ ان ان چیزوں سے نفس مرتا ہے پڑھ رہے تھے کہ اپنے حال کی مناسبت سے فارسی اشعار میں یوں اظہار فرمایا۔

نفس نتواں کشت جو فضل خدا با تو گویم یاد گیر اے مرد راہ
من بد یدم نفس در ہر صورتے گاؤں مگ گاہ فرس دیدم مورے
گاؤں دیدم اژدھا گاہ شیر نر گاؤں ایں را زاغ دیدم گاؤں خر
نفس سرکش ہست چوں پیل دماں کے کند زیرش یکے از مردماں
گفت شیخ عطارؒ صاحب سہ صلاح من نہ ینم مرد را در ایں فلاح
نہست قادر جو خدا در دو جہاں ہر چہ خواہاں کند در یک زمان
وَمَا اَبْرَىٰ نَفْسٍی گفت آن ماہ جہاں من ز نفس بدنی یا بم اماں
مقاری ہست بندہ را و لیک جو بفضل حق نہا شد کار نیک
گر شود فضل خدا بر من مدام تا شود ایں نفس سرکش من بدام
عرض کن در بار گاؤں ذوالجلال تا شود ایں نفس سرکش پامال
شمس الدین گر خیر خواہی وصل جو با ذات پاک نفس و شیطان حرص دنیا ایں ہمہ را دہ طلاق

ترجمہ:-

- ۱۔ نفس اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے بغیر نہیں مر سکتا اے اللہ کی طرف بڑھنے والے انسان میں جو تجھ کو کہہ رہا ہوں میری اس بات کو خوب یاد رکھ۔
- ۲۔ میں نے نفس کو ہر شکل میں دیکھا ہے۔ کبھی کتے کی شکل میں اور کبھی گھوڑے کی شکل میں دیکھا ہے۔
- ۳۔ کبھی اژدھا کی شکل میں دیکھا ہے اور کبھی ز شیر کی شکل میں دیکھا ہے اور کبھی اس کو

کوے کی شکل میں اور کبھی گدھے کی شکل میں دیکھا ہے۔

۴۔ سرکش نفس مست ہاتھی کی طرح ہے۔ اور یہ ایک مرد سے کیسے زیر ہو سکتا ہے۔

۵۔ حضرت شیخ عطارؒ نے نفس کو قابو کرنے کی جو تین علامتیں علاج کے طور پر بتائی ہیں۔

میں آدمی میں ان تین علامتوں کے ساتھ علاج کرنے میں نجات و فلاح ہرگز نہیں دیکھتا۔ بلکہ نفس سرکش اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی زیر ہو سکتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دونوں جہاں میں کوئی قادر نہیں ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے ایک لمحہ میں کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے امر کن سے کر ڈالتا ہے۔

۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس کی برأت بیان نہیں کی۔ اور میں اپنے برے نفس سے امن میں کیسے رہ سکتا ہوں۔

۸۔ کسی انسان کو مختار تو بنانا ہے مگر پھر بھی اللہ کے فضل کے بغیر نیک کام ہرگز نہیں کر سکتا۔

۹۔ اگر اللہ تعالیٰ کا مجھ پر ہمیشہ فضل ہوا تو میں اس سرکش نفس کو قابو میں کر سکتا ہوں۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرتا رہ کہ اللہ تعالیٰ تیرے اس سرکش نفس کو زیر کر دے۔

۱۱۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ اے شمس الدین اگر تو خیر چاہتا ہے تو تو اللہ تعالیٰ کا وصل و قرب تلاش کر۔ اور نفس و شیطان نیز حرص دنیا کو طلاق دے کر بالکل چھوڑ دے۔

آپؐ داڑھی منڈھانے والے اور کترانے والے کو نظر عنایت سے نہیں دیکھتے تھے حتیٰ الوسع داڑھی منڈھانے والے اور کترانے والے کو سختی سے منع فرماتے تھے۔ فرمایا کہ جو طرز زندگی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے لئے پسند تھی۔ وہ طرز زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھادی اور انہوں نے اس پر عمل کر کے امت کے لئے نمونہ پیش کر دیا ہے اور امت کو وہ طریقہ بتلادیا ہے کہ اس لئے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی اختیار کر کے اپنے خالق و مالک کو

راضی رکھنا چاہیے۔

فرمایا کرتے تھے کہ خدا نخواستہ پیر و مرشد سے بھی بوجہ کسی کبیرہ گناہ کے یا لغزش قبیح سرزد ہو جائے اور کوئی روحانی بیماری شرارت نفس سے پیدا ہو ہی جائے اور پھر توبہ و انابت کی صورت پیدا نہ ہو سکے اور نفس غالب ہو کر اس کو اس کام قبیح پر مصصر کر دے تو سب مرید جو اس کے ساتھ منسلک ہیں ان سب کا کام روحانی بگڑ جائے گا۔ ایسی حالت میں ان مریدین کو تجدید بیعت کرنی ضروری ہے۔ اپنے شیخ کا مرشد اگر زندہ ہے اس سے ہی بیعت کریں بصورت دیگر اگر زندہ نہ ہو تو اپنے شیخ کے پیر بھائیوں میں سے کوئی کامل ہو تو بیعت کریں اگر ایسا نہ کریں تو ناکامی اور خیر مان ہی خیر مان ہوگا۔

فرمایا کرتے تھے کہ بعض ساتھی (مرید) بیعت کے بعد ذکر کی تاثیر کو نہیں سمجھتے یا معمولی قلبی ذکر کی حرکت محسوس ہونے کے بعد بھی متواتر محنت نہیں کرتے اور پھر دوبارہ بد اعمالیوں میں پھنس کر ذکر کی تاثیر بالکل ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ تو پھر تسبیح پکڑ کر پھیرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اُن کو قلبی ذکر سے محرومیت ہونے کی وجہ سے اُن کا ذکر زبانی عادی بن جاتا ہے۔ اور حقیقی ذکر قلبی سے دور جاتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ قلبی ذکر کی سوچ و فکر میں محنت کریں۔ جب تک دل کا ذکر سمجھ میں نہ آئے کوشش و محنت نہ چھوڑیں۔ اپنی طرف سے کوشش و محنت کرتے رہیں اور کسی زندہ دل جو قلبی ذکر کی نعمت سے سرفراز ہے اس کی مجلس کو اختیار کرتے رہیں اور خود کو اس کے سامنے عاجز اور طلب گار بنا کر عقیدت کے ساتھ مجلس کریں ایک نہ ایک وقت قلبی ذکر کی نعمت اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرمادے گا۔ یاد رہے کہ کوئی شخص زبانی طور پر اگر تسبیح کے دانوں پر بغیر محویت و وہیمان پیدا کرنے کے ذکر کرتا رہے اور دل بالکل متوجہ نہ ہو زبان ہی سے الفاظ نکلنے رہیں تو پھر دل کو ہرگز صفائی اور جلا نصیب نہیں ہوتا ہاں الفاظ کے ساتھ پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ مگر دل میں تاثیر اور نور پیدا نہیں ہوتا ایسا شخص اگر حلقہ ذکر میں دیکھا دیکھی بیٹھ جائے تو اس کے دل کی سیاہی تمام مجلس پر برس پڑتی ہے۔ اور اس کی بے ذوقی تمام حاضرین مجلس کو بے

ذوق بنادیتی ہے۔ پس مجلس میں درد و محبت رکھنے والے باذوق ساتھی بٹھائے جائیں۔ ایک بار حلقہ ذکر و فکر کی مجلس میں آپؑ نے کسی دوست (مرید) کو بطور تنبیہ فرمایا کہ تم نے دانوں کی تسبیح پر بغیر دھن دھیان کے ذکر کرتے ہوئے اپنے دل کو زنگ آلود چھوڑ دیا ہے۔ اور محویت اور یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر کر کے دل کو صفائی نہیں بخش سکی۔ تمہارے دل کی میل و پکیل اور زنگ نے تمام مجلس کے دلوں پر میل پھیلا دی ہے۔ تمہارے دل کا غبار اٹھ کر تمام مجلس پر پڑا ہے۔ اس شخص نے اعتراف کیا کہ حضرت مجھے دل کے ذکر کی سمجھ نہ آئی تو میں نے تسبیح پکڑ کر زبانی طور پر کبھی کبھی ذکر کرنا شروع کر دیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ جب کلہاڑی یا درانتی کند ہو جائے تو کیا اس کو یونہی چھوڑ دیتے ہیں یا کاریگر لوہار کے پاس تیز کرانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کو ذکر کی سمجھ نہ آئے تو اپنے شیخ یا سمجھ دار پیر بھائی کے پاس جا کر اپنے دل کی حالت کو ٹھیک کرنا چاہیے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھ کر دلی کیفیت کو درست کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اندر کا انسان بیدار ہو جائے۔

مقام انسانیت

فرشتوں سے بڑھ کر ہے انسان بننا مگر لگتی ہے اس میں محنت زیادہ
یعنی قلبی ذکر کی حصول کے لئے محبت و کاوش اور طلب و فکر کی بے حد ضرورت ہے۔
تبیح پر تو محنت کی ضرورت نہیں انگلیوں کا قدرے چست اور حرکت زیادہ رہ جاتی ہے۔
تبیح داتو کسی ہو ویں تے دم ماریں وچ ویاں ھو

دل دامکا ہک نہ پرتیا پرت سئے بیچ ویاں ھو (سلطان باھو)

حضرت سید پوریؒ فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے سلسلہ نقشبندیہ میں زیادہ بولنا خواہ مخواہ
باتوں کی تعداد بڑھانا حال و حقیقت میں نقصان پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ صحبت الہی
دلائل اور خاموشی ترقی کا ذریعہ ہے۔ وہی شخص سلامتی میں ہے جو خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ کسی
نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

خاموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

ترجمہ:- خاموشی میں ایک حقیقت پنہاں ہوتی ہے جو کہ بیان سے باہر ہے۔

دل ز پر گفتن بمیر و در بدن گرچہ گفتا رش بعد در عدن

ترجمہ:- زیادہ باتوں سے جسم کے اندر دل مردہ یعنی غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اگرچہ وہ گفتگو عدن کے موتیوں کی مانند خوبصورت ہی کیوں نہ ہوں۔ ہاں دل صرف اور صرف
خدا تعالیٰ کے ذکر و فکر سے ہی زندہ ہوگا۔ اور ذکر و فکر معرفت کی کنجی ہے اور اخلاص و محبت اس
کنجی کے دندانے ہیں۔

ایک بندہ خدا نے یوں فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ رَبَّهٖ فَقَدْ كَلَّ لِسَانَهٗ جس

نے رب کو پہچان لیا پس تحقیق اس کی زبان کنگی ہو جاتی ہے یعنی بولنا ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی بھید

اسرار کے منکشف ہو جانے پر حیرانگی طاری ہو جاتی ہے اور بولنا کم ہو جاتا ہے۔ یعنی گم نامی و فناء کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ سیر الی اللہ تام ہونے کی علامت ہے۔ اور کسی بندہ خدا نے آخری جملہ میں **فَطَالَ لِسَانُهُ** بھی فرمایا ہے یعنی اس کی گویائی کھل جاتی ہے۔ یہ اشیاء کے کائنات کا علم عطا ہونے اور اس کو بیان کرنے کی صورت کا پیدا ہونا ہے اور یہ سیر فی اللہ کے تام ہونے کی علامت ہے۔ اس مقام پر متوجہ الی الخلق ہوتا ہے۔ اور مخلوق کو خدا تعالیٰ کے قریب کرنے کا فریضہ عائد ہو جاتا ہے۔ ان دو مقامات کی حصول یعنی سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کو حضرت مجدد الف ثانی نے مقام دعوت کی وصولی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور یہ کیفیت سالک پر مقام دعوت کے میسر آنے پر ہی رونما ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ بعض لوگ خواہ مخواہ بغیر منازل سلوک طے ہونے کے اپنے آپ کو ماذون یا خلیفہ ماذون تصور کر بیٹھے ہیں۔ اور حقیقت حال کی چاہت اور محنت و کوشش سے کوسوں دور رہ کر پیری مریدی پر خوش ہوتے رہتے ہیں۔ اور پنا نام فہرست کے درج کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب تصور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ آدم برسر مطلب۔ زیادہ گفتگو و حانیت کے لئے کمی کا ذریعہ اور دل کو مردہ کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

حضرت اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا۔ ایک کلمہ بھی بے ضرورت بولنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور عارفوں کا مشاہدہ ہے کہ ایک کلمہ بھی بے ضرورت اور بے جادل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اور حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ بلیغ لوگوں کو جو کہ بے تکلف اور بلا ضرورت بولتے ہیں پسند نہیں فرماتے۔ (از حقیقت تصوف و تقویٰ ص ۵۵) چونکہ حضرت سید پوریؒ بھی عارف و کامل تھے۔ اور آپؒ کو بھی بے ضرورت اور بے جا باتوں کے مضر اثرات کا مشاہدہ تھا۔ اسی لئے مریدین کو خاموش رہنے کی تلقین و تاکید فرماتے رہتے تھے۔ اپنے مریدین کی ہمت اور حوصلہ باندھنے کے لئے فرمایا کرتے کہ محنت و کوشش کرتے رہو اور ناامید ہو کر نہ بیٹھو۔ کیونکہ میں جب حضرت فقیر محمد ہشتنگریؒ سے بیعت ہوا تو برابر چار سال تک مجھے ذکر قلبی کی سمجھ

نہیں آئی لیکن میں بدستور ذکر و فکر اور مراقبہ میں مصروف رہا آخر کار خدا کے فضل و کرم سے ذکر قلبی کی سمجھ آ گئی۔ تم بھی اپنے کام پر کار بند رہو۔ ایک نہ ایک دن اللہ تبارک تعالیٰ مقصد و مہم پورا فرمادے گا۔

آپؐ ہر وقت ہر لمحہ تعلق مع اللہ قائم رکھتے۔ اور یکسوئی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتے اور کسی وقت بھی رجوع الی اللہ منقطع نہ ہونے دیتے۔ چنانچہ آپؐ کے عقیدت مندوں نے علاقہ آلائی سے ایک عمدہ گھوڑی آپؐ کی سواری کے لئے سید پور شریف بھیج دی تھی۔ یہ گھوڑی آپؐ کو پسند تھی۔ اور اس کے خوردنوش کا خود غور کرتے تھے۔ ایک دن گھوڑی مکان کی چھت سے گر گئی اور کمر ٹوٹ گئی جب آپؐ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا ”اچھا ہوا اب میرا اللہ اُس کو نہیں اٹھائے گا“۔ فرمایا آج تک کسی چیز نے میرے رجوع الی اللہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کی مگر یہ گھوڑی مجھے اس قدر مرغوب تھی کہ ہر وقت خیال رہتا تھا کہ کبھی بھوکی نہ ہو جائے پیاسی نہ رہ جائے اس لئے تعلق مع اللہ میں یہ مخل تھی۔ ”اچھا ہوا یہ غم اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا۔“ اور وہ گھوڑی چند دن کے بعد مر گئی۔ اور آپؐ اس کی پرورش کا خیال رکھنے سے فارغ ہو کر خدا تعالیٰ کی جانب یکسو ہو گئے۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ایک بار کسی شخص نے ہندوستان سے آپؐ کو خط لکھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپؐ کی درگاہ عالیہ نقشبندیہ ہے اور مجھے اس درگاہ کے پورے پورے کوائف و حالات سے آگاہ فرما دیں تاکہ قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جاؤں۔ آپؐ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”اگر آپؐ کا خیال ہو کہ چہل پہل والی گدی ہوگی۔ کوئی عرس و قوالی کا اہتمام ہو گیا کوئی لنگر چل رہا ہوگا۔ تو یہ خیال لے کر بالکل نہ آئیں۔ یہاں ایسا ویسا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ جو مہمان حاضر ہوتا ہے اُس کو گھر کی تیار شدہ دعوت طعام دی جاتی ہے۔ سادہ غذا حسب ضرورت پیش خدمت ہوتی ہے۔ کوئی مکلف دعوت طعام کا اہتمام نہیں ہے۔ دشوار گزار راستوں سے گزر کر صرف اللہ اللہ کرنے کا ارادہ ہو تو بڑی خوشی سے آئیں۔“ خدا جانے پھر اُس شخص کے آنے میں کیا چیز مانع

ری اور وہ نہ آسکا۔ یہ تھی آپؐ کی گدی نشینی اور خانقاہی نظام کہ صرف گھر کی مہمانی پر انحصار ہی خانقاہی نظام تصور ہوتا تھا۔ اور یہی صحابہ کرامؓ اور نبیوں کی سنت بھی تھی۔

حضرت سید پورئیؒ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے اور اول وقت سحری سے تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے اور نماز تہجد سے فارغ ہو جانے کے بعد مصیٰٹی پر بیٹھ کر کبھی کبھی درود سوز سے درج ذیل پنجابی اشعار پڑھ کر روتے رہتے تھے۔

یا کوئی جاگدا یار دا یار راتیں یا تے جاگدا دکھیا بیمار راتیں
یا تے چور جاگے سن لاوے نوں یا تے جاگدا پہرے بردار راتیں
تو بھی جاگ بندیا او غافلا او تیرے سرتے جاگدی بچی سرکار راتیں
آپؐ کبھی نماز تہجد سے فارغ ہو کر وہیں مصیٰٹی پر بیٹھ کر ذکر و اذکار اور مراقبہ میں ڈوب جاتے تھے۔ آپؐ ہمیشہ مراقبہ قدرے لمبا فرماتے تھے۔ اور کبھی مراقبہ میں استغراق ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بار اپنے عقیدت مند کے ہمراہ راج پھیاں نامی گاؤں جا رہے تھے۔ جو کہ سید پور سے تین چار میل شمال کی جانب واقع ہے۔ راستہ میں ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ ظہر آپؐ اول وقت میں ادا فرماتے تھے۔ وضو کر کے راستہ پر ہی نماز ظہر ادا کی اور پھر وہیں بیٹھ کر مراقبہ میں ڈوب گئے۔ عقیدت مند نماز پڑھ کر بیٹھا رہا اور آپؐ مراقبہ سے فارغ نہ ہوئے۔ وقت گزرتے گزرتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ عقیدت مند نے آواز دی میرے اجیو! عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے۔ آپؐ نے مراقبہ سے سر مبارک اٹھایا اور عصر کی نماز ادا کر کے آگے چل دیئے۔ راستہ میں اپنے ساتھی سے فرمانے لگے کہ اگر تو مجھ کو آواز نہ دیتا تو شاید ہماری رات بھی یہاں گزر جاتی۔ ایک بار آپؐ اپنے خلیفہ حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ کے گھر تشریف فرما تھے۔ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر نانگا باباؒ کی اہلیہ مائی صاحبہؒ اور آپؐ یعنی نانگا باباؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت معرفت اللہ کو بیعت فرما رہے تھے۔ بیعت فرمانے کے بعد توجہ دینے کو تشریف فرما ہوئے تو اتنے بیٹھے کہ سحری کے وقت مرغ کی اذان ہونے پر دعا فرمائی۔ اور سب

نے تہجد ادا کی۔ اور بیعت ہونے والے دونوں ماں بیٹا بزرگ ترین شخصیات میں سے ہر گزرے ہیں۔ جن کا تذکرہ خلفاء کی فہرست میں آگے ملاحظہ فرمادیں گے۔

حضرت سید پورئیؒ کبھی عشاء کے وضو سے صبح کی نماز بھی ادا کرتے تھے۔ آپؒ کی مجلس و صحبت میں احبات طریقت پر ایک کیفیت طاری رہتی تھی۔ اور ہر خاص و عام پر آپؒ کی صحبت کا ایک خاص اثر ہوتا تھا۔ اور بعض خوش قسمت تو آپؒ کی پہلی صحبت میں ہی مقامات سلوک طے کر لیتے تھے۔ قلبی ذکر سے تو کوئی بد نصیب ہی ہوگا جو کہ محروم ہوتا ہوگا۔ ورنہ قلبی ذکر تو اکثریت کے ساتھ عام لوگوں کو بھی نصیب ہو جاتا تھا۔ یہ آپؒ کی ولایت خاص کا اثر تھا۔ رسالہ مولوی دہلی مجریہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ میں حضرت مجدد الف ثانی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ساتھ یہ نقطہ خاص بھی تحریر ہے کہ ذکر قلبی کیا ہے۔ کسی عارف باللہ کی تحقیق اور فرمان کے مطابق جواب تحریر ہے کہ وہ نور خداوندی جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر میں من جانب اللہ ودیعت ہوا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں مثل بحر بیکراں جوش مار رہا تھا۔ عکسی طور پر حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں میں منعکس ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے سینوں سے عکسی طور پر سینہ بسینہ منتقل ہوتا ہوا اولیائے عظام کے قلوب تک پہنچا۔ اسی عطائی نور کی ایک چنگاری (نار عشق) کامل کے سینہ سے ناقص کے سینہ میں منعکس ہو کر ناقص کے قلب میں داخل ہو کر باطنی طور پر نقص و کدورت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اور یہی نور و جلاء اس ناقص کے دل میں مقام پکڑ کر روشن ہو جاتی ہے۔ اور ناقص کو کامل کی صفت پر لے آتی ہے اور جس قلب میں ٹھہر جاتی ہے اس کے اثر سے قلب میں ذکر الہی کا اجراء ہو جاتا ہے اسی کو قلبی ذکر کہتے ہیں۔ قلب میں ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو جس کو ذکر خود محسوس کر لیتا ہے۔ یہ وہ حرکت نہیں جو دل پر ہاتھ رکھنے یا شش سکوپ کے ذریعے محسوس ہوتی ہے۔ بلکہ یہ روحانی طریق پر نصیب ہوتی ہے اور دل پر ہاتھ رکھنے بغیر اٹھ بیٹھتے چلتے پھرتے اور لیٹے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ حرکت درحقیقت اللہ اللہ کی آواز عطا

ہوتی ہے۔ جو کانوں میں بھی سنائی دیتی ہے۔ جب آدمی سویا ہوا ہوتا ہے قلب جاری ہی رہتا ہے۔ اور یہ وہ حرکت خالص ہے کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تب بھی بند نہیں ہوتی۔ یہ جسمانی زندگی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ روحانی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی اس کا تعلق جسم سے نہیں بلکہ روح سے ہے اور روح کے لئے فنا نہیں کیونکہ روح امر ربی ہے۔ اور روح کی نوعیت قدرت نے پوشیدہ رکھی ہے لہذا قلبی ذکر درحقیقت روحی ذکر ہوتا ہے۔

اور یہ ذکر قلبی مرنے کے بعد بھی صاحب حال لوگوں کے مشاہدہ و احساس میں آ جاتا ہے اور قبر میں قیامت تک اللہ اللہ ہوتا رہتا ہے اور انوار ذکر الہی برستے رہتے ہیں۔ اور اس ذکر الہی کی برکت سے آگے ترقی ہو کر معرفت الہی حاصل ہوتی ہے اور بندگان خدا میں خاص مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے خصوصی بندگان و عشاق کے لئے خوشخبری ہے۔ ارشاد ربی ہے۔

لَئِنْ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَنْ لَا تَغَافُوا وَلَا تَأْخُذْنُوا وَأَبشِرُوا أَبَا الْجَنَّةِ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَوَعَدُونَ هَ نَحْنُ أَوْلِيَاءُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ هَ نُدْخِلُكُمْ فِيهِ مِنَ الْغَفُورِ الرَّحِيمِ (احم سجدہ رکوع ۴)

تحقیق اُن لوگوں نے کہا جنہوں نے کہا پروردگار ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے اوپر اسی کے اترتے ہیں اور پران کے فرشتے (یعنی موت کے وقت) یہ کہ مت ڈرو اور مت غم کھاؤ اور خوش خبری سنو اس بہشت کی جو تم وعدہ دیئے جاتے۔ ہم ہیں دوست تمہارے سچ زندہ گانی دنیا کے اور سچ آخرت کے۔ اور واسطے تمہارے ہے سچ اس کے جو کچھ کہ چاہیں جی تمہارے سچ اس کے جو کچھ مانگو یہ مہمانی ہے بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو پھر سب کچھ اس کا ہو جاتا ہے اور ہر غم و خوف

سے اس کو نجات کی خوشخبری سنادی جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ انسان خواہشات نفسانیہ کو چھوڑ کر اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی گزارنے کا پابند ہو جائے اور یاد الہی میں ہمہ وقت یکسو ہو کر رہنے کی کوشش کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ چاہے۔ صرف اُسی کی ذات کی طلب اور محبت رکھنے والا بن جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے شخص کے لئے بے شمار انعام و اکرام کا وعدہ ہے۔ اور دنیا میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت اور انوار الہی کی بارش میں زندگی گزارتی ہے۔ خدا کو پیارا ہو جاتا ہے۔ اور قبر میں بھی ذکر الہی کی روشنی میں ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوار اس کی قبر پر برستے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ کتنے خوش نصیب ہیں بس اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کے زمرے میں قبول فرما کر اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے تاکہ نفس و شیطان سے بچ سکے۔ خدا تعالیٰ کو راضی کر کے دنیا سے خاتمہ بالخیر ہو کر ایمان سلامت کے ساتھ چلے جائیں۔

ایک بندہ خدا نے فرمایا کہ کتنے خوش نصیب ہیں وہ جنہیں قلبی ذکر کے ساتھ انوار نظر آنے لگیں۔ قلبی حرکت دراصل ذکر کی روشنی ہی ہے۔ جو برابر بڑھتی رہتی ہے۔ محنت و توجہ سے وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ نگاہوں کے حجابات بھی اٹھنے لگتے ہیں اور یہ روشنی بالکل نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ گو ذکر قلبی تصوف و روحانیت کی ابجد ہے۔ جو بالکل پہلی اور ابتدائی چیز ہے۔ مگر یہ ایسی نعمت ہے کہ دیگر سلاسل والوں کو بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ مگر نقشبندیہ سلسلہ کا ابتداء ہی اس سے ہوتی ہے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ میں یہ نعمت بغیر مرشد کامل کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ نعمت حضرت خواجہ نقشبندؒ کے کمالات سے نسبت و حصہ مقرر ہونے سے وابستہ ہے۔

اگرچہ کسی کو بیس بیس اور تیس تیس سال کی متقیانہ و معصومانہ عبادت اور معاصی سے قطعی گریز نیز کثرت نماز و نوافل کلیہ اور تواضع و صیام نفل سے بھی ایک مدت مدید کے بعد حرکت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ اس حرکت کا قیام و دوام شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ محض زہد و تقویٰ اور کثرت نماز سے عرصہ دراز کے بعد قلب میں ایک گونہ حرکت پیدا ہوا

بچاندازہ

جاتی ہے۔ اور وہ بھی خفیف مگر مرشد کامل کی ایک ہی نظر سے قلب ذکر شوق کا غلبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر ذکر کے لئے اس نعمت کو محفوظ رکھنا ضرورت ہے۔ اور وہ احتیاط احکام خداوندی پر چلنے اور گناہوں سے اجتناب رکھنا ہوں کی کثرت قلب کے ذکر کے لئے زہر ہلا بل ہے۔ سب کچھ اسی وقت تک ہے جب تک ہم طالب حق گناہوں سے بچتا ہے۔ دہلی کا ایک باشندہ کسی جگہ سے بیعت ہوا اور مرشد کی نظر کی برکت سے اس کا دل زندہ ہو کر روشن ہو گیا۔ اور اس کو اپنے قلب کی نوری چراغ کا مشاہدہ بھی ہو رہا تھا۔ ایک دن راستے پر گزر رہا تھا کہ اچانک ایک خوبصورت لڑکی اس کے سامنے آگئی اور اس کی نظر لڑکی کے چہرہ جاذب پر پڑی تو اس نے ایک لمحہ لپجائی نگاہ اس کے چہرہ پر نہا دی۔ لڑکی گزر گئی اور یہ بھی آگے چل دیا مگر دیکھا کہ جو روشن چراغ اس کے قلب و سینہ میں روشن تھا گل ہو گیا۔ اس نے کافی دھیان دل پر رکھا مگر وہ چراغ نہ جلا۔ ایک ہی غلط نگاہ نے نعمت غیر مترقبہ ختم کر دی جو نعمت برسوں کی عبادت سے سالکین کو نصیب ہوتی ہے۔ ایک لحظہ کی غلطی سے کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ ہے اختیار سے چشم پوشی کر کے گناہ کی طرف راغب ہونے کا انجام و سرزنش یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل صالح کا سلب ہو جانا اس لئے پوری ہوشیاری اور بیداری سے زندگی گزارنی چاہیے۔ کسی چیز کا بننا مشکل اور بگاڑنا آسان ہوتا ہے۔ گھاس کو بی لہجے کا ایک شخص ایک ماہ لگا کر زمین سے گھاس کاٹ کر جمع کرتا ہے مگر وہی شخص اس کو ضائع کرنا چاہے تو ایک منٹ میں دیا سلائی جلا کر گھاس کو جلا کر راکھ بنا سکتا ہے۔ کام بنانے میں ایک ماہ صرف ہوا مگر کام کے بگاڑنے میں چند منٹ ہی لگے۔ یہی مثال اعمالِ حسنہ کے کرنے اور پھر اسے ضائع کر دینے میں کافی ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کو من جانب اللہ تعالیٰ والہامی طور پر یہ نعمت عطا ہوئی تھی قلبی ذکر بہت زیادہ مجاہدہ اور ریاضتوں کے بعد اولیائے کرام کو نصیب ہوتا تھا۔ جیسا کہ مکتوبہ طور میں تذکرہ کیا گیا ہے مگر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کو یہ قوت عطا ہونے کے

بعد ان کی پہلی نظر و صحبت سے سائلین کو ابتداء ہی میں یہ قلبی ذکر کی نعمت عطا فر دی جاتی تھی۔ اسی بنا پر آپؑ کا لقب نقشبند پڑ گیا یعنی دل پر اللہ تعالیٰ کے نام کا نقش باندھنے والے۔ اور اسی صفت پر آپؑ کے بعد تمام خلفاء متصف تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ مجدد الف ثانیؒ جس کو بیرون فرماتے تھے تو اسی وقت اُس کا قلب ذکر ہو جاتا تھا۔

مندرجہ بالا عبارت کے ساتھ موازنہ کر کے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ بہر پوریؒ تک جو طریق و سلسلہ پہنچا ہے نہایت ہی خالص اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور کا عین عکس ہے۔ بلکہ خواجہ نقشبندؒ کی نسبت محفوظ چلی آ رہی ہے۔ اور آپؑ کے خلفاء نے طالبانِ راہِ حق تک پہنچانے میں پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کی صحبت و توجہ سے بھی طالبانِ حق کے قلوب زندہ ہو کر ذکر ہو جاتے ہیں۔ آپؑ سے منسلک جو صاحبِ حال اگر حقیقت پر مبنی خلیفہ یا مجاز ہے اگر خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے نقش قدم پہ چل کر مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسی صفت پر قائم رکھ کر اس کے کام میں نفع و برکت ڈالے گا۔ اور اس کے فیض کو عام فرمائے گا۔ اور اگر ذرا سی نفسانی خواہش داخل کر دی گئی تو پھر برائے نام ہی خلیفہ ہو گا اور برائے نام ہی مرید ہو گئے ترقی کا دروازہ ان پر بند ہی رہے گا۔ احتیاط۔ احتیاط ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ اسمِ بامسمیٰ دین کے لئے اپنے زمانہ میں ایک سورج کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے آپؑ کا فیض خاص و عام پر یکساں عکس ریزی کر رہا تھا۔ آپؑ کا وجود عوام کے لئے باعثِ برکت تھا اپنے ظاہری علم سے بھی عوام الناس کو فائدہ پہنچاتے رہے اور باطنی علم سے بھی طالبانِ حق کو حق تعالیٰ کے قریب کرتے رہے۔ اس لئے آپؑ کے خلیفہ حضرت محمد اعظمؒ نے آپؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

علم ظاہر کے وہ عالم علم باطن کے ولی ناقصوں کے پیر کامل کاملوں کے راہبر آپؑ اس شعر کے بالکل مصداق تھے۔ اور آپؑ کی صحبت میں جو اللہ تعالیٰ کی محبت

طلب کی پیاس زیادہ رکھتے تھے جلد سیراب ہو جاتے تھے۔ چند واقعات درج ذیل سے اندازہ خود ہو جائے گا کہ آپؐ کس قدر کامل اور اکمل تھے۔

۱۔ ایک بار عبد اللہ نامی ایک مرید آپؐ کے پاس حاضر ہوا۔ اور آپؐ سے اُس نے برائے استفادہ روحانی توجہ خاص کی درخواست کی جب آپؐ نے اس شخص نیک بخت کو توجہ دینی شروع کی تو توجہ دینے کے بعد آپؐ نے فرمایا عبد اللہ مبارک ہو تمہارا سیر الی اللہ ختم ہو چکا ہے یعنی منازل سلوک اللہ تعالیٰ نے طے فرمادیئے ہیں۔

۲۔ ایک بار آپؐ کے ہاں مرید جن کا نام مولوی نور زمان تھا جو کہ پشتو استاد تھا جو کہ اب اہل میں مدفون ہیں اور عالم تھا توجہ کے لئے آلائی کے علاقہ سے پیدا چل کر پہنچا۔ رات کو بعد نماز عشاء آپؐ اُس کو بٹھا کر توجہ دینے میں مصروف ہوئے جب توجہ دے چکے تو بستر پر لیٹ گئے اور آرام فرمایا۔ آپؐ کی توجہ سے مولوی صاحب پر اتنا اثر ہوا کہ آپؐ کے سر ہانے چار پائی کے پاس مراقب رہے اور اپنے بستر پر نہ سوئے۔ جب آپؐ نماز تہجد کے لئے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ مولوی صاحب رات سے بیٹھے ذکر و فکر میں محو تھے آپؐ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ سوئے کیوں نہیں مگر مولوی صاحب با ادب خاموش رہے کہ حضرت یونہی بیٹھا ہوں۔ یہ آپؐ کی محبت و مجلس کا اثر تھا کہ رات بھر مراقب ہی رہے۔

۳۔ ایک بار ایک مہمان سفید پوش کسی علاقے سے آیا آپؐ نے اسے توجہ دے کر کہا کہ بستر پر سو جانا۔ جب آپؐ سحری کے وقت آئے تو بستر یوں ہی پڑا تھا اور مہماں زمیں پر لیٹا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا چار پائی پر کیوں نہیں لیٹے عرض کرنے لگا حضرت عمدہ بستر اور پلنگ گھر پر بہت ہیں۔ وہاں سوتے رہتے ہیں یہاں آپؐ کے آستانہ پر جو نیچے سونے میں لذت و سرور ہے وہ نرم بستروں پر میسر نہیں ہے۔

۴۔ ایک دفعہ ایک شخص آپؐ سے بیعت ہو رہا تھا اور آپؐ نے اُسے بیعت فرما کر توجہ دینی شروع کی حضرت نانگا بابا بھی ہمراہ تھے۔ آپؐ توجہ دینے کے بعد جب فارغ ہوئے تو حضرت نانگا بابا

نے جو کہ پاس بیٹھے ذکر و فکر میں شریک تھے۔ اس شخص کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ سیرانی اللہ ختم ہو چکا ہے۔ یہ تھی آپؐ کی پہلی محبت و مجلس کہ ابتدائی مرحلہ میں تکمیل منازل ہو گئی۔

۵۔ ایک دفعہ علاقہ آلائی میں آپؐ دوستوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ کھڑے ہو گئے اور ذکر و فکر میں ڈوب گئے ذکر و فکر سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ اس مقام پر آج سے کئی سال پہلے کوئی بندہ خدا بیٹھا ہے اور اس نے خدا تعالیٰ کا ذکر کیا ہے جس کے اثرات اب بھی یہاں موجود ہیں اور رحمت برس رہی ہے۔

۶۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈر لگتا ہے اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھ لے کہ تم نے نیک عمل تو کئے ہیں مگر دنیا میں کسی نے تمہاری عزت کی کسی نے دودھ وغیرہ تم کو بھیج دیا، کسی نے کپڑے کسی نے کچھ دیا تمہاری خوب خدمت ہوئی اس لئے تمہاری نیکیوں کا اجر تمہیں دنیا میں ہی مل گیا ہے تو پھر ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔ اس لئے ڈرتے رہا کریں اور کسی سے طمع و امید خدمت نہ رکھا کریں۔

۷۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ جنگلوں اور غاروں میں رہ کر فقیری کرتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ فقیری لوگوں اور بال بچہ میں رہ کر کرنی چاہیے اور مخلوق میں رہ کر تعلق مع اللہ ہونا چاہیے۔ اسی کا نام خلوت در انجمن ہے۔ آپؐ طلبہ رباب سرندی وغیرہ سے سخت نفرت کرتے تھے۔ مثنوی مولانا رومؒ یا کسی دوسرے عارف باللہ کا کلام درد و سوز سے کبھی خود پڑھنے اور کبھی کسی دوسرے ساتھی سے پڑھاتے تھے۔ اور سن کر ایسے روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی تھی۔

۸۔ آپؐ فرماتے کہ جو شخص روحانی صفائی رکھنا چاہتا ہے اُسے استزیاں اور اوجری (معدہ گاؤ) نہیں کھانی چاہیے کیونکہ ان کے استعمال سے دل پر کدورت بیٹھتی ہے۔ اور غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے طریقت کے ساتھی جو دل کی صفائی رکھنے والے ہوتے ہیں بہت پرہیز کریں۔

آپؐ کے کشف و کرامات

۱۔ ایک دفعہ آپؐ کو ہستان آلائی میں گنتر نامی گاؤں میں تشریف فرما تھے۔ گاؤں کے قریب ایک جگہ پر پتھروں کا چورا تھا اور اس جگہ پر لوگوں نے کسی فقیر کی قبر مشہور کر رکھی تھی جب آپؐ کا گزروہاں سے ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس جگہ پر کسی فقیر کی قبر تو کیا کسی عام آدمی کی قبر بھی نہیں ہے۔ یونہی یہ جگہ لوگوں میں مشہور ہو گئی ہے۔

۲۔ اسی گاؤں گنتر سے کچھ اُد پر بلندی پر جان بیک کے مقام پر ایک پرانا اور بھاری قبرستان ہے۔ جب آپؐ جان بیک جاتے ہوئے اس قبرستان سے گزرے تو فوراً کھڑے ہو کر گہرے فکر میں ڈوب گئے جب آپؐ نگر سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس قبرستان میں یہ قبر ایک بندہ خدا کی ہے جو کئی سو سال پہلے گزرا ہے۔ جب ہم نے اس کی روح سے ملاقات کی اور نام دریافت کیا تو اس بندہ خدا نے اپنا نام عبدالقادر بتایا ہے۔ اور پھر وہاں دعا فرما کر آگے چل دیئے۔

۳۔ ایک بار حضرت شمس الدین سید پوریؒ اور آپؐ کے خلیفہ حضرت نور محمد المعروف نانگا بابا سردیوں کے موسم میں گڑھی حبیب اللہ سے اُد پر گلوئی نامی جنگل سے گزر کر گھر جا رہے تھے راستہ میں ایک برف کا گولہ پڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے حضرت نانگا بابا سے فرمایا کہ یہ برف کا گولہ حلال ہے یا حرام؟ حضرت نانگا بابا جو کہ باطنی بصیرت میں اپنے معصر پیر بھائیوں سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ فوراً بولے حضرت! یہ برف حرام معلوم ہوتی ہے۔ شیخؒ نے فرمایا "نانگیا" کیے حرام ہے؟ جبکہ برف آسمان سے برسی ہوئی ہے۔ حضرت نانگا بابا نے فرمایا کہ میرے انجوا! (اجیو پیار کا لقب ہے) کوئی بے نماز آدمی راستہ پر برف کھاتا ہوا جا رہا تھا یہ برف اُس سے فگئی ہے اور یہاں گرا دی ہے۔ اس کی بے نمازی کی نحوست و غفلت اس برف میں موجود

ہے۔ یہ سردی کا موسم تھا اور سارا جنگل برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ مگر حضرت سید پوریؒ کی نگاہ برف پر پڑتے ہی برف میں سرایت کی ہوئی غفلت و کدورت کی کیفیت دیکھ کر معلوم کر لی اور اپنے خلیفہ ممتاز کا امتحان بصیرت بھی لے لیا۔

۴۔ ایک بار آپؐ مسجد میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اپنا عصاء موجود نہ تھا۔ پاس پڑا کسی دوسرے کا عصاء ہاتھ میں لے لیا۔ عصاء جب ہاتھ میں لیا تو فوراً پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ اس عصاء سے غفلت کا دھواں نکل رہا ہے۔ یعنی جس کا عصاء ہے اُس کی غفلت اس کے عصاء میں سرایت کئے ہوئے ہے غافل آدمی کی غفلت و کدورت اُس کے عصاء، اُس کے جامہ اُس کی چادر اُس کی ٹوپی اور اُس کے بستر میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے۔ اور مرکز قبر میں بھی یہی غفلت پھیل کر تکلیف کا ذریعہ بنتی ہے۔ لہذا غفلت سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کی یاد میں ہر وقت ہر گھڑی ہر لمحہ محو رہنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کی محبت اور طلب کے ساتھ یاد کرنے سے غفلت و کدورت جل کر ختم ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے خواہ مخواہ اپنا قیمتی وقت کسی کی برائی بیان کرنے اور بے سود باتوں میں ضائع نہ کریں۔

۵۔ ایک بار آپؐ اپنے گھر سے حضرت نانگا باباؒ کے گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ اور حضرت نانگا باباؒ بھی ہمراہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا نور محمد! تمہارے گھر دو عورتیں آئی ہوئی ہیں جن کی بد اعمالیوں کی وجہ سے باطنی صورت و شکل بدل کر بندروں کی شکل میں ہے۔ جب آپؐ دونوں نانگا باباؒ کے گھر پہنچے تو دونوں عورتیں موجود تھیں آپؐ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں اشارہ کیا تھا۔ خدا جانے وہ پھر کدھر گئیں۔

۶۔ ایک بار آپؐ پر کشف القبور کھل گیا۔ قبرستان کے تمام مردے جو کہ عذاب و عتاب میں تھے۔ یا خوشی یا راحت کی حالت میں تھے سب کے سب دکھائی دے رہے تھے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا فرمائی کہ میرے اللہ میں نے تجھ سے تیری رضا و معرفت طلب کی ہے کشف طلب نہیں کیا۔ لہذا یہ منظر مجھ سے اوجھل فرما دے چنانچہ آپؐ کی دعا قبول ہو گئی اور وہ

منظر اوجھل ہو گیا۔

۷۔ ایک بار اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ قریب آپؐ کی بلی بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے بلی سے فرمایا کہ بلی آج ہمیں شکار تو لا کر دے۔ بلی وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل گئی تھوڑی دیر کے بعد منہ میں ایک تیتھر پکڑے ہوئے لے آئی۔ تیتھر کو زخمی تک نہیں کیا اور حضرت کے آگے لا کر چھوڑ دیا۔ آپؐ نے اُسے ذبح کر دیا۔ آپؐ کا پوتا جو تین چار سال کا تھا یہ منظر دیکھ کر دوسرے روز پھر بلی کو ڈنڈے سے دوڑا رہا تھا کہ بلی کل کی طرح شکار لاؤ۔ آپؐ نے پیار سے کہا بگڑو ہر روز شکار نہیں لاتی! سے تنگ نہ کرو۔ اور پوتے کی جانب تبسم فرما کر خاموش ہو گئے۔

۸۔ ایک بار آپؐ کے ایک عقیدت مند مولوی عبدالعزیزؒ کو سید پور جاتے ہوئے راستہ بھولنے کی وجہ سے کافی تکلیف ہوئی اور بڑی مشکل سے سید پور پہنچے۔ جب آپؐ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپؐ نے مولوی عبدالعزیزؒ کی طرف تبسم فرما کر کہا آپؐ کو راہ میں کافی تکلیف ہوئی ہے۔ آپؐ کی بصیرت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب مہمان گھر سے رخصت ہو کر عزم سید پور کرتے تو آپؐ گھر والوں کو فرماتے کہ اتنے مہمانوں کا کھانا تیار کرلو۔ خدا کا کرنا ایسا ہوتا کہ جتنے مہمانوں کا بندوبست کرتے اتنے ہی مہمان حاضر خدمت ہو جاتے تھے۔

۹۔ ایک بار چند ساتھی حضرت کی ملاقات کو گئے ان ساتھیوں کے بدست حاجی محمد اعظمؒ نے ایک قیص حضرت کے لئے بھیجی اور خود کسی کام کی وجہ سے نہ جاسکے جب قیص دوستوں نے پہنچائی اور آپؐ قیص پہن کر رو دیئے کہ اب میں قیص پہننے کے لئے رہ گیا حاجی صاحبؒ خود تشریف نہ لائے ادھر حاجی صاحبؒ کا دل اداس ہوا، اور فوراً چل دیئے۔ اور سید پور پہنچ گئے فرمایا دل اداس ہو گیا تھا اس لئے خود بھی آ گیا۔ یہ تھی آپؐ کی کشش و محبت کہ حاجی صاحبؒ کو محبت سے یاد کیا حاجی صاحبؒ ملاقات کئے بغیر نہ ٹھہر سکے۔

۱۰۔ حضرت نانگا باباؒ اور آپؐ کے بھائی حبیب اللہؒ اپنے کھیت میں گھاس کاٹتے جب

حضرت کی یاد دل پر چڑھتی تو درانتی ساتھ لئے ہوئے حضرت کے پاس ڈیڑھ میل کا سفر کر کے پہنچ جاتے اور حضرت خواجہ شمس الدینؒ پوچھتے کہ اس وقت کیسے آنا ہوا فرماتے حضرت آپؒ کی یاد دل پر ابھری اور صبر نہ ہوا دوڑ کر ملاقات کو پہنچے۔

۱۱۔ آپؒ مہمانوں پر نہایت خوشی محسوس فرماتے تھے اور فرماتے کہ جب مہمان گھر سے نکلتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کا رزق پہلے ہی سے بھیج دیتا ہے۔ اکثر بار ایسا ہوا! دھر مہمان پہنچے ادھر سے کوئی چیز لے کر پہنچ گیا کوئی مرغ لے کر پہنچ جاتا اور کہتا یہ آپؒ کے لئے رکھا تھا آج دل پہ آیا کہ پہنچا دوں۔ آپؒ اس کو اسی وقت مہمانوں کے لئے ذبح کر کے اُن کی مہمانی میں میزبانی فرمادیتے۔ غرضیکہ مہمانوں کے لئے خزانہ غیب سے اللہ تعالیٰ انتظام فرمادیتا تھا۔ جو کچھ حاضر ہوتا پیش فرمادیتے تھے۔

۱۲۔ ایک بار آپؒ اپنے پیر و مرشد بابا فقیر محمد ہشتنگریؒ کی ملاقات کو گئے جو کہ قریب ہی رہتے تھے۔ دیکھا کہ حضرت فقیر محمدؒ نماز میں کھڑے ہیں اور جب اس آیت پر پہنچے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰی اِلَیَّ یہاں پہنچ کر حضرت پر استغراق طاری ہو گیا اور بار بار یہی کہتے رہے یُوْحٰی اِلَیَّ خُشٰی کہ آپؒ کے سر مبارک سے دستار مبارک بھی کھل گئی اور اسی طرح یہ الفاظ دہراتے رہے حضرت سید پوریؒ اُن کے پیچھے چپ بیٹھے رہے اچانک گردن پھرنے کی وجہ سے ان پر نظر پڑی تو فوراً سنبھل گئے اور سلام پھیر کر کہا کہ شمس الدین تو کس وقت آئی۔ پشتون ہونے کی وجہ سے مؤنث و مذکر کی تمیز کئے بغیر کچی کچی ہند کو کرتے تھے۔ حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے فرمایا کہ صاحبو! ابھی ہی آیا ہوں حضرت فقیر محمدؒ کے استفسار کا مطلب تھا کہ کافی پہلے سے اگر موجود ہیں تو میری پوری حالت ان پر ظاہر ہو گئی ہوگی۔

۱۳۔ ایک بار آپؒ اور آپؒ کے خلیفہ و مجاز محمد اسحاقؒ ششٹی بالا والے بیٹھے ہوئے مراقبہ فرما رہے تھے۔ آپؒ نے محمد اسحاقؒ کی طرف سے متوجہ ہو کر دریافت فرمایا۔ محمد اسحاقؒ تم نے نعت المریؒ میں کیا دیکھا۔ آپؒ کے خلیفہ (محمد اسحاقؒ) نے با ادب ہو کر فرمایا حضرت میں نے نعت

الہی میں ایک پتھر دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا دوبارہ دیکھو آپؐ نے فرمایا کہ حضرت میں نے تو سرخ رجم کا پتھر ہی دیکھا ہے آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے تم نے اسے نور جلالی سے دیکھا اس لئے سرخ دکھائی دیا۔ اور میں نے اس کو نور جمالی سے دیکھا مجھے سبز نظر آیا۔ دراصل سرخ اور سبز رجم پتھر کا نہیں ہے بلکہ نور جمالی اور نور جلالی کا رنگ ہے۔ جب اُس پر نور جلالی کا عکس پڑتا ہے تو سرخ رنگ نظر آتا ہے اور جب اُس پر نور جمالی کا عکس پڑتا ہے تو سبز رنگ نظر آتا ہے۔

۱۴۔ ایک بار آپؐ آلائی کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔ موضع بیاری کا ایک شخص سکندر خان نامی دعوت پر لے گیا۔ سکندر خان آپؐ کا مرید تھا۔ اور اسے راہ سلوک میں لطائفِ خمرہ کے زندہ ہو جانے کے بعد سلطانِ ذکر کا مقام بھی حاصل تھا۔ سلطانِ ذکر ایک ایسا مقام ہوتا ہے کہ یہاں پر سالک ایک خاص پُرکیف کیفیت محسوس کرتا ہے۔ سالک کو ہر چیز سے ذکر الہی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور خود سالک کو نہایت لذت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ سالک کا تمام جسم اور ہر بال گوشت پوست ذکر الہی میں ذاکر رہتی ہیں۔ اس مقام میں جتنا سرور سالک کو حاصل ہوتا ہے اتنا لطف و سرور کسی دوسرے مقام کے طے کرنے میں محسوس نہیں کرتا مگر اس مقام تک بھی خلافت کا اہل نہیں ہوتا بلکہ مرشد ذکر بتانے پر اسے مامور کر دے تو مرشد کی اجازت کی بنا پر تاثیر آگے بڑھتی ہے مگر خود کو کامل تصور نہ کرے۔ اور مزید منازل سلوک کے طے ہونے کی استدعا اور سعی میں لگا رہے۔ ورنہ مریدین کی غفلت اسے دبا کر ٹھنڈا کر دے گی۔ تو آپؐ کا مرید سکندر خان بھی یہی مقام رکھتا تھا اور کیف و مستی میں سرشار تھا۔ اپنے چھوٹے بچے کو حضرت خولجہ شمس الدینؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ حضرت اس بچے کو بھی بیعت فرمادیں۔ حضرت سید پوریؒ نے فرمایا کہ یہ بچہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ توجہ برداشت نہیں کر سکے گا اور اس کی حقیقت جل جائے گی بچے نے عرض کیا کہ حضرت مجھے بیعت فرمادیں خالی نہیں جاؤں گا۔ یہاں پر ایک واقعہ یاد آگیا جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت زبیرؓ اپنے بیٹے عبد اللہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت کے لئے لائے۔ جس

کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہؓ کو اپنی طرف متوجہ کر کے مسکرائے اور بیعت فرمایا (قول الجلیل ص ۲۱) یہاں پر سکندر خان کے بیٹے کی جانب حضرت خواجہ شمس الدینؒ دیکھ کر اُس کی خواہش و اصرار پر مسکرائے اور بچے کی پیٹھ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ کر فرمایا جائیے تم میرے مرید ہو گئے ہو۔ تاکہ بیٹے کی تسلی و توفی ہو جائے توجہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپؐ کا اتنا ہی فرمانا تھا کہ بچے کا دل ذکر الہی سے زندہ ہو گیا اور قلبی ذکر کی نعمت سے سرفراز ہو گیا یہ ہے طریقہ نقشبندیہ کی صفت کی ایک ہی بار کہنے سے وہ نعمت عطا ہو گئی جو سالہا سال کی ریاضت و محنت سے حاصل ہونی مشکل ہے۔ بچہ قلب میں ذکر کی حرکت محسوس کر رہا تھا اور صاحب کشف ہو گیا اور عمر زیادہ نہ تھی چند سال بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ والد سکندر خان کا انتقال بچے کے انتقال سے کافی عرصہ بعد میں ہوا۔

۱۵۔ اسی علاقہ آلائی کے کسی گاؤں میں آپؐ کی دعوت کی گئی اور آپؐ کے ہمراہ کافی مریدین بھی تھے۔ اور اس علاقہ کے آپؐ کے خلفاء بھی موجود تھے جب آپؐ گاؤں کی مسجد میں آرام فرما رہے تھے تو تھوڑی دیر بعد اُٹھ کر نالہ کی جانب روانہ ہو گئے اور ساتھ تمام معتقدین بھی تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ دعوت میں نہیں کھاؤں گا۔ اور اس مسجد میں نماز بھی ادا نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس مسجد کو غصب شدہ زمین پر بنایا گیا ہے۔ اور خدا کی ناراضگی کے اثرات برس رہے ہیں۔ جب اس امر کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ جگہ دوسادات بھائیوں کی ملکیت تھی ان سے چھین کر مسجد بنائی گئی تھی اور ان دونوں بھائیوں کو گاؤں والوں نے گاؤں سے نکال دیا تھا اور اس کے برے اثرات مسجد میں برس رہے تھے۔

۱۶۔ ایک دفعہ آپؐ سید پور سے اوپر ہنگی والی جگہ جا رہے تھے۔ آپؐ کے ہمراہ آپؐ کے صاحبزادے حضرت مظفر دین برار کوٹ والے بھی تھے۔ جاتے ہوئے راستہ میں ایک نالہ سے گزر ہوا۔ نالہ پر پن چکی آٹا پیسنے والی پر شاہ ولی نامی ایک ملازم تھا۔ (جنڈروہی) اس کے ساتھ کھڑے ہو کر کچھ بات کر کے آگے چل دیئے۔ تھوڑی دور جا کر کھڑے ہو گئے اور اپنے

صاحبزادے مظفر دین صاحب کو اس کی طرف بھیجا کہ شاہ ولی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ کوئی بات یاد آگئی ہے۔ صاحبزادے مظفر دین صاحب حکم کی تعمیل میں شاہ ولی کو بلا کر لے آئے۔ شاہ ولی نے کہا میرے صاحبو! کیا بات ہے۔ آپؐ نے فرمایا صرف ایک بات کرنی ہے کہ پن چکی پر پرسوں تک عصر کے بعد نہ ٹھہرنا اور کسی کورات چکی پر ٹھہرنے بھی نہ دینا۔ بس اتنی بات کہہ کر چل دیئے۔ تیسرے روز چکی سے دانے ختم ہو گئے اور شاہ ولی گھر آ گیا۔ رات کو اتنی بارش ہوئی کہ نالہ میں زبردست طوفان آ گیا اور اُس نالہ کے کنارے جتنی پن چکیاں اور پل تھے سب بہہ گئے حتیٰ کہ مظفر آباد کا مغربی جانب والا پل بھی اسی رات بہہ گیا تھا۔

۱۷۔ ایک بار بارش بند تھی۔ فصلیں جھلس گئیں تھیں۔ آپؐ اپنے گھر کے پاس والے نالہ میں پانی کی ڈھنڈ میں چادر لپیٹ کر بیٹھ کر دعا میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد آسمان پر بادل چھا گئے آپؐ ابھی دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ بارش شروع ہو گئی آپؐ گھر پہنچے بارش اتنی زور کی تھی کہ آپؐ ڈر گئے اور فرمایا میرے اللہ میں نے تجھ سے رحمت کی بارش طلب کی ہے۔ اپنے بندوں سے رحم و کرم کا معاملہ فرما کر رحمت کی بارش عنایت فرمانا۔

۱۸۔ ایک بار آپؐ کا ایک مرید لوہار گلی کے قریب انشال نامی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اور سادات خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ آپؐ کی ملاقات کے لئے سید پور گیا۔ اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر رونے لگا کہ حضرت! میرا حال ٹوٹ گیا ہے۔ اور عروج کے بجائے نزول ہو رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ گھبرانے کی بات نہیں کیونکہ یہ غضبی نزول نہیں ہے فقط تیرا حال نزول انتہا کا رخ اختیار کر چکا ہے۔ الگ ایک جگہ بیٹھ کر مراقبہ کرو اور اسے نزول ہوتے رہنے دو۔

مراقبہ میں جو کچھ دیکھو گے مجھ سے بیان کرنا جب وہ الگ جگہ مراقبہ کر رہا تھا تو دیکھا کہ اُس کا حال نزول کرتا ہوا نیچے ایسی جگہ پر پہنچا جہاں پانی ہی پانی نظر آیا۔ جب یہ کیفیت حضرت کے سامنے بیان کی تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا دیکھا کہا ایک پتھر بھی نظر آیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لکھا کیفیت میں نے ملاحظہ کی ہے۔ اور اب وہاں سے حال واپس ہو کر اب عروج کرے گا۔ یہ

تھی اُس وقت کے طالبانِ راہِ حق کی تجسس اور باطنی بینائی کی حالت کہ اپنے ہر حال و کیفیات کو پرکھتے رہتے تھے۔ اور عروج و نزول طریقت کی راہ میں کسوٹی کا کام دیتا ہے۔ جس کو عروج و نزول نصیب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والے اعمال اور ناراضگی والے اعمال میں تمیز کر لیتا ہے۔ اگر کسی عمل صالح میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی شامل حال ہے تو حال کو عروج ہوگا اور اگر کوئی عمل خدا تعالیٰ کو منظور نہ ہو تو نزول ہوگا۔ جیسے تصوف کی اصطلاح میں حال کا نوٹنا تعبیر کرتے ہیں۔ حال کا نوٹنا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے اور فضلی نزول کو نوٹنا نہیں کہتے بلکہ یہ نزول ہو کر پھر عروج ہوتا ہے اور مقام میں ترقی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسے گذشتہ سطور میں حضرتؒ کے مرید کا واقعہ بیان ہوا۔ پہلے وقت میں طریقت کے ساتھی طریقت کو ایک جامع عمل (جو خدا کی طرف معرفت کی ذریعہ ہے) جانتے تھے اور اس میں محنت کرتے تھے اور رات دن معرفت کے عمل میں روزانہ ترقی کے مواقع تلاش کرتے تھے اور تنزل کے ذرائع معلوم کر کے ان سے اجتناب کرتے تھے۔ مگر آج کل صرف مرید ہی ہونے کی ضرورت کو کافی سمجھا جاتا ہے نہ قلبی ذکر کی جستجو ہے اور نہ عروج و نزول کی فکر و جستجو ہے۔ اور نہ اپنے اوقات کو ذکر و فکر میں مصروف رکھتے ہیں اور نہ ہی دائمی ذکر کی کوئی سمجھ ہے۔ اور نہ ہی کوشش کی جاتی ہے کہ دائمی ذکر میں کیسے انہماک پیدا کیا جائے۔ جب کبھی پیر و مرشد سے ملاقات ہو جائے تو تھوڑے وقت کے لئے آنکھیں بند کر کے ذکر کر لیا جاتا ہے۔ وہ بھی دلجمعی کے ساتھ نہیں ہوتا کوشش ہوتی ہے کہ حضرت کس وقت دعا کر اکر رخصت کریں گے۔ اور بعض تو صرف ملاقات پر ہی اکتفاء کر کے چلے جاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک پیری مریدی کا رابطہ صرف اسی قدر کافی و شافی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال کی سمجھ عطا فرماوے۔

۱۹۔ ایک بار آپؐ کی خدمت میں ایک ملنگ قسم کا شخص آیا جس کے ہاتھ کی انگلیوں پر انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے اس کو بٹھا کر نصیحت فرمائی تو آپؐ کی نصیحت کا اس ملنگ کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے خیالی ملنگی اور بزرگی کی تمام انگوٹھیاں اور کڑے اتار کر پھینک

دیئے اور بناؤنی بزرگی سے توبہ فرما کر رخصت ہوا۔

۲۰۔ آپؐ نے فرمایا ایک بار ایک بزرگ شخص جس کا تکیہ کلام مٹھا تھا اور وہ ہر کسی کو مٹھا کہہ کر پکارتے اسی بنا پر میاں مٹھا عوام الناس میں مشہور تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے کشف معنوی سے نواز رکھا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے اوپر پردہ دار چادر اوڑھ کر رکھتے تھے اور اپنا منہ سامنے نہ کرتے تھے۔ میرے ساتھ جانے والے ساتھی نے دعا کی درخواست کی اور اس کے لئے دعا فرمائی۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت میرے لئے بھی دعا فرمادیں تو فوراً چادر سے منہ کھول کر میری جانب دیکھا اور کہا تم میرے لئے دعا کرو تم کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے اور پھر منہ پٹ لیا۔

۲۱۔ ایک بار آپؐ پکھلی میں تشریف لے گئے اور بلہ کے قریب گلی باغ میں حضرت دیوان راجا بابا کے مزار پر حاضر ہونے کا موقع ملا۔ وہاں مراقبہ فرما کر فرمایا کہ یہ شخص دنیا سے بالکل روح ہو کر گیا ہے۔ یعنی ناسوت دنیا کی محبت کا ایک ذرہ بھی ہمراہ لے کر نہیں گیا سراسر مجسمہ محبت باری تعالیٰ ہو کر گیا ہے۔

سہریدین روئے جاناں مردہ بودم سالہا زندہ گشتم ناگہاں دیدار او پر بار شد ترجمہ۔ میں اپنے یار حقیقی کے دیکھنے کے لئے سالہا سال مردہ تھا یعنی فنا فی اللہ کے مقام میں پڑا ہوا۔ اچانک جب بقا باللہ کا مقام حاصل ہوا تو یار حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار سیر ہو کر نصیب ہوا یہ تھے دیوان راجا بابا جن کے دیوان میں سے ایک شعر کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سید پورٹی کے اس قسم کے اور بہت سے حالات بھی ہیں جو کہ بود و طوالت کتاب تحریر نہیں کئے گئے سب سے بڑی کرامت آپؐ کی یہ ہے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خود بھی پابند تھے۔ اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی پابندی کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تاکہ کوئی کرامت دیکھے۔ دس سال کے عرصہ تک خدمت کرتا رہا اور دس سال کا عرصہ گزار کر بغیر بیعت جانے لگا تو

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کیوں بھائی کیوں جا رہے ہو۔ آنے اور رہنے کا مقصد کیا تھا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کی کرامت دیکھنے کی غرض سے آیا اور اتنا عرصہ رہا مگر دس سال کے عرصہ میں کوئی کرامت نہ دیکھی۔ اب جا رہا ہوں حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔ ٹھہر اور سچ بتا اس عرصہ دس سال میں تو نے مجھے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتے ہوئے کوئی عمل بھی دیکھا ہے۔ وہ شخص بولا حضرت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں نے کوئی عمل نہیں دیکھا۔ تو حضرت بغدادیؒ نے فرمایا کہ اس سے بڑی کرامت کون سی ہے جسے تم دیکھنا چاہتے ہو۔ پس حضرت سید پوریؒ کی بھی بڑی کرامت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کرنا اور پابندی کی تلقین کرنا ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدینؒ کی وفات

زندگی کے آخری ایام میں آپؒ کی طبیعت علیل ہو گئی باوجود علاج و معالجہ کے کوئی افادہ نہ ہوا۔ جب آپؒ سے صدقہ کرنے کے لئے جانور ذبح کرنے کی اجازت مانگی تو آپؒ خاموش رہے۔ آپؒ کی لواحقین کو چین نہ آیا۔ چنانچہ آپؒ کی اجازت سے کچھ آدمی حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ کی طرف بھیجے گئے جو کہ آپؒ کے اجل خلیفہ تھے۔ وہ نہایت صاحب کشف و کرامت اور صاحب مشاہدہ نیز نور فراست رکھتے تھے۔ اور ان کے گھر والی مائی صاحبہ بھی صاحب فراست تھیں اور حضرت خواجہ شمس الدینؒ سے ہی طریقت میں اجازت دار تھیں۔

یہ دونوں شخص حضرت نانگا باباؒ کے گھر اس لئے تشریف لے گئے کہ حضرت کی بیماری کے سلسلہ میں کسی جانور کا صدقہ کرنا ہے تاکہ شفا نصیب ہو۔ مگر یہ معلوم کریں کہ حضرت نانگا باباؒ حضرت مائی صاحبہؒ دعا مانگ کر دیکھیں کہ دعا برائے صدقہ کی منظوری اور حضرت کی شفا یابی کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاں منظور ہو گی یا نہیں کیونکہ یہ دونوں حضرات اور مائی صاحبہؒ قدرت (۱)

دعا کا پیغام لے جانے والے مؤلف کتاب ہذا کے والد ماجد حضرت مولانا عبد الرحمنؒ اور مرشد پیر عبدالحی مدظلہ گمراہ وال والے تھے۔)

قدرت نے یہ صلاحیت عطا فرما رکھی تھی کہ دعا کی قبولیت اور نامقبولیت کے آثار سے معلوم تھے کہ دعا منظور یا نامنظور ہے۔ اس لئے اگر صدقہ کی منظوری برائے شفا ہوتی ہے تو صدقہ کریں اور اگر حضرت صاحبؒ کے لئے شفا یا بی نہیں تو نہ کریں یہ اسی وقت کے حالات کے موافق کاروائی تھی۔ یہ اشخاص عشاء کی نماز کے وقت ان کے گھر گئے حضرت خواجہ شمس الدینؒ کی بیماری اور صدقہ کرنے کا پروگرام پیش کیا۔

حضرت باباجیؒ اور مائی صاحبہؒ نماز عشاء ادا کر کے دعا کے لئے بدرگاہ الہی متوجہ ہوئے ہاتھ اٹھائے دعا ہو رہی تھی کہ مائی صاحبہؒ نے رونا شروع کر دیا اور کہا ہمارے شیخ آج ہی رات دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں دعا بالکل اوپر آسمان کی جانب نہیں جا رہی اور نور روشنی کا بندوبست کر کے نانا گاہا باباؒ اور مائی صاحبہؒ ان دونوں پیغام لے جانے والوں کے ہمراہ حضرت سید پوریؒ کے گھر پہنچ گئے اور اسی رات حضرت سید پوریؒ دنیا سے رخصت ہو گئے آپؒ نے بدھ کی رات بوقت سحری بمطابق ۱۲ مئی ۱۹۳۳ء دارفانی سے دار بقا کی جانب کوچ فرمایا! اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت سید پوریؒ کی رحلت سے دو روز قبل آپؒ کے دوسرے اور خلفائے مجاز حضرت صاحبزادہ محمد اسحاق صاحبؒ شنیٰ بالا والے اور حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ کلبگاہ والے آپؒ کی بیماری کی حالت میں تشریف لے گئے تھے اور ان کو واپس ہونے سے حضرتؒ نے روک لیا تھا اور فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب میری نماز جنازہ پڑھا کر ہی رخصت ہوتا۔ جب حضرت سید پوریؒ دنیا سے رخصت ہو گئے تو حضرت صاحبزادہ محمد اسحاق شنیٰ بالا والوں نے اپنے شیخ طریقت کی نماز جنازہ بڑی عقیدت و محبت اور آہ و سسکیوں کے ساتھ پڑھائی۔ اور حضرت مولانا عبدالرحمنؒ نے اپنے شیخ طریقت کی قبر مبارک پر دفنانے کے بعد کھڑے ہو کر تقیہ پڑھی اور واپس اپنے اپنے گھر آ گئے۔ جب آپؒ کی وفات کی خبر حاجی محمد اعظمؒ گیر وال والوں نے سنی تو حاجی صاحبؒ نے اپنے شیخ کی ہجرت و فراق میں درد و سوز کے ساتھ یہ مرثیہ

لکھا جسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے مریدین کو آپؐ سے کس قدر والہانہ عقیدت و محبت
ہوا کرتی تھی۔

یاد آتے ہیں وہ فخرِ سالکاں شام و سحر
دید جن کی ہر گھڑی تھی نورِ ایماں کی ضیاء
علمِ ظاہر کے وہ عالمِ علمِ باطن کے ولی
سنتِ نبویؐ کی تھی تقلید ہر صبح و مسا
رازِ دارِ رازِ حق تھے عارف و کامل ولی
یک زمانہ صحبت با اولیاء کا رنگ تھا
جلوہ آراء تھے کبھی در محفلِ خاصان و عام
نور وحدت کی ضیاء پاشی تھی جسم بے حجاب
قدسیوں کی سیر بھی تھی غیر ممکن جس جگہ
اللہ اللہ کیا عجب تھی ان کی محفل ہر زماں
ہائے ہم سے ہو گیا زو پوش نور شمس الدینؐ
طرفہ سنانا ہے چھایا اہل دل پر بالیقین
چھوڑ گئے جانے کے بعد عشق و محبت کے نشان
شوئے قسمت ہی اپنا رنگ لائی خاکسار

جن کی صحبت میں مزہ تھا جن کی باتوں میں اڑ
مشعلِ نور ہدایت جا بجا در خشک و ز
ناقصوں کے پیر کامل کاملوں کے رہبر
شیوہ خاصانِ حق دکھلا رہی تھی چشمِ ز
سینہ بے کینہ تھا۔ معمورہ لعل و گوہر
بے ریا طاعت کا جلوہ آ رہا تھا در نظر
گاہ فکرِ دائمی میں غرق تھے نیک و یر
عالمِ محویت اُس دم ہو رہا تھا جلوہ گر
اُس چمن کی بادہ نوشی ہو رہی تھی سر بر
صیقلِ زنگارِ دل ہوتا رہا از یک نظر
عالمِ وارفتگی میں پھر رہے ہیں در بدر
آسمان پر غمزدہ ہیں اس گھڑی شمسِ دہر
طالبانِ راہِ حق کے دل میں ہے وہی اڑ
داغ ہائے سینہ بڑھ کر بن گئے داغِ جگر

آپؐ کا مزار مبارک

آپؐ کا مزار مبارک بمقام سید پور ایک بلند ڈھیری پر واقع ہے۔ آپؐ کی وصیت
کے مطابق آپؐ کو اپنے شیخ بابا فقیر محمد ہشتنگرنی کے قریب یعنی شیخ کے مزار سے چند قدم نیچے
پست جگہ پر دفن کیا گیا ہے۔ آپؐ کی وفات سے لے کر اب تک آپؐ اور آپؐ کے شیخ بابا فقیر محمد
کے مزار پر کسی قسم کی محفل آرائی یا عرس وغیرہ نہیں منایا گیا۔ عرس وہی مناتے ہیں جو حقیقت

سے بے خبر ہوتے ہیں۔

آپ کی اولاد

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے پانچ صاحبزادے ہیں جن میں سے تین صاحبزادے مولوی محمد حسینؒ اور مولوی محمد حسن مرحوم مولوی مظفر الدین دینا سے رخصت ہو گئے ہیں اور دو صاحبزادگان مولانا مولوی غلام رسول صاحب سید پوریؒ اور حضرت پیر عبدالحی صاحب گیر وال والے حیات ہیں۔ حضرت سید پوریؒ کی اولاد کی قدردانی ہم پر لازم ہے۔ کیونکہ نیک اور پارسا بندگان خدا کی اولاد کی احسن پرورش اللہ تعالیٰ خود بھی فرماتے ہیں اور ان کی اولاد کی پرورش اور نگرانی قدرت نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کی گمے کا مسئلہ قائم فرما کر کی تھی اور دوسرے مقام پر موسیٰ علیہ السلام اور خواجہ خضر علیہ السلام دونوں کی ملاقات کے دوران دونوں کے ذریعے نگرانی اور حفاظت کرنے کا فریضہ ان کے سپرد فرمایا تھا مگر شرط یہ ہے کہ صالح بندگان خدا کی اولاد جہاں پرورش اور حفاظت کا فریضہ عائد ہوا ہے وہاں ان کی اولاد یتیم بچے ہیں جو کہ بے گناہ اور ابھی معصوم ہیں گویا اللہ تعالیٰ بندگان خدا کی یتیم اولاد کی احسن حفاظت کا ذریعہ بناتے ہیں اور اگر جوان ہو کر بھی صالح ماں باپ سے رشتہ و تعلق ہو تب بھی ان کی بہتر پرورش فرماتا ہے۔ ہاں جو نیک اور صالح نہ ہوں گرچہ ولی اللہ اور نبی کی اولاد کیوں نہ ہوں ان سے وہ معاملہ ہرگز نہ ہوگا جو نیک اور یتیم اولاد سے ہوا یا ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا صلیبی ہونے کے باوجود اور نوح علیہ السلام کی خواہش اور مرضی کے باوجود خدا کے عذاب سے نہ بچ سکا۔ اس لئے نیک شخص کی اولاد دل میں یہ گمان ہر گز نہ کرے کہ میرا باپ دادا ولی اللہ تھا اس لئے ہم بھی صاحب شرافت ہیں اور صاحب معیار ہیں یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ باپ دادا ولی اللہ ہو اور اولاد بھی خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو تو واقعی صاحب شرافت ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ مگر نفسانی خواہشات کے اندر پھنسے ہوئے اس نوعیت سے محروم رہتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں جہاں موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خواجہ خضر

علیہ السلام کا واقعہ آیا ہے یہ یتیم بچے تھے جن کے والدین نیک و پارسا تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خواجه خضر علیہ السلام نے جو دیوار بوسیدہ ہو کر گرنے والی تھی ان سے مرمت کرائی یہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ القرآن

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِعًا فَارَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا طَرْحَةً مِّنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (الكهف ع ۱)

اور دیوار پس تھی واسطے دو لڑکوں یتیم کے بچ شہر کے اور تھا نیچے اس کے خزانہ واسطے اُن لوگوں کے اور تھا باپ ان دونوں کا نیک بخت۔ پس ارادہ کیا رب تیرے نے یہ کہ پہنچیں جوانی اپنی کو اور نکالیں خزانہ اپنا ساتھ رحمت پروردیگار اپنے سے اور نہیں کیا میں نے یہ کام اپنے حکم سے یہ ہے حقیقت اس چیز کی کہ نہ کر سکا تو اوپر اس کے صبر۔

یعنی اُس بوسیدہ دیوار کے نیچے دو یتیموں کا مال و زر پوشیدہ تھا تا کہ جوان ہو کر وہ اپنے مال کو حاصل کریں مگر بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر کر مال سامنے ہو جانے اور ضائع ہونے کا خطرہ تھا اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے دل میں القاء فرمایا اور خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام جو اُس وقت رفاقت اختیار کیے ہوئے تھے دونوں نے دیوار کو نیا کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی خضر سے بلا وجہ دیوار چڑھانے پر اعتراض کیا جس کی تفصیل خضر علیہ السلام نے بعد میں جدائی کے وقت بیان کی۔ کہ میں نے از خود اپنی مرضی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یتیموں کے مال کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کیا ہے۔

اسی طرح بنی اسرائیل سے ان کے بار بار استفسار کے بعد جو گائے ذبح کرائی گئی تھی وہ بھی ایسے یتیم بچوں کی تھی جن کا باپ صالح تھا۔ بنی اسرائیل نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے

ہائے خریدی اور بچوں کا گھر خزانہ سے بھر گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی اولاد کو خوش و خرم رکھتا ہے اور ان کی احسن طریقہ سے پرورش کرتا ہے تو ہم پر بھی لازم ہے کہ نیک لوگوں کی اولاد کی قدر و منزلت کریں۔ خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اور نیک لوگوں کی اولاد کو بھی حق مائل ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے طور طریقہ پر چل کر خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے عمل صالح کرتے رہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد نصرت حاصل کرنے کے مستحق ہو سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی مرضی اور خواہش کے پوجاری بنیں رہیں اور خود کو اولاد ولی اللہ تصور کرتے ہوئے فخر و تکبر میں ڈوبے گردن جھکانے کی بجائے گردن اکڑاتے پھریں کہ ہم صاحبزادگان سے متصف ہیں۔ صاحبزادگان ہونے کا فائدہ ہرگز نہیں ہوگا جب تک خود صالح اور نیک و پارسا نہ ہوں گے۔ جب نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نبی کا بیٹا ہو کر بھی بغیر عمل صالح کوئی فائدہ نہ پہنچا تو پھر ولی اللہ کا بیٹا اور اولاد غیر صالح ہوگی تو ان کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی بی بی فاطمہؓ سے فرمایا اَعْمَلِيْ اَعْمَلِيْ اے میری بیٹی نیک عمل کرنا نیک عمل کرنا۔ مندرجہ بالا سطور میں لوگوں کی نیک اولاد کو حق پرست ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اور غیر صالح اولاد کو بے جا فخر کرنے سے متنبہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اولاد اور ہم کو بھی عمل صالح کرنے کے توفیق نصیب فرمادے۔ آمین۔

باپ نیک ہو خود نہ ہو یہ ہے اپنا تصور باپ نیک ہو آپ بھی نیک ہو نور علی نور

(مؤلف)

حضرت سید پوریؒ کے خلفاء

آپؒ کے خلفاء ایسے نہ تھے کہ منازل سلوک طے ہی نہیں کئے اور ادھر خلفاء کی فہرست میر آگئے۔ تھوڑا بہت مجاہدہ کیا ادھر خلیفہ بنا کر نامزد کر دیا گیا۔ بلکہ آپؒ کے خلفاء جب تک کامل و اکمل نہ ہو جاتے یعنی سیر الی اللہ سیر فی اللہ طے نہ کرتے خلافت کی اجازت ہرگز نہ ہوتی تھی۔ آپؒ کے خلفاء جب تک اپنا نفع نقصان روحانی معلوم کرنے اور دوسرے کا نفع

نقصان روحانی کی پرکھ نہ رکھتے تو ان کو ذکر بتلانے کی اجازت تک نہ ہوتی تھی۔ یہ تو عام خلفاء کی اہلیت و اوصاف بیان کئے ہیں خلفائے اجل جو کہ تمام منازل سلوک طے کئے ہوئے ہوتے تھے۔ اُن کی بات ہی الگ تھی۔ وہ تو آپؐ کے خاص ہمراز ہوتے تھے۔ آپؐ کے خلفاء کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ کہ کتنے اور کہاں کہاں تھے۔ کیونکہ مختلف علاقوں سے لوگ فیض حاصل کرنے آتے تھے۔ اور کوئی نیک بخت پہلی ہی صحبت میں سیرالی اللہ ختم کر لیتا تھا۔ کوئی بعد میں بار بار صحبت میں رہ کر فیض حاصل کرتا تھا۔ جب کسی کو خلافت کے منصب کے قابل دیکھتے تو چپکے سے اس کو آگاہ کر دیتے تھے۔ کہ تم لوگوں کو جو کہ طریقت کے خواہشمند ہوں میرے پاس لانے کے بجائے خود ہی اجازت دے دیا کرو اور بعد میں اپنے ساتھ میرے پاس ملاقات کے لئے لے آیا کرو۔ اس لحاظ سے کوئی صحیح اندازہ نہیں ہوا کہ کس کس کو بیت کی اجازت دی ہوگی۔ مگر جو اپنے علاقوں میں اجازت دیتے ہوئے معلومات میں آئے ہیں۔ اُن چند خلفاء کے نام درج کر کے ان کے مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ان کے خلفاء کے خلیفے بھی معلوم ہوئے ہیں ان کے حالات بھی درج ہیں۔ تاکہ ان خلفاء کے قرب و جوار میں لوگ ان کی ملاقات سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے فیض سے مستفید ہو سکیں۔

آپؐ کے خلفاء میں سے جو دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں ان کی رحلت کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اور جو ابھی زندہ ہیں ان کے حالات سے بھی آگاہی کر دی گئی ہے کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔ اور آپؐ کے خلفاء کے خلفاء جو کہ فوت ہو گئے ہیں ان کے حالات بھی درج کئے گئے ہیں اور جو زندہ ہیں ان کے حالات سے بھی روشناس کیا گیا ہے۔ تاکہ ایک دوسرے سے مل کر باہمی اُنس و محبت کے ساتھ ملاقات و تعارف کر سکیں۔

(مؤلف)

خلفاء علاقہ آزاد کشمیر

حضرت نور محمد المعروف نانگا بابا

تعارف:

آپ سید پور سے ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر بمقام پینٹھ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے جد امجد سکھ مسلمان ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کے خاندان کو شیخ خاندان بھی کہتے ہیں۔ حضرت نور محمد المعروف نانگا بابا پیر شمس الدین کے بڑے خلیفہ تھے۔ آپ کا اصلی نام نور محمد تھا۔ اور نانگا لوگوں میں اس لئے مشہور تھے کہ آپ کی عادت تھی کہ جب سفر میں ہوتے تو مکمل لباس پہنتے تھے اور جب گھر میں ہوتے تھے کپڑے اتار کر ایک بڑی چادر میں احرام کی حالت میں رہتے تھے۔ اور گرمی سردی میں آگ جلا کر سینکتے رہتے اور مٹی جون میں بھی آگ جلا کر سینکتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگوں میں نانگا بابا مشہور ہو گئے تھے۔

بیعت:

جب حضرت خواجہ شمس الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی تو نور معرفت کی خاص نعمت سے سرفراز ہو کر احترام کے ساتھ حضرت نانگا بابا صاحب کے نام سے لوگوں میں مشہور ہو گئے۔ اور حضرت خواجہ شمس الدین نے اپنے تین صاحبزادے حضرت مولوی محمد حسین، حضرت مولوی محمد حسن اور مولوی مظفر الدین کو انہی سے بیعت کرایا تھا۔ اور سب کی تربیت خود فرمائی تھی۔

حالات و واقعات:

آپ کو اپنے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین سے بے حد محبت تھی۔ قریب رہائش کی وجہ سے ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اور جب تک مرشد کا دیدار نہ کرتے

چمین نہ آتا تھا۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے فصل و باڑی میں گھاس کی کٹائی کرتے کرتے مرشد کا خیال دل میں آ جاتا تو گھاس کی کٹائی چھوڑ کر درختی کندھے پر رکھے ہوئے اپنی باڑی سے براہ راست دیوانہ دار اپنے شیخ سید پوری کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے۔ حضرت سید پوری استفسار فرماتے کہ اس وقت آنے کا سبب کیا تھا تو فرماتے حضرت! آپ کا خیال دل پر گزرا تو دل بے چمین ہو گیا اس لئے فوراً حاضر خدمت ہو گیا۔ بعض اوقات رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچے تو حضرت کی یاد آ جاتی دوبارہ حاضر خدمت ہو جاتے اور فرماتے دل کو چمین نہ آیا دوبارہ دیدار سے مشرف ہونے کے لئے حاضر خدمت ہو گیا ہوں۔

آپ اپنے ساتھیوں کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے دوستو! یعنی طریقت کے ساتھیو! نفس کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور پھر اس پر خوب سوار ہو جاؤ یعنی اس کو خود پر سوار نہ کرو بلکہ تم اس پر سوار کی کرو۔ آپ کو علم معرفت میں خاص مقام حاصل تھا۔ آپ کے ہمعصر پیر بھائی آپ سے طریقت کی تربیت حاصل کرتے تھے۔ آپ نے جب سکرو حیرت میں قدم رکھا تو آپ نے گھر کے افراد کے ساتھ کلام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اور ہر وقت بے خود اور استغراق میں غلبہ بیت و جلال میں رہتے تھے۔ گھر سے باہر ایک چوڑے پتھر پر بیٹھے رہتے۔ اور خاص انداز اور سوز و گداز کے عالم میں حضرت سلطان باہو کے اشعار میں یہ مصرع پڑھتے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

آتش نال یارانہ لا کے باہو اودہ سڑن کے ناہیں ہو
ترجمہ:- یعنی جو آگ کے ساتھ دوستی لگا لے وہ جلے گا یا کہ نہیں یعنی ضرور جلے گا۔
اُن کا مطلب یہ تھا کہ جو ناز عشق الہی میں غرق ہو جائے تو وہ عشق الہی کی آگ میں ضرور جل کر راکھ کا پھول بن جائے گا یعنی نفس کی کدورت باقی نہ رہے گی۔ صرف روح ہی روح رہے گا جو کہ اپنے مالک و خالق دو جہاں کی جانب پرواز کرے گا۔ اور یہ حضرت سید پوری کی محبت و مجلس کی برکت و تاثیر تھی۔ جس کے بارے میں آپ کے خلیفہ حاجی محمد اعظم کیر وال والوں نے

فرمایا ہے۔

قدسیوں کی سیر بھی تھی غیر ممکن جس جگہ اُس چمن کی بادہ نوشی ہو رہی تھی سر بسر تشریح: یعنی جہاں پرفرشتوں کو جانے کی اجازت بھی نہ تھی ہم لوگوں کو قدرت نے حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی صحبت و مجلس کی برکت سے اس باغ کی ہوا خوری کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔

اسی طرح آپؒ کے ایک پیر بھائی حضرت غلام ربّی کلکشنگیؒ نے فرمایا:۔

از علوس شمس الدین طائر شدم از مکاں تالا مکاں سائر شدم ترجمہ: حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی صحبت و مجلس کی عکس ریزی کی وجہ سے سکرو حیرت تصوف و سلوک کی منازل میں سے جو سخت ترین کھٹن منزل ہے۔ جہاں عشق الہی کی آگ کی بھٹی میں نفسانیت جل جاتی ہے اور صرف روح رہ جاتی ہے جو کہ قابل پرواز ہوتی ہے۔ انا ختم ہو کر حق ہی حق رہ جاتا ہے۔ اور شاہ منصورؒ کے نعرۃ الالحاق کا فلسفہ بھی یہی ہے۔ صرف سمجھنے میں فرق ہوتا ہے۔ حضرت نانگا باباؒ اس منزل میں قدم رکھ کر بے حال اور مست و الست تھے۔ اسی مقام پر حضرت دیوان راجا باباؒ گلی باغ والوں نے فرمایا:۔

از غیر خود شکسم کون مکاں گز شتم درلا مکان نشتم مست و الست ہستم

ترجمہ: غریت کو میں نے چھوڑ دیا اور کون و مکاں سے گزر گیا اور میری روح پرواز کر کے لامکاں میں پہنچ گئی ہے اور میں مست الست ہو گیا ہوں۔ یعنی محبت الہی میں بے خود ہو کر کم ہو گیا ہوں۔

جب حضرت نور محمد عرف نانگا باباؒ کی یہ حالت ہو گئی تو ان کی اس حالت کی اطلاع حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کو ہوئی۔ تو وہ ان کے گھر تشریف لائے اور حضرت نانگا باباؒ کو ٹھا کر توجہ فرمائی۔ تو حضرت نانگا باباؒ مقام سکرو حیرت سے آگے ترقی کر کے پھر ہوش میں

آگئے۔

مقام سکرو حیرت:

سکر بے ہوشی کو کہتے ہیں اور حیرت حیرانگی کو کہتے ہیں گویا مقام سکرو حیرت بے ہوشی اور حیرانگی کا عالم ہے۔ اور یہ ایسا مقام ہے کہ اس مقام پر سالک قدم رکھ کر صحو اور ہوش سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ہیبت و جلال اور حیرانگی کا عالم چھایا ہوا ہوتا ہے۔ عقل و فکر جواب دے بیٹھتی ہے اور ہیبت و جلال کا ایک ناپیدا کنارہ سمندر موجزن ہوتا ہے۔ سالک کو فیصلہ کی سوچ و صلاحیت نصیب نہیں ہوتی۔ اور حالت مجذوبیت میں بدل کر اپنے آپ کو گم پاتا ہے۔ اور زبان سے نامعلوم کیا کچھ کلام کرتا ہے۔ جس کی اُسے خبر نہیں ہوتی۔ اور عام لوگوں کی اصطلاح میں یہ کلمات بے جا اور خلاف شرع نظر آتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے خصوصی فضل سے ہی اس منزل سے باہر نکلتا ہے۔ ورنہ پھنس کر سوئے عدم ہو جاتا ہے۔ اور حضرت شاہ منصورؒ اسی مقام یعنی سکرو حیات میں پھنس کر انا الحق کا نعرہ لگا بیٹھتے تھے۔ جس کی پاداش میں علمائے ظاہر نے ان کو تختہ دار پر چڑھانے کا حکم دے دیا۔ اور اس مسئلہ میں از روئے شریعت علمائے کرام حق بجانب تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اگر اس وقت یہ فقیر ہوتا تو شاہ منصورؒ کو سکرو حیات کے مقام سے نکال کر آگے کر دیتا۔ اور شاہ منصورؒ ہوش و صحو میں آ جاتے۔ چونکہ نانگاباؒ کے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ اس وقت موجود تھے انہوں نے اپنی کامل توجہ کے ساتھ حضرت نانگاباؒ کو توجہ دی تو وہ ہوش و صحو میں آ گئے۔ حضرت نانگاباؒ کو سکرو حیرت کی کچھ باتیں یاد تھیں فرماتے تھے۔ سکرو حیرت میں مجھے اپنی جان مردہ معلوم ہوتی تھی۔ جب آپ لوگ کھانا کھانے کو کہتے تو میں حیران ہو جاتا تھا کہ باوجود مردہ ہونے کے پھر بھی کھا رہا ہوں اور جب چلتا پھرتا تو بھی حیران ہوتا کہ باوجود مردہ ہونے کے چل پھر رہا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ تمہارا یہ بیٹا (حضرت معرفت اللہؒ) مر جائے تو تم روؤ گے تو نہیں۔ اور یہ ہاتھی/غیبی آواز

ہوتی تھی۔

حضرت نانکا بابا صاحب کشف و کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں۔ اگر ان کے کشف و کرامت کو احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ تو ایک الگ کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ مگر یہاں مختصر اچند ہی واقعات زیر قلم کئے جاتے ہیں جو کہ پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ (مؤلف)

حضرت نانگا بابا کے کشف و کرامات

حضرت نانگا بابا کی سب سے بڑی کرامت تو یہی ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پابندی کرتے تھے۔ مگر اس کے علاوہ بھی کرامات کا ظہور ہوا۔ یہ بھی آپؐ کی ایک کرامت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے نکاح میں ایک ایسی پاکدامن اور نیک و پارہا خاتون لائی جو طریقت میں ہم خیال ہم راز اور آپؐ کے ہم پلہ تھیں۔ آپؐ ہی کی طرح صاحب فراست اور صاحب کرامت تھیں۔ اور ہمیشہ ایک غمخوار بیوی کی طرح ثابت قدم رہیں۔ آپؐ کے تذکرہ کے ساتھ آپؐ کی رفیقہ حیات کا تذکرہ بھی لازماً آ جاتا ہے۔

۱۔ ایک بار خواجہ شمس الدینؒ آپؐ کے گھر بمقام پینٹھ تشریف فرما تھے۔ حضرت خواجہ سید پوریؒ کے کچھ عقیدت مند کھلی سے سید پور گئے۔ سید پور پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔ نانگا باباؒ کے گھر پر ہیں چونکہ کھلی والے مہمان دیدار کے مشتاق تھے۔ سید پور گھر میں نہ ٹھہر سکے۔ فوراً پینٹھ جا پہنچے۔ اب شام کا وقت تھا۔ گھر والوں کے لئے جو کھانا تیار کیا تھا۔ وہ محدود تھا۔ مزید غالباً بارہ افراد اور آگئے۔ اب نانگا باباؒ نے حضرت مائی صاحبہ کو فرمایا تم پیچھے بٹ جاؤ اور ہنڈیا میرے نزدیک کر دو۔ میں خود ہنڈیا سے کھانا تقسیم کرونگا۔ حضرت نانگا باباؒ ہنڈیا کے قریب ہو گئے۔ اور ہنڈیا پر کپڑا اوڑھ کر کپڑے کے نیچے سے کھانا نکال کر کھلاتے رہے۔ حتیٰ کہ مہمانوں نے اور گھر کے تمام افراد نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ مگر قدرت نے ہنڈیا میں ایسی برکت پیدا کر دی کہ ہنڈیا میں تمام افراد کے کھالینے کے بعد بھی کھانا باقی تھا۔ یہ حضرت نانگا باباؒ کی کرامت تھی کہ چند آدمیوں کا کھانا بہت سے آدمیوں میں تقسیم ہو کر کافی و شافی ہو گیا۔

۲۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دوزخ پر سے گزرنے والوں کے لئے

راستہ یعنی پل صراط دکھائی۔ اور اپنا ہاتھ اٹھا کر تین انگلیاں جوڑ کر اشارہ کیا کہ اس طرح دوزخ پر لٹک رہی ہے۔ پھر انگلیاں سیدھی کر کے فرمایا کہ مومنوں کے لئے اس طرح سیدھی ہو جاتی ہے۔ اور انگلیاں اوپر نیچے کھڑی کر کے فرمایا کہ گنہگاروں کے لئے اس طرح ہوتی ہے جیسے بلیڈ کو سیدھا رکھا جائے تو کافی چوڑا ہو گا ورنہ کھڑا رکھا جائے تو اس کی دھار بال سے باریک کاٹ دینے والی ہوتی ہے۔ سمجھنے کے لئے یہی مثال کافی ہے۔

نیز فرمایا کہ پل صراط کو قرار نہیں بلکہ ہلتی ہی رہتی ہے۔ فرمایا کہ جب میں نے اس پر قدم رکھا تو میرے دونوں پہلوؤں میں انگور کی شاخیں سہارا کے لئے ظاہر ہو گئیں۔ اور میری گھبراہٹ ختم ہو گئی۔ یہ منظر مراقبہ میں دکھایا گیا۔

۳۔ ایک بار جبکہ حضرت خواجہ شمس الدینؒ نانگا باباؒ کے گھر تشریف فرما تھے۔ پکھلی سے کچھ مہمان آگئے اور کچھ مہمان علاقہ درادہ مقام سے آگئے سے بھی آگئے۔ حضرت سید پورئیؒ نے حضرت نانگا باباؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ نور محمدؒ یہ پکھلی والے مہمان تو اللہ اللہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مگر یہ درادہ والے مہمان کس لئے آئے ہیں؟ حضرت نانگا باباؒ نے جواب دیا حضرت صاحب! یہ درادہ والے مہمانوں کی آمد اس لئے ہے کہ اُن سے عورت گم ہے اس کی تلاش میں ہیں۔ مہمان حیران ہو گئے۔ کیونکہ وہ اسی غرض سے دعا کرانے آئے تھے۔ اور ابھی انہوں نے اپنا مقصد ظاہر ہی نہیں کیا تھا کہ حضرت نانگا باباؒ نے کشف سے معلوم کر کے ظاہر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نانگا باباؒ کو نور فراست اور کشف معنوی سے نواز رکھا تھا۔ حضرت یعقوب چرخئیؒ جو کہ حضرت شیخ عطارؒ کے پیر بھائی اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کے خلیفہ مجاز تھے فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی صحبت میں صاف دل ہو کر جایا کرو کیونکہ وہ تمہارے دلوں کے جاسوس ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

اَتَقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ
يَنْظُرُ بَنُوْرٍ اِلَیْهِ

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خدا
تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضرت نانگا باباؒ کو کشف القبور بھی تھا۔ آپؒ معلوم کر لیتے تھے کہ مردہ خوشی میں ہے یا تنگی میں ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کا مفہوم بھی ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے۔ نیک کاروں کے لئے باغ کی حیثیت رکھتی ہے اور گنہگاروں کے لئے ہلاکت کا ایک گڑھ ہے۔

۴۔ ایک بار آپؒ پکھلی کے ایک گاؤں ڈھوڈیال میں تشریف فرما تھے کہ ان دنوں بارش بند تھی اور فصل خراب ہو رہی تھی۔ آپؒ سے لوگوں نے دعا کی درخواست کی آپؒ نے فرمایا کہ میرے اللہ کو یہی منظور ہے میں دعا کیسے کروں۔ مگر لوگوں نے اصرار کیا اور دعا کی استدعا کی آپؒ نے ندی کے کنارے جا کر پانی میں بیٹھ کر دعا فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے خوب بارش برسادی مگر اسی بارش کے ساتھ بجلی چمکی اور ادھر آپؒ کے گھر کے قریب بجلی گری جس سے آپؒ کا ایک بیٹا زخمی ہو گیا۔ مگر خدا نے بچا لیا زیادہ نقصان نہ ہوا۔

۵۔ ایک بار پکھلی سے آپؒ گھر جا رہے تھے اور آپؒ کے ہمراہ بابو سیف اللہ گیر وال والے مسافر تھے۔ راستے میں چلتے چلتے سخت گرمی محسوس ہو رہی تھی اور سخت دھوپ پڑ رہی تھی۔ آپؒ نے آسمان کی جانب نگاہ کر کے فرمایا مولا بارش برسا دے کہ گرمی دور ہو جائے۔ چند قدم ہی چلے تھے کہ آسمان ابر آلود ہو گیا اور ہوا چلی اور زور سے بارش برسنے لگی۔ آپؒ اور بابو سیف اللہ ایک چھت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور جب بارش ختم گئی تو آپؒ روانہ ہو گئے اور اب خوب ہوا چل رہی تھی اور گرمی ختم ہو گئی تھی۔

۶۔ آپؒ کو قدرت نے علم لدنی سے نوازا رکھا تھا۔ ظاہری طور پر ان پڑھ تھے مگر بڑے سے بڑا عالم بھی آپؒ کے ساتھ بحث نہیں کر سکتا تھا آپؒ ایسی ایسی باتیں اور مسائل بیان کرتے کہ عالم ششدر رہ جاتے۔ اگر کوئی مسئلہ زیر بحث آ جاتا تو فرماتے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں دیکھو۔ علم معرفت کے باریک نکات بیان فرماتے تھے۔ اور کیوں نہ بیان کرتے قدرت نے خود انہیں اس نعمت سے نوازا رکھا تھا۔ حضرت دیوان راجا باباؒ فرماتے

تھے۔

پیش قضاء کرس علم زحق گرفتہم این قیل و قال کسی ہر گر ذر آں فلنجہ
ترجمہ:- میں نے قضاء کرسی کے سامنے اللہ تعالیٰ سے علم سیکھا ہے دنیا کا قیل و قال
والا علم اس جگہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح حضرت نانگا بابا کو بھی ایسا علم قدرت نے سیکھایا تھا کہ ظاہر
بین عالم اس کے سمجھنے سے قاصر تھے۔

۷۔ آپ کے سامنے جب کھانا حاضر کیا جاتا تھا تو کھانے میں انگلی ذال کر معلوم کر لیتے
تھے کہ یہ کھانا پاکیزہ ہے یا مشکوک ہے۔ اگر پاکیزہ ہوتا تو کھا لیتے اور اگر مشکوک ہوتا تو ہاتھ اٹھا
لیتے اور کھانے سے انکار فرماتے اور اگر کوئی اصرار اپوچھ لیتا تو صاف صاف حالت بتا دیتے
تھے کہ اس وجہ سے مشکوک ہے۔ یا کھانے میں فلاں فلاں چیز حرام ڈالی ہوئی ہے۔

۸۔ ایک مرتبہ ایک عقیدت مند نے بڑے احتیاط کے ساتھ آپ کی دعوت کی جب کھانا
کھانے کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا ہاتھ اٹھالیا۔ میزبان نے کہا کہ حضرت! یہ کھانا تو
میرے اپنے گھر کا ہے۔ حلال کمائی سے ہے۔ عشر وغیرہ بھی نکالا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ
بتاؤ ہلدی کہاں سے لائی گئی ہے۔ جب گھر جا کر ہلدی کے بارے میں استفسار کیا تو جواب ملا
کہ گھر سے ہلدی ختم تھی پڑوس میں کوئی شخص رہتا تھا اس کے گھر سے مانگ کر ڈالی ہے اور وہ
فصل احتیاط والا نہ تھا بلکہ چوری کا عادی تھا۔

۹۔ ایک بار آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت معرفت اللہ نے اپنے کھیت سے حلوہ
کدو کا ساگ توڑا اور گھڑا کر پکایا۔ جب آپ کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک لقمہ ڈالا تو مائی
صلبہ سے فرمانے لگے آج حرام ساگ کھلا دیا۔ مائی صلبہ نے فرمایا کہ لڑکا اپنی باڑی سے توڑ
کر لایا ہے۔ پوچھا کون لایا ہے۔ حضرت معرفت اللہ صاحب نے فرمایا ابا جان میں خود لایا
ہوں۔ آپ نے فرمایا جاؤ مجھے بتاؤ کہ کہاں سے توڑا ہے۔ جب کھیت میں گئے تو واقعی ساگ
الٹا باڑی کا تھا۔ مگر پڑوس والی باڑی جو کہ کھیت سے ملتی تھی۔ اس میں سے حلوہ کدو کی ایک

نیل بڑھتے بڑھتے اس کھیت میں داخل ہو کر ملی ہوئی تھی۔ اس نیل میں بھی ایک نیل ٹوٹی ہوئی تھی۔ اور اس میں نیل کے ساتھ جو حلوہ کدو کا دانہ لگ گیا تھا وہ بھی توڑا ہوا تھا۔ بے خبری میں اپنا سمجھ کر دوسری زمین کا کدو کا دانہ جو نوٹ گیا تھا اُس کی نحوست مانگا بابا پر ظاہر ہو گئی تھی اور ساگ حرام کھلانے کا کہا۔ پھر پڑوس والے کو سارا ماجرا کہہ کر اُس سے بخشوایا گیا۔ پھر اس نے کھلی اجازت بھی دے دی کہ آئندہ میری زمین سے بھی ساگ توڑ سکتے ہیں۔

۱۰۔ ایک بار آپؐ نے ایک عقیدت مند کو توجہ دی اور فرمایا کہ تمہارا حال غصہ نے پکڑا ہوا ہے۔ اور عروج نہیں ہوتا بلکہ ٹوٹ گیا ہے۔ اُس نے اقرار کیا کہ واقعی میں نے غصہ کیا ہے کیونکہ میری اوننی چادر کسی نے چرائی تھی اور میرے دل میں اس پر اتنا غصہ تھا کہ وہ طے تو اس کا گوشت دانتوں سے کاٹ دوں۔ اگر اس غصہ سے مجھے اتنا نقصان پہنچ گیا کہ میرا حال ٹوٹ گیا ہے تو میں تو بہ کرتا ہوں اور غصہ نہیں کروں گا۔ تب حال عروج ہوا۔

ادھر وہ چوررات کو وہ چادر اوڑھ کر چارپائی پر سویا تو کسی شخص نے آکر اُسے چارپائی سے نیچے گرا دیا۔ جب پھر چڑھ کر سویا تب بھی یہی معاملہ ہوا جب تیسری بار سویا تب بھی یہی معاملہ ہوا نتیجہ ہوتا ہے اس نے اُسی طریقہ سے چادر مالک کے گھر بھیجوا دی۔

۱۱۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو قدرت نے دکھایا کہ ایک صاحب حال شخص نے آگ جلانے کے لئے چولہے میں پھونک ماری آگ نہ جلی۔ اُس نے پھر زور سے پھونک ماری مگر پھر بھی آگ شعلہ زن نہ ہوئی جب تیسری بار اُس نے غصہ میں آکر زور سے پھونک ماری تو اس غصہ کی وجہ سے حال ٹوٹ گیا فرمایا غصہ اتنی بری چیز ہے کہ کسی وجہ سے کسی پر غصہ کیا جائے تو صاحب حال شخص کا تعلق مع اللہ جو قائم ہوتا ہے جسے حال کہتے ہیں منقطع ہو جاتا ہے۔ اور یہی مشاہدہ مائی صلابہؑ نے کیا۔

۱۲۔ ایک بار آپؐ کے بھائی نے آپؐ کی دعوت کی دعوت میں نہ مددگار بنے ہوئی تھی۔ آپؐ ہانا تھا کہ کسی کام کی وجہ سے جنگل کی طرف چل دیئے۔ اور راستہ میں آپؐ نے خدا کا کلمہ

ادا کیا کہ یا اللہ تو نے کیسا عمدہ کھانا کھلایا۔ کان میں ہاتھی آواز آئی۔ ”لاؤ نال تقدیر دے اتم ہے
 لسی دال جو“ جس کا مطلب آپ کو یہ القاء ہوا کہ اگر کوئی لسی دال اور جو کی روٹی کھا کر شکر ادا کر
 ے تو وہ زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ عمدہ عمدہ غذا کھا کر شکر یہ ادا کرے۔

۱۳۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا۔ یہ مراقبہ کرتے ہوئے میری حقیقت یعنی حال ایسی جگہ
 پہنچایا گیا جہاں پر واضح الفاظ میں لکھا ہوا پڑھا۔ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ اور ایک
 بار ایسی جگہ تک حال عروج ہوا جہاں صرف اِلَّا اللّٰہُ ہی لکھا ہوا تھا۔

۱۴۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر خواب بھی سکھایا ہوا تھا۔ جو شخص بھی اپنی خواب بیان کرتا
 فوراً تعبیر بیان فرما دیتے۔ ایک بار مستری سیف اللہ پھلوٹھ مرحوم نے خواب میں دیکھا کہ ایک
 معصوم بچی ہاتھوں میں اٹھائی ہوئی ہے۔ اور معصوم بچی نے ہاتھوں میں ہی پیشاب کر دیا۔
 مستری سیف اللہ مرحوم نے یہ خواب صبح اٹھ کر حضرت نانگا بابا کے سامنے سنایا۔ حضرت نانگا
 بابا نے فرمایا تم نے پن چکی پر آنا پیستے ہوئے کسی دوسرے کے آنے میں سے پن چکی کی بنائی
 سویاں کھالی ہیں۔ بابا سیف اللہ نے جب سوچا تو یاد آ گیا کہ حضرت واقعی میں نے کل فلاں
 چکی پرستے کسی کی سویاں کھالی تھیں۔

۱۵۔ ایک بار ایک شخص ڈرا ہوا آیا اور کہا کہ حضرت میں نے خواب میں قرآن پاک کی
 جانب پھر کر پیشاب کر دیا۔ یہ خواب میرے کس گناہ کی وجہ سے معلوم ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ
 آپ کی بیوی حاملہ ہے اور تم نے آج رات اُس کے ساتھ اس حالت میں ہم بستری کر دی
 ہے۔ اور اُس کے لطن سے جو بچہ پیدا ہونے والا ہے بڑ ہو کر حافظ قرآن بنے گا۔ اُس شخص نے
 بیوی کے حاملہ ہونے اور ہم بستری کرنے کا اقرار کر لیا اور اُس کا بچہ پیدا ہوا بڑا ہو کر حافظ قرآن
 بھی ہوا۔ اس قسم کی اور بہت سی خواب کی تعبیرات موقع پر تصدیق ہوئیں۔ اور کشف و کرامت
 کے حالات بھی کافی ہیں جو کہ تحریر میں نہیں لا سکتے۔ آپؐ کے خلفاء مریدین علاقہ پاکھلی محل
 ننداواڑا کی میں بہت ہیں۔

حالات مائی چائن صاحبہ (زوجہ نانگا بابا صاحب)

حضرت مائی چائن صاحبہ حضرت نور محمد المعروف نانگا بابا کی اہلیہ تھیں جو کہ اپنے ولی اللہ خاوند کی ہم خیال، ہم راز اور ہم پلہ ولی اللہ بھی تھیں۔ اور تقصوف و سلوک میں بعض عقد حل فرماتی تھیں۔ صاحب ذکر عورتیں ان کے پاس آکر فیض حاصل کرتیں اور توجہ فرما کر ان کے حال کے عروج و زول کی معلومات فراہم فرماتی تھیں جس کا حال نقصان میں ہوتا توجہ خالص سے افادہ فرماتی تھیں۔ اور طریقت کے مرد ساقی بھی بوجہ عمر رسیدہ ہونے کے ان کو اپنی والدہ کی جگہ تصور کرتے ہوئے ان سے دعا کراتے اور اپنی روحانیت کا حال پوچھتے اور توجہ فرمائش بھی کرتے تھے۔ اگر کسی کو روحانی نقصان درپیش ہوتا تو فوراً بتا دیتی تھیں اور نقصان ہونے کی وجہ از روئے گناہ غیبت و غصہ وغیرہ کی علامات سے آگاہ فرمادیتی تھیں۔ ہر وقت ہم تر رہتی تھیں۔ اور خوفِ خدا میں لرزہ بر اندام رہتی تھیں۔ ایک بار میں نے کہا مائی جی صاحبہ آپ قیامت میں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اعلیٰ مقام پر ہوگی اور ہم کیا کریں گے یہ سن کر رونے لگیں اور فرمایا مولوی! خدا تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈر لگتا ہے خدا جانے میرا کیا بنے گا۔ کہا دعویٰ ہو سکتا ہے کہ وہ نیک ہے ہمیں تو بہت ہی ڈر ہے کہ خدا جانے کیا معاملہ ہوگا۔ آپ ڈر دائمی میں ہمیشہ محو رہتی تھیں۔ ایک لحظہ غفلت و حجاب کو برداشت نہ کرتیں ہمہ وقت ذکر دائمی مستغرق رہتی تھیں۔ اور طریقت کے ساتھیوں پر بھی رقت طاری رہتی۔ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے نظر بہت کم ہو گئی تھی اور بڑھاپے کے اثرات کی وجہ سے بہت کمزور اور کام کاج سے روٹا تھیں بڑھاپے کے اثرات چہرہ پر نمایاں تھے مگر انوار الہی کی بارش ہر وقت رہتی۔ ایک ڈھونڈیال میں نانگا بابا کے ہمراہ تشریف لائیں بابا مردوں میں تشریف فرما تھے و آپ علیہ السلام صاحبہ کے پاس گھر میں کافی عورتیں ذکر الہی کے لئے جمع تھیں۔ مائی صاحبہ نے بابا کو دروازہ

ہا کر فرمایا کہ عورتیں ذکر الہی کے لئے آئی ہوئی ہیں اور مجھے اپنی جان باکل خالی معلوم ہوتی ہے توجہ دینے کے لئے انوار غائب ہیں کیا کروں نانگا باباؑ نے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں تمہاری حقیقت فیض لینے کے لئے آفاق میں پہنچی ہوئی ہے اور ابھی واپس آئے گی اور ہمراہ انوار و فیوضات لے کر وارد ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑی دیر بعد آپؑ کی حالت بدل گئی اور انوار کا تانتا لگ گیا آپؑ نے عورتوں کو توجہ دی اور ایک عورت پر توجہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ ذکر الہی میں تڑپ تڑپ کر بے حال ہو گئی۔ آپؑ نے اُس عورت کو ذکر بند کر کے خیال بدلنے کا مشورہ دیا اور وجد میں کمی واقع ہو گئی۔ مجھے تو وہ حقیقی والدہ سے بھی آگے تھی کیونکہ میری روحانی ترتیب بہت زیادہ فرمائی۔ جس کا تذکرہ آگے اُن کے کشف و کرامات میں آئے گا۔ آپؑ کو قدرت نے تین بیٹے ایسے عطا فرمائے کہ تینوں صاحبِ حال اور طریقت و تصوف میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے بڑے صاحبِ زادے تو براہِ راست حضرت سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ جن کا نام حضرت معرفت اللہ تھا اور میرے روحانی مربی اور ترتیب کرنے والے تھے۔ یہ حضرت مائی صاحبہؒ یعنی والدہ کے ہمراہ ایک ساتھ حضرت سید پوریؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ اور تصوف و سلوک میں نہایت اعلیٰ مقام کے مالک تھے۔ دوسرا کا کرامت اللہ تھا جواب بھی زندہ ہے مگر عمر رسیدہ ہو چکا ہے۔ اور نہایت پارسا صاحبِ فراست ہے۔ تیسرا کا بھی اہل حال اور اہل فراست تھا۔ جو کہ جوانی میں ہی انتقال کر چکا ہے ان کا اسم قدرت اللہ تھا۔ غرضیکہ مائی صاحبہ کے تینوں بیٹے اہل دل اور اہل حال بزرگ تھے۔ یہ مائی صاحبہ کی گود کی کرامت اور ان کی نظرِ کیمیا کا اثر تھا۔

سید فیضانِ نظر تھا یا مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندانی آپؑ کے چند واقعات سے جو کہ درج ذیل ہیں آپؑ کی بزرگی و کرامت اور طریقت میں فہم و فراست کا اس سے باخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک بار حاجی رحیم اللہؒ جو کہ حضرت نانگا باباؑ کے خلیفہ بھی تھے۔ ان کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور اپنے کسی دوست کے لئے دنیا کی حاجت براری کے لئے ان سے دعا کرائی چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہوئی تھی کہ حضرت نانگا بابا کی طرح دعا قبول ہونے نہ ہونے کی صورت ان پر ظاہر ہو جاتی تھی جب حاجی صاحب نے ان سے دعا کے قبول ہونے کے بارے میں دریافت فرمایا تو فرمانے لگیں دعا تو خدا کی جانب جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ مگر ایک نقطہ یہ کھلا کہ دین اسلام کے بارے میں دعا قبول ہونے کے لئے جس راستہ سے گزرتی ہے۔ دنیا کے بارے میں اُس راستہ پر میری یہ دعائیں گزری بلکہ دنیا کے بارے میں الگ راستہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ جس کے لئے دعا کرائی گئی تھی اُس کی حاجت براری اللہ تعالیٰ نے فرمادی۔

۲۔ آپؐ کے قرب و جوار میں اگر کوئی سخت بیمار ہو جاتا تو اس بیمار کے لواحقین آکر مائی صاحبہ سے شفا یابی کے لئے دعا کراتے آپؐ تنہائی میں بیٹھ کر دعا فرماتی تھیں اگر شفا یابی کے لئے دعا منظور ہوتی تو فرماتی تھیں کہ اللہ شفا دے گا۔ اور اگر دعا قبول ہونے کے آثار نہ ہونے تو فرمادیتی تھیں کہ بیمار کو اکیلا نہ چھوڑنا اس بات سے آپؐ کا اشارہ دنیا سے رخصت ہو جانے کا ہوتا تھا۔ اور یہ مریض چند روز کے بعد دنیا سے رخصت ہو جاتا تھا۔

۳۔ مؤلف کتاب ہذا کے گھر سے کپڑے کا تھان گم ہو گیا۔ مؤلف کے بڑے بھائی جو کہ حضرت سید پورئی کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ اچانک کشمیر مائی صاحبہ کے گھر چلے گئے اور ان کو تھان گم ہونے کی بات یاد آئی اور مائی صاحبہ سے فرمایا مائی جی! ہمارے گھر سے کپڑے کا تھان گم ہو گیا ہے اس کے مل جانے کے لئے دعا فرمادیں۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور میرے بھائی مولانا محمد یوسف کیمچی سے فرمایا مولوی صاحب تھان گم نہیں گھر پر موجود ہے۔ ہوا یوں کہ بھائی صاحب کشمیر چلے گئے تھے ان کے جانے کے بعد جس آدمی نے تھان چھو لیا تھا وہ تھان فریب دوسرے گاؤں میں فروخت کر رہا تھا کہ وہاں ہمارا پڑوسی کھڑا تھا اُس نے آدمی کو پہچان کر کچل دیا اور تھان اُس سے لے کر ہمارے گھر پہنچا دیا تھا جس پر مائی صاحبہ نے فرمایا کہ تھان گھر پر

ہے۔ جب بھائی صاحب واپس گھر آئے تو ان کو پتہ چلا کہ ان کے جانے کے فوراً بعد برآمد ہو چکا تھا اور گھر پہنچا دیا گیا تھا۔

۴۔ میرے بھائی مولوی محمد یوسف نے ایک بار آپؐ سے فرمایا کہ مائی صاحبہؑ میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو نور جلالی و جمالی دونوں نور عطا فرمادے۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور دونوں قسم کے نور ملنے کی خوشخبری دی اور مبارک بھی دی۔ انوار جلالی و جمالی اللہ پاک کے بہت بڑے عطیات ہیں۔

۵۔ ایک بار دو آدمی ان کے گھر کی طرف آرہے تھے ان کے آگے ایک آدمی بھیجا کہ پیچھے والے آدمی کو روکو! اور کہو کہ غصہ کو دل سے نکال کر آئے۔ اس آدمی نے اقرار کر لیا کہ واقعی فلاں جگہ ایک شخص سے غصہ ہو گیا تھا۔ اور میرے دل میں اس کی جانب سخت غصہ تھا۔ چنانچہ غصہ نکال کر حاضر ہوا۔ اور اپنے غصے کا اقرار کیا۔

۶۔ اگر کوئی طریقت کا ساتھی آپؐ کے گھر جاتا تو آپؐ کو پتہ چل جاتا کہ آنے والے کا حال عروج میں ہے یا نزول میں ہے۔ اگر نزول میں ہوتا تو اسے کہہ دیتی تھیں کہ تمہارا حال نقصانی ہے اور پھر توجہ خاص دے کر اس کے حال کو درست فرما کر اسے بتا دیتی تھیں کہ اب تمہارا حال عروج ہو چکا ہے اور حال کے منازل بھی بتا دیتی تھیں کہ اس وقت حال کس مقام پر ہے۔ عروج و نزول کے بارے میں تفصیلی طور پر بتا دیتی تھیں کہ کسی وجہ سے عروج ہوا اور کس وجہ سے نزول ہوا اور یہ بھی بتا دیتی تھیں کہ یہ نزول فضلی ہے یا غصبی ہے۔

۷۔ ایک بار مولف کتاب ہذا نے عرض کی کہ مائی صاحبہؑ آپؐ تو اپنے درجات کے لحاظ سے خوشی میں ہو گئی مگر ہم اپنے گناہوں کی شامت سے خدا جانے کس حال میں ہوں گے۔ آپؐ رو کر فرمانے لگیں کہ خدا جانے ہم کس حال میں ہو گئے کوئی بھی پرہیزگاری پر ناز نہیں کر سکتا۔ خدا کے فضل و مہربانی کی ضرورت ہے اور میری بات پر ان کے رونگٹے گھڑے ہو گئے اور خوف طاری ہو گیا اور دیر تک روتی رہیں۔

۷۔ ایک بار ہم تین آدمی آپؐ کے گھر اپنی اصلاح و تزکیہ کی غرض جا رہے تھے پیدل۔ اس لئے رات ہماری راستے میں بمقام گہوڑی مسجد میں آئی اور دوسرے روز روانہ ہوئے اسی دن آپؐ نے اپنے بیٹے کرامت اللہ صاحب سے فرمایا کہ دو مہمان تو جانے پہچانے آرہے ہیں ایک مہمان ناواقف ہے وہ ناواقف مہمان ہمارے ساتھ بجلی والا حاجی اقبال صاحب مرحوم تھے۔ اور پہلی بار ہمارے ہمراہ گئے۔ جب ہم پہنچے تو کرامت اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا میں آپؐ کو اس نئے مہمان کے بارے میں رات کو بتا رہی تھی۔ حالانکہ رات ہم راستے میں ایک اجنبی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور آپؐ کا اس امر کے بارے میں خبر دینا غیب دانی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے بندوں پر پردہ کھول کر مشاہدہ کرا دیتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ ممبر پر خطبہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملک شام کو جہاد پر بھیجے ہوئے مجاہدین اور دشمن کی چال کا مشاہدہ کرا دیا اور ممبر پر سے آواز دی یاساریۃ الجبل یعنی سپہ سالار کو ہدایت دی کہ پہاڑ کی جانب پھر جاؤ اور مجاہدین کو سپہ سالار نے پہاڑ کی جانب پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی آواز بھی پہنچا دی۔ تو یہ معاملہ غیب سے تعلق نہیں رکھتا کرامت و مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ پردے منکشف بھی فرما دیتے ہیں جس کو کچے دماغ کے لوگ غیب کا نام دے دیتے ہیں۔

۸۔ ایک بار میں رات ان کے گھر ٹھہرا حضرت کرامت اللہ صاحب اور حضرت معرفت اللہ صاحب بھی رات کو مجلس ذکر میں شامل رہے اور صبح آنھ بجے گھر کا رخ کیا راستہ میں سید پور رشتہ داروں نے روک دیا میں نے خیال کیا کہ سارا دن رشتہ داروں کے گھر رہ کر کیا کروں؟ پھر مائی صلابہؓ کے گھر کیوں نہ چلا جاؤں اور عصر کے بعد رشتہ داروں کے گھر آ کر رات رہ کر صبح گھر کو لوٹ جاؤں گا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور واپس مائی صلابہؓ کے گھر پہنچا اور واپس آنے کی وجہ بھی بتائی۔ حضرت مائی صلابہؓ نے جب نگاہ کی تو فرمایا چھو نے مولوی تم کو پھر کیا ہو گیا؟ میں نے تیرا حال درست کر کے بھیجا تھا تمہارا حال پھر نقصانی ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ

راتے میں بارشتہ داروں کے گھرماتوں میں بے احتیاطی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہاں ماحول الگ تھا اور مائی صاحبہ کے گھر ماحول خالص دینی اور تعلق مع اللہ والا تھا۔ اس لئے حال نقصانی ہو گیا مائی صاحبہ نے پھر توجہ فرمائی اور حال درست ہوا۔ اور پھر فرمایا کہ اب اپنا تعلق مع اللہ ہی رکھنا ادھر ادھر باتوں میں اوقات ضائع نہ کرنا۔ اور اپنے حال کی حفاظت کرنا۔

دل زہرِ گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود دُرِ عدن
دل باتوں کی تعداد بڑھانے سے تیرے بدن میں مردہ ہو جائے گا اگرچہ تیری باتیں عدن کے قیمتی موتیوں کی مانند ہی کیوں نہ ہوں۔ رشتہ داروں میں تو اللہ اللہ کا ماحول نہیں ہوا کرتا ادھر ادھر کی باتوں پر وقت صرف ہوتا ہے تو پھر حال کو نقصان خود ہی ہونا تھا۔ کیونکہ جب تک خلوت در انجمن کی کیفیت پختہ نہ ہو جائے انجمن اپنی طرف راغب کر لیتی ہے۔

۱۔ ایک بار میں مراقبہ پر بیٹھا تھا ہمراہ طریقت کے اور ساتھی بھی تھے مجھ پر آواز کر کے کہا کہ چھوٹے مولوی (اُن دنوں کم عمر تھا داڑھی کی آثار تھوڑے تھے اس لئے مجھے چھوٹا مولوی فرمایا کرتی تھیں) اپنے خیال کو آفاق میں لے جاؤ کیونکہ تم خیال اپنے اندر ہی رکھتے ہو اس لئے تمہارا حال پیشانی تک جا کر گر جاتا ہے تب میں نے اُن کی ہدایت پر عمل کیا تو خوش ہو گئیں اور کہا اب تمہارے حال نے عروج کیا ہے۔ اور آئندہ بھی خیال کو اوپر پر عرشِ معلیٰ کی جانب رکھا کرو تا کہ حال عروج کرے۔ اور ہر قسم کے تفکرات سے دل کو فارغ رکھ کر صرف ایک فکر طلب مولائے محبت غالب رہے۔ بلکہ اپنے جسم کی بھی فکر دل سے غائب ہو جائے۔ خوب محو ہو کر مراقبہ کیا کرو۔

۱۰۔ ایک بار آپ کے گھر کے قریب نالہ میں آپ اور حضرت نانگا بابا نے نماز اشراق پڑھی جس پتھر پر مائی صاحبہ کھڑی ہوئیں اسی پتھر پر ایک آدمی ان سے پہلے نماز پڑھ کر چلا آپ کھڑی ہوئیں تو حضرت بابا سے فرمایا کہ اس شخص نے اس جگہ غصہ کے آثار چھوڑ دیئے ہیں۔ جب نانگا بابا نے اُس شخص کو آواز دے کر ٹھہرایا اور غصہ کی وجہ پوچھی تو وہ غصہ کا اعتراف

کرتے ہوئے کہنے لگا۔ کہ میں اپنی بیٹی کے گھر گیا تھا کہ اُس کے ساتھ کسی بات پر تکرار ہوئی اور میں نے قسم کھائی کہ آئندہ تیرے گھر نہیں آؤں گا اور ناراض ہو کر آ گیا اور یہاں نماز پر کھڑا ہو گیا۔ آئندہ میری توبہ ہے اور ناراضگی بھی دل سے نکال دی ہے خدا معاف فرمائے۔ اور حضرت نانگا بابا سے پوچھا اب کیا کروں حضرت نانگا بابا نے فرمایا جاؤ بیٹی کے گھر داخل ہو کر آؤ اور اپنی قسم پر عمل نہ کرو اور قسم کا کفارہ جو ہے ادا کرنا ہوگا۔

۱۱۔ ایک بار مائی صاحبہ اور نانگا بابا گھر سے باہر کسی کام میں مصروف تھے اچانک فیض اور محبت کی بارش یعنی انوار وارد ہونے لگے۔ حضرت مائی صاحبہ نے فرمایا کہ فیض وارد ہو گیا ہے شاید ہمارے شیخ خواجہ شمس الدین ہمارے گھر کی جانب آ رہے ہوں کیونکہ ایسا فیض اُنکے آنے پر وارد ہوا کرتا ہے چلو گھر کی طرف چلیں۔ جب گھر آ کر بیٹھ گئے تو تھوڑی دیر بعد ان کی پیر بہن شاہ بیگم مائی صاحبہ جو کہ حضرت خواجہ شمس الدین کی مریدہ اور کافی سمجھ رکھتی تھیں اور عروج و نزول کی نعمت سے آگاہ تھیں۔ نانگا بابا کے گھر تشریف فرما ہوئیں۔ آتے ہی بعد سلام عرض کیا آپ دونوں کچھ سمجھتے تھے۔ ان دونوں نے فیض آنے والا واقعہ بیان کیا۔ مائی شاہ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ میں جب گھر سے چلی تھی تو آپ کی جانب فکر و توجہ مرکوز کر کے چلی تھی تاکہ دیکھوں کہ اُن کو سمجھ آئے گی یا نہیں۔ یہ اُن کی روحانی خوش طبعی تھی۔ عجب صفائی تھی دلوں کی کہ جب ایک شیشہ دوسرے شیشہ پر نوری شعاعیں مرکوز کرتا تو نور کی شعاعیں سیدھی دوسرے قلب پر عکس چھوڑتی تھیں۔ شاہ بیگم مائی صاحبہ بھی کمال مقام رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا محبت و عاشق چاہے مرد یا عورت مرد کا مقام رکھتا ہے اسی لئے فرمایا

طَالِبُ الدُّنْيَا مُغْنَتٌ

طَالِبُ الْعُقْبَىٰ مُؤْنَتٌ

طَالِبُ الْمَوْلَىٰ مُذَكَّرٌ۔

دنیا کا طلب گار بجز ا ہے اور عقبیٰ کا

چاہنے والا عورت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کو چاہنے والا مرد کی حیثیت

رکھتا ہے۔

گویا طالب مولیٰ جو ان مرد ہے چاہے وہ عورت ہے۔

طالب مولا جو ان مرد ہے گرچہ عورت ہے یا مرد ہے
(حبیب)

یعنی اللہ تعالیٰ کا عاشق چاہے مرد ہو یا عورت مرد کا مقام رکھتا ہے اور دنیا کا طلب کرنے والا خشیٰ یعنی بجزا ہے نہ مرد ہے نہ عورت اور آخرت کا حلب گار عورت ہے یعنی کچھ تو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے طالب کو مرد کی حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے عورت پر فوقیت رکھتا ہے۔ فرمایا۔ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (القرآن) مفہوم: مرد عورت پر غالب ہوتا ہے۔ پس طالب مولا جو کہ بحیثیت مرد کے ہے طالب آخرت پر جو کہ بحیثیت عورت کے ہے فوقیت ضرور رکھتا ہے۔

حضرت مائی صلابہؒ ہر وقت رجوع الی اللہ رہتی تھیں۔ سوز و گداز اور درد و محبت میں سرشار ہونے کی حیثیت سے بے مثال نمونہ تھیں گویا اس وقت کی رابعہ بصریؒ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ خدا گواہ ہے ان کو دیکھتے ہی خدا یاد آ جاتا تھا۔ اپنے پرانے ان کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔ اور دور دور سے لوگ دعا کرانے کے لئے آیا کرتے تھے۔ مستجاب الدعوات تھیں۔ اُن کی مجلس میں پتھر دل رکھنے والا بھی موم ہو جاتا تھا۔ گھر کا دیگر کام بوجہ عمر رسیدہ ہونے اور کمزور ہونے کے نہیں کرتی تھیں مگر روٹی سالن پکانے کا کام خود ہی کرتی تھیں۔

ذکر و فکر اور تعلق مع اللہ ان کا بہترین مشغلہ اور دل کے سکون کا ذریعہ تھا۔ صاحب حال تھیں اور صاحب حال کی پہچان تھی۔ اور صاحب حال سے الفت مدام تھی۔ اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ شمس الدینؒ کا تذکرہ کر کے ان کی وفات کے بعد رویا کرتی تھیں اگر ان کے سامنے کسی ولی اللہ کا کلام پڑھا جاتا تو فرماتی تھیں اس بندہ خدا پر جو رحمت برسی ہے اس کا فیض واثر پہنچ آیا کرتا ہے۔ آپؐ کے مکمل اوصاف اور کشف و کرامات کو اگر جمع کیا جائے تو الگ ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف تعارفی چند سطور تحریر ہیں تاکہ آپؐ کے ذکر خیر میں بھی

مؤلف کا حصہ ہو جائے اور بروز محشر ان کی شفاعت کا مستحق ہو سکے۔

وفات:

حضرت نانگا بابا کی وفات ۷ دسمبر ۱۹۵۱ء ہے جبکہ مائی صاحبہ ان کے بعد ۶۵ء میں دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ حضرت نور محمد المعروف نانگا بابا اور مائی صاحبہ اور حضرت نانگا بابا کے چھوٹے بھائی حبیب اللہ جو کہ سید پورٹی کے مایہ ناز خلیفہ تھے ان کی زیارت گویا تین قبریں ساتھ ساتھ بمقام پینہ بابا کے گھر کی مسجد کے ساتھ ملحق واقع ہیں۔ کچی قبریں ہیں کسی زیب و زینت سے مزین نہیں کیا گیا۔

حضرت صاحبزادہ مولوی محمد حسینؒ

حضرت صاحبزادہ محمد حسینؒ حضرت سید پورٹی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کو حضرت سید پورٹی نے اپنے خلیفہ و مجاز حضرت نانگا بابا سے بیعت کرایا تھا۔ اور ان کی پرورش روحانی و تربیت خود فرما کر خلافت سے نوازا تھا۔ نہایت پارسا اور عابد تھے۔ کسی ظاہری وقار اور زیب و زینت کے قائل نہ تھے۔ اور نہ ہی رنگ درویشانہ سے کوئی دلچسپی تھی سادہ عام لباس زیب تن فرماتے تھے اور گھر پر جو لباس رکھتے باہر مہمانی پر بھی وہی سادہ لباس رکھتے۔ کوئی وضع قطع نہ بتاتے تھے۔ حق گو تھے اور ہمیشہ حق بات کہنے میں کسی کی رو رعایت نہ رکھتے تھے۔ اگر کسی میں کوئی شرعی غلطی دیکھتے تو منہ پر صاف صاف کہہ دیتے انہیں یہ پرواہ نہ تھی کہ یہ آدمی ناراض ہو جائے گا کسی قسم کا طمع و لالچ نہ رکھتے تھے۔ آپ بڑے خوش خلق اور سادگی پسند تھے۔ نہایت جفاکش، نڈر ظالم کی سرکوبی کرنے والے اور مظلوم کا ساتھ دینے والے تھے۔ چھوٹے بڑے ہر کسی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور مسکراہٹ سے بات کرتے تھے۔

شب بیداری میں دقیقہ فرد گزاشت نہ کرتے۔ حق بات کہتے ہوئے ذرا دروغ نہ کرتے گرچہ بڑے سے بڑا حاکم ان سے مخاطب کیوں نہ ہوتا۔ ایک بار کسی جائز کام کے لئے عدالت میں جانا پڑا مجسٹریٹ نے کہا بابا آپ خود آکر بات نہ کریں کسی وکیل کے ذریعے اپنا مقصد پیش کیا کریں۔ آپ نے مجسٹریٹ کے سامنے اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ مجھے قدرت نے گویائی نصیب کی ہے وکیل وہ کریں جو گونگے ہوں خود اپنا موقف پیش نہ کر سکتے ہوں آپ مجھ پر جرح کریں میں خود جواب دوں گا۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ بابا عدالت میں چالاکی مت کرو میں تمہیں جیل بھیج دوں گا۔ آپ نے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا وہ (اللہ تعالیٰ) مجھے جیل نہ بھیجے تو تم کون ہو جیل بھیجنے والے۔ اس پر مجسٹریٹ کو غصہ آیا اور چھ ماہ جیل کا آرڈر کر دیا۔ آپ نے کسی خاص آدمی کی وجہ سے جیل جانے سے قبل ہی ضمانت کرائی۔ اور باہر بازار میں کسی کام کو نکلے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اچانک مجسٹریٹ کی کسی دور جگہ تبدیلی کا آرڈر آچنچا اور فی الفور فارغ ہو کر بازار سے گزر رہا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا تم نے مجھے جیل بھیجا اور میں نے کہا تھا کہ میرا اللہ نہ بھیجے تو تمہاری کیا طاقت ہے تم جیل بھیج سکو دیکھو میں یہ گھر جا رہا ہوں۔ مجسٹریٹ شرمندہ ہو کر گزر گیا۔ اور اس واقع میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہے۔ مگر دربار الہی میں لرزہ بر اندام رہتے ہوئے عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ گرمی ہو یا سردی، بارش ہو دھوپ آپ اپنے معمولات نہ چھوڑتے۔ اول وقت سے اٹھ کر نماز تہجد میں مصروف ہوتے۔ اور پھر ذکر و فکر میں محو ہو جاتے تھے۔ آپ ہمیشہ کسی کی خوشامد نہیں کرتے تھے مستغنی ہو کر وقت گزارتے تھے۔ مال و زر کی ہوس نہ رکھتے گذر اوقات پر ہی اکتفاء کرتے تھے۔ تبلیغی سفر الائی نندھاڑ تک کرتے اور طالبان حق کو خدا کا راستہ بتلاتے تھے۔ بگلرام سے اوپر مندری کے قریب مولانا محمد موہی صاحب کی والدہ ماجدہ مرحومہ نے آپ سے بیعت و اجازت حاصل کی تو آپ پر یعنی مائی صلبہ مذکورہ پر ذکر کے اثرات و واردات کھل گئے۔ اور مسجد میں جب کوئی نماز کے لئے آذان کہتا تو صاف صاف آسمان کی جانب سے انوار کی بارش اس مؤذن پر برستی نظر آتی۔ اور اپنے

بیٹے محمد موسیٰ شاکر صاحب سے فرماتی تھیں بیٹے ہمیشہ آذان کہا کرو کیونکہ آذان پڑھنے والوں پر خدا تعالیٰ کی جانب سے رحمت برسی دیکھی گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے بیٹے پر بھی انوار برسیں۔ اور اسی وجہ سے محمد موسیٰ شاکر صاحب کے دل میں طریقت کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور گیر وال میں حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ پیر عبدالحی صاحب سے بیعت ہو گئے۔

۱۹۳۰ء سے قبل کشمیر والے پیر صاحب پر خواجہ شمس الدینؒ لوگوں میں معروف و مشہور تھے مگر ۱۹۳۰ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک کشمیر والے پیر صاحب آپ کو ہی کہا کرتے تھے اس لئے کہ آپ اکثر الائی نندھاڑ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور موجودہ لوگوں میں کشمیر والے پیر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا پر رونق چہرہ آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری کا بین ثبوت تھا۔ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے حسن آثار آپ کے چہرہ پر نمایاں تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ سید پوریؒ نے جس مقام پر چھوڑا تھا اسی مقام پر قیام پذیر رہے۔ آپ نے اسی پچاسی سال کی عمر میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ اور اپنے والد خواجہ شمس الدینؒ کے پاؤں کی جانب مدفون ہیں۔ اَنَا لِلّٰہِ وَاَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

حضرت صاحبزادہ مولوی مظفر دین صاحبؒ

حضرت مولانا مولوی مظفر دین صاحبؒ اپنے والد ماجد خواجہ شمس الدینؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ نہایت پرہیزگار عبادت گزار اور تعلق مع اللہ رکھنے والے تھے۔ زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ بات کرنے پر جواب دے دیتے تھے یا دینی مسائل اور تصوف و سلوک کے بارے میں گفتگو کر لیتے تھے۔ مگر فضول باتوں سے گریز کرتے تھے۔ کسی درویشی لباس اور وضع قطع کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ سادہ زندگی اور سادہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ والد ماجد کی تربیت کے

مطابق گذراوقات پر صابر و دشا کر رہتے تھے۔ اور کسی وقت بھی اپنی مجبوری اور کمزوری پر محنت نہیں کرتے تھے۔ مستغنی رہ کر زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی کبھار الائی نندھاڑ کا سفر کر لیتے تھے مگر بعد میں بوجہ کمزوری اور ضعیفی کسی جانب سفر کرنے کے قابل نہیں تھے۔ آپؐ نے فرمایا ایک بار میں الائی کے سفر پر تھا۔ حضرت صاحب سید پوریؒ کے بہت سے خلفاء اور مریدین ہمراہ تھے۔ کسی نے میری دعوت کر دی ابھی دعوت تیار نہ تھی میں اپنے دوستوں میں خاموش بیٹھے ہوئے تھا کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ یا اللہ کوہ طور پر جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام تھے اس وقت کس طرح کا فیض ہوگا۔ جب یہ دلیل میری ضمیر میں گزری تو کیا دیکھتا ہوں کہ مغرب کی جانب سے لال سرخ شعلے آتے اور میرے منہ میں داخل ہو کر غائب ہو جاتے۔ کچھ دیر تک ایسا ہی ہوتا رہا کہ مجھ پہ بے ہوش طاری ہو گئی۔ اور زمین پر چت لیٹ گیا۔ اور کچھ دیر بعد بے ہوش رہ کر جب ہوش میں آیا تو حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے خلیفہ مجاز مکیؒ میاں بھی ہمراہ تھے انہوں نے فرمایا حضرت آئندہ ایسا تصور نہ کرنا۔ آپؐ تو حضرت والد ماجد سید پوریؒ کی برکت سے بچ گئے ورنہ ختم ہو جاتے۔

آپؐ زہد و تقویٰ رکھنے والے نیک انسان تھے۔ خوش خلق اور خوش مزاج تھے۔ عبادت الہی میں مصروف رہنے والے اور شب بیدار تھے۔ اکثر ذکر و فکر میں محو رہتے اور کسی سے کوئی تعلق استوار نہیں رکھتے تھے۔ گھر کے پاس ایک جگہ پہرے میں چلہ کرنے اور مراقبہ کرنے کی جگہ بنا رکھی تھی۔ اکثر وہاں بیٹھ کر خدا کو یاد کرتے رہتے تھے۔ جب گھر پہرے ہوتے تھے تو بہت کم چار پائی پر سوتے۔ اکثر نیچے جگہ بنا رکھی تھی وہاں ہی نماز پڑھتے ذکر و فکر کرتے اور وہاں ہی سو جاتے۔ طریقت کے ساتھیوں کے ساتھ سخت محبت رکھتے تھے اور خود پیر طریقت ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مبتدی شمار کرتے تھے۔ اور کسی کے سامنے اپنی تعریف میں مبالغہ آمیز باتیں کر کے پیری چکانے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ بلکہ اجنبی انسان تو انہیں پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ پیر ہیں۔ شریعت کے پابند اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پابندی کرنے

والے تھے۔ آپ کے مریدین اکثر الائی میں ہیں اور برار کوٹ کے گرد نواح میں بھی اکثر ہیں۔ حضرت مولانا غلام ربائی کلکڑ شنگ والوں کو آپ کے ساتھ سخت محبت و پیار تھا اسی لئے انہوں نے اپنے بیٹے ابوذر صاحب کو ان کی خدمت میں بیعت کے لئے بھیجا تھا۔ آپ برار کوٹ میں رہائش پذیر تھے اور وہیں پر امام و خطیب بھی تھے۔ مقتدی آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ آپ دنیا سے بتاریخ 06.8.2003 بروز بدھ رخصت ہو گئے اللہ تعالیٰ جو ار رحمت میں ہم عطا فرمائے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب مدظلہ

حضرت مولانا غلام رسول صاحب حضرت خواجہ شمس الدین کے صاحبزادے اور ہم مظفر دین صاحب برار کوٹ والوں کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ بھی اپنے والد صاحب کے مرید و خلیفہ ہیں مگر اعلانیہ بیعت کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ البتہ الائی نندھاڑ میں طریقت کے ساتھیوں کو احسن تربیت دیتے اور ان کو توجہ بھی دیتے ہیں۔ ریا کاری سے زیادہ دور رہتے ہیں۔ سادہ لباس اور سادہ زندگی بسر کرنے والے ہیں۔ زیادہ خوش اخلاق ہنس مکھ اور چھوٹے بڑے کی قدر کرنے والے ہیں۔ ان کی محفل میں آدمی بہت خوش رہتا ہے۔ اور عالم بھی ہیں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب سے بھی درس پڑھا ہے۔ اور ان کے پاس طالب علمی کے دور میں رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ حق گو اور نڈر ہیں سخاوت بہت زیادہ ہے۔ اپنے والد ماجد شمس الدین کے مقام پر رہائش پذیر ہیں اور مہمانوں کی خدمت بھی ان کے ذمہ ہے۔ شب بیدار ہیں اور اول وقت سے نماز تہجد ادا کرنے کے عادی ہیں۔ اپنے والد ماجد کی جدہ پر جانشین ہیں اور علم فقہ میں آپ کو خاص مہارت حاصل ہے۔ اور مسائل کے حل کرنے میں تجربہ کار ہیں۔ اپنے والد ماجد حضرت سید پوری کی ولایت کا نور آپ کے چہرہ پر نمایاں ہے۔ ہمیشہ حق کی حمایت

کرتے ہیں۔ اور باطل کے ساتھ ٹکڑ کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت ڈالے اور ہمارے سروں پہ قائم دائم رکھے۔ آمین یا رب العالمین

حضرت صاحبزادہ مولانا مولوی عبدالحی صاحب گیر وال مدظلہ

حضرت صاحبزادہ مولانا مولوی عبدالحی صاحب گیر وال والے حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ سب سے چھوٹا ہونے اور والدہ کی طرف سے اکیلے ہونے کی وجہ سے حضرت خواجہ شمس الدینؒ باقی بھائیوں کی نسبت آپ کا خاص خیال رکھتے تھے اور زیادہ محبت کرتے تھے۔ اور بچپن میں اکثر اپنے ہمراہ رکھتے تھے۔ سفر میں بھی بچپن سے ساتھ رکھتے چنانچہ آلائی کے تین سفروں میں ساتھ رکھا اور آپ کو کم سن ہونے کی وجہ سے عقیدت مند کندے پر اٹھائے ہوئے ادھر ادھر کا سفر کراتے تھے۔ آپ کو سفر و حضر میں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے۔ اور آپ کی تربیت حسنہ فرماتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت پیر صاحب مدوح میں بہت سے اوصاف اپنے والد ماجد حضرت سید پورئیؒ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

آپ کو حضرت سید پورئیؒ کے ایک عقیدت مند ماسٹر محمد موسیٰ خان صاحب اور ان کے چچا گلاب خان صاحب کی وساطت سے دینی تعلیم کے لئے ڈھوڈیال بھیجا گیا اور آپ نے ڈھوڈیال رہ کر اچھے اچھے علمائے کرام سے دینی تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ مولانا عبدالکلیمؒ جرنہ والے جو کہ فاضل دیوبند حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تلامذہ میں سے تھے آپ کے استاد تھے اور کچھ کتابیں مولانا عبدالرحمان مرحوم فاضل دیوبند ڈھنڈ ڈھوڈیال والوں سے پڑھیں۔ آپ اصطلاحی علوم و درس نظامی کے سند یافتہ اگرچہ نہیں مگر اُس زمانہ کی مساجد کی تعلیم جید علمائے کرام سے حاصل ہوئی۔ علم تفسیر اور علم فقہ میں نیز فارسی نظم و نثر میں بھی کافی دسترس رکھتے ہیں۔

آپؑ کے اساتذہ کرام جن سے آپؑ نے علم دین حاصل کیا مولانا عبدالکحیمؒ و مولانا عبدالرحمنؒ موصوف کے علاوہ مولانا نور السلامؒ بیداری والے اور حاجی محمد اعظمؒ گیر والے والے بھی قابل ذکر ہیں۔ جو کہ حضرت سید پورؒ کے مرید اور عقیدت مند بھی تھے۔ حاجی محمد اعظمؒ جو کہ حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے خلیفہ مجاز تھے آپؑ کے دینی استاد ہونے کے علاوہ علم تصوف و سلوک میں بھی آپؑ کو ساتھ رکھ کر تربیت حسنہ کرتے رہے۔ والد ماجد حضرت سید پورؒ کے بعد تصوف و سلوک میں تربیت حسنہ کرنے والوں میں حاجی محمد اعظمؒ و حضرت نانگا باباؒ اور نانگا باباؒ کے فرزند اور حضرت سید پورؒ کے خلیفہ مجاز حضرت معرفت اللہ مولانا محمد یوسفؒ جبوڑی والے قابل ذکر ہیں۔ آپؑ کو بھی ان کے ساتھ سخت عقیدت تھی اور اب بھی ہے۔

چونکہ آپؑ کمزور اور نحیف البدن تھے اس لئے آپؑ کو حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے حالات کے پیش نظر اجازت مرحمت فرمادی تھی کہ آزاد کشمیر میں رہائش رکھنے کی بجائے پکھل میں (ہزارہ) رہائش پذیر رہیں۔ وطن میں آپؑ بوجہ کمزوری اور نحیف البدن ہونے کے زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہاں ان دنوں خورد و نوش کی اشیاء اور سودا سلف کی چیزیں قریب تقریباً دستیاب نہ تھیں مظفر آباد سے اٹھا کر پیدل پہنچائی جاتی تھیں۔ اور شاید قدرت نے ادھر رہائش رکھنے کا القا، حضرت سید پورؒ کے دل میں پیدا کر دیا۔ اس لئے آپؑ حسب حکم اپنے والد ماجد اور ان کی دلی دعا کی وجہ سے پکھلی کے ایک گاؤں ڈھوڑیال پھر گیر وال میں مقیم ہو گئے اور اب تک یہاں ہی رہائش پذیر ہیں اور قدرت نے اپنا مکان رہائش اور دیگر نعمتوں کا احسن انتظام کر دیا ہے اور اب آپؑ کے گرد و پیش آپؑ کی اولاد اور خویش واقارب کی کافی آبادی کا چھوٹا سا محلہ قدرت نے قائم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اتحاد و اتفاق نصیب فرمائے اور آپؑ کے فیض کو عام فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ط۔

حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے اپنی زندگی و حیاتی میں اپنی جائیداد شریعت کے مطابق تقسیم کر دی تھی۔ اور آپؑ کے حصہ میں وہ زمین اور مکان آیا تھا جو کہ حضرت سید پورؒ کا مسکن

تھا۔ مگر حالات و واقعات کے پیش نظر آپ نے وہ حصہ اپنے بڑے بھائی حاجی غلام رسول صاحب پر فروخت کر دیا۔ اور اب تک حاجی غلام رسول صاحب اسی مقام و مسکن پر مقیم ہیں۔ اور حضرت کی زیارت پر جانے والے مہمانوں کی خدمت کا زرین موقع ان کو فراہم ہو گیا ہے۔ اور مہمانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہتی ہے۔

حضرت پیر عبدالحی صاحب گیر وال نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت و بیعت اپنے والد ماجد حضرت خواجہ شمس الدین سے حاصل کی تھی۔ اور سلسلہ بیعت آپ نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت سید پوری کے خاص خاص خلفاء کے باہمی مشورہ سے شروع کیا تھا۔ آپ کے دائرہ طریقت میں تعلق بیعت رکھنے والے حضرات آزاد کشمیر، ہزارہ ڈویژن کے مختلف مقامات پر نیز الائی، نندھاڑ، بھل اوگی، گلگت کوہستان، تٹوال، لاہور اور کراچی میں موجود ہیں۔ اور آپ کے حلقہ میں بڑے بڑے فاضل و عالم اور مستند علمائے کرام بھی موجود ہیں۔ آپ کے خلفاء کا تذکرہ حضرت سید پوری کے خلفاء عظام کے تذکرہ کے بعد انشاء اللہ مختصر تعارف کے ساتھ کیا جائے گا۔ مؤلف کتاب ہذا کی بیعت بھی آپ سے سترہ سال کی عمر میں ۱۹۵۸ء میں ہوئی تھی۔ طریقت و بیعت کے بعد داماد ہونے کا شرف 21 سال کی عمر میں حاصل ہوا۔ اور اکثر زندگی آپ کے ساتھ گزاری اور رہائش بھی پڑوس میں ہی قائم ہو گئی ہے۔ مؤلف کی زندگی کا اکثر حصہ آپ کی صحبت و مجلس میں گزر رہا ہے۔ جو کہ قدرت کی جانب سے احسانِ عظیم تصور ہوتا ہے۔ کیونکہ شمع پر جو پروانے یعنی احباب طریقت جمع ہوتے رہتے ہیں ان کے دیدار سے بھی مستفید ہوتا رہتا ہے۔

حَاجِبُ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلِّي اللَّهُ يُزَنِّبَنِي صِلَاحًا ط

ترجمہ:- اگرچہ خود صالح ہونے کا شرف حاصل نہیں مگر صالحین سے محبت ضرور ہے تاکہ اللہ تعالیٰ صالحین کی برکت سے مجھے بھی صالحین میں شامل کر دے۔

پیر و مرشد حضرت پیر عبدالحی مدظلہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے طالبان حق

بغرض حصول فیض آتے رہتے ہیں۔ ان سے میری ملاقات مفت میں ہو جاتی ہے اور مجھے علم اللہ تعالیٰ کے عشاق کو دیکھنے کا موقع فراہم ہو جاتا ہے۔ اسی میں دینی سعادت سمجھتا ہوں کہ اللہ والوں کی مجلس کا تماشائی بھی کبھی محروم نہیں رہتا۔ مجلس صالحین پر جو رحمت برسی ہے اس کا ایک آدھ چھیننا تماشاہ کرنے والے پر بھی ضرور پڑ جاتا ہے۔

یہ بات تو تعارفی طور پر ضمن میں آگئی آدم برسر مطلب پیر و مرشد پیر عبدالحق مدظلہ میرے روحانی مربی ہونے کے ساتھ ساتھ دینی علم میں بھی میرے استاد ہیں۔ آپ عقیدہ مسلک کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت اور خفی المسلمک ہیں۔ شرک و بدعت سے متفراد توحید کے دلدادہ ہیں۔ دین میں جو رسومات بدعات حسنہ کے طور پر رائج ہو چکی ہیں ان کے بھی قائل نہیں ان کا عقیدہ وہی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی والا عقیدہ ہے کہ وہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”یہ فقیر بدعت سیہ تو درکنار بدعت حسنہ میں بھی سوائے اندھیرے کے کچھ مشاہد نہیں کرتا“ اور فرمایا کرتے تھے کہ ”بدعت اور اہل بدعت سے اس طرح دور بھاگو جس طرح گدھا شیر سے بھاگتا ہے“۔ اسی لئے آپ بھی بدعات اور رسومات سے اجتناب کرتے ہیں۔ تبلیغی جماعت ضلع مانسہرہ کے امیر مولانا حاجی ضیا الحق مدظلہ العالی جو کہ حاجی صاحب گاندھیا والے پر معروف ہیں ان سے عقیدت و محبت ہے اور حاجی ضیا الحق صاحب موصوف کو بھی ان سے عقیدت و محبت ہے۔ اور سفر حج میں کئی بار ہم سفر رہے ہیں۔ عوام الناس کو تبلیغ کی محنت میں شامل رہنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ اور بہت سے نقطہ دان تبلیغی دوست آپ کے مرید بھی ہیں۔ اور حضرت الیاس کی سنت ادا کرتے ہوئے۔ آپ کی مجلس میں اگر فیض روحانی سے بھی مستفید ہوتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ میں بھی ان کی صحبت اور مجلس کی برکت سے نکلے ہیں۔ الیاس بانی تبلیغ کی طرح تبلیغ کو اپنی جگہ پر وقت دیتے ہیں اور تصوف و سوک کو اہم وقت دے کر ترک کیے نفس کرتے ہیں۔ مولانا الیاس بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں چلت پھرتے طبعی اثرات کو سہارہ پور خلیل احمد انور رائے پور اور شاہ عبدالقادر کے پاس پہنچ کر ان کی صحبت

مجلس میں رہ کر دل غسل دیتا تھا۔ اور اگر بالفرض سفر کر کے جانے کا موقع نصیب نہ ہوتا پھر گھر
مذہبی مسجد میں تین دن اعتکاف پر بیٹھ کر ان طبعی اثرات مذکورہ کو دل سے دور کرتا تھا۔ گویا تبلیغ
میں محنت کرنے والے کے لئے روحانی مجلس و صحبت کو بھی حضرت الیاسؑ نے لازمی قرار دیا
ہے۔ (ملاحظہ ہوں ملفوظات الیاسؑ) اللہ والوں کی صحبت و مجلس کیسیہ و اکسیر اعظم ہوتی ہے
اور اس کا رنگ صاحب مجلس پر ضرور چڑھتا ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوب بدستم
بد گفتم کہ مشک یا عبری کہ از بوئے دلاویزے تو مستم
بکھلائم گل نا چیز بودم لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرو وگر نہ من ہمہ خاکم کہ ہستم
ترجمہ:-

۱۔ ایک دن میں حمام میں غسل کر رہا تھا کہ خوشبودار گیلی مٹی برائے خوشبو میرے ہاتھ
لگی۔ اور وہ خوشبودار گیلی مٹی میرے دوست کے ہاتھ سے مجھے ملی تھی۔

۲۔ میں نے اس گیلی مٹی سے کہا کہ مشک ہے یا عنبر ہے تو کیونکہ تیری خوشبوئے دل
آویز نے مجھے مست کر دیا ہے۔ ایسی خوشبو مشک و عنبر کی ہی ہوتی ہے۔

۳۔ اس گیلی مٹی نے مجھے جواب دیا کہ میں نا چیز مٹی ہی ہوں لیکن میں کچھ عرصہ و مدت
سے ان پھولوں کی صحبت و محبت میں رہی ہوں۔ میرے ارد گرد پھولوں کی خوشبو مجھے اپنے
ماحول میں رکھے ہوئے تھی اور میرا صبح و شام پھولوں کی مجلس میں بسر ہوتا تھا۔

۴۔ اور میرے ہم نشینوں کا جمال اور خوشبو مجھ میں سرایت کر گئی اور ان کی خوشبو نے مجھ کو
بھی معطر و خوشبودار بنا دیا۔ ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو کہ تھی۔ آدمی عطر کی دوکان میں بیٹھ کر عطر
سے معمور ہو جایا کرتا ہے اور آگ کی بھی میں آگ کی چنگاریاں بھی اس کے لباس کو چھلنی

کرتی ہیں۔ گویا صحبت و مجلس ضرور اپنا اثر پیدا کر کے رہتی ہے۔

صحبت صالح تر اصلاح کند صحبت طالع تیرا طالع کند
ترجمہ:- اچھی صحبت تجھے اچھا کر دے گی اور بری صحبت تجھے برا کر دے گی۔

اسی طرح مؤلف کی اللہ والوں سے جو صحبت و انس ہے وہ پیر و مرشد کی صحبت و مجلس اور آپ کے ساتھ اللہ والے جو اٹھتے بیٹھتے رہتے ہیں ان کی مجلس کا اثر ہے۔ ورنہ میں اپنی بڑی وہی قصور وار ہوں جو کہ پہلے تھا۔ اللہ تعالیٰ نیک مجلس کی وجہ سے مجھ پر فضل و کرم فرما کر خاصان حق جو کہ یریدون وجہہ کے مصداق ہیں ان کی فہرست میں میرا نام بھی شامل فرمادے تو کیا بعید ہے۔

خرد سے تجھ تلک آنا ہے مشکل تو خود جذب و جنوں اپنا عطا کر

(حبیب)

اے اللہ اپنی عقل کے بل بوتے پر تیرا قرب بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اے اللہ جذب و جنوں میں سرشار فرما کر اپنے خصوصی فضل و کرم سے اپنے قریب فرمادے۔ اور نیک صحبت میسر ہونا بھی ایک گونا گونا اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ یا اللہ تعالیٰ حضرت مرشدی و مولائی کی عمر میں برکت عطا فرما کر عمر دراز نصیب کر تا کہ بندگان خدا کو مزید صحبت و مجلس نصیب ہوتی رہے۔

حضرت مرشدی و مولائی کو اللہ تعالیٰ نے کئی بار حج بیت اللہ و عمرہ کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔ پہلی بار جب آپ ۱۵ جنوری ۱۹۷۲ء کو بسوں کے ذریعے خشکی کے راستے اہل قافلہ مبارک سیارۃ الحرم کے ساتھ براستہ افغانستان، ایران، عراق بیت اللہ شریف کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جب رحمت الہی کے جھونکے بیت اللہ شریف کی طرف سے آ رہے تھے۔ آپ کی دلی کیفیت تبدیل ہو رہی تھی۔ دیدار کرنے کے لئے محبت و بیقراری بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ حالت اضطرابی میں بے ساختہ اشعار ذیل زباں پر آنے لگے جو کہ زیر قلم کئے گئے ہیں:

کہ مطالعہ سے آپ محظوظ ہوں:-

خدا! یہ کیا ہی مبارک سفر ہے تیرے در پہ حاضر غریب ہو رہا ہے
 دل مضرب کو قرار آگیا ہے تیرا گھر مبارک قریب ہو رہا ہے
 کرم ہی کرم ہے نوازش ہے تیری دیدار بیت اللہ نصیب ہو رہا ہے
 کارواں بڑھ رہا ہے تڑپ بڑھ رہی ہے میرے دل کا منظر عجیب ہو رہا ہے
 سمجھتا نہیں خواب ہے یا حقیقت کہ دامانِ رحمت قریب آ رہا ہے
 در مصطفیٰ یہ بھی جانا ہے لازم یہ ارشادِ پاک حبیبُ آ رہا ہے
 شفا یاب فرما مریض گناہ کو جو زیرِ علاج طیبُ آ رہا ہے

جب آپؐ سفر حج سے واپس تشریف لائے تو گھر میں رہ رہ کر سفر حج اور مدینہ منورہ کی
 یاد ستاتی رہتی تھی۔ آپؐ کی پیاس بجھنے کی بجائے اور تیز ہو گئی اور دل کو خانہ کعبہ اور مدینہ طیبہ کی
 یاد رہ کر ستانے لگی۔ دل کی بیقراری بڑھ گئی اور سفر حج کا ہر ہر منظر آنکھوں کے سامنے آ رہا
 تھا۔ چنانچہ اسی یاد میں آپؐ نے ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں
 حالت اعتکاف اپنی جامع مسجد گیر وال میں ذیل نظر نظم بند فرمائی۔

احرام میں عاشق خورد وکلاں سرگرم طواف کعبہ میں
 وہ چومنا حجر اسود کا وہ یاد ستاتی رہتی ہے

وہ گردِ بیت اللہ شام و سحر سیلاب رواں انسانوں کا

تسبیح و ثناء زبانوں پہ وہ یاد ستاتی رہتی ہے

عظیم کے اندر زاری کی ملتزم سے چمت کر رونے کی

”رکنِ یمانی کے منظر کی وہ یاد ستاتی رہتی ہے

کیا شانِ میزابِ رحمت کی! قربان نگاہیں ہوتی ہیں

غلافِ خانہ کعبہ کی! وہ یاد ستاتی رہتی ہے

”لفظِ نماز دو رکعت میں! مقامِ ابراہیمی پر

”مجھ سے قدموں کی ٹھوکر میں وہ یاد ستاتی رہتی ہے

وہ چشمہ آب زمزم کا وہ مشرب پر خلیل اللہ
ہجومِ خلاقی قدرت کی وہ یاد ستاتی رہتی ہے

صفا سے وہ دوز دیوانوں کی! مروہ سے اداس نگاہیں بھی
نیشب و فراز کی سعی کی! وہ یاد ستاتی رہتی ہے

وہ چیخ و پکار کا عالم بھی وہ شانِ خدا کی بخشش کی
دن رات بارانِ رحمت کی وہ یاد ستاتی رہتی ہے

آپؐ کے در و محبت کی یہ صدا گو نجاتی ہوئی خدا تعالیٰ کے دربارِ عالی میں پہنچ گئی
رحمتِ خداوندی کو جوش آیا۔ اور آپؐ کی دلی مراد پوری کر کے آپؐ کو دوبارہ قبول فرما کر اپنے
مبارک گھر بیت اللہ شریف کے دیدار سے مشرف فرمایا۔ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۷۷ء کو آپؐ
راولپنڈی سے بذریعہ ریل گاڑی کراچی روانہ ہوئے تو انتہائی مسرت اور محبت کے ساتھ آپؐ
کی زبان سے بے ساختہ اشعار صادر ہوئے۔ جو کہ بر موقع قلم بند کر دیئے گئے۔ اشعار مذکور
آگے ملاحظہ ہوں:-

بلا یا خدا نے دوبارہ کرم سے	مہمان بیت اللہ چلے جا رہے ہیں
میری آرزو تھی یہی زندگی میں	پھر ایک ساتھ ہم سب چلے جا رہے ہیں
عجب قافلے ہیں یہ احباب حج کے	بشوق زیارت چلے جا رہے ہیں
عقیدت کے اشکوں سے منہ دھونے والے	الوداع کہتے کہتے چلے جا رہے ہیں
الہی یہ بندے تیرے گھر کے مہمان	ترپتے ترپتے چلے جا رہے ہیں
تیرے ذوقِ عالی سے لبریز دل میں	دلوں کو یہ نغمائے چلے جا رہے ہیں
محبت تمہاری ہی زادِ سفر ہے	محبت ہی لے کر چلے جا رہے ہیں
خدا کی محبت عطیہ خدا کا!	محبت کے گھر کو چلے جا رہے ہیں
یہاں بھی محبت وہاں بھی محبت	محبت کے مجنوں چلے جا رہے ہیں

تو راضی ہو جس سے بلاتا ہے در پر تیری ہی رضا سے چلے جا رہے ہیں
 خدا یا سفر کو تو آسمان کر دے سفر پہ جو بندے چلے جا رہے ہی
 کراچی پہنچ کر آپؐ بذریعہ ہوائی جہاز مورخہ ۹ نومبر ۱۹۷۱ کو خانہ کعبہ کی جانب سفر
 پروانہ ہو گئے۔ جوں جوں ہوائی جہاز خانہ کعبہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ محبت کا پیانا لبریز ہوتا جا
 رہا تھا۔ اور دل کی کیفیت بدلتی جا رہی تھی۔ اور بیت اللہ شریف کے دیدار کے لئے دل بیقرار
 تھا۔ اور شوق دیدار حرم میں آنکھیں نم تھیں۔ اور دل مضطرب کو انتظار تھا کہ کب اور کس وقت
 طیارہ جدہ کے ہوائی اڈہ پر اترے کہ ہم دیوانوں کی طرح دوڑتے ہوئے خانہ کعبہ کے دامن
 القدس میں پہنچ کر دیدار بیت اللہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔ اسی کیفیت بے قراری
 میں ہوائی جہاز کے اندر دورانِ سفر چند اشعار صادر ہوئے جو کہ قلم بند کر دئے گئے تھے درج
 ذیل ہیں:-

رواں ہیں دواں ہیں بیت اللہ کو ہم بھی	کسی کی طرف سے بلایا گیا ہے
جدھر سے یہ رحمت کے جھونکے ہیں آتے	اُسی طرف ہم کو بلایا گیا ہے
کرم ہے خدا کا عنایت خدا کی	فضاؤں میں ہم کو اُڑایا گیا ہے
سعودی طیارہ اڑا جا رہا ہے	ہمیں اُس کے گھر میں بلایا گیا ہے
گناہوں سے جو شر مسار تھے ہم	بہ اعلان بخشش ہنسایا گیا ہے
ہوا میں صدائے لبیک آہر ہی ہے	عجب جشن حج یہ منایا گیا ہے
ولا تَقْنَطُوا کی صدا آرہی ہے	کہ رونھے دلوں کو منایا گیا ہے
تیرے بے نیازی و رحمت پہ قرباں	کہ اُجڑے دلوں کو بسایا گیا ہے
دو ٹکڑے ہیں کافی کفن زندگی کا	نہلا کر دھلا کر پہنایا گیا ہے
فطرت اپنی شانِ کریبی کے صدقے	ہمیں اپنے در پہ بلایا گیا ہے

آپؐ کا یہ طیارہ ۳ گھنٹے ۱۰ منٹ کے بعد جدہ کے ہوائی اڈہ پر اتر گیا۔ اور آپؐ

سرکاری ٹرانسپورٹ کے ذریعے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کی دلی مراد پوری ہو گئی مگر
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دیدار بیت اللہ کی پیاس مزید شدت اختیار کر گئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ بار بار بلائے
انتظام فرمائے۔ اور تادم زیست دیدار بیت اللہ سے مستفید فرماتا رہے۔ اور رحمت میں اضافہ
فرماتا رہے آمین۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور فضل سے ۱۹۸۹ء میں پھر بلایا۔ اور ۱-۹۸-۲۳ کو آپ
مدینہ منورہ میں ریاض الجنہ میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ نے اپنے دل کے جذبات و
احساسات کو یوں قلم بند فرمایا:-

نظر میں عجب تیری شان آ رہی ہے	یہاں پر بوئے باغیاں آ رہی ہے
ارے غور سے کچھ سنو بھی ذرا تم	کدھر سے یہ آہ و فغاں آ رہی ہے
وہ روضے پہ عاشق چلے آ رہے ہیں	اُدھر سے ہی آہ و فغاں آ رہی ہے
عجب ہے یہ تاثیر من جانب اللہ	کہ شام و سحر جو یہاں آ رہی ہے
اُدھر کو ہے کعبہ اُدھر کو ہے روضہ	دو جانب سے رحمت رواں آ رہی ہے
خدا کی نوازش کا تو منتظر رہ	رضائے خدا گل فشاں آ رہی ہے
یہ محسوس ہوتا ہے مجھ کو یہاں پر	کہ رحمت الہی دواں آ رہی ہے
جو روضہ اقدس نظر آ رہا ہے	صدائے درود و سلام آ رہی ہے
محراب محمدؐ سے اب تک وہ خوشبو	شب و روز اب بھی عیاں آ رہی ہے
کرامت ہے جنت کے نکلنے کی یارو	حقیقت میں رحمت نہاں آ رہی ہے
ہیں بندے خدا کی عبادت میں مصروف	آواز اُن کی گریہ کناں آ رہی ہے
طلب کر خدا سے تو فضل خدا بس	دل مضطرب سے فغاں آ رہی ہے

۲۲ فروری ۱۹۹۰ء کو کراچی سے بسفر عمرہ چند اشعار جو پیش قارئین کرام ہیں کہ آپ

حج و عمرہ کی کتنی لگن اور پیاس ہے کہ باوجود بار بار جانے کے بھی پیاس شدت ہی اختیار کرتی جا رہی ہے۔

دکھا بار بار اپنا حرم تو
جب جانے کا تو نے کر دیا جو
میری طاقت کہاں تھی حاضری کی
در دولت کدہ پہ لاکے تو نے
تیرے دیدار کعبہ سے ہے یارب
ہے پتھر حجر اسود نام جس کا
لکنا غلد سے آدم کا قصہ
ذرا سی بھول آدم سے جو وہ ہو گئی
دوبارہ آرزو جنت کی گر ہو
طواف خانہ کعبہ کی حقیقت
علاج ہر مرض ہے آب زمزم
مٹا سے جا کر مروہ تک بھی دیکھو
پلے جاؤ جوانی میں ہی حج کو
مڑ آتا نہیں حج کا اے یارو

نہیں ہے اعتبار زند گانی
یہی ہے تیرے فضلوں کی نشانی
خداوند! یہ تیری مہربانی!
کرم خود کر دیا ہے ناگہانی
ملی ہے مجھ کو حیاتِ جاودانی
سناتا خود ہے جنت کی کہانی
سنو جا کر ذرہ اُس کے زبانی
سبب سا بن گیا نقل مکانی
بنی آدم کو ہو گی جاں فشانی
بتاؤں کس طرح راز نہانی
سند اس کی ہے حضرت کے زبانی
شواہد ہیں وہ آیاتِ قرآنی
اگر چاہتے ہو حج تم با آسانی
مگر وہ حج کہ کیا ہو در جوانی

یہ بالکل درست ہے کہ بوڑھا ہو کر حج کو جائے تو ٹھوکریں ہی ہوں گی۔ جوانی میں تمام ارکانِ اطمینان کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں۔ بوڑھا آدمی تو چلنے میں بھی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ حج کے ارکان کیا ادا کرے گا۔ مگر بوڑھا ہو کر حج معاف نہیں ہو جاتا اگر خود جائے تو کسی کے ساتھ ہو کر جائے اور اگر ہمت نہ ہو تو پھر حج بدل کر اگر فریضہ سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔

حضرت صاحب ایک بار غارِ حرا پر تشریف لے گئے واپسی پر زباں مبارک پر یہ

اشعار آئے اور ان کو قلم بند کیا گیا جو کہ ذیل میں درج ہیں۔

سنا ہے میں نے غارِ حرا ہے تو خلوت گاہِ محبوب خدا ہے
شرفِ قرآن کا تجھ کو ہے حاصل ہوئی تجھ پر وحی کی ابتداء ہے
قدم چومے ہیں تو نے مصطفیٰؐ کے تیری گرد و غبار اب کیسا ہے
تیرا رتبہ بلند اب اس واسطے ہے تو جائے بندگی خیر الوریٰ ہے
زیارت گاہِ امت ہے دوا می دل و جاں سے ادب تیرا بجائے
وہ سوز و ساز کی گھڑیاں ہیں مبارک کہ جن کہ ابتداء بھی انتہا ہے
عجب انوار ہیں غارِ حرا پر جدھر دیکھو جو منظر خوشنما ہے
الہی اپنی رحمت سے دوبارہ مرحمت کر یہ میری التجا ہے
ترپ جاتی ہے دل میں یا الہی تو ہر محتاج کا حاجت روا ہے
زیارت ہو حرم کی زندگی میں ہے میری تجھ سے یا رب یہ دعا ہے

آپؐ کی اس ضمن میں اور بہت سی نظمیں موجود ہیں مگر باعث طوالت نہیں لکھی گئیں

ان چند اشعار پر ہی اکتفاء ہے کہ قارئین کرام پڑھ کر دل میں جذب و محبت پیدا کریں۔ اب آپ کے مسجد گیر وال میں صبح کی نماز کے بعد گاہے گاہے چند لہجوں اور گھڑیوں کے چیدہ چیدہ بیانات جو بوقت فرصت قلمبند کئے گئے ہیں۔ یہ قارئین کرام کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تا کہ آپ کے وعظ و بیان سے نصیحت آموز تاثرات ذہن نشین کر کے اپنے افعال و کردار کو درست کیا جائے۔ اور اپنے عقیدہ اور جذبات دینیہ کو شریعت کے عین مطابق استوار کیا جائے۔ اور آپ کے بیان کردہ اصول و ضوابط کے مطابق زندگی گزاری جائے اور آپؐ کے پاس بیٹھ کر صحبت و مجلس کے تاثرات اخذ کئے جائیں اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی محبت اور اس پر عمل کرنے کی ہمت نصیب فرمائے آمین۔

آپؐ کے وعظ و بیان سے ماخوذ کاروائی راہِ حق کے لئے چند نصائح

۱۔ شرک سے اجتناب:- آپؐ نے فرمایا شرک سے بچو! اور ہر حال میں خدائے ذوالجلال ہی کو پکارو وہی دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ اُس کی طرف سے دعا قبول کرنے کے لئے کوئی دیر نہیں۔ وہ باریک میں ہے لطیف و خبیر ہے۔ وہ کالی رات میں باریک اور کالی چوٹی کو دیکھتا ہے۔ اور اُس کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔ اور اُس کے دل کے ارادوں کو جانتا ہے۔ اور آئندہ جو ارادہ کرے گی وہ بھی جانتا ہے۔ اگر دعا کی قبولیت میں کچھ دیر ہے تو یہ فرق بھی ہماری طرف سے ہے۔ ہمارے خورد و نوش میں حلال و حرام کی تمیز بالکل نہیں ہے۔ اور ہمارے تقویٰ و پرہیزگاری میں بھی فرق ہے۔ اسی بنا پر ہماری دعاؤں میں قوت پرداز نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط جوڑ کر اس کے احکام کی پابندی کرنے والے بن جائیں تو پھر ہماری ہر فریاد سنی جائے گی اور ہماری ہر نیک دعا کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت بخشے گا۔

فرمایا ہر زمانے میں انبیائے کرام نے مصائب کے دوران یا اولاد کی طلب کے دوران اپنی دعاؤں اور حاجات میں خدائے ذوالجلال کو ہی پکارا ہے۔ اور اپنی حاجت روائی کی التجا کی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی پکارنا اور دعا طلب کرنا جائز ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام اولاد کے بارے میں دعا مانگتے ہوئے۔ انبیائے سابقین کا نام بھی لے کر ان سے مدد طلب کرتے۔ یا ان کے مزارات پر جا کر ان سے بھی مدد طلب کرتے اور اپنی دعاؤں میں ان کو بھی شریک رکھتے مگر قرآن شاہد ہے کہ ایسا ہرگز نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے رب کو ہی پکارا ہے۔ اور اپنی حاجت روائی کی التجا کی ہے۔ پس ہم کو بھی اپنی حاجات اور مشکلات میں اپنے خالق و مالک رب تعالیٰ کو ہی پکارنا اور اُسی سے امداد طلب کرنا

چاہیے۔ اور یہ فعل عین سنت انبیاء ہے۔ جو اس کو وہابیت کا نام دے کر سادہ لوح مسلمانوں کے عقیدہ میں رخسار ڈالتے ہیں۔ اللہ ان سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

آپؐ نے فرمایا۔ میرے والد صاحب حضرت خواجہ شمس الدین سید پورٹی عارف باللہ کامل و اکمل اولیائے عظام میں سے گزرے ہیں۔ اگر جائز ہوتا اور شریعتِ اجازت و جہت تو میں آپ کو یہ کہتا کہ آپ ہر مشکل میں ان کو پکارا کریں مگر میں نے کسی وقت بھی آپ کو یہ ترغیب نہیں دی اور نہ ہی مجھے ایسے ترغیب دینے کا حق حاصل ہے۔ میں کیوں پیری چکانے کے لئے غلط راستہ کی ترغیب دوں۔ اللہ تعالیٰ میری بھی حفاظت فرمائے اور آپ کی بھی حفاظت فرمائے۔ اور مجھے ایسی کوئی بات کہنے اور منوانے کی ہمت نہ دے جو شریعت کے خلاف ہو۔ اور میں آپ کو ایسے خلافِ شریعت کام کی ترغیب دے دوں۔

اللہ تعالیٰ کے بندے بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہوتے ہیں۔ مدد کو وہی پہنچ سکتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور بے نیاز ہو۔ اور یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہی مدد کرتا ہے اور اپنے بندوں کی جو کہ محتاج ہیں ان کی حاجت روائی کرتا ہے۔ نیز فرمایا ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ کسی جگہ پر موجود ہو۔ اس کی زندگی میں اس کے پاس جا کر استدعا کر سکتے ہو۔ جس کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔ اگر دنیا سے بندہ خدا رخصت ہو چکا ہے۔ تو اس کے ارفع درجات کے لئے دعا کر سکتے ہو۔ ہاں اپنی دعاؤں میں کسی نیک بندے کا واسطہ دے کر کہ یا اللہ بجزمت فلاں بندہ خدا اکبرہ کردعا کی منظوری کی التجا کرنا البتہ جائز ہے۔ مگر براہِ راست کسی بندہ خدا سے حاجت طلب کرنا کہ تو میرا یہ کام درست کر دے نا جائز ہے اور اس کو پکارنا ظلمِ عظیم ہے یعنی کبیرہ گناہ اور شرک بالذات ہے۔ ہر بات کے لئے ایک معیار ہے اور وہ معیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بتا دیا ہے اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ جو عمل بھی صحابہ کرام کے عمل سے متضاد ہو وہ عمل رد تصور ہوگا۔ اور جو خود کو صاحبِ معیار کہے وہ بھی رد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان :-

اِنَّ الشَّرَّكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ بے شک البتہ بڑا عظیم گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس ظلم عظیم سے محفوظ رکھے اور جو لوگ اس کی تحقیق میں پہلو
ہمی کرتے ہوئے اپنی خواہش نفسانی کے تحت فیصلہ دیتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ حقیقی بات سے
روشناس فرمائے آمین۔

۲۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :- حج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب پہلی بار

نکلی کے راستہ قافلہ سیارۃ الحرم جو کہ براستہ پشاور افغانستان ایران عراق ہوتا ہوا سعودیہ عربیہ
میں داخل ہوا تھا۔ اس قافلہ میں سفر کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس قافلے کے
ساتھ حج کرنے کا ابتدائی موقع نصیب فرمایا اور حج کے بعد مدینہ منورہ جانے کی سعادت
نصیب ہوئی۔ ایک روز روضۂ اطہر پر درود و سلام پیش کر رہا تھا کہ درود و سلام پڑھتے ہوئے
میری نظر اچانک ایک نوجوان پر پڑی اور اس کی کیفیت اور عشق و محبت کو دیکھ کر مجھ کو اپنا
درود و سلام پڑھنا بھول گیا اور اُس نوجوان کی جانب دیکھ کر ٹٹکی باندھ کر دیکھتا رہا اور اُس کے
رونے دھونے اور عشق و محبت پر رشک کی نگاہ سے نظر رکھے ہوئے تھا۔

وہ نوجوان کمال محبت اور عجز و انکساری اور آہ و زاری کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ
والہ وسلم پر ایک خاص انداز میں تحفہ درود و سلام پیش کر رہا تھا۔ کہ مجھے اپنا عشق و محبت اُس
کے مقابلہ میں بیچ معلوم ہوا۔ اور اُس کے دیدار میں کھڑا اُس جیسے عشق و محبت کی طلب اپنے
رب سے کرتا رہا امید ہے کہ اللہ رب العزت نے قبول فرمائی ہوگی۔ اسی طرح خانہ کعبہ کے
ساتھ ایک دن چمٹا ہوا کچھ زاری کر رہا تھا اور کچھ عربی کے کلمات بھی پڑھ رہا تھا کہ پاس ہی
ایک شخص سادہ الفاظ میں عشق و محبت اور عجز و انکساری کے ساتھ یہ کہہ رہا تھا میرے اللہ میں
بہل گنہگاروں میں سے تھے فضل کر۔ بس پھر کیا تھا مجھے اپنے عربی کے کلمات بھول گئے اور
اُس کے سادہ الفاظ سن سن کر رو رہا تھا کہ یا اللہ عشق و محبت ہو تو پھر سادہ لوح انسان پر تو کتنا
راہی ہوتا ہے اور اُس کے سادہ الفاظ کو کتنا پسند فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مکمل اخلاص عشق و

محبت نصیب فرمائے آمین۔

۳۔ قال و حال اور حق و باطل میں تمیز:- فرمایا ایک قال ہے اور ایک حال ہے۔ قال ظاہری علم دین ہے جو کہ سیکھنے اور سکھانے سے تعلق رکھتا ہے اور درس و تدریس کے ذریعے ایک شخص سے دوسرے تک پہنچتا ہے۔ نیز نشر و اشاعت کے ذریعے دوسروں تک پہنچتا چلا جاتا ہے۔ اس کا تعلق زبان و کلام سے ہے۔ جسے قیل و قال بھی کہا جاتا ہے۔ مگر حال اس کے برعکس ہے۔ اس کو قیل و قال سے کوئی سروکار نہیں یہ ایک کیفیت خاص کا نام ہے جو کہ من جانب اللہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب مبارک میں وہی و عکسی طور پر عطا کی گئی۔ اور یہ کیفیت عشق و محبت کی ایک رمز ہے۔ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سینہ مبارک سے عکسی طور پر قلوب امت میں جو کہ اپنے انداز سے جذب کرنے کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں منعکس ہوتی چلی آرہی ہے اور یہ خاص کیفیت ہے۔ جو کہ بندہ خدا کے دل میں ٹھہر جاتی ہے۔ اور اسکی وجہ سے بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک خاص قسم کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بندہ کے اندر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طلب و محبت کا ہی غلبہ رہتا ہے۔ اور بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ بندے کا محبوب ہو جاتا ہے۔ اور بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبا ڈوبا رہتا ہے۔ مگر اس کیفیت اور رمز کو سوائے اس بندے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے کوئی نہیں سمجھ سکتا اسی لئے کہا گیا ہے بقول کسے۔

میان عاشق و معشوق رمزیت کرانا کاتین راہم خبر نیست

ترجمہ:- بندے اور اللہ کے درمیان ایک رمز ہوتی ہے جسے کرانا کاتین بھی نہیں سمجھ

سکتے۔ اور یہی رمز درحقیقت حال ہے۔ حال اور ایمان کا ایک دوسرے کے ساتھ خاص جواز اور

تعلق ہے۔ جس طرح ایمان گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ اسی طرح حال بھی گھٹتا اور بڑھتا ہے جسے

عروج اور نزول کا نام دیا گیا ہے۔ حال میں ترقی عروج ہے تو کمی نزول ہوگی۔ ایمان اگر ایک

پھول کی پتیاں ہیں تو حال اس طرح پھول کی خوشبو ہے۔ گویا صاحب حال کا ایمان قوی اور

اخلاص و محبت کی خوشبو سے معطر ہوتا ہے۔

پس ایمان کی تکمیل کے لئے قال و حال دونوں کی اشد ضرورت

وجہ سے ایمان میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ اور حال ایک نورانی کیفیت کا نام ہے جو کہ صا
 حال کے دل میں اعمال حسنہ کا نور مقام پکڑ کر روشن رہتا ہے اور جب اس کے اعمال و خیالات
 حسنہ کی بدولت یہ نور بڑھتا ہے تو عروج ہوتا ہے اور اگر اس کے کسی فعل ناپسندیدہ کی وجہ سے
 نورانیت مدہم ہوتی ہے تو نزول ہونے لگتا ہے۔ گویا پسندیدہ اعمال سے نورانیت میں اضافہ
 ہوتا ہے اور ناپسندیدہ اعمال سے نورانیت میں کمی پیدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ لگا رہتا ہے جسے
 عروج و نزول کا نام دیا جاتا ہے۔ پس سالک کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی کام ایسا نہ کیا
 جائے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو اور اس کی وجہ سے نورانیت زائل ہو جائے۔ صاحب حال کا
 جب حال عروج پر ہوتا ہے ایمان میں بھی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اور ایمان بھی بڑھتا ہے۔ پس
 قال اور حال دونوں کی اصلاح لازمی ہے تاکہ قال قال اللہ اور قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
 عین مطابق ہو اور حال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نورانیت سینہ بسینہ پہنچی ہے اس کی
 حفاظت کی جائے اور نفس و شیطان کو اس میں دخل اندازی کرنے کا موقع فراہم نہ کیا جائے۔
 اور دن بدن ترقی کرنے کے مواقع تلاش کر کے ان پر عمل کیا جائے۔ تبلیغی جماعت کا ذکر کرتے
 ہوئے تبلیغ میں محنت کے بارے میں فرمایا۔ تبلیغ قال والا راستہ ہے اور اس میں اصلاح قال
 ہوتی ہے۔ یعنی قال اللہ تعالیٰ اور قال انبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کرنے کا موقع
 نصیب ہوتا رہتا ہے۔ اور طریقت حال والا راستہ ہے قال کے ساتھ حال بھی مطابقت کر کے قا
 ل کی اصلی حقیقت کو ظاہر کرنے کا موقع نصیب کرتا ہے اور طریقت میں اصلاح قال و حال
 نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا جس طرح موجودہ طرز و تبلیغ میں قدم رکھ کر خوب محبت کرنے سے جو برکات و
 انکشافات حاصل ہوتے ہیں اور دین کی لذت و حقیقت معلوم ہوتی ہے اسی طرح طریقت میں

قدم رکھ کر خوب محنت و محبت کرنے سے بھی برکات باطنی نصیب ہوتے ہیں۔ دین کی ماہیت و حقیقت معلوم ہو جاتی ہے نیز اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا ہے اور حق باطل میں تمیز کرنے کا ملکہ نصیب ہوتا ہے۔ اور انسان یہ معلوم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے کہ میں نے یہ عمل جو کیا ہے کیا خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے یا اللہ تعالیٰ کی اس میں ناپسندیدگی ہے۔ کیونکہ قلبی صفائی نصیب ہونے کی وجہ سے جو اس میں نورانیت ہوتی ہے مزید اضافہ ہو کر ترقی اور عروج کرتی ہے یا کمی پیدا ہو کر نزول ہونے لگتا ہے۔ گویا چھوٹے سے چھوٹا پسندیدہ فعل یا ناپسندیدہ فعل کھٹک جاتا ہے۔ اور اس کی اچھائی و برائی کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ فوجی رے ڈار کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح رے ڈار میں نظر آ جاتا ہے کہ دشمن کا جہاز یا میزائل فلاں جگہ سے اُٹھ کر فضا میں پرواز کر کے اتنی بلندی پر اس رخ کو آ رہا ہے اور اس کے حملہ سے بچاؤ کی تدبیر اختیار کی جاتی ہے اسی طرح جب قلب میں صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اس میں ہر نیک اور بد عمل کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اچھے عمل کے اچھے اثرات اور برے عمل کے بُرے اثرات ہوتے ہیں۔ تو انسان برے اثرات والے اعمال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اچھے اثرات والے اعمال کے کرنے کی سعی کرتا ہے مگر حقیقت میں بھی محبت و عقیدت اور انہماک شرط ہے۔

۳۔ جو مریدوں کی کثرت پر کھمبہ کرتا ہے ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں

حیران ہوں کہ بعض حضرات مریدوں کی کثرت تعداد پہ ناز کرتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں کہ یہ پیری مریدی کا کام کتنا مشکل اور نازک ترین ہے۔ کل قیامت کے دن جب ان حضرات سے باز پرس ہوگی کہ کون پیری مریدی کا اہل تھا اور کون خود ساختہ بزرگی کے مل بوتے پر پیر بن کر مریدوں کی تعداد پر فخر و ناز کرتا تھا اور اسے اپنے فخر و ناز کا یہ چل جائے گا کہ مریدوں پر فخر کرنے کا کیا مزہ ہے۔ یہ کوئی پدری وراثت نہیں کہ ہر وارث حق دار ہے اور حق دار کو حق ملنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ تو اہلیت و کاملیت پر منحصر ہوتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت خواجہ شمس الدین سید پورئی سے دوستوں نے دریافت فرمایا کہ حضرت آپ کے بعد گدی نشین کو

ن ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "یہ وراثت نہیں جو بھی اہل ہوگا اللہ تعالیٰ اُس سے کام لے لے لے لے اور لوگ اس سے استفادہ کر لیں گے خواہ میری اولاد سے ہو یا کوئی دوسرا شخص ہو۔"

مثال دیتے ہوئے فرمایا۔ ایک بار حضرت والد ماجد خواجہ شمس الدینؒ کے خلیفہ مجاز حاجی محمد اعظمؒ گاڑی میں سفر کر رہے تھے اور سیٹ پر جگہ بہت تنگ تھی اور حاجی صاحبؒ بڑی تکلیف کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ساتھ ہی ایک پیر صاحب جو چوکڑی لگائے کافی جگہ کمرے ہوئے بیٹھے تھے۔ حاجی صاحبؒ نے کچھ دیر انتظار فرمایا کہ پیر صاحب کو شاید میری تکلیف کا خود اندازہ ہو جائے گا اور جگہ کی گنجائش کر دیں گے۔ یعنی تھوڑا سرک کر جگہ کھلی کر دیں گے۔ مگر کافی دیر کے بعد آپؐ نے مایوس ہو کر فرمایا حضرت صاحب اگر ذرا سی ٹانگ سرکالی جائے تو میری جگہ کی گنجائش نکل آئے گی۔ تو پیر صاحب نے فخری انداز میں گھور کر اپنی گردن ان کی جانب پھیری اور فوراً بولے۔ آپ کو خبر ہے؟ کہ میرے چار لاکھ مریدین ہیں یعنی میں معمولی ہستی نہیں کہ تم مجھ پر حکم چلاتے ہو۔ آپ نے میرے معیار کے مطابق بات کرنی تھی آپ میرا معیار نہ جان سکے۔

حاجی صاحبؒ نے برجستہ فرمایا۔ حضرت! مریدین آپ کو مبارک ہوں میں آپ کے مریدین اور آپ کے درمیان تخل نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے تو بیٹھنے کے لئے قدرے جگہ کی ضرورت ہے۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ غلط سوچ رکھنے والے نفس پرست پیروں سے بچائے۔ یہ تو خود بھی فرق ہوتے ہیں اور جو ان کے عقیدت مندی میں ان کے ساتھ رہ کر ان سے تربیت لیتے ہیں وہ بھی تباہی اور غرقابی کی جانب بڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ با شعور طمع ولا لچ سے دور با شریعت ہدایت کی پیروی کرنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔

۵۔ خدائے ذوالجلال کی بے نیازی سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرتے ہی رہنا چاہیے کہ نبوت جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کو عطا فرمائی ہے۔ تو اس سے پھر واپس نہیں لی۔ آدم علیہ السلام سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

تک جو نبی بھی گزرا ہے۔ دنیا سے نبی اور رسول ہی گیا ہے کسی سے نبوت اور رسالت چھیننا واقع پیش نہیں آیا مگر ولایت جب کسی کو نصیب ہو جائے تو بعض اوقات ولی کی کسی غلطی کی بناء پر اللہ جو چھین بھی لیا کرتا ہے۔ اور ایسے کئی واقعات گزر رہے ہیں۔

بلعم باعور ولی اللہ اور مستجاب والدعوات تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کے مقابل کے لئے دعائے فتح طلب کرنے کی غلطی سے ولایت کی خلعت اس سے اتار کر اسے محروم کر دیا گیا۔ عذاب کا مستحق ہو گیا اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی مرضی پر چلتے اور اپنے پسندیدہ کاموں کے کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اپنی ناراضگی والے کاموں سے بچائے رکھے اور جب تک زندہ ہیں اپنے فضلوں کے سائے میں رکھے اور اپنے فضلوں کے ساتھ خاتمہ بالا ایمان فرمائے۔ اللہ مرنے کے بعد بھی فضل ہی نصیب فرمائے بغیر فضلوں کے کوئی انسان حق بات پر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی ہیں کہ وہ وراء الوراۃ ذات جو کہ بے مثل ہے اور قرب و معرفت سے نواز دیتا ہے۔ ورنہ وہ لا پرواہ ذات ہے اگر وہ کسی کو نہ نوازے تو کون ہے کہ شکوہ کرنے کی مجال رکھے۔

۔ مست ولا ابالی پرواہ کسی ندارد آن کس کہ کس نباشد اندر کساں گنج
ترجمہ:- دیوان راجا بابا فرماتے ہیں کہ وہ مست یعنی بے نیاز و بے پرواہ ہے کسی کی پرواہ کرنے کی اُسے کیا ضرورت ہے وہ شخص جو کسی شخصیت کے ہونے کا اہل ہی نہیں شخصیتوں کے اندر نہیں آ سکتا۔ وہ اپنے بارے میں ڈرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اُسے کسی کی پرواہ نہیں اور میرے جیسا شخص جو کہ شخصیت میں شمار ہی نہیں وہ اللہ والوں کی شخصیتوں کی فہرست میں نہیں آ سکتا۔ یہ حضرت دیوان راجا بابا کی کمال عجز و انکسار اور اپنی نفی کرنے کی دلیل ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے خوف رکھنے کی دلی آواز ہے۔ اور ہر ولی اللہ اسی طرح خدا تعالیٰ کے خوف میں مبتلا رہتا ہے اور فضلوں کی امید بھی لگائے رکھتا ہے۔
در حقیقت ایمان ہم ورجا کے مابین واقع ہے۔

فرمایا نبوت کے لئے دعویٰ ہے مکر ولایت کے لئے دعویٰ ہرگز نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نیک ہوں۔ میرا شمار مقررین میں سے ہے یا میں ولی اللہ ہوں۔ یہ سب دعوے ہیں اور ولایت اور دیگر مومنین کے لئے اس قسم کے دعوے اُن کو گرانے والے ہوتے ہیں۔ اعتبار انجام پہ ہے۔ ایک شخص کا نزاع تھا اور نزاع کے قریب کبھی بے ہوش ہوتا اور کبھی ہوش میں آ جاتا۔ جب بے ہوش ہوتا تو اپنی انگلی ہلا دیتا۔ جب ہوش میں آیا تو لواحقین نے انگلی ہلانے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ شیطان مبارک دے رہا تھا کہ مبارک ہو تم مجھ سے بچ کر نکل گئے تو میں اُسے انگلی ہلا کر بتاتا تھا کہ ابھی نہیں ابھی میرے ناک میں سانس موجود ہے۔ جب تک ناک میں سانس موجود ہے میں تیرے مکر و فریب سے لا پرواہ نہیں رہ سکتا۔ ایمان سلامت کے ساتھ میرا آخری دم خارج ہو گیا تو تیرے مکر و فریب سے بچ جاؤنگا۔ اسی لئے انگلی ہلا کر اُس کی بات کی نفی کر دیتا ہوں۔ لہذا ابتدائی عمر کی نیکی اور اس پر گھمنڈ اور فخر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے لا پرواہ ہو جانا عقل مندی نہیں ہے۔ عقل مند وہ ہے جسے آخری دم تک غم و خطرہ کا احساس باقی ہو۔ اور پھونک پھونک کر قدم رکھے۔

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے

مجھے یہ فکر رہتی کہ میری انتہا کیا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضلوں سے ہمارا خاتمہ بالآخر فرمائے۔ آمین۔

۱۔ قامت پڑی دولت ہے دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر بعض

امراء کے قریب ہو کر انہیں دیکھا جائے تو وہ امراء جن کو یاد الہی نصیب نہیں ہے بے حد پریشان رہیں۔ ان کی پریشانی مال کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ سب کچھ سامان زیب و زینت ہونے کے باوجود پھر بھی پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اور چین و سکون کی نعمت سے محروم ہیں۔

فرمایا اگر انسان کو گزارے کے مطابق کھانا پینا نصیب ہو کسی کا قرضدار نہ ہو۔ ہائٹل کے لئے اپنا معمولی سا مکان نصیب ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یاد الہی بھی نصیب ہو

پھر یہی آرام ہے۔ اور اس کو غنیمت جانا چاہیے۔ فرمایا مال و زر جمع کرنے کی ہوس نہ کی جائے۔ جتنا مال و زر زیادہ ہوگا پریشانی میں اضافہ ہوگا۔ فرمایا دنیا کی ظاہری زیب و زینت نہایت دل کش اور دل فریب ہے۔ مگر حقیقت میں خطرناک اور تباہ کن ہے۔

زہرِ ایں مارِ منقشِ قاتل است

ترجمہ:- اس رنگِ برگِ نقوش والے سانپ کی زہرِ ہلاک کرنے والی ہے۔ اس کی خوبصورتی اور مہلکاری پر فریفتہ نہ ہونا۔ اس دنیا کا اثر بھی زہرِ گل دار سانپ کی طرح مہلک ہی ہے جیسے سانپ کی ظاہری صورت نہایت پر کیف اور رنگ و گل سے مزین ہوتی ہے مگر حقیقت زہرِ آلود اور پر خطر ہوتی ہے۔ عقل و دانش کے مالک اس کے نقش و نگار سے فریب نہیں کھاتے اور اس کے قریب نہیں ہوتے۔ اسی طرح دین کے اعتبار سے عقل و فہم رکھنے والے دنیا کی رنگارنگی اور ظاہری فریب و زینت پر فریفتہ نہیں ہوتے۔ اور اس کے ساتھ لگاؤ نہیں رکھتے۔ اور اس کی لذت و محبت میں پھنس کر دین کو ضائع نہیں کرتے بلکہ گزراوقات پر قانع رہتے ہیں۔ والد ماجد حضرت سید پوریؒ گزراوقات پر اکتفاء کرتے تھے۔ گھر میں کچھ چیز جمع نہ رکھتے تھے جو کچھ میسر آتا تھا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ اور خدائی مہمان آپ کے دستِ خواں سے کھا کر اللہ اللہ کرتے اور جب واپس گھر جاتے تو اور مہمان اللہ اللہ کرنے والے پہنچ آتے تو یا آپؒ زندگی بھر خدمت میں مصروف رہتے تھے اور کبھی ہوس نہیں کی۔

۷۔ زندگی کی چند گزراں نہایت قیمتی ہیں۔ آپؐ نے صبح کی نماز کے بعد ایک بیان میں فرمایا: یہ فجر کا وقت نہایت قیمتی ہے۔ وقت کی قدر کرتے ہوئے عمل کی نیت سے خوب متوجہ ہو کر نماز چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے باہر پھینک دیں۔ اور قیمتی وقت خواہ مخواہ ضائع ہو جائے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا گزرتا چلا جا رہا ہے۔ آج ہم یہاں بیٹھ کر دنیا کی بات سن رہے ہیں کل ہم میں سے کئی چہرے غائب ہو گئے۔ زندگی کی کشتی رواں دواں فنا ہیت کی جانب بڑھ رہی ہے۔ گزشتہ سال کئی بزرگ چہرے ہم میں موجود تھے اب نظر سے

ہائب اور ہم سے ابدی طور پر رخصت ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ایک دن ہم بھی رخصت ہو جائیں گے اس لئے موجودہ وقت کو غنیمت سمجھ کر قیمتی بنالو۔

فرمایا کہ ہم کو وقت کی قدر و قیمت اس وقت معلوم ہوگی جب آخری گھڑی قریب آجائے گی۔ اور جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ اب ہم جانے والے ہیں اور پھر ہم گزر گئے اگر بھی توبہ کریں گے قبول نہ ہوگی۔ توبہ قبول ہونے اور خود کو درست کرنے کا وقت اب ہے۔ نزاع کے قریب ہم سو بار استغفار کریں ہماری استغفار کی پھر قیمت نہ ہوگی اور پھر کچھ نہ بن سکے گا۔ نیک اعمال کمانے کا وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ابھی سے ہوش میں آ جاؤ اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کرنے شروع کر دو نفس کی کوئی بات نہ سنو۔ خدا تعالیٰ کی مرضی پر ہی وقت گزارنے کی کوشش وسیعی کرو۔

دوستو! یہ وقت جو گزر رہا ہے نہایت ہی قیمتی ہے اور جو وقت گزر گیا سو گزر گیا۔ اور جو آئندہ آنے والا وقت ہے اس کا علم نہیں کہ کیسے گزرے گا۔ مگر جو وقت حال میں گزر رہا ہے اس کی حفاظت کرو اور اس کی قدر دانی کرو۔ اور اس کو غنیمت جانو اور نیک اعمال کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک کو راضی کرو جب خدا راضی ہو گیا تو پھر کام بن گیا اور اگر خدا تعالیٰ ناراض ہے تو پھر تم اگر سو خوشی میں بھی ہو آخر تمہارے لئے نقصان اور ہلاکت کا ذریعہ بنے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ابھی سے اپنی طرف پھرنے اور نیک عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کی زد اور مکر و فریب سے بچائے آمین۔

۸۔ استقامت بڑی دولت ہے دنیا کی رنگینی اور چاہت و محبت پر فرمایا کہ دنیا کی کشش و محبت بھی بڑی عجیب و پر فریب ہوتی ہے۔ جو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور انسان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میں کہاں کا رخ کئے ہوئے ہوں بعض انسان سراسر دنیا کی محبت میں سرگرداں رہتے ہوئے زندگی گزارتا ہے اور خود کو حق پر ہی چلتے ہوئے تصور کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اٹل اپنے چہرے پر داغ دھبہ خود ہی نہیں دیکھ سکتا جب تک کوئی دوسرا آدمی اس کو نہ بتائے یا

شیشہ کے سامنے آکر نہ دیکھے۔ اور شیشہ قرآن و سنت ہے اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا چاہیے اور قرآن و سنت سے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے تو پھر اس کی زندگی سدھرنے کی بات بن سکتی ہے۔ مگر اس میں بھی استقامت نصیب ہو تو بہتر ہے ایسا نہ ہو کہ کبھی ادھر کبھی ادھر کبھی شاہ اور کبھی گدا بلکہ اپنی زندگی کو مستقل طور پر خدا تعالیٰ کی مرضی پر استوار رکھا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ ایک آدمی خدا تعالیٰ کے کسی احکام اور وعید پر ایسا نرم ہو کر روئے کہ دیکھنے والوں کو بھی ترس آجائے کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کی محبت اور خوف میں کس قدر گریہ کننا ہے اور دوسرے وقت جہلا کی محفل میں بیٹھا ہوا گپیں ہانک رہا ہو۔ ایسا آدمی صاحب استقامت نہیں کہلاتا بلکہ ذوالحال کہلاتا ہے۔ ذوالحال کے لئے خطرہ موجود ہے کہ خدا جانے آخری گھڑی میں یہ کس حال میں ہو کہ موت آجائے۔

حاجیوں کو حج کی یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ جب خانہ کعبہ میں حاضری نصیب ہوتی ہے۔ مقامات مقدسہ پر عبادت کرنا اور دعا مانگنا نصیب ہوتا ہے۔ عرفات کے میدان میں کچھ وقت گزارنا نصیب ہوتا ہے۔ تو اُس وقت آدمی اپنے آپ کو دنیا کی آلائش سے الگ تھلک تصور رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے۔ اب مکمل طور پر میں اللہ کا ہو گیا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ میرے ہو چکے ہیں۔ دنیا سے رغبت نہیں رہتی اور دین کی حقیقت اور لذت محسوس ہوتی ہے۔ مگر جب واپس اپنے گھریاں بچوں میں آتا ہے۔ دنیا کے دھندوں میں قدم رکھتا ہے تو دنیا کی طرف مائل ہو کر پھر دین سے بیگانہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ حج و عمرہ کے درمیان جو کیفیت ہوتی ہے اُس کیفیت کو بھول جاتا ہے۔ دنیا کی آلائش میں پھنس کر مقدس مقامات پر کئے ہوئے وعدوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ مگر جو لوگ صاحب استقامت ہوتے ہیں وہ حج سے واپس آکر بھی مکمل طور پر پرہیز میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ان کی زندگی خدا تعالیٰ کی مرضی پر ہی گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو حج اور حج کے علاوہ بھی مکمل احکام شرعیہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرما کر استقامت علی الدین نصیب فرمائے۔ کیونکہ استقامت علی الدین ہی مشکل چیز ہے اور کرامت سے بھی

اوپر ہے۔ الاستقامت فوق الکرامت یعنی استقامت علی الدین کرامت سے اعلیٰ و بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت علی الدین نصیب فرما کر آخر دم تک اپنی حفاظت و نصرت میں رکھے آمین۔

۹۔ مساجد سے الفت رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ فرمایا! مومن کو مسجد کے ساتھ الفت و پیار ہوتا ہے۔ اور اس محبت و پیار کی علامت یہ ہے کہ مومن کو اپنا کام کاج کرتے وقت اتنا لطف و سرور نصیب ہوتا ہے جتنا کہ مسجد کے کسی کام میں مصروف رہتے ہوئے حاصل ہوتا ہے۔ گھر کا کام کاج بھی ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔ مگر گھر کی نسبت مسجد کے کام میں مومن کو جو خوشی و راحت نصیب ہوتی ہے وہ اس کی ایمانی کیفیت کی بنا پر ہوتی ہے۔ جتنا ایمان کامل اور مضبوط ہوگا اسی قدر مسجد کے کام میں خوشی اور دلچسپی ہوگی۔ کیونکہ مسجد اپنے گھر سے اعلیٰ و بالا اس لئے بھی ہے کہ مسجد خانہ خدا سے منسوب ہے۔ اور جائے عبادت حق ہے۔ اور اس کی تعمیر سے آخرت کا توشہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر اخلاص اور محبت ضروری ہے۔ اپنی آخرت کی بہتری مقصود ہو۔ اور خالص حلال کمائی سے مسجد تیار کی جائے ورنہ نماز میں وہ سرور نہ ہوگا جو کہ حلال کی بنا پر ہوگا ایک بار ایک مسجد میں والد ماجد حضرت خواجہ شمس الدین تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر باہر نکل گئے اور وہاں ظہر کی نماز ادا نہ کی اور فرمایا کہ اس مسجد کو غصب شدہ زمین پر تعمیر کیا گیا ہے۔ جب تحقیق کی گئی تو واقعی بات سچ نکلی گاؤں والوں نے زبردستی وہ جگہ حاصل کر کے مسجد تعمیر کی تھی۔ تو مسجد کی زمین سے لے کر تمام لوازمات وجہ حلال سے ہونے ضروری ہیں۔ بلکہ تعمیر کرنے والے بھی احکامات خداوندی بجالاتے ہوئے تعمیر کریں۔

مسجد ایک عمارت ہی نہیں کہ عمدہ اور خوبصورت بنا ڈالی اور نمازیں ادا کرنی شروع کر دیں۔ بلکہ مسجد میں تعاون کرنے والوں کی کیفیت کو اور ان کے مال پر بھی نظر رکھ کر قبول کرنا ہو گا۔ اور دیکھنا ہوگا کہ وہ تعاون کسی مقصد اور کس اخلاص کو مد نظر رکھ کر کرتے ہیں۔ اگر ذرہ برابر مشکوک مال دیکھیں تو احتراز کریں اللہ تعالیٰ اپنے گھر کے لئے کسی دوسری جگہ سے مال حلال

بھیج دے گا۔ اور مسجد بھی ضرورت کے مطابق بنائی جائے خواہ مخواہ چوبہرے بنانا کر وفت اور دولت ضائع نہ کریں۔

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے اپنا کام یا مسجد کا کام کرے میں تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اور دل کی بھی صفائی ہوتی رہتی ہے۔ کام میں برکت اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہتی ہے۔ اور دل کو فرحت و آرام حاصل ہوتا ہے کیونکہ اچھے کام کا انجام راحت و خوشی ہوتی ہے۔ اور برے کام کا انجام تنگ دل اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر کام میں خدا تعالیٰ کی مرضی کو مد نظر رکھ کر کیا جائے۔ اور اپنے اوقات کو یا خدا میں صرف کیا جائے تو پھر سکون ہی سکون ہے کیونکہ سکون قلبی یا دالہی اور احکام شرعیہ کے بحال لانے میں مضمر ہے۔ نہ کہ دولت کی فراوانی اور نموداری و سرداری میں۔ نہ دولت سے نہ بیٹوں سے نہ گھر آباد کرنے سے تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یا د کرنے سے غافل انسان کتنا بھی مالدار ہو مگر بے سکون ہی رہتا ہے۔ اور مرنے کے بعد اپنے غفلت کی زنداں میں قید و بند ہو کر ناکام لوٹ جاتا ہے۔ اور اپنے اعمال بد کے سلسلہ میں سزاوار ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ جس کو مسجد کے ساتھ الفت ہوگی اس کی علامت یہ بھی ہے کہ وہ مسجد میں کسی نہ کسی پہلو سے حصہ ضرور لیتا ہے۔ اور مسجد کی آبادی میں دلچسپی لیتا رہتا ہے۔ اور اس کی نگرانی و حفاظت میں لگا رہتا ہے۔ اور اس کے آباد کرنے کے کام میں مصروف رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد کی آبادی اور اس کے کام میں حصہ نہ لینے والا ہو۔ اور اس کی آبادی میں دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ اور یہ دعویٰ کرے کہ مجھے مسجد کے ساتھ الفت و محبت ہے۔ تو اس کا زبانی قول بے اثر و بے بنیاد ہوگا۔ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے فلاں آدمی سے بہت محبت ہے۔ مگر اس کے قریب نہ جائے۔ اس کی مجبوری و معذوری میں اس کے ساتھ تعاون اور برتاؤ نہ کرے۔ اور اس کے کما دکھ درد میں حصہ نہ لے۔ تو یہ زبانی محبت کا دعویٰ حقیقت نہ ہوگا۔

کیونکہ حُبُّ الْقَلْبِ يَظْهَرُ بِالْإِيْدِ - یعنی دل کی محبت کا اظہار ہاتھوں سے ہو جاتا ہے۔ اگر صاحب ثروت ہے ورنہ دل کی محبت کا اظہار اُس کے میل و ملاپ سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اور قدرت اس پر آگاہ ہوتی ہے کہ یہ مسجد میں دوسرے نیک اعمال میں کس قدر حصہ لیتا ہے۔ اور کس قدر مخلص ہے۔ اگر مالدار نہیں تو اپنی جان کو کتنا استعمال میں لاتا ہے۔ اور اپنی صلاحیتوں کو کتنا نیک اعمال میں صرف کرتا ہے۔ کام کے بگاڑ میں حصہ لیتا ہے یا کام کے بنانے میں کوشاں رہتا ہے۔ یہ بات ہر آدمی کو معلوم ہو جایا کرتی ہے۔ اس لئے مسجد کے کام میں ہر مومن کو دل کھول کر حصہ لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ مساجد کو آباد رکھنے کی ہمت نصیب فرمائے آمین۔

۱۰۔ فکر آخرت کا غلبہ فرمایا ہم میں آخرت کے فکر کی کمی ہے اسی لئے دین میں کمی ہے۔ اگر فکر آخرت میں کمی نہ ہوتی تو پھر ہماری زندگی تقویٰ و پرہیزگاری میں مثالی زندگی ہوتی مگر ایسا ہرگز نہیں ہے زبانی طور پر تو ہم کچھ کہتے ہیں اور عملی زندگی میں ہم کچھ کرتے ہیں ہم اپنی شب و روز کی زندگی پر نگاہ کریں کہ کہاں تک ہم احتیاط کرتے ہیں اور کہاں تک ہمارا ضمیر بیدار ہے۔ اور کس کس موڑ پر ہماری روحانیت ہم کو جھنجھوڑتی رہتی ہے۔ ہمارے چلنے پھرنے اور لین دین میں کاروبار میں نوکری و ملازمت میں کہاں تک خبردار کرتی ہوئی احتیاط کا راستہ بتلاتی ہے ذرا ہم سوچ و فکر سے کام لیں تو ہماری فکر آخرت جو ہم پر غالب ہے ظاہر ہو کر رہ جائے گی۔ کہ لین دین ہمارا کتنا خالص ہے۔ ہم ملازمت میں کتنا احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ وقت کا لحاظ چھٹی کا لحاظ اور ملازمت میں پورا پورا وقت گزارنے کا لحاظ کہاں تک اور کتنا احتیاط برتتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ جس ڈگری اور سند پر ہم حکومت سے تنخواہ وصول کرتے ہیں کیا سو فیصد حق بجانب ہیں یا کچھ گڑبڑ اور فرق بھی ہے اس کام کا ہم خود فیصلہ کر سکتے ہیں اور اپنی آمدنی کا ذریعہ جائز و ناجائز معلوم کر سکتے ہیں۔ ہماری روحانیت اگر زندہ ہے تو پھر وہ ہمیں درست طریقہ و راہ پر گامزن رکھے گی۔ اور ہم احتیاط کا دامن تھامے رہیں گے اور اگر مردہ بے حس ہے

تو پھر سب کچھ چلے گا۔ زبانی ہم کچھ کہتے رہیں گے اور کرتے ہم کچھ نہیں گے۔ اور اسی طرح ہم باقی کاروبار، چال اور رفتار اور دیگر جملہ معاملات کا بھی بغور جائزہ لے سکتے ہیں کہ کہاں تک خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہیں۔ اور کہاں تک نفسانی اثرات کے تابع ہیں۔

فرمایا کہ اگر ہماری فکر آخرت معاش پر غالب ہو جائے۔ تو پھر حق پر چلنا اور نیک اعمال کرنے آسان ہو جائیں گے اور اگر ہم نے خود کو نہ پہچانا تو پھر بے مہار چلتے چلتے گڑھے کا رخ اپنے لئے استوار کر سکتے ہیں اور صراطِ مستقیم سے دور ہی رہ کر ناکامی و محرومی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ فرمایا جب قیامت کے دن اس بات کا پوچھا جائے گا کہ تمہیں دین اسلام کے بارے میں جتنا علم حاصل ہوا تھا اس پر کتنا عمل کیا ہے اور زندگی جو عطا کی گئی تھی۔ اس کے شب و روز کس طرح گزار کر آئے ہو۔ کیا زندگی میرے حکم کی پابندی کرتے ہوئے گزاری یا اپنے نفس کی پیروی میں گزاری۔ یہ بھی کہا جائے گا کہ اے انسان کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا ظاہری دشمن ہے اس کی بات پر عمل نہ کرو اور تم پھر اسی کے کہنے پر چلتے رہے ہو تو بتاؤ ہمارا کیا جواب ہوگا۔

فرمایا کہ جب یہ پوچھا جائے گا کہ تم کو جتنا علم پہنچا اس پر کتنا عمل ہو اور زندگی جو عطا کی گئی کس طرح گزاری۔ اور پھر زندگی میں جوانی کا حصہ کیسے گزرا۔ اور مال کس حیلے بہانے کمایا۔ وجہ حلال سے یا وجہ حرام سے اور پھر مال و دولت کو خرچ کیسے کیا میرے حکم کے مطابق یا اپنی خواہش کے مطابق تو پھر ہمارے پاس اس بات کا کیا جواب ہوگا۔ ذرا ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ اگر خدا کے حکم کے مطابق زندگی گزر رہی ہے اور اس کے حکم کے مطابق خرچ ہو رہا ہے۔ تو الحمد للہ پھر شکر یہ کا مقام ہے اور اگر مسئلہ اس کے برعکس ہے تو پھر خطرہ ہی خطرہ ہے اور ہم کو جنت میں جانے کی خوش فہمی ہے۔ کسی نے فرمایا ہے۔

کام دوزخ کے کریں جنت کے ہیں امیدوار قصر جنت تو بنا ہے پار سا کے واسطے فرمایا کہ موجودہ دور میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ دین کے احکام اس کے کانوں تک

نہیں پہنچے ضرورت کے مطابق تھوڑا بہت علم ہر شخص کے کانوں تک پہنچ چکا ہے۔ اور ہر شخص خیر و شر سے باخبر ہے۔ علمائے حق اور مبلغین حضرات دنیا کے ہر ہر گوشے میں جا کر دعوت دے چکے ہیں۔ اور دے رہے ہیں۔ نیز کتب و رسائل میں دین کے احکام چھپ کر ہر جگہ پہنچ چکے ہیں۔ ذرائع مواصلات ریڈیو و اخبارات کے ذریعے بھی دینی احکام بیان کرتے رہتے ہیں۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر بھی انسان ریڈیو کے ذریعے دینی احکام کی ہر ہر بات سنتا ہے۔ اور اتمام حجت ہوتی رہتی ہے۔ کل قیامت کو کوئی شخص اعلیٰ کا اظہار کرتے ہوئے کوئی عذر پیش نہیں کر سکے گا۔ فرمایا! کہ خداوند تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔ اور نافرمان سالہا سال جہنم میں جیج و پکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نجات کا سوال کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو سوال کا جواب اس طرح ملے گا۔ قولہ تعالیٰ

قَالَ حُسْنُوا فِيهَا وَلَا تَكَلُمُونَ ہ
کہا جائے گا دفع ہو جاؤ بیچ اس
(جہنم) کے اور نہ بات کرو مجھ سے

میرے دوستو! آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اُس وقت اُن کی حسرت اور مایوسی کا کیا عالم ہوگا۔ ابھی سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کرو ورنہ کل قیامت کو پھر ہاتھ سمجھ نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں پر ہی فکر و آخرت نصیب فرمائے آمین۔

۱۱۔ اُوْنِجَاعِل رَضَائِی الٰہی ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت کسی مزدوری،

لاج کی بناء پر نہ کی جائے بلکہ بندگی و عبادت اس غرض سے کی جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور میرا خالق و مالک ہے۔ اور بندگی کرنا میرا فریضہ ہے اور شکر بجا لانے کے طور پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر ہے اور امر الٰہی کا حق ادا کرنا ہم پر لازم ہے۔ کیونکہ مالک و خالق کے امر کی تعمیل بندہ پر لازم ہے۔ جنت کی لالچ و طلب کرنا اگرچہ جائز و درست ہے کہ اس کی رضا والی جگہ کی طلب کرے اور بندگی سے اُس کی خوشنودی حاصل کرے۔ مگر عشاق بندگی خالص اُس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں اور جنت کا مسئلہ اُس کی

چاہت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اُس سے صرف اُس کی ہی طلب کرتے ہیں کیونکہ تمام نعمتوں سے اعلیٰ وارفع نعمت رضائے الہی ہے اور اس سے اُس کی معرفت طلب کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو صرف وہی لوگ محبوب ہیں جو صرف اور صرف اُسی کی طلب رکھتے ہیں بِسْمِ اللّٰهِ وَجْہِہٖ ان ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ اپنی طرف سے صرف رضائے الہی کی طلب رکھے اور بندگی کا صلہ طلب کرنے کی بجائے اجر و ثواب اور صلہ اُس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکمل کہ خواجہ خود روشن بندہ پروری داند ترجمہ:- یعنی گدائوں اور مزدوروں کی طرح بندگی و عبادت مزدوری کی شرط پر نہ کی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندگی و عبادت کی پاداش میں صلہ اور اجر و ثواب دینا جانتا ہے۔ اور وہ احسان و نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا۔ ارشادِ ربی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضْلِعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝
بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

بلکہ احسان، نیکی کرنے والوں کو اجر و ثواب پورا پورا دیتا ہے اور ایک کے بدلے دس گناہ اضافہ فرماتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ نیکی اخلاص و محبت سے کی جائے اور ریا کاری کا ذرہ بھر شاہد نہ ہو۔ ورنہ نیکی بے وزن اور ناقابل قبول ہوگی۔ اسی لئے جو عمل رضائے الہی کو مد نظر رکھ کر کیا جائے وزنی اور قابل قبول ہوتا ہے اور اس عمل پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا والے اعمال کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور نفس و شیطان کے دخل سے دور رکھے آمین۔

۱۲۔ اعمال صالحہ کو ریا سے بچایا جائے۔ فرمایا کہ عبادت ایسی ہونی چاہیے کہ جو خالص اللہ کے لئے ہو۔ جس میں کسی قسم کی ریا، کا دخل نہ ہو۔ ریا، ایک باریک و لطیف تار و شعاع مضمر کی مانند ہے۔ جو کہ ہر عمل میں دخل اندازی کرتی ہے۔ اور اس نیک عمل کو اپنی کدورت سے ناپاک کر دیتی ہے۔ اور انسان کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ اس کے نیک اعمال ناقابل قبول ہو کر ضائع

ہو جاتے ہیں۔ کسی عمل صالح کرنے سے پہلے یا بعد میں غور و فکر کر کے دیکھ لینا چاہیے کہ میرے اس عمل نیک میں ریاء کا دخل تو نہیں ہو گیا اگر دل میں یہ بات گزر جائے کہ لوگ میرے اس عمل کو دیکھ کر مجھے نیک اور پارسا تصور کریں گے۔ لوگوں میں میرے بارے میں اچھا گمان پیدا ہو گا اور میری نیکی و بزرگی ان پر ظاہر ہوگی۔ میری خوش آوازی والی تقریر ان کے دل کو لطف اندوز کرے گی اور دل میں یہ میرے بارے میں واہ واہ کریں گے۔ ان کے دل میں میری عزت اور وقار پیدا ہوگا۔ اگر اس قسم کا کوئی خیال ذرا بھر بھی پیدا ہو جائے تو یہ ریاء کا ری ہے۔ اس عمل پر اس کو اجر و ثواب ہرگز حاصل نہ ہوگا بلکہ الٹا عذاب ہوگا۔ اسی قسم کے خیالات دوسرے نیک اعمال میں بھی اتنے ف کر کے عمل کو بے مقصد بنا دیتے ہیں لہذا اس قسم کے خیالات و تصورات سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہیے۔ اور ایسے خیالات و تصورات سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے رب تعالیٰ کی امداد و نصرت طلب کرنی چاہیے۔ اور دل میں ڈرتے ہوئے ہر نیک عمل کرنا چاہیے کہ کیا خبر میرا یہ عمل قابل قبول بھی ہے یا نہیں اور اس کی قبولیت کی استدعا اپنے رب سے ہر وقت کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کو بھی سامنے رکھ کر خوف میں رہ کر عمل کرنا چاہیے۔ اور شیطان کے دخل سے عمل کو پاک رکھ کر کیا جائے۔ اور اپنے جملہ کمالات کی نفی کرتا رہے۔

فرمایا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی نیک عمل کر بیٹھتے ہیں تو اس نیک عمل کو دوسروں پر ظاہر کرنے میں کوشش کرتے ہیں کہ کس طرح میرا یہ عمل دوسروں پر ظاہر ہو جائے۔ تاکہ ان کے دل میں میری قدر و منزلت پیدا ہو جائے۔ مثلاً کسی رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنی نصیب ہوگی۔ تو صبح دن کے حصہ میں کسی سے ملاقات ہوگئی تو خود ہی اظہار کر دیا کہ آج میری آنکھوں پر بوجھ سا ہے۔ پوچھنے والوں میں سے کسی نے پوچھا کہ کیوں صاحب بوجھ کیوں ہے تو جواب میں اظہار کیا کہ آج رات پہلے وقت میں اٹھ کر نماز تہجد ادا کی لمبی لمبی رکعتیں پڑھیں، دیر تک جاگتا رہا۔ وظیفہ کرتا رہا تلاوت کرتا رہا۔ لہذا نیند پوری نہ ہونے کی وجہ

سے آنکھیں بوجھل ہیں۔

فرمایا ایسے شخص کارات کو اٹھنا اُسے کیا فائدہ دے گا جس نے نیک عمل کا تذکرہ کر کے ریاء میں شامل کر دیا۔ اور نیک عمل کو ضائع کر کے برتری اور نیکی کو ضائع کر دیا۔ حضرت قبلہ گاہی والد ماجد خواجہ شمس الدین تہجد کے وقت خاموشی کے ساتھ اٹھ کر ایسی حالت میں نماز تہجد ادا فرماتے کہ کسی کو خبر تک نہ لگتی تھی۔ اگر کسی وقت طریقت کے ساتھی ہمراہ ہوتے اور کوئی ساتھی رات کے جگانے کی استدعا کرتا تو اُسے آہستہ سے اس طرح جگاتے کہ دوسرا ساتھی آہٹ تک نہ سنتا تھا۔ اور کوئی جگانے کا نہ کہتا تو اس کو بالکل نہ جگاتے تھے البتہ نماز فجر کے لئے جگاتے تھے۔ فرمایا جو نیک عمل بھی کیا جائے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے کیا جائے۔ اور ریا کاری سے بالکل پاک رکھا جائے۔ اگر ریا سے پاک نہ رکھا گیا تو ایسا عمل نامقبول ہوگا۔

ریا کاری ہے مانند ملع بہ پیش شعلہ آتش نفی ہے

(حاجی محمد اعظم)

یعنی ریا کاری والا عمل ملع کی طرح ہے۔ حقیقت نہیں اور ملع آگ پر رکھنے سے جل کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ عمل جس میں ریاء ہو یہ عمل آگ میں جل کر ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ریا، کاری کے اعمال سے نجات نصیب فرمائے اور اخلاص والے اعمال نصیب فرمائے جس میں ذرا بھر دکھاوہ نہ ہو اور نفس و شیطان کا دخل بھی اس میں بالکل نہ ہو۔ اور اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔

۱۳۔ نور معرفت نعمت عظمیٰ ہے۔ فرمایا یہ نور معرفت یونہی ایک جملہ نہیں ہے اور نہ

ہی کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ نور معرفت عطائی اور وہی چیز ہے جو ازل سے آدمی کی مقوم میں داخل ہوتی ہے۔ اور نور معرفت اس کے حصہ میں جتنا ہوتا ہے اتنا مل جاتا ہے۔ جس طرح مومن کے اپنے اپنے درجات اور مقامات ہوتے ہیں اسی طرح نور معرفت بھی ہر سالک کو اپنے اپنے عشق و محبت اور اخلاص طلب حق پر مرتب ہوتا ہے۔ جتنی جس کی طلب میں شدت

ہوتی ہے اسی قدر اس کی معرفت میں ترقی ہوتی ہے۔ مبتدی سے لے کر منتهی تک اور صحابی سے لے کر نبی و رسول تک معرفت کے لحاظ سے درجات ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔ اور منفرد مقام رکھتی ہے۔ بلا شرکت غیرے ممتاز و اعلیٰ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت و ثناء میں کوئی شریک نہیں۔ وحدہ لا شریک ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت میں کوئی مقام و درجہ کے لحاظ سے شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے اعلیٰ و ارفع مقام عطا کیا ہے۔

بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر اس پر امت کا اتفاق ہے۔

فرمایا معرفت ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اور ایک نہایت وسیع بحث ہے۔ اولیائے اکرام اسی بحث و تحقیق میں تمام عمر ختم کر کے چلے گئے۔ مگر بحث ختم نہ ہو سکی۔ اور اولیائے کرام عشاق عظام اسی نور معرفت کی طلب میں تڑپتے تڑپتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مگر ان کی پیاس کی شدت باقی ہی رہی۔ فرمایا جس کو نور معرفت نصیب ہو گیا۔ وہ خدا تعالیٰ کے قریب ہو گیا اور اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اور وہ خدا کا ہو گیا۔ جو کبھی بھی اپنے خدا سے جدائی و فراق پسند نہیں کرتا پھر فرمایا نور معرفت اپنے اپنے عشق و محبت اور وسعت ظرف کے مطابق ہی نصیب ہوتا ہے۔ انبیائے کرام کو جو نور معرفت نصیب ہوا۔ وہ اُن کے اپنے اپنے درجہ کے مطابق نصیب ہوا۔ اور اولیائے کرام کو بھی اپنے اپنے عشق و محبت اور وسعت ظرف کے مطابق نصیب ہوتا ہے۔ اور قیامت کے روز یہی نور معرفت اپنی ہئات و روشنی کے موافق آگے آگے دوڑتا ہوا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

نُورُهُمْ يَسْفِي بَيْنَ آيِدِيهِمْ
وَبَيْنَا نِسَانَهُمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا
اَسْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَغُفِّرْ لَنَا
لَكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اُن کا نور دوڑتا ہو گا آگے ان کے اور
دائیں طرف اُن کے کہتے ہونگے اے
ہمارے رب پورا کر ہمارے لئے نور
ہمارا اور ہماری مغفرت فرما تحقیق تو اوپر
ہر چیز کے قادر ہے۔

مثال دیتے ہوئے فرمایا جب میں رات کو اندھیرے میں نارچ لے کر باہر نکلتا ہوں۔ تو راہ دیکھنے کے لئے نارچ آن یعنی روشن کرتا ہوں جس دن نارچ میں سیل نئے اور عمدہ ہوتے ہیں روشنی نارچ کی بہت تیز ہوتی ہے۔ اور راستہ پر چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی دکھائی دیتی ہے۔ مگر جب سیل پرانے اور کمزور ہوتے ہیں۔ تو روشنی مدھم ہو جاتی ہے۔ اور بڑی مشکل سے راستہ دکھائی دیتا ہے۔ اور بڑے احتیاط سے دیکھ دیکھ کر بمشکل چلنا پڑتا ہے۔

اسی طرح جس کی جتنی طلب و محبت زیادہ ہوگی اور عشق و محبت کا غلبہ ہوگا مجروح انکساری ہوگی۔ سوز و گداز کی زیادتی ہوگی۔ اس کو اسی مقدار سے نور معرفت زیادہ نصیب ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوگا اور خوف خدا اور محبت و طلب الہی زیادہ ہوگی۔ قیامت میں اس کا نور معرفت زیادہ روشن ہوگا۔ اور جس کو یہ صفت حاصل نہ ہوگی اُس کا نور مدھم ہوگا۔ اور کسی کا نور بالکل نہ ہوگا۔ اور آگے آگے جانے والوں پر آواز دیں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں اور گرتے گرتے چل رہے ہو نکلے۔ اور نور والے ان کو کہیں گے کہ تم تو اپنا نور پیچھے (دنیا میں) چھوڑ آئے۔ یہ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے تو نور والوں اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا۔ اور یہ پل صراط سے نیچے گر جائیں گے۔ اور نور معرفت والے بجلی کی طرح پارتھو کر اپنے مقام رضا میں قدم رکھ کر خوش و غرم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں ہی نور معرفت کی طلب حقیقی نصیب فرمائے اور نفس کی پیچان نصیب فرمائے آمین۔

۱۳۔ قبر کا عذاب اور اس کی وحشت۔ قبر کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ قبر کا

عذاب اور اس کا حساب و کتاب ایک فرضی بات ہی نہیں ہے۔ جو زبان سے نکال لی بلکہ قبر ایک اہم مقام ہے موت کے بعد پہلی منزل ہے اور ایک ضروری دروازہ ہے کہ جس دروازے سے ہم نے گزرنا ہے اور ہر کسی نے قبر کی وحشت کو دیکھنا ہے۔ اور اس کے ساتھ واسطہ پڑنا ہے چاہے وہ انسان آگ میں ہی کیوں نہ جل کر راکھ ہو جائے یا دریا میں بہہ کر مچھلیوں کی خوراک بن جائے قبر کا عذاب حساب و کتاب اس سے ہر صورت لینا ہوگا نوعیت اور صورت حال کو اللہ

ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوگی۔

فرمایا کہ ہم مسجد میں بجلی کی روشنی پر جو بیٹھے ہیں ایک نہ ایک دن ہم نے یہ مقام دیکھنا ہے اور اپنی اپنی عمر پوری کر کے ہم نے قبر کے دروازہ پر پہنچ کر اندر داخل ہونا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے ہاں جواب دینا ہے۔ ہمیں قبر و قیامت کی فکر بڑے غور سے کرنی چاہیے۔ ہم میں سے کتنے افراد ایسے ہونگے کہ آج بجلی کی روشنی میں آرام سے بیٹھے ہیں مگر ہم بھی کچھ روز بعد کیے بعد دیگرے رخصت ہو جائیں گے اور چند روز بعد ایسا ہی ہوا کہ اُس وقت بیان سننے والے کئی افراد آج زندہ نہیں اپنی منزل پر قبر میں چلے گئے ہیں۔ اور آئندہ بھی یہی حال ہوگا فرمایا کہ یہ جو ہم قیامت قبر اور موت موت کی رٹ لگاتے ہوئے تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ صرف زبانی الفاظ کو ہی دہرا رہے ہیں۔ ہم یقین اور خوف خدا کے ساتھ یہ کلمات نہیں دہراتے اگر یقین اور خوف خدا کے ساتھ یہ الفاظ دہراتے تو ہماری حالت بدل جاتی اور ہم صرف اور صرف خدا کے ہو جاتے مگر ایسا نہیں ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ہمارا قبر قیامت کو اور موت کو یاد کرنا ضرور رنگ لاتا اور اپنا اثر ظاہر کر دکھاتا مگر غفلت کے پردوں میں لپٹے ہوئے بے خوف ہی رہتے ہیں۔ ورنہ کسی بیان اور واعظ کی ضرورت نہ تھی کسی دوست یا رشتہ دار کی قبر پر حاضری ہی ہماری ہدایت کے لئے اور خدا کے ہو جانے کے لئے کافی نصیحت تھی۔ مگر افسوس کہ ہم کورے کے کورے ہی ہیں اور قبر و قیامت کے تذکرہ پر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ جب کسی کی موت کا ذکر ہوتا ہے تو ہمارا نفس ہمیں پھسلا دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ موت تو اُسی شخص کے لئے تھی تو تو صحت مند اور چلتا پھرتا ہے۔ بے فکر رہ کر کام کاج کرتا رہ اور دنیا میں ترقی حاصل کر کے نامور ہوتا رہ نفس اس بندے کو اپنی جان بھلا کر اس کا خیال اپنی جانب پھیرنے ہی نہیں دیتا۔

فرمایا! کہ موت اور قبر کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہیے اور اس کی وحشت کو بھلا نہیں چاہئے۔ کیونکہ قبر ایک نہایت وحشت کا گھر ہے۔ اور کھٹن منزل ہے۔ نیک عمل قبر

کی راحت و روشنی کا سامان ہے جبکہ برائے عمل اس کے لئے عذاب کا ذریعہ ہے اور آدمی جملہ تکالیف اور عذاب اپنے ہمراہ دنیا ہی سے لے جاتا ہے جو کہ اس کے جسم و روح میں پیوست ہوتے ہیں۔ اور جو شخص احکام شرعیہ پر عمل کر کے خدا تعالیٰ کی عبادت اور یاد الہی میں مصروف رہتا ہے تو اس کے جسم و روح سے جملہ عذاب کی صورتیں جل کر یہ آدمی پاک ہو کر قبر کو جاتا ہے اور عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ذکر الہی روح کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ اور غفلت روح کو پراگندہ کر کے عذاب الہی کی صورت پیدا کرتی ہے۔ اس لئے غفلت سے بچنا ضروری ہے۔ اور یاد الہی میں اوقات کو مصروف رکھنا لازمی ہے۔

فرمایا! نیک عمل قبر کی روشنی کا سامان ہے اور راحت و سکون کا ذریعہ ہے۔ اور بُرے اعمال قبر کی تاریکی اور قبر و غضب کا ذریعہ ہیں۔ قبر میں حسب و نسب کام نہیں آئے گا۔ بلکہ نیکی ہی کام آ سکتی ہے۔ حبیب نے خوب فرمایا ہے۔

نیک رہ کر نیکی دادم بھر بندیا قبر آواز کرے کوئی نیکی کر بندیا
(حبیب)

یعنی خود بھی نیک خصلت اختیار کر کے نیکی کرنے کی کوشش کرتا رہا کر اور ہر سانس تیرا نیکی کے ساتھ خارج ہو کوئی سانس برائی کا مرتکب ہو کر خارج نہ ہونے پائے۔ اور قبر تجھ کو ہمیشہ یہی آواز دیتی ہے کہ میں حسب و نسب کا گھر نہیں ہوں میں اندھیرے اور وحشت کا گھر ہوں میرے پاس نیکی لے کر آنا ورنہ رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور یہاں صرف نیکی ہی کام آ سکتی ہے۔ حاجی محمد اعظم نے فرمایا۔

گر گور اعظما ہے مسکن دماہ اپنا عمل کثرت سے کر دو سجا سجا کر

یعنی اے اعظم اگر تو یہ یقین رکھتا ہے کہ میرا آخری ٹھکانا قبر ہے تو پھر عمل نیک کی کثرت سے اس کی سجاوٹ کرنا۔ اس کی رونق اور سجاوٹ و خوبصورتی نیک اعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔

حاجی محمد اعظمؒ جب دنیا سے رخصت ہو گئے تو حاجی محمد سلطان صاحب مؤذن گیر وال نے خواب دیکھا کہ حاجی صاحب کا مقبرہ ایک چار دیواری کے اندر ہے جس چار دیواری سے ایک دروازہ ہے اور مقبرہ پر بجلی کا ایک بہت بڑا بلب روشن ہے۔ مؤذن موصوف نے جب خواب میں چار دیواری کا دروازہ کھولا تو اندر حاجی صاحب محمد اعظمؒ کھڑے پائے۔ پوچھا جناب حاجی صاحب یہ روشنی یہاں کیسے آگئی۔ تو حاجی محمد اعظمؒ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ راتوں کی عبادت کی کمائی ہے۔ یعنی یہ روشنی شب بیداری کی برکت سے ہے۔ چونکہ حاجی محمد اعظمؒ ہمیشہ شب بیداری کے عادی تھے۔ حتیٰ کے جس دن دنیا سے رخصت ہو رہے تھے عشاء کی نماز پڑھ کر سحری کے لئے لوٹا پانی کا بھر کر رکھا ہوا تھا کہ سحری کی نماز سے قبل ہی فوت ہو گئے اور لوٹا بھرا ہی پڑا رہا۔ رمضان کی ستائیس تاریخ تھی۔ یہ تھا شعر بالا کا حقیقی متن اور مدعا کہ انہوں نے قبر و قیامت کی تیاری میں زندگی بسر فرمائی۔ میرے حضرت نے حاجی صاحبؒ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔ جب کوئی نیک انسان زمین پر چلتا ہے تو قبر اس سے محبت رکھتی ہے۔ وہ جگہ جہاں اس کی قبر ہوگی انتظار کرتی ہے کہ کس وقت میرا مہمان میرے گھر آئے گا۔ کیونکہ جو رحمت من جانب اللہ اس بندہ خدا پر برستی ہے۔ قبر کی جگہ پر بھی برستی ہے۔ جب یہ دنیا سے رخصت ہوگا تو قبر خوش ہوگی۔ اور کہے گی اچھا ہوا کہ میرا مہمان میرے پاس آ گیا۔ قبر اس شخص کے لئے باغ و بہار ہوگی۔ مگر جو انسان دنیا میں زمین پر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا پھرتا ہے قبر اس شخص سے سخت نفرت کرتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے جو خدا تعالیٰ کا غضب و قہر اس شخص پر نزول کرتا ہے اس کا اثر اس شخص کی قبر کی زمین پر بھی پڑتا ہے۔ جب ایسا شخص قبر میں رکھا جائے گا تو قبر کہے گی تو مجھے سب سے بُرا لگتا تھا۔ اور تیرا آنا میرے پاس لازمی تھا۔ اب میں نے اپنا حساب بھی لینا ہے۔ پھر قبر اس شخص کو ایسا دبائے گی کہ ہڈیاں اور پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔ اور یہ قبر اس شخص کے لئے ایک وحشت ناک گڑھا ہوگا۔ اللہ پاک ہم سب پر رحم فرمائے۔ فرمایا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض دفعہ کسی قبر میں ایسی

گزر گزشت اور وحشت پیدا ہوئی ہے کہ لوگوں نے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ جانور بھی اُس راستہ پر چلتے ہوئے گھبرا گئے ہیں۔ اپنے علاقہ سید پور کے کسی مقام کا ذکر کرتے ہوئے اس واقع کی نشاندہی کی گئی۔ جہاں راستہ چھوڑ دیا گیا اور جانور گھبرا رہے تھے۔ اور بعض دفعہ کسی قبر سے آگ نمودار ہوئی جس کی وجہ سے قبر کی باہر والی سطح بھی متاثر ہوئی اور مقام شنکاری کے قریب کی جگہ واقع ہے۔ جہاں یہ ماجرا کئی سال پہلے پیش آیا اور علاقہ کے لوگ اس واقع سے باخبر ہیں۔ مگر اب نئی پود اس سے باخبر نہیں پرانے بزرگ واقف تھے۔ اور پھر خواب میں اس کے قریب لوگوں کے لئے پانی پینے کا کنواں نکالنے کا اشارہ ہوا اور کنواں نکالا گیا جو کنواں اب بھی ہے مگر استعمال میں اب نہیں ہے۔ اُس زمانے میں جبکہ ویران راستہ تھا اور لوگ پیدل سفر کر کے راستہ پر گزرتے اور پانی نکال کر پیاس بجھاتے تھے۔ اب لوگ پیدل سفر بھی نہیں کرتے۔ اور اس کو ویران کر دیا۔

فرمایا! جگہ اور نام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی کر دی ہو۔ وہ بہت مہربان ذات ہے۔ صرف چند الفاظ لوگوں کی عبرت کے لئے بیان کر دیئے ہیں کہ قبر کا عذاب حق ہے۔ اس سے ڈرنا ہم سب کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے کونے اعمال پسندیدہ اور قابل قبول ہیں اور ہم کس باغ کی مولیٰ ہیں کہ بے غم ہو کر دوسرے پر انگشت نمائی کریں اور اپنے آپ کو بھول جائیں۔ ہم کو بھی ڈرنے کی از حد ضرورت ہے۔ فرمایا کہ ہاتھ کی ایک انگلی اگر کسی دوسرے کی جانب اشارہ کرتی ہے تو ملاحظہ کریں تین انگلیاں اپنی ذات کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ کہ تو اُن سے زیادہ قصور وار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سچا ہے۔ اور یہ بات ضروری ہے کہ قبر نیکو کاروں کے لئے باغ و بہار ہوگی۔ اور بدکاروں کے لئے آگ کا ایک گڑھ ہوگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کسی دوسری وعید پر اتنا نہ روتے تھے جتنا قبر کے احوال سن کر روتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ قبر پہلی منزل ہے اگر اس پر ناکامی ہوگئی تو پھر باقی کامیابی کی صورت مشکل ہے اور اگر پہلی منزل قبر میں آسانی ہوگئی تو پھر آگے بھی آسانی ہونے کی امید پیدا ہو سکتی ہے۔

فرمایا دوستو! ہم اب اپنے بارے میں سوچیں کہ ہمارا کیا حال ہوگا اور ہمارے پاس کونسا نیک عمل ہے جو بارگاہ الہی میں قبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی و فضل خاص کے ساتھ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ اور قبر کی وحشت کو راحت اور سکون میں تبدیل فرمائے آمین۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ فرمایا! کوئی اپنے نیک ہونے پیرو بزرگ ہونے پر ناز نہیں کر سکتا اور کوئی اس بات پر ناز نہیں کر سکتا ہے کہ میں پکا نمازی ہوں پیرو بزرگ ہوں یا پیرو زادہ ہوں۔ راتوں کو اٹھ کر تہجد پڑھنے والا ہوں عمدہ اور شریر و اعظ بیان کرنے والا خطیب ہوں یا ناصح ہوں۔ دوستو! اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز اور لا پرواہ ہے ہر وقت خوف اور امید رکھتے ہوئے۔ زندگی گزارنی چاہیے۔ اپنی نیکی اور پارسائی پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ بے خوف نہ ہو جائیں کیا خبر ہے کہ زندگی کا آخری حصہ کیسے گزرتا ہے۔ کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ غفلت و سستی پیدا ہونے کا بھی خدشہ ہے۔ انا نیت و خود بینی پیدا ہونے کا بھی ڈر ہے۔ اعتبار خاتمہ بالخیر پر ہے۔ اور خاتمہ بالخیر کے بارے میں کسی کو علم نہیں کہ کس طرح ہوگا کہاں ہوگا۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ خاتمہ کس حال پر ہوگا۔

اس لئے ابھی سے خوش فہمی میں مبتلا ہو جانا اور اپنے بارے میں فیصلہ کر لینا اور باغ و بہشت کے خواب دیکھنا حماقت اور اپنے آپ کو دھوکہ میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ میرے بھائیوں! عجز و انکساری کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مہربانی اور فضل طلب کرنے چاہئیں۔ اگر خاتمہ بالخیر ہو گیا تو پھر بے خوف و خطر ہوگا۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے اگر خاتمہ مذہب میں ہو گیا تو پھر خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی لا ابالی یعنی بے نیازی سے ڈر لگتا ہے

کسی بندہ خدا نے فرمایا ہے۔

بھروسہ کے اثنائی دا ڈر لگدا بے پروائی دا

(پنجابی)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات عالی بے نیاز ہے کیا خبر کسی ایسی بات پر ناراض ہو جائے جس بات کی تم کو خبر بھی نہ ہو اور وہ تم کو پکڑ لے اللہ تعالیٰ ہر ایسی بات سے بچائے جو اس کو ناپسند ہو۔ عملیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کام بھی خطرے سے باہر نہیں ہے کیونکہ عملیات کرتے ہوئے محرم اور غیر محرم کی تمیز کئے بغیر ان سے ہم کلام ہونا پڑتا ہے اور نظر اُن پر پڑتی ہے۔ اور ایسی بات اُن سے کہی اور پوچھی جاتی ہے جس کا قرآن و سنت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور گاہے گاہے ایسی رقم شکرانے میں دے جاتے ہیں جس کے حلال و حرام ہونے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور کبھی کسی پر زیادتی بھی ہو جاتی ہے۔ لہذا اس کام سے دور رہ کر صرف اور صرف خدا کا ہو جانا بہتر ہے اور قناعت کا دامن پکڑنا چاہے روزی رساں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بغیر عملیات کے بھی وہ اپنے بندوں کو پال سکتا ہے۔ عملیات والوں کے دل پر غفلت و کدورت کے پھندے اور جالے بن جایا کرتے ہیں اور وہ معرفت کے راستہ کے لئے کوشش ہی نہیں کر سکتا۔ ایک بار حضرت نانگا بابا یعنی حضرت نور محمدؒ جو کہ حضرت سید پوریؒ کے مایہ ناز خلیفہ تھے ایک عملیات والے بزرگ کے پاس گئے چند منٹ بیٹھے ہی تھے کہ غفلت و کدورت کے جال دھاگوں کی شکل میں نمودار ہو کر ان کی نائگوں سے چمٹ گئے اور اس طرح گھیرا ڈال لیا جس طرح مڑکی مکھی کو گھیر کر اس کے گرد جال پھیر دیتی ہے۔ نانگا بابا نے جب اپنی حالت دیکھی تو اٹھ کر توجہ خاص سے جال پر نظر کی اور جال ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور حضرت موصوف وہاں سے چل پڑے جب ایسے کامل شخص کو عملیات کے حجابات نے اس قدر گھیرا تو اس کا اپن کیا حال ہو گا اس لئے ڈرتے رہنا چاہیے اور عملیات اور فضول تعویذات سے جان دور رکھنی ضروری ہے ہاں سنت کے مطابق آیات ضرورت کے وقت پڑھ کر دم کر لینا عملیات سے باہر ہے۔ عملیات تو حصول

دنیا کے لئے ایک طریقہ کار ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت قیمتی چیز ہے۔ اس لئے معرفت کے لئے محنت کرنی ضروری ہے۔ عملیات بھی کرے اور تصوف میں بھی دم مارے یہ کب روا ہے۔ عملیات و تصوف ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ تصوف کا تقاضا الگ ہے۔ اور عملیات کی الگ راہ ہے۔ تصوف خالص اخلاص اور یُریذُون و جُہْد کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور عملیات انسان کو مخلوقات کے ساتھ خلعت ملت رکھتی ہے۔ اور ان کی ضروریات نفسیاتی طور پر دور کرنے کا ایک راستہ ہے۔ جو کہ عوام الناس سے مخاطب رہ کر ان کی ضرورتوں کو تعویذ گندوں کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ان کے اعتماد کو پختہ کرنا پڑتا ہے چاہے غلط بیانی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ اس لئے اللہ والے اس دھندے سے دور ہی رہتے ہیں اور جو مٹوٹ ہو گئے وہ اللہ والے نہیں تھے۔ زاہد تھے عارف نہ تھے۔ دم درود پڑھ کر دم کرنا عبادت سے باہر ہے۔ عملیات کو پیشہ نہ بنایا جائے کیونکہ پیشہ بنانا نیا داری میں شامل ہے۔

۔ ہم خدا خواہی و دنیائے دوں ایں خیال است محال است و جنوں

ترجمہ :- خدا تعالیٰ کی بھی طلب ہے اور دنیا کو بی دل میں جگہ دی ہوئی ہے یہ خام خیال ہے مشکل ہے اور دیوانگی ہے۔ پس ہر چیز کو دل سے نکال کر خدا تعالیٰ کی طلب میں اپنی مملکت و مرکزِ کربدینی چاہیے۔ مگر اُس کی بے نیازی سے پھر بھی ڈرتے ہی رہنا چاہیے۔ اگرچہ اوزاتِ رحیم و کریم تو ہے مگر بے نیاز بھی ہے۔ نفس و شیطان آدمی کو بے خوف کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور بھی لگاتے ہیں۔ ان کے فریب اور دھوکے سے بیداری و ہوشیاری بھی چاہیے۔ اور یہ بھی خدا تعالیٰ کے خصوصی فضلوں سے ہی نصیب ہوگی اُس کی بارگاہ میں دستِ بعمار با کریں۔ حاجی احمد جان جو کہ ہماری طریقت کے نہایت کارکن اور مخلص ساتھی تھے اور ذکرِ دائمی نصیب تھا۔ حال و عروج کو سمجھنے والے تھے۔ وہ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ تیرے پاس ایک فہرست نیک بختوں کی ہے اور دوسری فہرست بد بختوں کی ہے میں تمہیں جانتا کہ میرا نام کس فہرست میں ہے۔ اگر میرا نام بد بختوں کی فہرست میں درج ہے تو تو

اپنے خصوصی فضلوں سے مناکر نیک بختوں کی فہرست میں درج فرمادے۔ دوستو! اس چیز کا نام ہے اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرنے اور نیک عمل جاری رکھنے کا۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو ایسی فکر نصیب کرے۔

ایک اور بندہ خدا کا قصہ ہے کہ وہ جب مرض موت میں مبتلا تھا اس پر کبھی غنودگی و بے ہوشی طاری ہو جاتی تو بے ہوشی کی حالت میں اپنی انگلی کو بلا دیتا تھا۔ جب ہوش میں آیا تو پاس بیٹھے خدمت گاروں نے دریافت فرمایا کہ حضرت آپ بے ہوشی کی حالت میں انگلی ہلاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو فرمانے لگے کہ جب میں بے ہوش ہوتا ہوں تو ابلیس آ جاتا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ مبارک ہو کہ میرے فریب سے بچ کر چلا گیا۔ تو میں اُس کو انگلی بلا کر جواب دیتا ہوں کہ ابھی نہیں ابھی تو میری ناک میں سانس موجود ہے اور جب تک ناک میں سانس موجود ہے تیرے فریب سے بے غم ہرگز نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اعتبار خاتمہ بالخیر پر ہے۔ کسی نے کیا کو خوب فرمایا ہے۔

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتداء کیا ہے

مجھے یہ فکر رہتی ہے کہ میری انتہا کیا ہے

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اس کی رحمت اور مہربانی کا بھی امیدوار رہنا چاہیے۔ کیونکہ ایمان خوف و امید کے درمیان ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بالکل امید ہی امید رہے اور خوف بالکل نہ ہو۔ بلکہ خوف و امید رکھتے ہوئے نیک اعمال کرنے ضروری ہیں۔ ارشادِ ربی ہے۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ وَ

لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرٌ

جس کو چاہتا ہے عذاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور بخشتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

پس ہمیں اُس کی عبادت خوف و امید کو مد نظر رکھ کر اور اُس کا امر جان کر کرنی

چاہیے۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اُس کی رضا مندی کا طلبگار رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودگی تمام انعام و اکرام، باغ و بہشت، حور و غلامان سے بالا و اعلیٰ ہے پس اُس سے اُس کی رضا ہی کیوں نہ طلب کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان اس بات پر مست اور بے غم ہو جائے۔ کہ میں نیکو کار ہوں اور عبادت گزار ہوں۔ عزت و احترام والا پیر و بزرگ ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقت دے کر کافی چلے لگا چکا ہوں۔ بیرونی ملکوں میں جا چکا ہوں دین کی بہت محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوم پھر کر اجر و ثواب امانانہ میں جمع کر چکا ہوں۔ اور خوش فہمی میں ایسا مبتلا ہو جائے کہ آنکھیں بند ہوتے ہی باغ و بہشت میں پہنچ جاؤں گا۔ بھائی یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر خوش فہمی کے بجائے خوف اور امید کا دامن پکڑ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اور اس قسم کے خیالات ترک کرنے چاہئیں اور معاملہ خدا تعالیٰ کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اپنی طرف سے نیکی کرنی چاہیے اور اجر و ثواب خدا پر چھوڑنا چاہیے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں کی بات سے باخبر ہے اور اُن اعمال اور اخلاص کو بھی باخوبی جانتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضلوں سے ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے آمین۔

۱۶۔ نفس اور سے شیطاں کے فریب سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کا فضل درکار ہے۔ اپنے قبلہ

گاہی والد ماجد حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس خدا تعالیٰ کے فضلوں سے ہی مر سکتا ہے۔ آپ کا ایک شعر پڑھ کر فرمایا۔

نفس نتواں کشت جز فضل خدا با تو گویم یاد گیر اے مردِ راہ

یعنی اے طالبِ راہِ حق طے کرنے والے اگر تو نفس کو مارنا چاہتا ہے تو یہ کسی طرح نہیں مر سکتا مگر خدا تعالیٰ کے خصوصی فضلوں سے ہی مر سکتا ہے۔ اور میری یہ بات یاد رکھنا جو تجھ کو کہتا ہوں اس لئے خصوصی فضلوں کی ہی التجا کیا کر۔ تاکہ تیرا نفس مغلوب ہو جائے۔ ایک بار قبلہ گاہی والد صاحبؒ نے حضرت سلطان باہوؒ کا یہ شعر پڑھا۔

لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں تے ظالم نفس نہ مردا ہو

با ج فقیراں کسے نے مار یا ظالم چور اندر دا ہو

اس مقام پر فرمایا کہ بائو نے بہت قیمتی بات کہی ہے مگر فقیروں کی جگہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا حوالہ دیا جاتا تو نہایت موزوں و مناسب تھا۔ کیونکہ فقیر بھی خدا کے فضلوں کے محتاج ہیں۔ اپنی ذات قوت سے وہ بھی نفس کو زیر نہیں کر سکتے۔ آپ کی سمجھ و فراست کے مطابق یہ شعر اس نوعیت پر ہونا موزوں تر تھا۔

لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں تے ظالم نفس نہ مرد بائو

فضلاں باجج کسے نی ماریا ظالم چور اندر دا بئو

آپؐ نے فرمایا دوستو! اپنے دل سے یہ خیال بالکل نکال دو کہ میں نیک اور پارسا ہوں گیا ہوں۔ اور میرا نفس کمزور اور مغلوب ہو چکا ہے اب خطرہ سے باہر ہو چکا ہوں۔ ہاں یہ کبھی کبھی رحمت خداوندی کی وجہ سے جو من جانب اللہ کبھی بندہ پر نزول ہو جاتی ہے۔ اپنا سر چھپا لیتا ہے۔ اور خاموش ہو جاتا ہے اور جو نبی موقع ملتا ہے باہر نکل کر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اور ایسے انداز میں آدمی کے تمام اعمال اپنے مکر و فریب کی چال سے کھوہ دیتا ہے۔ اس لئے نفس کی حفاظت و نگہداشت آخر وقت تک کرنی ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے سہارے پر ہر وقت رہنا چاہیے۔ بے غم ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیے فرمایا۔ نفس و شیطان سے اتنا خطرہ بدکاروں کو نہیں ہوتا جتنا کہ نیک اور پارسا انسان کو ہوتا ہے۔ کیونکہ چور خالی گھر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اُس جگہ چوری کی کوشش کرتا ہے جہاں اُس کو مال و خزانے کے توقع ہوتی ہے۔ بدکار تو ویسے بھی ایمانی دولت اور ایمانی خزانے سے خالی ہوتے ہیں۔ ان کو چھین کر کیا نقصان کرے گا۔ وہ تو نیک و پارسا کے درپے ہو کر ایمان کا خزانہ لوٹنا چاہتا ہے۔ جو اس کے حکم سے باہر ہو کر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو گئے ہیں۔ بدکار تو ویسے بھی نفس و شیطان کے حکم کو بسر و چشم تسلیم کرتے اور اس کی مرضی پر چلتے ہیں۔ بلکہ نفس و شیطان کے غلام اور قیدی ہیں۔ اور ان کے اشارے پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اس لئے نفس و شیطان کو زیادہ محنت نیک لوگوں کے ساتھ کرنی پڑتی ہے۔ اور وہ نیک لوگوں کی نیکی اور ان کے نیک اعمال کو ان کے سامنے لا کر اس پر فخر دلا کر برباد

کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں اور ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اور آخر دم تک کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

پس نیک لوگوں کو زیادہ ہوشیاری اور بیداری سے خدا تعالیٰ کے فضل اور امداد کی امید رکھ کر نیکی کرنی چاہیے اور اپنی نیکی پر فخر اور اپنے آپ کو بلند مرتبہ نہیں جاننا چاہیے۔ اور اپنے چلنے پھرنے بلکہ ہر نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتے ہوئے ہوش دردم اور نظر پر قدم کے تحت زندگی گزارنی ضروری ہے۔

فرمایا۔ نفس بڑے بیٹھے انداز میں کہتا ہے کہ اب تو پیرو بزرگ ہے۔ خطیب شریں بیاں ہے۔ تیرے بہت مرید ہیں اور تیری خدمت میں کمر بستہ ہیں۔ تیرا سارا خاندان بزرگ گزرا ہے۔ اور تیرے آباء اجداد کے چرچے اور شہرت ہے پھر تجھے کیا فکر ہے۔ تیری ہر طرف سے عزت ہی عزت ہے لوگ تیرا احترام کرتے اور جھک کر سلام کرتے ہیں۔ اور تیری شہرت کا چرچا عام ہے یہ سب خرابیاں نفس و شیطاں کی جانب سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کو خوب بھانپ لینا ضروری ہے۔ اور اپنے آپ پر اترانے کی بجائے خود کو بے کار تصور کرنا چاہیے۔ نہ کہ معیار جلتا تا پھرے۔

فرمایا دوستو! شہرت چاہے جس جگہ سے بھی ہو جائے خطرناک ہے جس شہرت میں ضمیر خوشی محسوس کرے مہلک ہوتی ہے۔ اور نیکی کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ نفس کسی کو کہتا ہے کہ اب تو تو حاجی ہو گیا ہے اتنی عزت تیری حج سے پہلے نہ تھی جتنی کہ اب ہو گئی ہے۔ تو تو قدر والا ہو گیا ہے۔ لوگ تجھے جرموں اور فیصلوں میں لے جاتے ہیں۔ کسی کو کہتا ہے کہ تو تو دین کی محنت میں قبول ہو گیا ہے اور دین کی محنت میں دن رات لگا رہتا ہے تیرے ہر ہر قدم پر تجھے نیکیاں مل رہی ہیں۔ تیرے اعمالناے تو نیکیوں سے بھر چکے ہوں گے۔ اور تیری زندگی قیمتی ہو گئی ہے۔ لہذا اب تجھے کیا فکر ہے کسی سے کہتا ہے کہ تو تو بہت بڑا عالم و فاضل ہے۔ تیری عظمت کا چرچا م ہے۔ تیرے وعظ و تقریر کا طرز بیان نہایت شستہ ہے۔ تیری تقریر مجمع کو گرما

کر رکھ دیتی ہے۔ اور تیری شریریاں سے لوگ تڑپ جاتے ہیں۔ تیری شہرت ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکی ہے۔ اور تیری تصانیف بھی ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی ہے۔ تو بہت مخصوص انسانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ سب خیالات تو اہم اور نفس و شیطان کے اثرات ہوتے ہیں ان سے دور رہنا چاہیے۔ غرور، مسکینی اور ملامتی و گناہی کو نفس نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ خود بینی اور خود پسندی کو پسند کرتا ہے۔ نفس امارہ ہمیشہ برائی کی طرف راغب کرتا ہے خواہ وہ برائی عملی ہو یا خواہشاتی ہو ان سب سے دور رہنا چاہیے۔ حاجی محمد اعظمؒ فرماتے ہیں۔

نفس کی پیروی سے باز آ جا تیرے پہلو میں بس دشمن یہی ہے
نفس کی قید سے بچ خاکسار اگر راہ خدا کی چاشنی ہے
اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا خصوصی فضل کر کے نفس و شیطان کی قید اور مکر و فریب سے بچائے آمین۔

۱۷۔ بندگان خدا دنیا کی ظاہری زیب و زینت پر فریفتہ نہیں ہوتے۔ فرمایا! دنیا کی ظاہر زیب و زینت اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بیٹے اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ بیوی اپنی محبت و خیالات کا رنگ چڑھاتی ہے۔ مال و زر اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ زمین کے یہ لے لے سر سبز کھیت اور خوبصورت باغات اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ دنیا کی شہرت اپنی طرف دعوت دیتی ہے اور دکانداری اپنی طرف بلاتی ہے۔ ملازمت اور کاروبار اپنی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اب ہم ذرا سوچ کر خود فیصلہ کریں کہ ہم کس دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے خدا تعالیٰ کی طرف قریب ہو رہے ہیں۔ یا دیگر دعوات پر لبیک کہہ کر ان کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ اس بات کا ہم خود اپنے گریبانوں میں جھانک کر اپنے ضمیر کو دیکھ کر خود ہی فیصلہ دے سکتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی محبت اور احکام الہی کی طرف ہمارا ضمیر مضبوط ہے تو ہم حق پر ہیں اور اگر کسی دوسری چیز جو غیر حق ہے اس کی جانب ضمیر جھکی ہوئی ہے تو

پھر حق پر ہرگز نہیں ہیں۔

فرمایا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہہ کر خدا تعالیٰ کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا کر اُس کا ہوجاتا ہے تو پھر باقی سب چیزیں اس کے پیچھے دوڑتی ہیں۔ مگر بندہ خدا ان کو قبول ہی نہیں کرتا۔ سلطان باہو مارتے ہیں۔

۔ قہر پیوے تینوں راہزن دنیا ہے تو حق داراہ مریدی ہو

عاشقاں مول قبول نہ باہو کر کر زاریاں روندی ہو

فرمایا جو دنیا کی ان چیزوں کی دعوت پر لبیک کہہ کر ان چیزوں کے حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو یہ چیزیں بجائے حاصل ہونے کے اس کے آگے آگے بھاگتی ہیں۔ اور انسان ان کے حصول کے لئے ان کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے مگر پھر بھی اس کے ہاتھ نہیں آتیں اور محروم ہی رہتا ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کی دعوت اور حکم پر لبیک کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طلب و محبت ہی رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے دنیا کے ظاہری زیب و زینت پر فریفتہ نہیں ہوتے اور دنیا کی عارضی لذت انہیں دھوکہ میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ کسی بندہ خدا نے فرمایا ہے۔

۔ جہاں از رنگ و بوسازد اسیرت ولے نزدیک ارباب بصیرت

نہ رنگ دل کشش را اعتبار یست نہ بوئے دلفر پیش رالملا زینت

یعنی دنیا کی زیب و زینت اور رنگارنگی اپنا قیدی و اسیر بنانا چاہتی ہے مگر اللہ والوں

کے نزدیک جو

صاحب بصیرت ہیں ان کی نظر میں دنیا کی رنگارنگی اور زیب و زینت کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کی ظاہری خوبصورتی اور خوشبو جو دل کو فریب میں مبتلا کر کے اپنے حسن پر فریفتہ کرتی ہے۔ اُس کو بھی کوئی ثبات حاصل نہیں ہے۔ یعنی حقیقت میں عارضی حسن و نکھار جو دکھائی دیتا ہے بالکل بے ثبات اور عارضی ہے۔

فرمایا۔ دنیا کی ظاہری زیب و زینت پر فریفت نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے حصول کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ تعویذ گندوں کا سلسلہ ایجاد کر کے یا پھونک جھاڑ کے ذریعے جیب گرم کرنے کا پیشہ اختیار کر بیٹھے اور ساتھ ساتھ ہر دھندے کی طرف دوڑتا پھرے یہ اس کے لئے ناکامی کا ذریعہ اور آخرت میں محرومی کا ذریعہ بنے گا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں دائمی جگہ دے اور اُس پر مکمل بھروسہ رکھے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی سمجھ دے آمین۔

۱۸۔ اچھے نقوش چھوڑ کر جانا باعث نجات ہے۔

فرمایا۔ جو لوگ گزر گئے ہیں وہ اپنے اپنے نقوش پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اگر دنیا میں خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزار کر مخلوقات الہیہ کی خدمت کر کے ان کے دل دکھانے کے بجائے اپنی محبت اُن کے دلوں میں چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور ان کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو ایذا نہیں پہنچی اور انگشت نہ مانی کرنے والی محفل میں حصہ نہیں لیا۔ تو یہ لوگ اچھائی کے ساتھ یاد ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی رحمت ان پر برسی ہے۔ اور لوگوں کے ہاتھ دلی طور پر ان کے لئے دعائے خیر اور بخشش طلب کرنے کے لئے اٹھتے رہتے ہیں۔ جن کی خدمت کرنے کا موقع اُن کو نصیب ہوا تھا۔ ان کے دل سے نکلی ہوئی دعا ضرور رنگ لاتی ہے اور قبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ان کے لئے یہ دعا باعث بخشش و نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اور مخلوقات خدا کا دل زخمی کر کے چلا گیا تو اُس کے جانے سے بعد لوگ اس کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ کہ اچھا ہوا بد بخت دفع ہو گیا اور لوگ اس کے ظلم و ستم سے بچ گئے۔ ایسا شخص خدا تعالیٰ کی ناراضگی میں گرفتار ہوگا۔ قبر و غضب اور عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور اس کی آخرت برباد ہوگی۔ اگرچہ یہ دنیا میں ستیاہی صاحب وقار اور اعلیٰ قبیلے سے تعلق رکھنے والا ہوگا مگر خدا کے نزدیک ذلیل و خوار اور رسوا تصور ہوگا۔

اب ہم اپنے بارے میں سوچیں کہ ہم احکام الہی کی کتنی پابندی کرنے والے ہیں۔

کیا ہمارے ہاتھوں اور زبانوں سے کسی کو ضرر اور تکلیف تو نہیں ہے۔ اور کیا ہم مخلوقات خدا کا حق ضائع تو نہیں کر رہے ہیں۔ مثلاً مکان کے پڑوسی کا حق، زمین کے پڑوسی کا حق، تجارتی کاروبار میں پڑوسی کا حق، دیگر لوگوں کے حقوق کا حق ادا ہو رہے ہیں۔ یا نہیں اگر حقوق ادا ہو رہے ہیں تو الحمد للہ چشم مارو شن دل ماشاد پھر تو نہایت شکریہ کا مقام ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر دوستو! زندگی خطرہ میں ہے ابھی سے غور کرو خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اب بھی وقت ہے جب وقت گزر جائے گا تو پھر ہاتھ کچھ نہ رہے گا۔ اگر کچھ کرنا بھی چاہے گا موقع نہیں ہوگا۔

وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں اور نام لیں تیرا تو ادب سے لیا کریں فرمایا۔ دنیا میں ایسا کام کر کہ خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق تجھ سے راضی رہے اور زندگی ایسے طریقے سے بسر کر کہ تیرے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ غرباء اور مساکین کا خیال رکھتے ہوئے زندگی گزار اور سب کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنے کی کوشش کر فخر و تکبر سے اپنے آپ کو بچا کر عجز و انکساری اختیار کر کیونکہ انسان تکبر و غرور کیسے کر سکتا ہے جبکہ اس کی پیدائش ایک ناپاک پانی (منی) اس کی پیدائش کا ذریعہ اور ابتداء ہے۔ جس پر قدرت نے اپنی حکمت و کارگیری سے ایسی گل کاری کرتے ہوئے صورت انسانی بخشی کہ انسان پر بطور تحمید تبارک اللہ احسن الخالقین کہنا لازمی ہو جاتا ہے۔

اگر انسان کی اپنی ابتدائی پیدائش پر نظر ہو تو پھر تکبر و غرور ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور اسے ہرگز عجز و مسکینی کا دامن نہیں چھوٹ سکتا۔ فرمایا میں تمہیں نصیحت کروں یا اپنے آپ کو کروں میں تو ابھی تک اپنے آپ سے فارغ نہیں ہوا۔ تمہیں کیا نصیحت کروں گا۔

دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت

آپ لوگ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھ گنہگار کے ظاہر و باطن کو درست فرمادے اور اکلام خداوندی پر چلنے اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمادے آمین۔

حضرت قبلہ گاہی صاحبؒ کے خلفاء اور مجازین

حضرت قبلہ گاہی صاحبؒ نے بعض دیگر مشائخ کی طرح مجازین اور خلفاء کی فہرستیں مرتب کرنے اور لائن لگانے سے احتراز کیا ہے۔ اور نہایت احتیاط کی راہ اپنائی ہے۔ اور خود کو بھی کبھی خلفاء کی صف میں یا خلف الرشید جانشین کے عہدہ پر فائز تصور نہیں کیا بلکہ طریقت کے ساتھیوں کے ساتھ ایک ساتھ کی حیثیت سے پیش آئے ہیں۔ خلیفہ بنانے یا ذکر بتلانے کی صورت میں جب تک کوئی شخص سبق بتلانے اور دوسرے کی تربیت کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور خود بھی لطائف خمسہ کے ذکر کی سمجھ اور سلطان ذکر کی حقیقت سے روشناس نہ ہو۔ اسے مجاز و خلیفہ بنانے کی اجازت مرحمت نہیں فرماتے۔ اور اگر کسی کی تصوف و سلوک میں سمجھ پیدا ہو کر اپنی تربیت اور دوسرے کی تربیت کرنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو پھر کافی غور و فکر کے بعد ذکر بتلانے یعنی خلافت سے نواز دیا کرتے ہیں بہت سے ایسے ساتھی ہیں کہ قلبی ذکر اور لطائف خمسہ کا اجراء بھی ہو چکا ہے مگر حال ان کو ذکر بتلانے پر مامور نہیں کیا گیا۔ فرمایا کہ اگر ان کو یہ فریضہ سونپ دیا گیا تو اپنے ذاتی ذکر سے بھی رہ جائیں گے۔ کیونکہ جب تک حال قوی نہ ہو۔ دوسرے کی تربیت کرنا محال ہوتا ہے۔ آپ اس بارے میں کافی محتاط ہیں اور حضرت سید پورٹی کے راہ و طریق پر کاربند ہیں۔

احقر مؤلف آقا سید ہذا کا آپ سے 1958 میں جبکہ نویں جماعت کا طالب علم تھا بیعت کی تھی۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ کی صحبت و مجلس کی برکت سے بوقت بیعت ہی قلبی ذکر کی سمجھ اور دیگر لطائف کی سمجھ بھی نصیب ہو گئی تھی۔ اور ذکر و رذائے میں دوام حاصل ہو چکا تھا۔ چونکہ اُس وقت احقر نویں کلاس کا معلم تھا اس لئے سکول کو بھی جانا ہوتا تھا بوجہ شوق و غلہ ذکر سکول میں جانا دلی طور پر ناپسند تھا۔ مگر حضرت کا حکم بھی تھا کہ دسویں جماعت تک تعلیم ضرور

حاصل کرنی ہے۔ اس لئے دل پر جبر کر کے سکول کی حاضری بھی کرتا تھا۔ سکول میں جب تعلیمی سرہ میں کلاس لگتی اور ہمارے ٹیچر استاد صاحب لکچر دینے کے لئے کھڑے ہوتے اور تختہ سیاہ پر کچھ لکھنا شروع کرتے تو عین اسی دوران احقر پر ذکر الہی کا غلبہ ہو جاتا اور فیض بلا واسطہ وارد ہو جاتا تھا۔ نیز ذکر کے انوارات کا درود شروع ہو جاتا تھا اور راقم کی ظاہری نظر تختہ سیاہ پر ہوتی اور باطنی طور پر تعلق مع اللہ رہتا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی کہ استاد صاحب کیا پڑھا رہے ہیں اور کیا لکھ رہے ہیں اور یہی حالت ہمیشہ رہتی تھی۔ دل میں خوف بھی ہوتا کہ اس طرح میں کیا پڑھوں گا اور کس طرح امتحان دوں گا۔ تاہم قدرت نے بوقت امتحان اپنے فضل و کرم سے کچھ ذہن میں ڈالا اور لکھ دیا اور نویں جماعت پاس ہو گئی اس طرح کا دورانیہ دسویں میں بھی گزرتا رہا آخر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بغیر نقل دسویں کا امتحان بھی پاس کیا۔ اور پھر بطور بے وی (P.T.C) کے منتخب (سیلکٹ) ہو گیا اور ایک سال گزار کر ٹریننگ ختم ہوئی اور سکول میں استاد منتخب ہو گیا۔

تقدیم مختصر کہ 1958ء میں جس تاریخ کو بیعت ہو بیعت ہونے کے گیارہویں روز حسب معمول رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے بستر پر چڑھ کر روشنی گل کر کے ایک روز مراقب تھا کہ ذکر و فکر کے غلبہ میں جسم لطیف ہونا شروع ہوا، اور موم کی شمع کی طرح آہستہ آہستہ گھٹنے گھٹنے ولایت ختم ہو کر ہوا کی طرح لطیف اور گم ہو گیا مگر عقل و فکر ہمراہ ہی رہا۔ میں نے گھبرا کر ذکر مجبوزا تو جسم موجود تھا۔ اس قسم کے واردات کا درود ہوتا رہا۔ اور ذکر و فکر میں منہاس اور سمجھ نصیب رہی اور حضرت صاحب کو میرے حالات کی اطلاع تھی مگر حضرت مرشدی و مولائی کی فراموشی اور تحمل و احتیاط اتنا مضبوط تھا کہ آپ نے ذکر سکھانے کی اجازت ان حالات کے باوجود نہیں دی۔ اگر کوئی دوسرا جلد باز قسم کا پیر ہوتا تو طرہ امتیاز میرے سر پر باندھ دیتا مگر آپ نے ایسا برز نہیں کیا۔ آخر کار 1974ء میں صرف اتنا فرمایا کہ حبیب الرحمن میں کبھی باہر نہیں آئیے یا سید پور کے علاقہ میں تبلیغی دورہ پر ہوتا ہوں اور بعض طریقت کی غرض لے کر گریہ والے آئیں اور میرے نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہو جاتے ہیں آپ ان کو میرے اذن سے ذکر

بتلا دیا کریں۔

میں نے بھی آپ کے حکم کی تعمیل میں صرف ذکر بتلانے پر اکتفاء کیا خود کو خلیفہ ہزار ہو جانے کا درجہ نہیں دیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان و فضل ہے کہ اُس نے مجھ کو خود بخود نمازی اور محاذ ہونے کی خوش فہمی سے بچائے رکھا ہے۔ کسی کو ذکر سکھانے اور بتلانے سے اگر ان کا اجراء قلب یا لطائف خمسہ کا اجراء ہوا بھی ہے تو اس کو اپنے شیخ کے فیض باطنی اور ان کے اذن پر محمول کیا ہے اور براہ راست اُن کے اذن و اجازت کا اثر و پیش خیمہ تصور کیا ہے۔ نہ کہ اپنی جانب سے اثر مرتب ہونے کا امکان کیا میں تو خود کو خود جانتا ہوں کہ میں بیچ دریچ ہوں من آنم کہ من دامن کی مثال کہ نایافت کے میدان میں کھڑا یافت کی طلب میں ہوں۔ جتنی ایک مبتدی کی ضرورت ہے۔ یہی ضرورت میری بھی ہے اور وہ ضرورت خدا کی رضا اور معرفت حقیقی کا حصول ہے اللہ تعالیٰ معرفت حقیقی نصیب فرمادے۔ یا رب العالمین

حضرت کے مجازین و خلفاء کا مختصر تعارف

اول تو حضرت قبلہ گاہی خلافت کا نام نہ اپنی ذات پر لگانا پسند کرتے تھے اور نہ کسی دوسرے پر یہ طرہ امتیاز باندھنا زیب دیتا ہے۔ تاہم جن کو کسی مصلحت کی بنا پر مجاز ہونے کا حکم واذن دیا گیا ہے اُن کے اسم گرامی درج ذیل ہیں:-

سید مومن شاہ صاحب

سید مومن شاہ صاحب اور سید غازی شاہ نندھاڑ حال بادامی باغ لاہور کے رہنے والے تھے۔ حضرت سید غازی شاہ وفات پا گئے تو ان کی بیوہ اپنے بیٹے سید مومن شاہ کو 1976ء میں اپنے ہمراہ لے کر گیر وال آئی۔ اور حضرت پیر عبدالحی صاحب گیر وال والوں سے درخواست کی کہ میرا خاوند جو کہ آپ کے والد ماجد خواجہ شمس الدین کا مرید و خلیفہ تھا اور اُن کے مریدین لاہور میں ہیں میرا خاوند وفات پا گیا ہے اور مریدین کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں اُن لے آپ میرے بیٹے سید مومن شاہ کو بیعت فرما کر خلافت سے نواز دیں۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ خلافت کسی کے جیب کی شے ہے نہیں کہ میں بیعت کر کے اس کو عطا کر دوں گا البتہ اس مُشاہیت الہی اور محنت و کوشش کی ضرورت ہے اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو بندہ خلافت کا اہل بنائے ورنہ نہیں اور یہ تذکرہ حضرت نے مسکراتے ہوئے احقر سے بھی کیا۔ پھر اسی رات کو سید مومن شاہ کو بیتھک میں بیعت فرمایا اور میں بھی ہمراہ تھا۔ اس کے بعد سید مومن شاہ نے 1976ء سے 1984ء تک ربط و ملاقات کا سلسلہ رکھا اور میں نے کتاب ہذا انوار ولایت فیہ پہلا ایڈیشن بھی پیش کی۔ 1982ء میں وہ کتاب لے گئے تھے اُن کو حضرت نے فرمایا کہ لاہور میں میرے والد ماجد خواجہ شمس الدین سید پوری کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا غلام ربائی ہائٹل پذیر ہیں آپ اُن کی مجلس و محبت میں ضرور جایا کریں اور اُن سے تربیت بھی حاصل

کریں۔ کیونکہ گیر وال دور ہے اور لاہور قریب ہے ہفتہ میں دو چار دفعہ حاضری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سید مومن شاہ گاہے گاہے گیر وال تشریف لاتے اور اکثر لاہور حضرت مولانا غلام ربائی کی مجلس میں حاضری دیا کرتے گویا ابتدائی بیعت کے بعد کئی سال تک تربیت حاصل کرنے کے لیے گیر وال رابطہ قائم رہا اور حضرت شیخ کی اجازت و حکم کے تحت حضرت مولانا غلام ربائی سے بھی تربیت حاصل کی گئی اور حضرت مولانا غلام ربائی نے باطنی استعداد کو دیکھ کر حضرت شیخ زادہ پیر عبدالحی صاحب مدظلہ کی جانب سے خلافت کی اجازت بھی فرمادی تھی۔ اور حضرت گیر وال والوں کو جب علم ہوا تو انہوں نے بھی خوشی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ اُس کی والدہ کی خواہش کو قدرت نے پورا ہی فرمادیا جو کہ بوقت بیعت مجھ سے درخواست کی تھی۔

گویا سید مومن شاہ کی بیعت حضرت مرشدی و مولائی پیر عبدالحی مدظلہ العالی سے تھی اور خلافت حضرت قبلہ مولانا محترم غلام ربائی سے ہو گئی تھی۔ اور اس کے بعد ان کے کافی عقیدت مند اور مریدین لاہور کے علاقہ میں ان کے حلقہ بگوش رہنے لگے۔ زندگی نے وفانہ کی اور جلد ہی دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ اس لئے ان کے عقیدت مند اب گیر وال حضرت حم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کے مریدین کو تو گیر وال سے رابطہ رکھنا ہی تھا مگر حضرت مولانا غلام ربائی اور مولانا یوسف گچھی اور باقی جملہ خلفاء کے مریدین حضرت سید پوری کے فرزند ارجمند اور سجادہ نشین ہونے کے تعلق سے اکثر آپ کی محفل و مجلس میں آتے جاتے ہیں اور ایک ہی درخت کی شاخ کے طور پر حضرت سید پوری کے صاحبزادہ ہونے کی محبت میں ان سے رابطہ رکھے ہوئے ہیں اور آپ بھی سب کے ساتھ براہ محبت و انس سے پیش آتے اور ان سے ربط قائم رکھتے ہیں اور جوان کو نہیں جانتے شاید وہ ان کی مجلس سے دور رہنے والے ہوں گے۔ ورنہ ضرور تعلق رکھتے اور طریقت میں مزید ترقی نصیب ہوتی۔

۲۔ قاری محمد طیب صاحب نقشبندی خطیب و امام صابری مسجد گارڈن

(مہتمم اعلیٰ مدرسہ عمر الخطاب للبنات مکزیا میانہ، شنکیاری تحصیل و ضلع مانسہرہ)

قاری محمد طیب صاحب موصوف حضرت کے مرید و خلیفہ و مجاز تھے اور داماد بھی تھے اور احقر مؤلف کتاب ہذا کے ہم زلف تھے۔ اور ان کی ساری زندگی دین کی اشاعت و تبلیغ و درس میں گزرتی تھی۔ نہایت بردبار و حوصلہ مند اور سخاوت کے پیکر تھے غرباء و مساکین کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور اکثر تعاون و معاونت کرتے رہتے تھے اور خوش مزاج تھے۔ دارالعلوم بنوری ہاؤس کے فارغ التحصیل جرات مند اور دین و اسلام کی ترقی و ترویج کے لئے سخت کوشش کرتے تھے۔ تصوف و سلوک میں بہت زیادہ دلچسپی رکھنے والے اور محنت کرنے والے تھے۔ کتاب ہذا کی ابتدائی طباعت آپ کی محنت و کوشش کا نتیجہ تھی اور اب اسے دو جلدوں میں مرتب کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کا مشورہ اور معاونت کی ذمہ داری آپ ہی نے قبول فرمائی تھی اسی بناء پر موجودہ نیا نسخہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ کی کوشش و مشورہ کا مرہون منت ہے۔ اپنے پیر بھائیوں سے حسن سلوک اور محبت و رواداری سے پیش آتے تھے۔ آپ کی زبان میں حد درجہ کی شریں بیانی تھی کہ نرم نرم موسلا دھار بارش کی طرح سامعین کے قلوب کو پیچنے کا کام دیتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماوے۔ اور درجات بلند فرمائے آمین۔

۳۔ حضرت مولانا سید نواب حسین شاہ صاحب

(مہتمم اعلیٰ جامعہ حسینیہ شنکیاری مانسہرہ)

حضرت مولانا سید نواب حسین شاہ صاحب جامعہ حسینیہ کے مہتمم اور فارغ التحصیل عالم دین ہیں۔ نہایت متقی و پارسا اور علمیت میں درجہ تبحر رکھتے ہیں۔ آپ حضرت پیر عبدالحی صاحب گیر دال ڈھوڈیال والوں سے بیعت ہیں اور خلیفہ مجاز بھی ہیں۔ آپ کی ذات کسی فحاشی کی محتاج نہیں ابتداء میں آپ مرکزی مسجد شنکیاری میں امام و خطیب تھے اور کافی عرصہ ان کی خدمت سرانجام دی۔ بعض وجوہات کی بنا پر اس مسجد سے الگ ہو کر دوسری جگہ ایک

عظیم مدرسہ اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا مزید ترقی و ترویج کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ آپ کا دارالعلوم جامع حسینیہ شکیاری میں بلکہ کچھلی میں بہت بڑا مدرسہ دہیہ ہے۔ جس سے طلباء فارغ ہو کر دورہ حدیث کے لئے کراچی لاہور جاتے رہتے ہیں۔ ابتدا میں آپ جمعیت کے پلیٹ فارم پر سیاست میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ مگر اب سیاست سے سبکدوش ہو کر گوشہ نشینی کو ترجیح دینے لگے ہیں اور کسی قسم کی سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ آپ کا وجود علاقہ کے لئے باعث برکت ہے اور آپ کی مجلس وصحبت اکسیر ہے۔ اس لئے کہ علم نبوت اور نور نبوت کی دونوں نعمتیں آپ کو بفضل خدا میسر ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوتا ہے۔ کہ جس کو ہر دو علم نبوت اور نور نبوت سے نوازا دیا جائے۔

حضرت شاہ صاحب موصوف مؤلف کتاب ہذا کے پیر بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے دوست ہیں۔ اور ایک محقق عالم بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان علمائے حق کو امت مسلمہ کی احسن تربیت کے لئے عمر طویل عطا فرمائے۔ تاکہ لوگ ان کی مجلس وصحبت اور ان کے وعظ و بیان سے استفادہ اور اضافہ کر سکیں۔ اور اپنے دامن کو علمی جواہرات سے مستفید کرتے رہیں۔ اور شرک و بدعات کی رسومات سے خود کو بچا کر قرآن و سنت پر عمل کر کے اپنے دامن کو رحمت خداوندی سے بھر کر دنیا سے جانے کے قابل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو دین کی محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کے فیض دینیہ کو قائم و دائم رکھے آمین۔

۴۔ پیر زادہ صاحب الحق سید فضل البہادی کنتز الایمان

سید فضل البہادی صاحب پیر رحمت ثانی میاں ساکن کنتز الایمان والوں کے صاحبزادے ہیں۔ اور پیر رحمت ثانی میاں حضرت خواجہ شمس الدین سید پوری کے خلفاء میں سے تھے۔ جو کہ صاحب کرامت بزرگ تھے اور رموز و اسرار سے متصف تھے۔ لوگ آپ کی وجہ سے آپ کے صاحبزادے فضل البہادی صاحب کو صاحب الحق کے نام سے پکارتے ہیں صاحب الحق پشتو اصطلاح میں عزت سے یاد کرنے کا خاص نام ہے۔ آپ بچپن ہی سے اپنے

والد ماجد کے ہمراہ رہتے اور وہ جدھر سفر کرتے آپ ہمیشہ ہمراہ ہوتے اسی لئے اب بھی آپ تبلیغی سفر میں رہنے سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور سفر میں آپ کی روح لطف و سرور میں ہوتی ہے۔ اور دین کی محبت میں وقت گزرتا ہے۔ والد ماجد کی مجلس کے اثرات ان میں موجود ہیں اور ان کی نیکی کا عکس ان کے جسم و روح میں نظر آ رہا ہے۔

یہ فیضانِ نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی سیکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزند

باپ کی پارسائی اور نیکی ان کے وجود میں سرایت کئے ہوئے تھی کہ سونے پر سہاگہ کا رنگ و اثر یہ ہوا کہ حضرت پیر عبدالحی صاحب مدظلہ گیر وال ڈبو ڈیال والوں سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت بھی ہو گئے اب صحبت و مجلس کا اثر دونوں اطراف سے عکس ریز ہونے لگا۔ والد صاحب جو کہ حضرت سید پوریؒ کے خلیفہ تھے۔ برتن تیار کئے ہوئے تھا حضرت قبلہ گاہی پیر عبدالحی صاحب کی مجلس اور صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور طریقت میں جذبہ محبت پیدا ہوا اور تبلیغ میں شوق انہماک پیدا کر لیا۔ مزید برآں حضرت پیر عبدالحی صاحب مدظلہ العالی کی جانب سے اذنِ خلافت بھی عطا ہو گیا۔ اب دین کی دوہری خدمت کرنے کا موقع فراہم ہو گیا۔ تبلیغی حضرات کو چلتی پھرتی خانقاہ فراہم ہو سکتی ہے۔ مگر اپنے آپ کو بھی تیار رکھنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ وقت خلوت اور کچھ وقت جلوت کو دینا ہو گا۔ خلوت میں تیاری اور جلوت میں آبیاری کرنی ہو گی۔ اب دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی طرح روحانیت کس مقام پر پہنچ سکتی ہے۔ دعا ہے کہ رب کریم ہم سب کو حفاظت میں رکھتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچادے۔ آمین۔

۵۔ صاحبزادہ مولوی عبدالرشید صاحب گیر وال

برخوردار صاحبزادہ مولوی عبدالرشید صاحب حضرت قبلہ گاہی مرشدی پیر طریقت عبدالصاحب عبدالحی مدظلہ العالیہ گیر وال والوں کے بڑے صاحبزادے ہیں جامع فاروقیہ کے

فارغ ہیں۔

احقر نے بطور بڑا بہنوئی ہونے کے ان کی بچپن سے نگرانی اور تربیت بھی کی ہے۔ اور احقر کے ہاتھوں میں جواں ہوئے اور علم ظاہری سے فارغ ہوئے اور طریقت میں احقر کے بڑے بھائی سے بیعت تھے۔ اور احقر کے بھائی کی وفات کے بعد والد محترم سے تجدید بیعت کی تھی۔ حضرت قبلہ گاہی و مرشدی نے احقر کے ذمہ بھی یہ فریضہ عائد کیا تھا کہ ان کی احسن تربیت کی جائے اور اپنی مجلس میں ساتھ رکھا جائے۔

اکثر و بیشتر اوقات ہم باہمی مجالس میں شریک رہے اور جس قدر ہوسکا میں نے ان کی رہنمائی کرنے کی قوی و تحریری رہنمائی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان کو بھی طریقت میں دلچسپی اور فکر لاحق ہو گئی ہے اور ہمیشہ مجالس ذکر میں شریک ذکر و فکر کرتے رہتے ہیں حضرت قبلہ گاہی صاحب نے ان کو ذکر بتانے کی اجازت فرما کر حلقہ میں ساتھیوں کو ہدایات دینے کا فریضہ عائد کیا ہے گویا ان کو بھی اپنا ماذون مقرر فرما دیا ہے اور مزید کوشش محنت کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ اپنی ترقی کا بندوبست بھی کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ طریقت میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے آمین۔

۶۔ قاری و حافظ عبدالرشید ڈھوڈیالوی

قاری عبدالرشید صاحب کے والد ماجد حاجی محمد حنیف صاحب مرحوم ڈھوڈیال ملکال کے رہنے والے تھے۔ حاجی صاحب نیک اور پارسا انسان تھے۔ اور بڑھاپے میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اور اپنے بیٹے کو بھی بچپن میں سائیکل پر بٹھا کر شکلیاری مدرسہ تجوید و حفظ قرآن میں لے جاتے اور ہمراہ واپس لے آتے حتیٰ کہ پورا قرآن مکمل کرا کر دم لیا۔ قاری عبدالرشید احقر کے گہرے دوست تھے اور احقر کے ترغیب دینے پر بیعت کے لئے تیار ہو گئے اور حضرت قبلہ گاہی صاحب گیر وال والوں سے بیعت ہو گئے۔ جب سے بیعت ہوئے ذکر و فکر اور مراقبہ میں کوشش و انہماک سے کام کیا۔ اکثر و بیشتر وقت حضرت کی صحبت و مجلس میں گزارتے اور احقر

کے پاس آکر ذکر و فکر میں مشغول رہنے کی کوشش کرتے۔ قدرت نے طریقت میں سمجھ عطا فرمادی تھی۔ اور حضرت کی جانب سے خلافت بھی مل چکی تھی۔ مگر اپنے آپ کو ہمیشہ مبتدیوں کی صف میں شمار کرتے تھے۔ نہایت نیک اور پارسا تھے۔ اور محبت الہی سے سرشار رہتے تھے۔ زندگی نے وفات کی اور جمعہ کی نماز پڑھا کر گھر آئے اچانک طبیعت خراب ہوئی اور لہجوں میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّ لِلّٰهِ وَاِنَّ الْاٰلِیَہٗ زَاجِعُوْنَ آپؐ گیر وال کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمادے آمین یا رب العالمین۔

یہ نظم حضرت کی پہلی نظموں کے ساتھ حصہ ادائل میں لکھی تھی مگر رہ گئی۔ حضرت پیر

صاحب کی حسرت و فریاد بحالت اعتکاف

گناہوں کی گٹھڑی اٹھاتا ہوا
تیری مغفرت کا طلبگار بندہ
تو سن التجا اے خداوند عالی
معافی کا مژدہ یہ لے کر اٹھے گا
تیرے در کو چھوڑ کر تو جاؤں کدھر
تو سن التجا اے خداوند عالی
یہ ماہ مبارک یہ رمضان مبارک
دونوں جہاں میں تو ہی ہے والی
تو سن التجا اے خداوند عالی
میرے دل میں روشن ہو نور ولایت
نہ ہو دل میں تیرے سوا کوئی حسرت
تو سن التجا اے خداوند عالی
تجھ سے ہی کرتا ہوں اک سوال
زمانے سے حسرت کی حسرت رہی ہے
تو سن التجا اے خداوند عالی

ندامت کے آنسو بہاتا ہوا
گناہوں میں ڈوبا شرمسار بندہ
تیرے در پر آکر پڑا ہے سوالی
تیری رحمت کے موتی یہ کر اٹھے گا
نصیب اپن جا کر جگاؤں کدھر
تیرے در پہ آکر پڑا ہے سوالی
اُترا اسی میں قرآن ہے مبارک
تجھ سے ہی رہتا ہوں ہر دم سوالی
تیرے در پر آکر پڑا ہے سوالی
عطا کر سبھی کو تو نور ولایت
رہے دل میں میرے محبت کی کثرت
تیرے در پر آکر پڑا ہے سوالی
دکھا دے تو اپنا ہی حسن و جمال
طلب اور محبت کی کثرت رہی ہے
تیرے در پہ آکر پڑا ہے سوالی
(عبداللہ حسرت عنہ گیر وال)

۷۔ صاحبزادہ عبدالکنان ڈوگریاں والے خلیفہ حضرت سید پوریؒ

صاحبزادہ عبدالکنان ڈوگریاں والے کے نام سے پہچانے جاتے تھے اور حضرت بابا فقیر محمد ہشتنگریؒ کے پوتے اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ سید پور سے ایک بلندی پر ڈوگریاں کے مقام پر رہائش پذیر تھے۔ اسی لئے ڈوگریاں والے صاحبزادہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آپ رموز و اسرار کے مالک تھے اور طریقت میں خاص مقام رکھتے تھے۔ نور بصیرت اور نور فراست کی سعادت بھی نصیب تھی۔ آپ کے علاقہ میں کافی تعداد میں عقیدت مند اور مریدین تھے۔ صاحب حال انسان تھے۔ سادہ زندگی اور سادہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ سر پر اکثر عمامہ باندھا کرتے تھے۔ شریعت کی پابندی کرتے تھے کسی قسم کی بدعت اور رسوم کے پابند نہ تھے بلکہ بدعت سے دور رہتے تھے۔ جب تک وہ زندہ تھے اپنے پردادا حضرت فقیر محمد ہشتنگریؒ کی زیارت پر کسی قسم کے جھنڈے نہیں لہرائے۔ اللہ تعالیٰ اولاد حضرت ہشتنگریؒ کو طریقت و حقیقت کی سمجھ عطا فرمادے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی نصیب فرمائے آمین۔

۸۔ حضرت عارف باللہ حبیب اللہؒ

حضرت نور محمد المعروف نانگا بابا کے دونوں بھائی حقیقت شناس اور رموز و اسرار سے واقف نیک و پارسا تھے مگر سب سے چھوٹے بھائی حضرت نانگا بابا کی طرح عارف کامل تھے اور حضرت سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ صاحب فراست بزرگ تھے۔ اپنے شیخ حضرت سید پوریؒ سے بے حد محبت تھی گویا نانی اشغ کا درجہ حاصل تھا۔ اسی لئے روحانیت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

نور فراست سے حرام و حلال میں تمیز کرنے کا ملکہ قدرت نے عطا کر رکھا تھا۔ ذکر دائمی میں ہمہ وقت محو رہتے تھے۔ شریعت کی پابندی کرنے کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔ غلط اور ناقص پیر کی نور بصیرت باطنی سے پرکھ رکھتے تھے۔ اور یہ معلوم کر لیتے تھے کہ بندہ خدا کی پیروی

سلوک کی منزل کہاں تک رسائی کر چکی ہے اور کس مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔ یا خوش فہمی میں مبتلا ہے اور حلقہٴ ذکر و فکر میں باقی ساتھیوں کے دلوں پر توجہ فرماتے اور گاہے گاہے خصوصی توجہ سے بھی نواز تھے احقر کے بھی توجہ خاص کے شیخ تھے حلقہٴ ذکر میں کئی بار احقر کو بھی اپنی خصوصی توجہ سے نوازا۔ اس لئے احقر کے شیخ صحبت بھی ہیں۔ حضرت نانگا باباؒ جو کہ ان کے بڑے بھائی تھے ان کے بائیں جانب مدفون ہیں اور دائیں جانب حضرت نانگا باباؒ کی اہلیہ عارفہ کاملہ حضرت مائی چائن صاحبہ مدفون ہیں تینوں کے مزار پر انوار ساتھ ساتھ واقع ہیں۔ اور رحمت و انوار ان پر برستے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے فیض کو ہمارے سینوں میں عکس ریز فرمائے آمین یا رب العالمین۔

۹۔ حضرت عارف باللہ اسم ماسکی معرفت اللہ

حضرت معرفت اللہ حضرت نانگا باباؒ کے بڑے صاحبزادے اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے مایہ ناز خلیفہ تھے۔ اپنے والد ماجد حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ کی طرح معارف باطنیہ سے واقف اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے شریعت مطہرہ کے بہت زیادہ پابند تھے۔ خورد و نوش میں طعام کے علاوہ کبھی چائے کے دسترخوان پر بھی بغیر ہاتھ دھوئے چائے نوش نہ فرماتے تھے۔ ہر وقت تعلق مع اللہ قائم رکھتے اور ہر گاہ ذکر دائمی میں غرق رہتے تھے۔ آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے کشف قلوب، کشف قبور اور اعلیٰ تعبیر خواب سے بھی نواز رکھا تھا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ میں غل کے گاؤں میں تھا اور حلقہ ذکر ہو رہا تھا چند ساتھی بیٹھ کر ذکر و فکر کا اہتمام کرنے لگے کہ ایک اور شخص آگیا اور عرض کرنے لگا کہ ”حضرت پہلے میں اپنے سلسلہ چشتیہ کے طور پر ذکر کرونگا ذرا آپ میری طرف متوجہ ہوں بعد میں اپنا حلقہ ذکر کریں“

مومن نے اُس کی محبت اور اصرار پر اجازت دے دی اُس نے ذکر اپنے طریقہ سے شروع کیا اور ”ان ذکر زار و قطار رو رو کر ذکر کر رہا تھا مجھے اُس کے ذکر پر رشک آیا اور میں نے اُس کے قلب پر بھی نظر ڈالی کہ اس کی حقیقت حال کس مقام پر ہے۔ جب قلب پر نظر پڑی تو دیکھا کہ اس کی حقیقت خاموش تھی۔ اس کا باطن گریہ کننا بالکل نہ تھا صرف آنکھیں گریہ کننا تھیں۔

یہ تھی نورِ فراست کی کیفیت۔ ایک بار راقم کے ہمراہ ایک ساتھی ان کی ملاقات اور فیض حاصل کرنے کی غرض سے ان کے پاس گیا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم دونوں نے آپ سے دوزانو ہو کر توجہ خصوصی حاصل کرنی چاہی مجھے توجہ دے کر میرے ساتھی کی طرف جب متوجہ ہوئے تو دورانِ توجہ اُس کو توجہ دے کر فرمایا کہ فلاں کی محبت سے باز آ جاؤ ایک خدا کے ساتھ محبت فائدہ مند ہے۔ وہ ساتھی بہت گھبرایا اور حیران ہوا کہ میری چھپی ہوئی نسوانیت کی محبت کس طرح ان پر ظاہر ہو گئی اور آئندہ کے لئے توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ایک بار آپؐ ڈاؤر تشریف لائے اُس وقت ڈاؤر میں مرزائی ڈاکٹر بہادر خان کا دور تھا۔ اور اس نے کافی ماتحت غرباء کو لالچ اور رعایتیں دے کر مرتد بنانے کا طریقہ اپنا رکھا تھا۔ اُس کا ایک خاص خدمت گار مرتد ہو گیا۔ ساتھیوں نے اُس خدمت گار کو کہا کہ یہ لعنتی ہے اس کے طریقہ پر مت چلو اور اپنی ایمانی کیفیت کو مت خراب کرو اور اُس خدمت گار سے کہا کہ تم اپنے پاس ایک پتھریا کوئی چیز نشانی لگا کر اُس پر اُس مرزائی کا نام موسوم کر لو۔ اور ایک چیز پر کسی مسلمان نیک پار سا کا نام اور کسی پر کسی نبی کا نام موسوم کر لو۔ اور یہ نشانی سوائے تمہارے کسی کو معلوم نہ ہو۔ حضرت معرفت اللہؒ آئے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر یہ تین چار ناموں کی نشانی لگی ہوئی چیزیں پیش کرتے ہیں اور پھر حال معلوم کرتے ہیں کہ کونسی چیز متبرک اور کونسی چیز لعنتی ہے۔ جب وہ حضرت معرفت اللہؒ کے پاس گئے اور اُن سے یہ درخواست پیش کی آپؐ نے آنکھیں بند کر کے ان اشیاء پر انگلی رکھی اور سب کو الگ الگ کر کے بتایا اور فرمایا کہ اس چیز سے کفر اور لعنت کے اثرات کا دھواں اٹھتا ہوا معلوم ہوا کہ اُس خدمت گار نے بتایا کہ یہ کفر اور لعنت والی چیز پر میں نے اُس ڈاکٹر کا نام موسوم کیا تھا۔

یہ تھی حضرت معرفت اللہ کی فراستِ نور کی حقیقت یہ ہر چیز پر اُن کے موسوم ناموں کے اچھے اور برے اثرات الگ الگ بتا دیئے۔ آپ کی ہمشیرہ کسی علاقہ میں نکاح کر کے بھیج دی تھی۔ حضرت نانگا بابا نے فرمایا کہ میرے بعد اگر آپ کی ہمشیرہ کا انتقال ہو جائے تو اُس کا

میت کو اپنے پاس لا کر دفن کرنا کیونکہ وہ جگہ مغضوب معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نانگا بابا کے بعد معرفت اللہ کی ہمیشہ فوت ہو گئی اور اُن کے رشتہ داروں نے بغیر اطلاع کے وہیں دفن فرما دیا۔ تین چار روز بعد پتہ چلا جب جا کر معرفت اللہ اپنی ہمیشہ کی قبر پر بیٹھ کر مراقب ہوئے اور حالات معلوم کرنے لگے کہ اگر ان کی کیفیت عذاب کی حالت میں ہوئی تو اسے نکال کر لے جائیں گے جب مراقب ہو کر دیکھا تو ہمیشہ پر رحمت کے اثرات غالب تھے اب انہوں نے ارادہ ترک کر دیا اور وہیں رہنے دیا۔ یہ تھی آپ کی فراست اور کشف القبور کی فہم اور حقیقت شناسی۔ اسی طرح کے کشف القبور کے حالات اور بھی بہت پیش آئے ہیں جو کہ بوجہ طوالت مضمون درج نہیں کئے جاتے۔ اختصار پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔

حضرت معرفت اللہ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی موجودگی میں کامل ترین بزرگ مانے جاتے تھے۔ اور حضرت سید پوریؒ کی موجودگی میں آپ کا سیر ختم ہو چکا تھا۔ اور سرک و حیرت سے گزرتے ہوئے آپ کو ذرا خبر نہ لگی اللہ تعالیٰ نے یہ کنھن منزل بڑی آسانی سے گزار دی تھی۔ آپ ہر وقت خدا تعالیٰ کی محبت میں چشم تر رہتے تھے۔ اور نماز جماعت میں معلوم کر لیتے تھے یہ امام مسجد جو نماز پڑھا رہا ہے اخلاص پر مبنی ہے یا پرہیزگاری سے دور ہے اور یہ کیفیت اُس کی نماز کی قرأت کی تاثیر سے معلوم کر لیتے تھے۔ میرے مربی اور توجہ خاص اور تربیت سلوک کے معالج باطنی تھے۔ اور راقم کے نزدیک وہ شیخ کا درجہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے فیض باطنی کو راقم کے سینہ میں عکس ریز رکھے اور روز محشر اُن کے ساتھ حشر فرمائے آمین۔

حضرت معرفت اللہ کی بیعت کا واقعہ

حضرت معرفت اللہ بیعت کے وقت کم سن تھے۔ مادر زاد ولی ہونے کی وجہ سے کمسنی میں ہی بیعت ہونے کے لئے بے تاب تھے۔ اور شوق و جذبہ محبت الہی سے سرشار تھے۔ ایک دن حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ آپ کے گھر تشریف لائے۔ آپ نے حضرت نانگا باباؒ یعنی اپنے والد ماجد سے فرمایا ابا جان۔ میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں میرے با۔ ے میں

حضرت صاحبؒ سے سفارش فرمادیں۔ حضرت نانگا باباؒ نے اپنے شیخ حضرت سید پورئیؒ سے عرض کی صاحبو! میرا بچہ بیعت ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضرت سید پورئیؒ نے باباؒ سے دریافت فرمایا۔ کیا اس بچے کو نماز پر کھڑا کیا ہے یعنی نماز پڑھنی سکھائی ہے۔ باباؒ نے جواب دیا کہ ابھی نماز کا سبق یاد کرایا ہے نماز پر کھڑا نہیں کیا۔ آپؒ یعنی سید پورئیؒ خاموش ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ معرفت اللہؒ نے جب نماز پر کھڑا ہونے اور نماز سکھانے کی بات سنی تو چپکے سے نکل کر سامنے نالہ پر چلے گئے اور نالہ کے پانی سے غسل کیا۔ اور نمازی کپڑے پہن کر جلدی گھر کی طرف آئے کہ نماز شروع کر دوں گا۔ اور بیعت بھی ہوں گا۔ گھر پہنچ کر پتہ چلا کہ حضرت سید پورئیؒ گھر سے رخصت ہو گئے ہیں۔

تو حضرت معرفت اللہؒ باوجود کم سن ہونے کے اس صدمہ میں رونے لگے۔ اور غم روئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے بعد دروازہ پر دستک ہوئی۔ جب دیکھا تو حضرت سید پورئیؒ واپس آ گئے ہیں اور فرمایا کہ معرفت اللہؒ کے جذبہ عشق و محبت نے مجھے ٹھہرنے نہ دیا اور میں پھر واپس آ گیا ہوں۔ فرمایا معرفت اللہؒ کو لاؤ کہ بیعت کروں جب آپؒ کو بیعت کے لئے بٹھایا بیعت کرنے کے بعد کافی وقفہ تک اس کی جانب متوجہ ہو کر توجہ دیتے رہے اور جب توجہ دینے سے فارغ ہوئے تو حضرت نانگا باباؒ نے اپنے شیخ حضرت سید پورئیؒ سے عرض کی حضرت اس بچے کا حال کیا تھا۔ حضرت سید پورئیؒ نے باباؒ سے فرمایا کہ تم نے خود بھی اس کی کیفیت ملاحظہ کی ہوگی مگر مجھے ایک بات عجیب دکھائی دی کہ جب توجہ دیتے ہوئے میں نے اس کے حال و حقیقت کو پکڑ کر آگے رکھ دیا اور اپنا حال اس کے حال کے پیچھے چھوڑ دیا تو اس بچے کا حال خود بخود آگے آگے جا رہا تھا اور کسی جگہ ٹھہرنے اور رکنے والا نہ تھا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ یہ بچہ اب اس کی حقیقت و حال کہیں بہت آگے پہنچ کر جل نہ جائے اور یہ ہوش و حواس کھو نہ بیٹھے اس لئے میں نے فی الحال اس کا حال روک کر ٹھہرا دیا۔ جو ان ہو کر خود بخود آگے ترقی کرے گا۔ اور برداشت کی طاقت بھی پیدا ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت معرفت اللہ کو بچپن ہی سے نور فراست اور مشاہدہ کا یقین نصیب فرما دیا تھا۔ اور پھر جوان ہو کر بھی حضرت سید پوریؒ اور اپنے والد ماجد بابا سے منازل سلوک طے فرماتے رہے اور حضرت سید پوریؒ کی زندگی میں سیر ختم ہو کر اعلیٰ مراتب پر فائز ہو گئے تھے۔ اور حضرت نے انہیں خلافت سے بھی نوازا دیا تھا۔ بہت عرصہ تک حضرت سید پوریؒ اور بابا کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور کبھی اپنے آپ کو بزرگ اور شیخ ہونے کے درجہ میں تصور نہیں کیا بلکہ نایافت تصور کیا اور یافت کی طلب میں زندگی بسر کی۔ اور گم نامی کو اختیار کیا اور شہرت سے دور رہ کر زندگی بسر کی۔ ایک بار میرے ساتھ اکیلے تشریف فرما تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ میں ایک دفعہ مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایسے مقام پر پہنچا جو سبزیاقوت کافر شے نیلگوں رنگ اور ہموار سطح تھی۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک نظر نہ پہنچ سکتی تھی۔ میں نے اس مقام پر دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ نے کتب دیدیہ میں اس مقام کے بارے میں کیا معلومات دیکھی ہیں؟ میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو اس بارے میں کچھ علم نہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کونسی جگہ اور مقام ہو گا پھر آپ خاموش ہو گئے۔ باوجود مشاہدات اور واردات عجائبہ کے خود کو مبتدی ہی تصور کرتے تھے اور محبت الہی اور خوف الہی میں ہر وقت چشم تر رہتے تھے۔ جہاں ہوتے فکر دائمی میں غرق ہی نظر آتے تھے۔ شہرت کو بالکل ناپسند فرماتے تھے اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اس حقیقت گمنامی سے آگاہی فرمائے اور شہرت کی آفت سے نجات دے۔ کیونکہ شہرت نفس کی خوراک کا ذریعہ ہے اور گمنامی نفس کے لئے ناپسند منفع ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو نایافت اور گمنامی میں رہنا ہی پسند ہے۔ جب بندہ اپنے آپ کو بیچ اور گمنام نیز خالی و نایافت تصور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اعلیٰ مقام بخشا ہے۔ کیونکہ دانہ جب خاک میں مل کر نمی حاصل کر لیتا ہے تو گل گلزار بن کر نمودار ہوتا ہے۔ اور اگر شیشے کی بوتل میں رہا ہوا امیروں کے محلات میں ڈیکوریشن کے طور پر سجا ہوا ہو تو کبھی گل اور خوشہ کی صورت میں پھولتا پھلتا نہیں بیج کا بیج ہی رہتا ہے۔ اور ایک عرصہ کے بعد بوسیدہ ہو کر کیزے

کی نظر ہو جایا کرتا ہے پس شہرت سے گمنامی احسن ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ ہمارا طریق (سلسلہ نقشبندیہ) صحبت ہے (یعنی ہم جنسوں کے ساتھ مجلس اور محبت رکھتے ہوئے اٹھنا بیٹھنا اور خدا تعالیٰ کی طلب و محبت میں محنت کرتا ہے)۔ نہ کہ شہرت! شہرت میں آفت ہے۔ اور یہ آفت کیا ہے یعنی خدا سے دوری کا ذریعہ ہے اور جو خدا سے دور ہو گیا وہ آفت میں مبتلا ہو گیا۔) پس شہرت سے دوری لازمی امر ہے۔

گمنامی کی حقیقت جانتا نہیں شہرت پسند
شہرت نفس کی پسند ہے گمنامی خدا کی پسند
گمنامی و تعلق مع اللہ میں عجب مٹھا س ہے
گمنامی ہے شیر و شکر اور غسل و قند
شہرت سے باز آ جا اے میرے عزیز
سن بھی سہی حبیب کی خنہائے چند
(حبیب)

یہ تھے حضرت معرفت اللہ کے قلب مبارک کے اثرات جو بوقت تحریر اثر پذیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت معرفت اللہ کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے۔ اور اُن جیسا شوق اور جذبہ محبت نصیب فرمائے۔ اور گمنام رہنے کی ہمیں توفیق نصیب فرمادے۔ اور خشک بزرگی کے دعوے سے بچائے آمین یا رب العالمین۔

۱۰۔ حضرت محمود رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ملا محمود سید پور سے شمال کی جانب تین چار میل کے فاصلہ پر گاؤں راج پیاں کے رہنے والے تھے۔ نہایت بزرگ اور مخلص انسان تھے۔ ابتدائی بیعت بگاہ والے فقیر صاحب سے کی تھی مگر طریقت کے باوجود قلبی ذکر اور لطائف خمسہ کے اذکار کی کوئی سمجھ نہ آئی۔ کیونکہ وہ سلسلہ نقشبندیہ میں نہ تھا صرف زبانی ذکر و اذکار اور وظیفہ پر ہی اکتفا تھا۔ بعد ازاں

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ سے ملاقات ہوئی اور ان کے فیضِ محبت کا غلبہ ہوا، اور ان سے بیعت ہونے کی استدعا کی چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو گئے۔ اور ذکرِ قلبی اور لطائفِ خمسہ کے ذاکر ہو جانے کے بعد منازلِ سلوک طے کر لئے اور حضرت سید پوریؒ سے خلافت حاصل ہو گئی۔ آپ نے نہایت صاحبِ حال بزرگ ہو کر دنیا سے کوچ فرمایا ہے۔ آخری عمر میں آپ کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی مگر نورِ فراست اور باطنی بینائی قلب میں منور تھی۔ آپ کو حضرت شمس الدین سید پوریؒ سے بے حد محبت تھی۔ اور حضرت سید پوریؒ بھی آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ خود پروگرام بنا کر حضرت محمودؒ کی ملاقات کو جایا کرتے تھے کیونکہ بوجہ نایاب ہونے کے حضرت محمودؒ اپنے شیخ کی ملاقات کے لئے آنے سے قاصر تھے۔ تاہم اگر آپ کو کسی مقام یا جگہ لے جانا ہی مقصود ہوتا تو چند آدمی کندھے پر اٹھا کر لے جاسکتے تھے خود چل کر جانا دشوار تھا کیونکہ پہاڑی راستے میں انگلی پکڑ کر چلنا دشوار ہوتا ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ اور اسی محبت کی کیفیت میں اس دنیائے فانی سے رطلت فرما گئے اور اپنے گاؤں راج پیاں میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مبارک کو منور رکھے آمین۔

۱۱۔ سید غلام علی شاہ عرف انشال والا باجیؒ

حضرت سید پوریؒ کا مرید و خلیفہ لوہار گلی کے قریب انشال گاؤں (آزاد کشمیر) رہنے والے ساداتِ خاندان سے تھے بہت ہی پرہیزگار اور سیر و سلوک طے کیے ہوئے تھے۔ حضرت سید پوریؒ کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے۔ اور حضرت سید پوریؒ کو بھی اُن سے محبت و انس تھا۔ جفا کشی مٹتی اور خدمت گزار تھے۔ اور ذکر و فکر میں مجبور تھے۔ ایک دفعہ اپنے گھر کے باہر محن میں بعد اہل و عیال رات کو سوئے ہوئے تھے۔ کہ چند چور ان کے گھر کی پچھلی دیوار توڑ کر راستہ بنا کر ان کے گھر اندر داخل ہو گئے۔ اور باجی صاحب اور دیگر افراد کو کچھ خبر نہ ہوئی کہ

چور سامان جمع کر کے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب سامان سر پر اٹھا کر لے جانے لگے تو تھوڑی دور گئے کہ چوروں کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی جب چوروں نے سامان نیچے چھوڑا تو بینائی آگئی جب چور پھر سامان اٹھا کر روانہ ہونے لگے تو بینائی پھر ختم ہو گئی اس طرح چوروں نے بار بار تجربہ کیا مگر جب بھی سامان اٹھاتے یہی حالات پیش آتے آخر کار چور سارا سامان چھوڑ کر خالی ہاتھ چلے گئے۔ صبح جب گھر والے اٹھے تو گھر میں سامان نہ تھا اور پچھلی دیوار توڑی ہوئی تھی ادھر ادھر سامان تلاش کیا تو سامان مکان کے قریب پڑا ہوا پایا یہ تھا حضرت خلیفہ ائصال والا باجی صاحب کی کرامت سے چور چوری نہ کر سکے۔

خلفاء علاقہ پکھلی واگرور

۱۔ حضرت خواجہ مولانا عبدالستار گیر وال والے

حضرت عبدالستار کا اصلی وطن آلائی بیلہ تھا مگر زیادہ عرصہ گیر وال میں رہے۔ حضرت عبدالستار بھی نانگا بابا کی طرح کشف و کرامت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ کشف القبور و صدور میں قدرت نے چشم باطن روشن کر رکھی تھی۔ اسی لئے عوام میں عقیدت و محبت کی وجہ سے بزرگ استاد سے مشہور تھے بلکہ آپ کا عرف ہی بزرگ استاد تھا اور اصلی نام سے بہت کم لوگ جاتے۔ نہایت نرم مزاج اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور متوکل علی اللہ تھے کوئی کاروبار نہ تھا۔ اور نہ ہی کاروبار کی جانب متوجہ رہنے کا مزاج تھا بلکہ ذکرِ دائمی اور فکرِ دائمی میں مجور رہتے تھے۔ اور کھانے پینے کی اشیاء مہیا ہونے نہ ہونے کی فکر نہ تھی جوں جاتا گزر اوقات فرماتے تھے۔ اکثر اپنے شیخِ کامل حضرت سید پورنی کی خدمت میں حاضری دیتے اور ان کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے اور چند روز خدمت کر کے شیخ کی اجازت سے واپس آ جاتے تھے۔ حضرت خواجہ سید پورنی سے آپ کی بیحد محبت تھی۔ جب اپنے شیخ کی خدمت میں

حاضر ہوتے تو آپؐ کی مجلس میں باادب اور خاموش ہو کر بیٹھے رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ شیخ کامل کی صحبت میں بیٹھنے کا ثمرہ حقیقت کا جزو بنتا ہے یعنی نورانیت قلب میں ٹھہرتی ہے اور کدورت دور ہوتی ہے جو کہ طالب حق کے لئے نہایت مفید ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ کسی ولی اللہ جو کہ کامل اور حقیقت شناس بندہ خدا ہوتا ہے۔ اس کی زیارت پر جو فیض وارد ہوتا ہے۔ سینہ میں عکس ریز ہو کر جزو نہیں بنتا بلکہ وقتی طور پر ہی سکون قلب کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور قلب کی صفائی کا کام کرتا ضرور ہے مگر حقیقت سالک کا جزو نہیں بن سکتا۔ وقت گزرنے پر اثر باقی نہیں رہتا مگر زندہ کامل ولی اللہ کی صحبت و مجلس میں جو فیض وارد ہوتا ہے وہ قلب کی صفائی بھی کرتا ہے اور حقیقت کا جزو بن کر اثر پذیر بھی ہوتا ہے اور فیض کے ورود پر عام آدمی چاہے عالم و فاضل بھی ہو سمجھنے اور بھانپنے سے قاصر ہوتا ہے۔ فیض کا ورود وہی محسوس کرتا ہے جسے حقیقت وصولی نصیب ہوتی ہے اور کم از کم سلطان ذکر کی سمجھ رکھتا ہو۔ ورنہ عام آدمی کے احساس و ادراک سے باہر ہے۔ کیونکہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ۔ یہ سعادت و خوبی قوت بازو سے حاصل نہ ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ خوبیوں کا تقسیم کرنے والا کسی کو عنایت نہ کر دے۔ اور جس کو یہ ادراک نصیب ہوتا ہے اُس پر فضل خصوصی ہوتا ہے۔

آپؐ کی سید پوریؒ سے بیعت کی ابتداء

ڈیوڈیال کے مضافات بمقام دلاک کارہنے والا ایک شخص اخوندزادہ محمد صادق نامی پھرتے پھرتے علاقہ سید پور جا پہنچا اور حضرت خواجہ سید پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے بیعت ہو گیا۔ اخوندزادہ محمد صادق پر جب بیعت کے بعد رموز و اسرار منکشف ہو گئے۔ اور خدا کا قرب و معرفت کا راستہ معلوم کر لیا تو واپس آ کر اپنے دوست و احباب کو اس امر سے مطلع کر دیا۔ کہ سید پور کے علاقہ میں ایک بندہ خدا ہے۔ جس کی صحبت و مجلس اکسیر اعظم

ہے جو آدمی اس کے ساتھ تعلق بیعت جوڑ لیتا ہے اس کا سینہ نور معرفت سے روشن و منور ہو جاتا ہے۔

حضرت عبدالستارؒ عرف بزرگ استاد گیر وال والوں کو یہ واقعہ سن کر طلب و محبت پیدا ہو گئی اور سید پور کے علاقہ میں پہنچ کر حضرت سے بیعت ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں منازل سلوک طے ہو گئے اور سیر ختم ہو گیا اور حضرت سید پوریؒ نے خلافت سے نواز دیئے۔ مگر اخوندزادہ محمد صادق جب مقام سکرو حیرت میں داخل ہوئے تو ہوش کھو بیٹھے کچھ عرصہ اپنے گھر دلاک رہے اور پھر کسی دوسرے علاقہ کو چلے گئے اور پھر گھر واپس نہ ہوئے اُن کے جینے مرنے کا پتہ کسی کو نہ لگا اور ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے۔ کئی سال گزر گئے مگر ان کے مرنے جینے کی کوئی خبر نہ مل سکی۔

حضرت مولانا عبدالستارؒ کو اپنے شیخ حضرت سید پوریؒ سے بہت محبت تھی گویا فانی الشیخ تھے۔ اپنے پیر طریقت کو دیکھے بغیر ذرا بھر چین نہ آتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے جب یاد آ جاتی تو اٹھ کھڑے ہوتے اور سید پور کے سفر کا عزم کر لیتے اور کبھی اکیلے اور کبھی کسی ساتھی کے ہمراہ سید پور پہنچ جاتے تھے۔ گرمی ہو کہ سردی بارش ہو کہ دھوپ کوئی تکلیف ان کے عشق و عزم میں مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ دشوار گزار پہاڑی راستوں کو طے کر کے دیوانہ دار اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے۔ ملاقات ہوتے ہی عجیب کیفیت کا ورود ہوتا تھا۔ اپنے قلب کو شیخ کے سینہ کے نور سے منور کر کے واپس گھر لوٹتے تھے۔ گیر وال سے سید پور تقریباً ۴۵ میل کا سفر ایک ہی دن میں پیدل طے کر کے پہنچ جاتے تھے۔ ایک ماہ میں دو بار ضرور جاتے تھے۔ جب شیخ کی خدمت میں پہنچ کر حاضری ہوتی تو خیر و خیریت دریافت کر کے دوزانو ہو کر خاموش مراتب ہو جاتے تھے۔ بارش کی طرح رحمت الہی کا ورود ہوتا تھا۔ یاد رہے کہ جو مراقبہ میں محو ہوتا ہے۔ رحمت الہی اس کے قلب میں دھنس جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ طلب و محبت کامل ہو اکلِ حلال استعمال کرتا ہو۔ غلط مجلس سے بچتا ہو۔ اور باقی اوقات کو بھی ذکر دائمی سے مصروف رکھتا ہو۔

اندروں رامی خراش می تراش تا دم آخر دم فارغ مباحث
 اس شعر کے متن پر صادق آتا ہو۔ ذکر و فکر کا فائدہ مرتب ہوگا ورنہ زور لگا تا رہے
 دل میں اثر پیدا ہونا دشوار ہوگا۔ اور رموز و اسرار کا دروازہ ہرگز نہ کھل سکے گا۔ حضرت عبدالستارؒ
 ہر وقت مراقب رہتے تھے۔ اور کوئی دقیقہ خالی نہ چھوڑتے تھے۔ البتہ ضروری بات کرتے وقت
 کوئی وقفہ ہو جاتا مگر باطنی طور پر رجوع الی اللہ ہی رکھتے تھے۔ آپؐ کو خدا تعالیٰ کی محبت گویا بطور
 وراثت ملی ہوئی تھی۔ نیند ختم ہو چکی تھی تھوڑا سوتے اور زیادہ جاگتے تھے۔ راتوں رات جنگلوں
 اور بیابانوں میں پھرتے اور یاد الہی میں مصروف رہتے تھے۔ ایک بار چند طریقت کے
 ساتھیوں کے ہمراہ بعد نماز عشاء ایک جگہ لیٹنے کے لئے گئے ابھی لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے۔
 کہ ایک ساتھی نے حضرت خواجہ نیاز کا یہ کلام پڑھا۔

تمی زخوشتن شو چوں نے سرتاپا وگر نہ بوس و لب لعل نائے آسان نیست
 وضو بخون جگر کن بحکم مفتی عشق ورنہ طہارت و جنابت و حدث آسان
 نیست

یعنی سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو بانسری کی طرح خالی کر دے (بہمی جملہ
 خواہشات نفسانیہ سے پاک ہو جا) ورنہ ہونٹوں کی سرخی سے بوسہ لینے کے قابل ہونا آسان
 نہیں ہے (بمعنی ڈنڈا لکڑ کا جو خالی نہ ہو اس کو بجانے کے لئے کوئی ہونٹوں کے ساتھ لگا کر
 بجانے کی کوشش نہیں کیا کرتا) اپنے عشق کو مفتی بنا کر اس کے حکم سے جگر کے خون سے وضو کر
 ورنہ ناپاکی و جنابت سے پاک ہونا آسان نہیں ہے۔ یعنی خدا کی محبت میں جگر کباب ہو کر
 آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر تیری اندر کی روحانیت کو پاکیزہ کریں۔ ورنہ بے درد اور سخت دل
 ہو کر اندر کی پاکیزگی کا حاصل کرنا مشکل امر ہے۔ ان اشعار کا مطلب سمجھتے تھے جب آپؐ نے
 یہ کلام سنا تو سنتے ہی بیقرار ہو گئے اور لیٹنا دشوار ہو گیا۔ اٹھ کر باہر نکل گئے اور دریا کی طرف چل
 لیئے۔ خدا جانے وہ رات ان پر کیسے گزری ہوگی۔ صبح کی نماز میں واپس آ گئے۔

توکل وقناعت میں کمال مقام رکھتے تھے۔ دنیا اور دنیا داروں کی مجلس سے دور اور الگ تھلگ رہتے تھے۔ بعض دفعہ ناسمجھ آدمی اپنی ناقص فہم سے یہ گمان کر لیتا کہ حضرت بزرگ استاد مغرور ہے۔ کہ کسی سے ملتا جلتا نہیں بہت کم مجلس کرتا ہے اور زیادہ خاموش رہتا ہے مگر ایسا برز نہ تھا وہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی۔ حالانکہ مغروری اور تکبران کی مجلس و صحبت کے طفیل دوسروں کی دور ہو جایا کرتی تھی۔ دنیا کی قدر و منزلت ان کے ذہن میں بالکل حقیر سی تھی۔ اور دنیا دار کے چرب لقمے (تردنازہ کھانا) کی بجائے اپنے گھر کی خشک اور روکھی روٹی کو پسند فرماتے تھے۔ اور یہی ولی اللہ کی نشانی ہے۔

جن بندہ گان خدا کے سینہ بسینہ یہ طریقت کی امانت آپ تک پہنچی تھی ان ہی ہستیوں میں سے ایک بزرگ اور عارف و کامل ابوالحسن خرقائی بھی ہیں۔ جو نہ توکل و صبر اور قناعت کے پیکر تھے۔ ابوالحسن خرقائی کا زمانہ تھا۔ ان کی زندگی میں محمود غزنوی وقت کا بادشاہ غزنی سے چل کر ابوالحسن خرقائی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بطور تحفہ اشرفیوں کی تھیلی آپ کے سامنے پیش کر دی۔ ابوالحسن خرقائی نے اپنی آستین سے جو کی خشک روٹی نکال کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دی اور فرمایا اسے کھاؤ۔ بادشاہ ادباً حکم تسلیم کر کے کھانے لگا۔ چونکہ بادشاہ تھا اور نرم و نازک اور چرب و تر لقمے کھانے کا عادی تھا۔ بھلا جو کی روٹی کس طرح کھائے۔ بڑی کوشش کی مگر حلق میں پھنس رہی تھی۔ بادشاہ نے کہا حضرت یہ تو میرے حلق میں پھنس رہی ہے نیچے اتر نہیں سکتی۔ آپ نے وہ اشرفیوں سے بھری تھیلی بھی بادشاہ کو واپس کر دی اور فرمایا جس طرح جو کی خشک روٹی آپ کے حلق میں پھنس رہی ہے۔ اسی طرح یہ اشرفیوں کی تھیلی میرے حلق میں پھنس رہی ہے۔ لہذا اسے واپس لے جاؤ۔ اور واپس کر دی دنیا کی دولت سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ حضرت عبدالستار بھی ان ہی اولیائے کرام کی لڑی کے ایک موتی تھے۔ کب امیروں کے چرب لقمے پسند کرتے تھے۔

تقویٰ پر بیزگاری اس قدر تھی کہ جن لوگوں پر ذرا بھروسہ ہوتا تھا کہ یہ تقویٰ دار نہیں

ہیں اور حرام و حلال میں تمیز نہیں کرتے تو ان کے گھر کا کھانا، ترکاری، لسی و دودھ استعمال نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب کھیتوں میں گھاس ہوتا یا فصل ہرا بھرا ہو جاتا آپ کسی کے گھر کا دودھ اور لسی نہ کھاتے فرماتے کہ ہو سکتا ہے کہ مالکوں کے روکنے کے باوجود موسیٰ بھاگ کر ایک آدھ چارہ کا کچھ حصہ کھا گئے ہوں۔ اور اس کا اثر برا و راست دودھ و لسی میں ہوگا۔ جس کے استعمال سے عبادت میں بے ذوقی اور نماز میں بے حضوری پیدا ہو جائے گی۔ حرام اور مشتبہ اشیاء خدا سے بعد پیدا کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (قرآن)

پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کماؤ۔

حرمت والی چیز روحانی قوت کم کر دیتی ہے بلکہ خاتمہ پر پہنچا دیتی ہے جو کہ دربار حقیقی تک رسائی کرنے میں مانع ہوتی ہے اور جو خدا تعالیٰ کی رحمت بندہ کے قلب پر نزول کرتی ہے۔ وہی قوت روحانی یعنی حال و حقیقت اکل حلال سے پیدا ہوتی ہے یہ قوت جو بندگانِ خدا خصوصی ہوتے ہیں جن کو صاحبِ حال کہا جاتا ہے ان ہی کو حاصل ہوتی ہے ہر ایک کو نہیں اسی قوت کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے اشارہ کیا ہے۔

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

یعنی اے عالمِ لاہوت کی جانب اڑنے والے پرندے یعنی حال و حقیقت ایسے کھانے سے موت بہتر ہے۔ جس کھانے کو کھا کر تیری عالمِ لاہوت کی جانب پرواز میں کمزوری پیدا ہو جائے۔ یعنی اصلی مقصد تو عالمِ ملکوت عالمِ جبروت عالمِ لاہوت کی جانب بڑھنے قربِ خداوندی حاصل کرنا ہے۔ اور جس کھانے سے اس مقصد میں رکاوٹ پیدا ہو ایسا کھانا بیکار ہے بلکہ اس کھانے سے نہ کھانا اور بھوکا رہ کر مر جانا بہتر ہے۔ یعنی حرام غذا سے اجتناب از حد ضروری ہے۔ حرام غذا ہی خدا سے دوری کا ذریعہ ہے۔

مذکورہ شعر میں بندہ خدا کا کلام اسی مندرجہ بالا عبارت کی ترجمانی کرتا ہے اور اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت عبدالستارؒ ذرا برابر مشکوک غذا نہ کھاتے تھے تاکہ ان کی روحانیت میں فرق نہ آنے پائے۔ آپؒ کی مجلس میں حالت بدل جاتی تھی دل میں دین کی طرف رغبت اور خوف الہی پیدا ہو جاتا تھا۔ اور دل کا رنگ دور ہو کر سینہ روشن ہو جاتا تھا۔ نا آشنائی ختم ہو کر حق بات کی حقیقت کھل جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؒ کی مجلس میں گلاب خان مستاجر مکہ ذہود یال جو کہ حضرت سید پوریؒ کے مختص مرید اور حضرت عبدالستارؒ کے پیرو بھائی تھے۔ آپؒ کی مجلس و صحبت کے اثر سے اُن کے دل پر اثر ہو چکا تھا۔ اور کدورت دور ہو کر محبت الہی میں سرشار تھے۔ اور آپؒ کی غلّس ریزی بدستور ہو رہی تھی۔ اس دروان گلاب خان کو کھیتوں میں کام کرنے والے، دنیا کی محبت و مشقت کرنے والے عجیب اور دیوانے نظر آ رہے تھے۔ گلاب خان بے ساختہ ہنس پڑے حضرت عبدالستارؒ اپنے پیرو بھائی گلاب خان کی جانب متوجہ ہو کر پوچھنے لگے کہ ہنسی کس بات پر آگئی۔ گلاب خان نے جواب دیا کہ حضرت مجھے یہ سب لوگ پاگل سے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے کاموں میں گم اور سرگردان ہیں جو کہ فانی اور عارضی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا راستہ بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ ذرا بھر خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کا نہیں سوچتے اور دن رات ایک ہی سمت چلے جا رہے ہیں۔

عبدالستارؒ مسکرا کر بولے۔ تم اس وقت خدا کی محبت میں دیوانے ہو اس لئے تمہیں ان کا کام انوکھا اور عجیب سا لگ رہا ہے۔ اور ان کی حرکات تم کو پسند نہیں۔ وہ تو کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اور ان کو اس پر فائدے کا یقین ہے۔ کیونکہ جس کو جس چیز کے فائدے کا یقین ہو وہ اس میں کوشش اور محنت ضرور کرتا ہے۔ اور دل لگا کر کام کرتا ہے۔

عبدالستارؒ جب جنگل یا بیاباں میں عبادت الہی میں مشغول ہوتے تو آپؒ کے گرد و نواح اکثر روشنی دیکھنے میں آتی تھی۔ اور یہ حالت کئی لوگوں نے دیکھی۔ آپؒ کو کشف القبور بھی حاصل تھا۔ ایک بار ایک شخص فوت ہو گیا اور گیارہ وال کی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپؒ

چونکہ قبرستان کے تکیہ میں قیام پذیر تھے۔ رات کو اٹھ کر قبرستان میں دعا کے لئے چکر لگاتے تھے جب اُس نے دفن کردہ مردہ کی قبر پر گئے تو اُس کو عذاب کی حالت میں دیکھا اور فوراً اُس کے رشتہ داروں کے پاس آئے اور فرمایا کہ آپ کچھ خیرات کریں تاکہ آپ کے مردہ کو ثواب پہنچ جائے اور پھر جا کر اُس کی قبر پر دعائے مغفرت مانگی۔ اسی طرح ایک ایسا شخص فوت ہو گیا جو کہ نماز میں قدرے کمزور تھا اور سب لوگ متفکر تھے کہ اس کا کیا ہوگا چونکہ وہ شخص مکسین طبع عاجز اور نہایت سادہ لوح تھا۔ صرف نماز میں ہی سستی تھی اُس کی قبر پر دعا مانگتے رہے اور جب اُس پر خدا تعالیٰ کا رحم و کرم ہو گیا عذاب سے بچ گیا تو فرمانے لگے کہ فلاں شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل کر کے عذاب سے بچالیا ہے۔ اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں گویا آپ کو کشف القبور بھی حاصل تھا۔

عبدالستارؒ قلبی صفائی رکھنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ کسی غافل انسان کی مجلس میں نہ بیٹھتے تھے اور نہ غافل انسان کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ فرماتے جب صاحب حال انسان کسی غافل انسان کی مجلس میں یا ساتھ سفر میں شریک ہوتا ہے تو غافل انسان کی حقیقت چونکہ غیبی ناسوت کی طرف گری ہوئی ہوتی ہے صاحب حال انسان کی حقیقت کو بھی اپنے ساتھ کوئٹا ڈال کر نیچے گرانے کی کوشش کرتی ہے۔ اور صاحب حال انسان کو نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے غافل انسانوں کی مجلس سے دوری بہتر ہے۔ اور بلاوجہ ان کے ساتھ خلعت ملت ہو کر مجلس نہ کی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص راستہ پر چلتے ساتھ ہو جائے تو اُس کے ساتھ ساتھ رفتار برابر نہ رکھی جائے۔ اگر وہ تیز رفتار ہے تو اُسے آگے چھوڑ کر خود دست رفتار رکھ کر پیچھے رہ جانا ضروری ہے اور اگر اُس کی رفتار سست ہے تو اس سے آگے نکل کر تیز رفتار چلنا ضروری ہے۔ کیونکہ ساتھ ساتھ چلنے سے اُس کی حقیقت جو کہ ناسوتی ہے کوئٹا ڈال کر تمہاری حقیقت کو کھینچ کر نیچے گرا دے گی۔ یہ ہدایات اپنے طریقت کے ساتھیوں کو دیا کرتے تھے۔ اب اس حقیقت کو عام آدمی نہیں سمجھ سکتا کہ حقیقت کیا ہے ناسوت کیا ہے اس کے لئے اللہ والوں کی صحبت و مجلس

میں رہ کر واقفیت یعنی ضروری ہے۔ شرط یہ ہے کہ اللہ والے ایسے ہوں جن کو اس راہ کی واقفیت بھی ہو اور خود بھی اس راہ کے طے کئے ہوئے ہوں۔ عام مجاز صرف زبانی ہی ہوتے ہیں وہ اس امر سے ناواقف ہوتے ہیں۔ حقیقی مجاز جو کہ ان منازل سے واقف ہوں کم یاب ہیں۔ اگر حقیقی مجاز مل جائیں تو ان کی مجلس اکسیر ہوگی۔ ہاں ایک بات ضروری ہے کہ قوی حال والے صاحب حال کو غافل انسان نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اُس کی حقیقت قوی ہوتی ہے۔ غافل انسان کے کوندے سے نیچے نہیں آسکتی۔ اگر صاحب حال کا حال قوی نہ ہو تو نقصان پیدا ہونے کا خدشہ ہوگا۔ اس لئے اپنے حال کی نگرانی کرنا ہر سالک کا فرض ہے کہ کسی وقت بھی غصی نزول کا شکار نہ ہو جائے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کا خاص خیال رکھ کر زندگی بسر کی جائے۔ حضرت عبدالستارؒ اپنے شیخ کامل حضرت خواجہ شمس الدین سید پورنی سے دس ماہ بعد دنیائے فانی سے رخصت فرما گئے۔ آپؒ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ گیر وال علاقہ پکھلی میں گزارا، اور آخری ایام میں آپؒ الائی بالا چلے گئے اور وہیں وفات پائی اور بیٹیلہ میں اپنے پیر بھائی اور حضرت سید پورنی کے مایہ ناز خلیفہ یحییٰ میاں کے ساتھ مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ، وبرد مضجعہ، آمین۔

حضرت صاحبزادہ محمد اسحاق صاحب شنی بالا

حضرت صاحبزادہ محمد اسحاقؒ حضرت سید پورنی کے نامور خلفاء میں سے ایک تھے۔ آپؒ شنی بالا نزد ہوڈیال ضلع و تحصیل مانسہرہ کے رہنے والے تھے۔ فارغ التحصیل عالم با عمل اور پارسا بزرگ تھے۔ آپؒ کا چہرہ مہر انور کی طرح روشن و منور تھا۔ دیکھنے والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ دراز قد اور بارعب تھے۔ اور اپنے پیر زادہ پیر عبدالحی مدظلہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے عقیدت مندوں کو ہدایت کر رکھی ہے کہ میرے بعد گیر وال حضرت پیر عبدالحی مدظلہ العالی کی مجلس اختیار کریں۔ آخری ایام میں بوجہ ضعف و کمزوری کے اکثر گھر میں صاحب فراش رہتے تھے۔ احقر نے کتاب ہذا کا مسودہ

برائے تفریط پیش کیا مگر بوجہ کمزوری تقریظ تو نہ لکھ سکے لیکن بہت خوش ہوئے کہ میرے شیخ سید پوریؒ کے حالات تحریری شکل میں منظر عام پر آ گئے ہیں۔ احقر کی شادی میں نکاح خوانی بھی آپؒ نے ہی کی تھی اور آپؒ کے دستخط فارم نکاح پر ثبت پرانی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ گویا آپؒ کا منہ دمی حضرت پیر صاحب گیر وال سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اسی لئے حضرت پیر صاحب گیر والوں نے اپنی بیٹی جو کہ میری اہلیہ ہیں کی نکاح خوانی بھی ان ہی سے کرائی تھی۔ حضرت گیر وال والے میرے شیخ و مربی ہونے کے ساتھ ساتھ سسرال بھی ہیں۔ اور حضرت پیر صاحب کی وجہ سے احقر اکثر آپؒ کی مجلس و صحبت میں شریک رہا کرتا تھا۔ شرک و بدعت کے سخت مخالف تھے۔ اور عرس و قوالی کے مخالف تھے کیونکہ آپ سلسلہ نقشبند کے بزرگ تھے۔ اور سلسلہ نقشبند عرس اور چہل پہل کے قائل بالکل نہیں ہوتے بلکہ ذکر قلبی کے بغیر ذکر جہر کی طرف بھی التفات کم رکھتے ہیں۔ حضرت سید پوریؒ کی طرف سے آپؒ کو تصور اسم ذات کے ساتھ مراقبہ کرنے کی تلقین ہوئی تھی اور آپؒ بھی تصور اسم ذات کے ساتھ ہی ساتھیوں میں مراقبہ رہتے اور یہی ترتیب ساتھیوں کو بتایا کرتے تھے۔ ذکر جہر سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ احقر ان کی مجلس میں بار بار بیٹھا اور مراقبہ رہا ہے۔ اس لئے آنکھوں دیکھی بات لکھ رہا ہے۔

آپؒ کی بیعت کا ابتدائی ذریعہ

آپؒ کی بیعت ہونے کا ذریعہ یوں ہوا کہ آپؒ کتب دینیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بفقہ شہر میں جایا کرتے تھے۔ اور وہاں کسی عالم دین سے دینی کتب کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایک دن بفقہ سے واپسی پر دلاک نزد ڈھوڈیال کے مقام پر پہنچے وہاں دلاک والے اخوندزادہ گل احمد صاحب جو کہ حضرت سید پوریؒ کے مرید تھے۔ بیٹھے ہوئے پائے اور ان کے ساتھ ایک نو مسلم (شیخ) سید پوریؒ کا مرید بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جو کہ سید پور کے قریب کاربنے والا تھا اور حضرت سید پوریؒ کا مرید تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے اس نو مسلم کو بیعت کے بعد کشف سے نواز دیا تھا۔ اور حضرت اخوندزادہ گل احمد صاحب بھی تصوف و سلوک میں حضرت

سید پوریؒ سے بیعت کے بعد منازل سلوک سے کافی مستفید ہو چکے تھے اور صاحب حال تھے۔ شیخ نو مسلم اور اخوندزادہ صاحب دونوں آپس میں تصوف و سلوک پر بحث و تکرار کر رہے تھے۔ اور رموز و اسرار کی باتیں شروع تھیں اور صاحبزادہ محمد اسحاق بھی ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور ان کی گفتگو کو غور سے سن رہے تھے۔ مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ گفتگو کیسی ہے۔ آپؒ کو بھی شوق پیدا ہوا اور پوچھا کہ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے بھی آگاہ کرو۔

وہ نو مسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ رموز و اسرار کی باتیں ہیں آپ نہیں سمجھ سکتے۔ آپ حیران ہوئے کہ میں نے اتنی دینی کتب پڑھی ہیں۔ اور عالم و فاضل ہوں۔ اور یہ سادہ لوح انسان اور ان پڑھ ہو کر یہ سمجھ سکتا ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا آخر وہ کونسا علم ہے جو میری سمجھ سے باہر ہے آخر کار ان کو طلب و محبت پیدا ہوئی اور کسی بندۂ خدا کی صحبت میں رہ کر علم معرفت حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہو گیا۔ چنانچہ آپؒ کو آپ کے بڑے بھائی صاحبزادہ محمود صاحب نے حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی خدمت میں سید پور بھیج دیا۔ جب آپؒ سید پور پہنچے تو آپؒ کی ملاقات حضرت سید پوریؒ سے ہوئی انہوں نے ان کے رد و رد و جب سے نسوار نکال کر منہ میں ڈالی۔ اور آپؒ یہ دیکھ کر بغیر بیعت ہوئے واپس آ گئے۔ اور حضرت سید پوریؒ سے اپنا مدعا و مقصد ظاہر نہ کیا۔ جب واپس شہنشاہی پہنچے تو آپؒ کے بھائی صاحب نے دریافت فرمایا تو آپؒ نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ تو بھائی صاحب نے دوبارہ جانے کی فرمائش کی اور ساتھ ہدایت کی اس دفعہ اپنے ہمراہ ان کے لئے نسوار خرید کر بھی لے جاؤ۔ آپؒ بھائی کی ہدایت کے مطابق دوبارہ سید پور پہنچ گئے۔ اور جو نسوار لے گئے تھے حضرت کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ نے فرمایا۔ کہ میں نسوار کسی نشے یا لذت کے لئے استعمال نہیں کرتا بلکہ دانتوں کی مرض ہے مسوڑے پانی چھوڑتے ہیں اور نسوار کی وجہ سے خشک رہتے ہیں اس سے آپؒ کا شبہ دور ہو گیا۔ اور حضرت کے سامنے اپنے آنے کا مدعا ظاہر فرمایا۔ اور حضرت سے بیعت ہو گئے اس کے بعد آپؒ نے اپنے شیخ طریقت کی صحبت و مجلس کو

اختیار کیا اور ان کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔ اور تھوڑے عرصہ بعد منازل سلوک طے کر لئے۔ اور وہ راز جو پوشیدہ تھا ان پر منکشف ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد آپؑ پر مقام سکر و حیرت طاری ہو گیا۔ اور یہ حالت آپؑ پر چالیس روز تک رہی۔ آپؑ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اور آپؑ دنیا کے عالم سے الگ عالم بالا کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اور آپؑ کو ایک خاص کمرہ الگ جگہ پر دیا گیا اور دن رات اسی کمرہ میں رہنے لگے۔ آپؑ کے لئے جو کھانا حاضر کیا جاتا با وضو ہو کر تیار کیا جاتا۔ اور اس کی تیاری میں ہر مرحلہ پر بسم اللہ شریف ضرور پڑھ کر تیار کرنا پڑتا تھا۔ جو کھانا بسم اللہ شریف پڑھنے کے بغیر تیار کر کے ان کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو یہ اس کھانے کو ذرا واپس کر دیتے تھے اور فرماتے کہ اس پر بسم اللہ شریف نہیں پڑھا گیا۔

حالت سکر و حیرت میں آپؑ نہایت جوشِ عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

چنانچہ ایک روز آپؑ نے اپنے خادم سے فرمایا۔ قلم پکڑو اور لکھتے جاؤ مجھ پر جوش آ گیا ہے۔ جو کچھ منہ سے نکلے لکھتے جاؤ۔ تب آپؑ بولتے رہے۔ اور خادم لکھتا رہا۔ حتیٰ کہ پورا دیوان مرتب ہو گیا۔ جس کا نام تحفۂ عجب ہے اسی دیوان تحفۂ عجب کے صرف تین قطعے زیرِ قلم کئے جاتے ہیں۔ چونکہ اسرار کے اشارات ہیں اس لئے ترجمہ پیش نہیں کیا گیا صرف فارسی زبان میں اسرار کے اشارات لکھے ہیں من و عن پیش خدمت ہیں اور اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اللہ والوں کو کیسے حالات پیش آتے ہیں اور کس طرز پر اشارات کئے جاتے ہیں کسی کو ترجمہ کی ضرورت ہو تو کسی فارسی زبان دان عالم سے باخوبی سمجھ سکتا ہے۔ یہاں بوجہ طوالت مضمون صرف اسی کلام پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ تاکہ کلامِ عارفانہ سے اندازہ ہو جائے کہ حضرت یحیٰ پوریؒ کے مجازین آج کل کے نام نہاد مجازین کی طرح نہ تھے بلکہ حقیقت شناس اور رموز و کلمات واقف اور اللہ تعالیٰ کے بندگانِ خاص میں سے ہوا کرتے تھے۔

ہر ایک مجاز طریقت و تصوف کے منازل طے کرنے کے بعد ہی خلافت سے نوازا ہوا تھا۔ نام نہاد مجاز کی شہرت تو ہو جائے گی مگر کل قیامت کو اس سے بھی اور اس کو خلافت کی

اجازت دینے والے سے پوچھا جائے گا کہ نا اہل کو اہل کس کے زمرے میں شامل کر کے اصل حقیقت سے روگردانی کیوں کی گئی ہے اس لئے اس فریضہ میں احتیاط سے کام لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ احقر سمیت ہر کسی کو سوچ و فکر عنایت کرے اور اصل حقیقت پر گامزن فرمائے۔
ملاحظہ ہو کلام حضرت اسحاق غلیفہ مجاز حضرت سید پوریؒ۔

(۱) آمد بمن جوش اے امین تعجیل کن کاغذ نہیں
بنو لیس بروے این چنین افشا کنم این راز را
این قلب مومن اے اخي گویم اگر تو بشنوی
ایں را روزن نہیں افشا کنم این راز را
ایں در بمن کشادہ شد عالم بمن کو شادہ شد
پس نفس من آمادہ شد افشا کنم این راز را
ایں نفس را سرکوب شد بیسار بروے رعب شد
پس بر سرش یک چوب شد افشا کنم این راز را
وعدہ بکردش گو گو آں را کہ من گویم بگو!
با غیر من ہر گز مگو افشا کنم این راز را
اسحاق تو خاموش شو تو این چنین از من شنو
با این چنین را ہے برو افشا کنم این راز را

چونکہ حضرت مولانا اسحاق کا کلام بذاتِ بحالت سکرو حیرت میں بولا ہوا ہے اور رموز و اسرار کی جانب صرف اشارات دینے گئے ہیں رموز و اسرار کو واشگاف الفاظ میں بیان نہیں کیا گیا صرف راز و رموز کو افشا کرنے کا کہا تو یہ ہے مگر کوئی رموز ظاہر نہیں کیا گیا اسی طرح ان کا باقی کلام بھی اشارات پر مبنی ہے۔ قطعہ اول کا سرسری ترجمہ کئے دیتا ہوں اس سے آپ اندازہ کر لیں کہ عبارت صرف اشارات پر مبنی ہے۔ عبارت میں کسی رمز کو کھولا نہیں گیا اس

لئے باقی قطعات بغیر ترجمہ کے درج ہونگے۔

قطعہ اول کا ترجمہ:- مجھ پر جوش آگیا اے امانت دار ساتھی جلدی کر اور کاغذ دیکھو۔ یعنی لکھنے کی تیاری پکڑو اور اُس کاغذ پر لکھو کہ اس طرح کہ میں راز کو افشا کرتا ہوں یعنی ظاہر کرتا ہوں۔ یہ مومن کا دل اے میرے بھائی اگر میں کہوں تو تو سن اور اس قلب کو ایک کھڑکی کی مانند تصور کر یا اس کو کھڑکی دیکھو میں راز کو ظاہر کرتا ہوں یہ موتی مجھ پر کھول کر کشادہ کیا گیا۔ او عالم یعنی جہاں مجھ پر کھول دیا گیا ہے اور میرا نفس میری مان چکا ہے۔ میں یہ راز کھول رہا ہوں۔

اس نفس کی سرکوبی کر دی گئی ہے اور اس نفس پر کافی رعب چھا گیا ہے۔ پس اس کے سر پر ایک ڈنڈے کی چوٹ لگ چکی ہے میں راز کو کھول رہا ہوں وعدہ جو اس سے کیا ہے اُس کو کہہ اور کہہ وہ جو کچھ میں کہوں تو کہہ دے اور میرے غیر کا ساتھ یہ تذکرہ مت کر۔ میں راز کو کھول رہا ہوں۔ اے اسحاق تو خاموش ہو جا اور تو اس طرح مجھ سے سن۔ اور اس طرح راستے پر چل میں راز کو کھول رہا ہوں۔ یہ تھا ترجمہ پہلے قطعہ کا۔ دوسرا اور تیسرا قطعہ بغیر ترجمہ درج ہے ملاحظہ ہو۔

بس با ادب شروع بکن ایں راز چوں پیر کہن
آہنگی در دے بکن ہست ایں چنیں راہ ادب
ایں دل زمن بر بودہ شد راز زمن پوشیدہ شد
پس ایں چنیں فرمودہ شد بے اذن من مکشاء لب
گفتم قبول است ندا از من بشو راضی خدا!

ایں است مارا مدعا گفت ایں چنین راہ طلب
 گفت گوش خود نزدیک کن از من شنو تو ایں سخن
 با عام و خاص ایں را مکن ازہر سر سرم طلب
 ہر چیز را ظاہر منم ہر چیز را باطن منم
 ہر چیز را موجد منم خلاق من دارم لقب
 ایں رازبا تو گفتہ شد در سلک چوں در سفتہ شد
 اغیار از وے خفتہ شد ایں راز از خاصاں طلب
 لارا بگو زریہ زمیں اللہ بر عرش بریں (سہ)
 بر قلب جائے من نہیں مظہر محمد گفت لا
 لارا بگرداں راست و چپ اللہ بگو یہ کتف چپ
 مارا نہیں در قلب چپ مظہر محمد گفت لا
 ساقین خود رالا بدال کفین خود را ہچنایں
 در عضو خود ہرگز ممال مظہر محمد گفت لا
 لارا تو یک مقرض داں مقطوع بروے غیر ما
 ایں است راز و صلاں مظہر محمد گفت لا
 لارا تو یک دتین! بدال گردش بدو گرد جہاں
 ہر شے وراء ماکول واں مظہر محمد گفت لا
 ایں راز لا گفتہ بتو در سلک در سفتہ بتو
 در گوش کن اسحاق تو مظہر محمد گفت لا

اثر دہل (ماخوذ از دیوان تحفہ عجب)

مذکورہ بالا قطعات سے آپ کے مقامات و حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو تصوف کے کن مقامات پر فائز کیا ہوا تھا۔ اور آپ کو یہ بلند مقام حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی صحبت و مجلس اور توجہ خاص کی برکت و اثر سے حاصل ہوا۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی نظرِ کیمیا نے خلفاء کو تصوف و سلوک کی منازل طے کرا کر قرب و معرفت کی راہ پر گامزن کر دیا تھا۔ یہ حضرت سید پوریؒ کے سینہ مبارک کے پوشیدہ اسرار تھے جو کہ خلفاء کے سینوں میں منعکس ہو کر مختلف زبانوں سے عیاں ہو رہے ہیں۔ صاحبزادہ محمد اسحاق ششٹی بلا والوں کا سینہ مبارک بھی آپ کے سینہ مبارک کے نور سے منور تھا۔ آپ کو اپنے شیخ سید پوریؒ سے بے حد محبت تھی۔ آپ آخری بار اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ شمس الدینؒ سخت بیمار تھے۔ آپ نے واپس لوٹنے کی اجازت مانگی تو حضرت سید پوریؒ نے فرمایا کیوں جاتے ہو میرا جنازہ پڑھا کر جانا۔ آپ ٹھہر گئے اور دو دن بعد واقعی جنازہ پڑھانے کی نوبت آگئی اور نماز جنازہ پڑھا کر اشک بار آنکھوں سے گھر کی جانب رخصت ہوئے آپ نہایت خدا رسیدہ شریعتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پابند عالم باعمل تھے۔ شرک و بدعت کے قاطع اور بدعات و رسومات مروجہ جو کہ آج کل اولیائے کرام کی قبور پر کی جاتی ہیں ان سے سخت متنفر تھے۔ اور علمائے دیوبند کے ہم مسلک حنفی تھے۔

ایک بار آپؒ بمقام مظفر آباد سائیں سیٹھی کے مزار کے قریب سے گزرے چونکہ مزار پکانی جھنڈے چڑھائے ہوئے تھے۔ ایک عقیدت مند نے پوچھا حضرت یہ مزارات پر جھنڈے چڑھانے کیسے ہیں۔ کیونکہ یہاں مزارات پر بہت جھنڈے چڑھائے جاتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ بالکل بے سود ہیں ان سے زیارت کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ صرف کپڑا ضائع ہوتا ہے۔ یہاں اس کپڑے کا کیا فائدہ ہے۔ ہوا اور پانی لگ لگ کر بوسیدہ ہو جائے گا۔ اگر کسی غریب کو کپڑا لے کر دے دیا جائے تو بہتر ہے کہ کسی کا جسم ڈھانپ دے گا۔ کسی کی حاجت روائی ہو جائے گی۔ کوئی رومال بنا کر استعمال کرے گا۔ پس میرے دوستو! اگر جھنڈے چڑھانے ضروری ہوتے تو زیارت والے کی ترقی درجات کا ذریعہ ہوتے تو آپ اپنے مریدوں کو اپنے ساتھ ہزاروں روپوں کے جھنڈے خرید کر اپنے شیخ حضرت سید پوریؒ

کے مزار پر لہرا کرتے مگر ایسا نہیں کیا آپ کی زندگی تک نہ حضرت سید پورٹی کی زیارت پر جھنڈے لہرائے اور نہ بابا فقیر محمدؒ کی زیارت پر جھنڈے لہرائے گئے بعد میں کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے جھنڈے دیکھنے میں آئے ہیں۔ جو کہ بے سود اور نامناسب فعل ہے۔ اگر آپ کو یہ چیز درست نظر آتی اور اچھا فعل ہوتا تو اپنے شیخ اور دادا پیر کی زیارت پر جھنڈوں کے علاوہ کبند بھی بنواتے مگر آپ نے ایسا کبھی نہیں سوچا اور نہ ارادہ کیا۔ اس لئے آپ کی زیارت پر بھی جھنڈے چڑھانا آپ کی روح مبارک کو دکھ دینے کے مترادف ہے۔ آپ نے اپنی موجودگی میں اپنے جد امجد کے کسی بزرگ کی قبر پر جھنڈا نہیں لہرایا حالانکہ آپ کے جد امجد بھی نہایت نیک و پارسا ہو کر دنیا سے گزرے ہیں۔ اور آپ کے بھائی عبید اللہ جیؒ آپ کے پیر بھائی بھی تھے اور اعلیٰ مقام رکھنے والے بزرگ ہوئے ہیں مگر ان کی زندگی میں ان حضرات کے مزار پر بھی کسی جھنڈے کا نشان دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ حضرت سید پورٹی کی وفات کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہے۔ آخر خدا کو پیارے ہو گئے۔

آپ کی بیماری:

آپ کو فالج کی بیماری لاحق تھی اور دس سال کے قریب عرصہ تک فالج کے اثر سے کمزور اور نڈھال ہو چکے تھے۔ جب آپ کے شیخ زادہ اور پیر بھائی صاحبزادہ پیر عبدالحی صاحب مدظلہ گیر وال والے سفر حج سے واپس آئے تو آپ کو بھی ان کی واپسی کی خبر ہو گئی۔ مگر طاقت نہ تھی کہ ملاقات کے لئے جاتے۔ فرمایا کہ اگر میں چلنے کی طاقت و ہمت رکھتا تو ضرور ملاقات کے لئے جاتا مگر مجبوری کے تحت ملاقات کو نہیں جاسکتا۔

ادھر حضرت پیر عبدالحی صاحب مدظلہ کو بھی آپ کی بیماری کی اطلاع ہو گئی اور وہ خود آپ کی ملاقات کے لئے ششٹی تشریف لے گئے۔ آپ کھڑے ہو کر ان سے معافیت کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ لیٹے ہوئے یہی انہوں نے جبکہ کر بستر پر معافیت کیا۔ آپ نے حضرت پیر عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ حضرت بس آپ کا ہی انتظار تھا۔ اچھا ہوا ملاقات ہو گئی۔ اس کے بعد بستر پر لیٹے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی یا اللہ جو دعائیں انہوں نے مقدس مقامات ہمارے لئے کی ہیں وہ دعائیں تو نے ضرور قبول فرمائی ہوں گی۔ اب ان کو اور ہم سب کو اپنی

حفاظت میں رکھ کر خاتمہ بالخیر فرما دیجیو! اور پھر اس ملاقات کے چند ہی روز بعد آپؐ بتاریخ ۱۸ صفر جنوری ۱۹۷۷ء منگل کی شب سحری کے وقت دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّ لِلّٰہِ زَانَ النَّیْہِ رَا جَعُوْنَ

۱۹ جنوری بروز بدھ سخت بارش میں آپؐ کی نماز جنازہ حضرت پیر صاحب گیر وال والوں نے پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کے درجات مزید بلند فرمائے۔ اور آپؐ کے پس ماندگان اور فرزندان کو بھی آپؐ کے نقشِ قدر پر چلنے کی اور حق بات کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور طریقت و تصوف کے انوارات نصیب فرمائے آمین ثمہ آمین۔

حاجی اعظم خاکسارؒ

حاجی محمد اعظمؒ گاؤں گیر وال ڈھوڈیال تحصیل و ضلع مانسہرہ کے رہنے والے تھے۔ آپؒ کی پیدائش اسی گاؤں میں ۲۰ مئی ۱۸۹۷ء کو ہوئی آپؒ کی تعلیم کے ابتدائی دور میں ہی آپؒ کے والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا مگر اپنی ذہانت اور محنت و کوشش سے اور تائید ایزدی سے تعلیم جاری رکھی اور سکول کی تعلیم مکمل کر لی اور ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی بطریق احسن حاصل کی۔ فقہ و تفسیر اور عربی و فارسی علوم پر بھی کافی عبور حاصل کر لیا تھا۔ اور دنیا کے دھندے کو برقرار رکھنے کے لئے دنیاوی تعلیم کو بروئے کار لائے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت کا عرصہ پورا کر کے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اور ساتھ ساتھ حکمت یونانی بھی کرتے تھے۔

شروع ہی سے آپؒ نہایت پرہیزگار تھے۔ اور بندگانِ خدا کی تلاش رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؒ کی قسمت اور بخت پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ولی کامل غوثِ زماں حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ سے نسبت نصیب کر دی۔ اور آپؒ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور پھر تمام عمر اپنے شیخ کی صحبت و مجلس نصیب رہی اور شیخ کی مجلس اور صحبت کے اثر سے منازل سلوک طے فرما کر معرفت الہی نصیب ہوئی۔ آپؒ فنا فی الشیخ تھے۔ پہاڑی راستہ طے کر کے شیخ کی صحبت مجلس میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے رہتے تھے۔ اور حضرت سید پوریؒ کو بھی آپؒ سے بے محبت تھی چنانچہ ایک بار آپؒ کسی کام میں مصروف تھے۔ آپؒ کے کچھ پیر بھائی صاحبان اکٹھے ہو کر حضرت سید پوریؒ کی ملاقات کے لئے روانہ ہونے لگے اور آپؒ کو بھی دعوت دی

کہ ہمارے ہمراہ جائیں آپ کسی مجبوری کے تحت نہ جاسکے اور حضرت سید پورنی کے لئے ہی قمیض سلا کرتے تھے کے طور پر اُن کے بدست بھیج دی اور فرمایا کہ اپنے سامنے اُن کو پہنا کر آؤ۔ چنانچہ ساتھیوں نے ایسا ہی کیا اور ساتھ سلام کا پیغام بھی دیا جب حضرت نے قمیض پہنی اور رو گئے۔ کہ اب ہم صرف قمیض ہی پہننے کے قابل رہ گئے ہیں خود حاجی صاحب ملاقات کو نہ آئے۔ ادھر حاجی صاحب کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بھی ملاقات کے لئے روانہ ہو گئے اور ان ساتھیوں کو راستے میں بڑا سی کی گلی میں ملے اور فرمایا کہ مجھے اُن کی یاد نے اتنا ستایا کہ ملاقات کے لئے آنا پڑا یہ تھی حقیقی محبت کہ ادھر حضرت نے یاد فرمایا ادھر ان کا دل بے چین ہو گیا اور ملاقات کے لئے روانہ ہو گئے سچ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ان کے دل پر حضرت کے فیض و نظر کا عکس پڑا حضرت حاجی صاحب کو ملاقات کا شوق دامن گیر ہو گیا۔ اور دیوانہ وار اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے۔

جب تک زندہ رہے حضرت حاجی صاحب اُن کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اور ان سے فیض حاصل کرتے رہے اور آپ سے کمال فیض حاصل کر کے اپنے قلب و سینہ کو روشن و منور کرتے رہے۔ آپ ”کو کمال درجہ کا نور فراست نصیب تھا۔ چنانچہ ایک روز سکول پڑھانے کے لئے ملک پور کے راستہ پر جا رہے تھے۔ ان کے آگے آگے ایک مست ملنگ قسم کا آدمی لباس درویشی میں ٹہکتا اور مچلتا ہوا جا رہا تھا۔ جب حاجی صاحب نے اس درویش کے قلب پر نگاہ کی تو ذکر خدا سے اس کا دل غافل پایا۔ تو جوش کی حالت میں آپ کی زباں پر چند اشعار درج ذیل فی الفور صادر ہونے لگے۔

گدائے مست مٹکا جا رہا ہے	لباس فقر کا ندھوں پہ پڑا ہے
نظر آئی جو اس کی وضع داری	خیال آیا معنا آشنا ہے
لباس سبز درویشی تو پہنا	دل درویش لیکن بے خدا ہے
دلا ہوشیار ہو کر با خدا ہو	بظاہر رنگ درویشانہ کیا ہے
نہ کام آئے گی درویشی بظاہر	دل درویش گر حق سے جدا ہے
زباں پر ذکر دل گر بے خبر ہے	بزد ساکلاں بس ناروا ہے

حالات ذکر دائم دل میں گر ہو زباں ساکت ہو پھر بھی کیمیا ہے
 با کثرت میں خلوت کا مزا ہو طریقت کی غرض یہ انتہا ہے
 امام بحر عرفاں کا ہو تلمیذ اگر راہِ خدا کی التجا ہے
 دل مردہ ہو زندہ یک نظر سے دل زنگار خوردہ کی جلا ہے
 ملے گر بحر عرفاں کا شناور جو مظہر نور ذات کبریا ہے
 قدم نبوی میں ہر صبح و مسابو یہ فرمانِ خدا و مصطفیٰ ہے
 اُسی کے خوانِ یغما سے ہے حاصل بقدر ظرفِ گر شاہ و گدا ہے
 اسی در پر پڑا رہ خاکسارا تیرا مقصود گر ذاتِ خدا ہے

آپؐ اسرار و رموز کے خزانہ تھے۔ مگر اسرار الہی کو چھپا کر رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کا ایک شعر آپؐ کی رازداری کا پردہ اٹھا کر پودہ پوشی کا منظر پیش کرتا ہے۔

اعظما سب راز دل یک یک بیاں کن بر ملا پر ضرورت کیا ہے خود واقفِ اسرار ہے
 آپؐ اپنے شیخ حضرت سید پوریؒ کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہے اور احباب
 طریقت کے ساتھ بے حد محبت و خلوص سے پیش آئے۔ آپؐ اپنے آپ کو کامل تصور نہ کرتے
 تھے بلکہ خود کو مبتدیوں میں ہی شمار کرتے تھے۔ جہاں پیر بھائیوں کے حلقہ ذکر و فکر کا پتہ چلتا فوراً
 وہاں پہنچ جاتے تھے۔ شریعت اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پابندی کرنے والے تھے۔
 درود و محبت رکھنے والوں سے بے حد ہی محبت رکھتے تھے۔ اور خود بھی درود و محبت میں پروانوں کی
 طرح چلتے رہتے تھے۔ دل کی حقیقت کو جانتے تھے۔ چنانچہ دل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے
 فرماتے ہیں کہ یہ دل کیا ہے؟ جسے انسان بھولا ہوا ہے۔ آئیے اس دل کی حقیقت کو کھول کر
 ماقول کہ دانشمند حضرات اس دل کی حقیقت کو جان کر اس سے فائدہ حاصل کریں۔

دل کیا ہے؟

دل ہے کیا؟ گنجینہ اخلاق ہے
 دل یہ کیا ہے گوہر نایاب ہے
 دل یہ کیا ہے منبع علم و ہنر
 دل یہ کیا ہے جلوہ گاہ کبریا
 دل یہ کیا ہے درس عبرت کا نشان
 دل وہ دل جس میں اُس کی معرفت
 دل وہ دل جس میں بس اُس کا شعور
 دل وہ دل خالی ہو از کبر و منی
 دل ہی دل محبوب کا ہے جلوہ گاہ
 دل ہی دل ہے دل ہی دل ہے دل وہ دل
 اہل دل ہی دل کی جانے منزلت
 اہل دل کو دل سے ہے الفت مدام
 اہل دل ہی پاساں اس کے ہیں بس
 اہل دل ہیں اہل دل کو جانتے
 اہل دل ہیں درجہاں عنقا صفت
 اہل دل ہیں راز دار در گہی!
 خاکپائے اہل دل ہے کیمیا
 مجلس اہل دلاں میں سر بسر
 ان کی محفل اندھے کو بینا کرے
 کون مردہ؟ یا دحق سے بے خبر
 یاد حق سے بے خبر ہے دل اگر
 دل نہیں یہ گوشت کا ہے لوتھڑہ
 دل کو حاضر تو بھی رکھ اے خاکسار
 دل ہے کیا؟ اک دفتر خلاق ہے
 دل یہ کیا ہے مصدر صدباب ہے
 دل یہ کیا ہے معدن لعل و گوہر
 دل یہ کیا ہے ابتداء و انتہا!
 دل یہ کیا ہے راز دار انس و جاں
 دل وہ دل جس میں ہو اُس کی منزلت
 دل وہ دل جس میں بس اُس کا ہی نور
 دل وہ دل پیدا ہو جس میں بے خودی
 دل ہی دل معبود کا ہے پردہ سرا
 نور عرفاں کی تڑپ میں مضمل
 اہل دل کو ہی ہے حاصل معرفت
 اہل دل کو دل کا ہے بس احترام
 اہل دل ہی کرتے ہیں اس کی ہوس
 اہل دل ہیں اندروں پہچانتے
 اہل دل ہیں غرق بحر معرفت
 اہل دل ہیں واقف سیر الہی
 ہے سعادت گر ملے خاکِ شفاء
 غرق ہو گر ہے تجھے علم و ہنر
 ان کی مجلس مردہ دل احیا کرے
 کور باطن کو رچشم و بدگہر
 دل نہیں یہ دل ہے گاؤ میش و خر
 یا دحق سے بے خبر ہے گر ذرہ
 تانہ روزِ حشر ہو پھر شرمسار

دل کے بارے میں ایک دوسرے مقام یوں فرماتے ہیں کہ ۔

الہی دل میں خود نور و ضیاء دے	میرے سینے میں نورِ انبیاء دے
یہ سینہ تیرے رازوں کا دہینہ	اسے عشقِ خدا و مصطفیٰ دے
یہی دل درسِ عرفان کا ہے دفتر	اسے تو رازِ دارِ خود بنا دے
یہی دل جامِ جم و عرشِ بریں ہے	منور مہرِ انوارِ سا بنا دے
ترپ ہو سوز ہو چوں برقِ لامع	یہی ذوقِ درونِ ہر صبا دے
اسی دل میں تیرا جذبہ ہو پیدا	اسی میں حُبِ اہلِ محبتیٰ دے
وہی ادیسِ قرئی کا ہو جذبہ	وہی اُلقتِ حبیبِ دوسرا دے
وہی جذبہ وہی غیرت وہ ایماں	مانندِ رابعہ صبح و مساء دے
غریبی میں امیری شان والے	وہ صبرِ اہلِ بیتِ محبتیٰ دے
میرے ماں باپ کو اے بندہ پرور	عذابِ قبر و دوزخ سے بچا دے
میرے پیرِ طریقت کو بھی شاہا	سدا کونین میں ظنِ ہما دے
رفیقانِ طریقت کو خداوند	تو اپنے قرب کی راہ پر چلا دے
فیوضِ نقشبندی کا یہ چشمہ	دلِ مسلم پہ چوں دریا بہا دے
محبت کی چنگاری کو قلب میں	مانندِ فعلۃِ آتشِ جگا دے
دلِ زنگارِ خوردہ کو الہی	تو اپنے فضل سے روشن بنا دے
غریقِ بحرِ عصیاں ہے یہ عاصی	بحرمتِ سرورِ عالم بچا دے
دعا کر ہر گھڑی اے خاکسارا	تیرے عصیاں کو رحمت سے منادے

الحکموت:

ملازمت کا عرصہ گزر کر ختم ہوا۔ تو اچانک خناق کی بیماری لاحق ہو گئی۔ آواز بیٹھ گئی اور دن بدن آواز دھیمی ہوتی گئی۔ گلہ اندر سے پھول گیا آواز کی نالی سکر گئی علاج کی خاطر

میوہ ہسپتال لاہور تک گئے مگر افادہ نہ ہوا۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

چنانچہ اس گلے کی شفاء کی خاطر بارگاہِ الہی میں اپنی منظوم کتاب میں یوں دعا فرماتے تھے۔

بڑھوں تیرا قرآن سریلی ادا سے اسی سے گلے کی شفاء چاہتا ہوں
مگر خدا تعالیٰ کو زیادہ عرصہ زندہ رکھنا مقصود نہ تھا اور وقت مقررہ پورا ہو رہا تھا۔ کسی
حیلہ بہانہ سے شفیاب نہ ہو سکے۔ بالآخر اس بیماری کی شدت سے ۲۸ رمضان المبارک
۱۳۷۴ھ بمطابق ۹ اپریل 1957ء بروز سوموار کی شب کو عشاء کی نماز پڑھ کر اور سحری کی
تیاری میں پانی رکھ کر سوئے اور سحری کی نماز سے قبل ہی ۱۲ بجکر ۱۰ منٹ پر واصل باللہ ہو گئے۔
إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی نماز بلکہ تراویح بھی قضا نہیں ہوئی اور سحری کی نماز
کے لئے پانی رکھا ہوا رہ گیا۔ آپؐ کی وفات پر عقیدت مندوں اور دیگر احباب طریقت کو بہت
زیادہ صدمہ ہوا۔ نماز جنازہ حضرت عبدالحی صاحب مدظلہ العالی گیر وال والوں نے پڑھائی۔
اور گیر وال کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ آپؐ نے اپنی کتاب ”یادگارِ اعظم“ اس
جہاں کی بے ثباتی کے متعلق ایک مضمون میں اُس شعر سے ظاہر کیا ہے کہ دنیا کی کچھ حقیقت نہیں
ہے اور یہ صرف کھیل کی طرح پردہ بدلنے کی مانند ہے۔

خاکسارا دارِ فانی پر دہِ اعجاز ہے

یک گھڑی دیکھا تماشا لمحہ بھر تک کچھ نہیں

اس جہاں دنیا میں کسی کو بقا حاصل نہیں ہے۔ سب نے فنا ہو کر نابود ہو کر صفحہ ہستی
سے مٹ جانا ہے اور بقا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو حاصل ہے۔ آپؐ نے اپنی
زندگی میں یہ کتاب ”یادگارِ اعظم“ لکھی تھی مگر طبع نہ ہو سکی بعد میں دوستوں میں سے کسی نے

لمع کرا کر منظر عام پر پیش کردی اس میں تصوف سلوک کے باریک نقاط اور اشعارِ عارفانہ ہیں۔

آپؑ نے اس کی تالیف کا مقصد کتاب کے سرورق پر لکھا ہے۔ آپؑ کی یہ کتاب مظلوم ہے جو کہ آٹھ گویوں پر مشتمل ہے۔ پہلے گوہر میں حمد باری تعالیٰ اور دوسرے گوہر میں نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تیسرے گوہر میں اسے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سید پورؒ کے بارے میں عقیدت مندانہ اشعار ہیں۔ باقی پانچ گوہر متفرقات پر مشتمل ہیں۔ کتاب کے سرورق پر سبب تالیف بطرز مظلوم یوں تحریر ہے۔

سبب تالیف

کیا بھروسا ہے زندگانی کا	آسرا کیا ہے دایرِ فانی کا
تو سن بادپہ ہے عمر رواں	کس کو غرہ ہے لن ترانی کا
لحہ بھر کے لئے جاہ و حشم	کس کو دعویٰ ہے حکمرانی کا
زیت ہے درمیان یم و ہراس	فخر پھر کیا ہے خاندانی کا
ہے فقط یہ غرض کہ بعد از مرگ	نقش قائم رہے جاودانی کا
صاحب دل اگر پڑھے کوئی	عکس پیدا ہو مہربانی کا
صدق دل سے دعا کرے کوئی	شرف حاصل ہو زندہ گانی کا
رحمت حق کا نزول ہو جب	روح سرور ہو جسم فانی کا
باریابی ہو قربِ ربانی	یہی مقصد ہے اس کہانی کا
عمل نیک جو کرے جہاں میں خاکسارا	ذریعہ بنے گا آخرت میں مہمانی کا

حاجی محمد اعظمؒ احقر کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے اور گیر وال میں میری آمد اور

رہائش کا ابتدائی ذریعہ بھی یہی صاحب موصوف ہیں دراصل دینی تعلیم کے لئے مجھ کو آپ سے

تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا آپ میرے قرآن پاک کی تفسیر کے استاد معظم ہیں ان کے بعد حضرت شیخ پیر عبدالحی صاحبؒ سے تعارف و نسبت ہوئی اور رشتہ میں ان کے ساتھ منسلک ہو کر یہاں رہائش پذیر ہو گیا۔

پیر سید محمد حضرت مولانا عبد الرحمان (لعنہ میر سادہ)

حضرت مولانا عبد الرحمان المعروف کلہا گاہ والے بڑے استاد صاحب احقر و مؤلف کتاب ہذا کے والد حقیقی اور حضرت شمس الدین سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت مولانا عبد الرحمان ولد محمد منیر مشوانی (جو کہ پنھانوں کی ایک شاخ ہے) خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا جان محمد منیب برطانیہ حکومت کے ادائل دور میں علاقہ گندگر سے نامعلوم وجوہات کی بنا پر نقل مکانی کر کے درہ بھوگر منگ میں موضع کہیاری کے مقام پر سکونت پذیر ہو چکے تھے۔ میرے والد محترم حضرت مولانا عبد الرحمان لڑکپن میں اپنی سوتیلی والدہ کے سلوک کو برداشت نہ کر سکے اور گھر سے باہر نکل کر اپنی تعلیم حاصل کی اور اپنے اساتذہ کرام کے اخلاص کے ساتھ خدمت کی اور عزت و احترام سے پیش آتے رہے۔ اس بناء پر اپنے اساتذہ کرام کی نظروں میں ہمیشہ مقبول و معظم شاگرد کی حیثیت رکھتے تھے۔ دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد انبالہ شہر کے قریب ایک قصبہ لہار سے نامی میں خطیب مقرر ہو گئے اور وہاں کے مقتدیوں میں بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

چونکہ طبیعت درویشانہ تھی اس لئے ایک جگہ پر ٹھہرنا مشکل تھا۔ چنانچہ جب واپس وطن آئے تو پکھل بالا کے ایک گاؤں جو کہ ڈاڈر شنکاری کے مرکز میں واقع ہے اس میں امام ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ رہ کر اپنا خلیفہ بطور امام چھوڑ کر پھر لہار سے سابقہ امامت والی جگہ چلے گئے کچھ عرصہ لہار سے رہتے اور کچھ عرصہ واپس آکر کلہا گاہ رہتے اس طرح کلہا گاہ کے گاؤں میں ساٹھ (60) سال رہے اسی عرصہ میں آپ کی تمام اولاد اسی گاؤں کلہا گاہ ہی میں پیدا ہوئی۔ اور بدستور اسی گاؤں میں رہے۔ اسی بنا پر آپ کو کلہا گاہ والے بڑے استاد صاحب کے نام سے

یاد کیا جاتا تھا۔ آپؐ نے آخری عمر میں کچھ عرصہ دیوبلی جو کہ سادات کا گاؤں ہے اس میں امامت کی اور کچھ عرصہ کیاری سادات کے گاؤں میں امامت کی جہاں جہاں امام رہے مقتدی آپؐ کو اپنے والدین سے کم تصور نہ کرتے تھے اور اب بھی آپؐ کی یاد بڑی عزت و احترام کے ساتھ کی جاتی ہے۔ آپؐ کو شروع ہی سے خدا کی لگن رہی۔ اور اسی سلسلہ میں آپؐ مئی خانقاہوں اور گدیوں پر پھر کر اللہ والوں کی تلاش کرتے رہے چنانچہ دہلی کی ایک مشہور خانقاہ پر پہنچ کر آپؐ ابوالخیر نامی قادری سلسلہ کے ایک بزرگ سے بیعت ہو گئے اور رات دن ان کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف کی پابندی کرتے رہے۔ اور ایک ہزار دانہ والی تسبیح کے ساتھ مجوزہ و طیفہ پورا کرتے رہے۔ ابوالخیرؒ نے آپؐ کی پارسائی اور پابندی و وظائف اور اوراد کو دیکھ کر نیز علم و عمل کی بنا پر اپنی طرف سے خلافت سے بھی نواز دیا تھا۔ مگر پھر بھی آپؐ کو سکون قلبی حاصل نہ تھا صرف زبانی ذکر نفی اثبات میں مشغول رہتے تھے۔ اور درود شریف کا وظیفہ کرتے تھے۔ جب آپؐ واپس کلبگاہ تشریف لائے تو آپؐ کی ملاقات حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ سے ہو گئی۔ حضرت سید پوریؒ عارف کامل تھے آپؐ پر نگاہ ڈال کر معلوم کر لیا کہ مولانا عبد الرحمنؒ کو قلبی ذکر کی کوئی خبر نہیں صرف زبانی ذکر پر اکتفا کیے ہوئے ہیں۔

چنانچہ حضرت سید پوریؒ نے آپؐ سے پوچھا کہ مولانا صاحب آپؐ کی تسبیح کی اگر ڈوری نوٹ جائے تو پھر آپؐ کیا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ حضرت اور ڈوری ڈال دیتے ہیں۔ حضرت سید پوریؒ نے فرمایا کہ اگر وہ بھی نوٹ جائے تو پھر آپؐ نے فرمایا کہ اور ڈال دیں گے۔ حضرت سید پوریؒ نے فرمایا کہ ایسی ڈوری کیوں نہیں ڈال دیتے کہ ٹوٹنے والی نہ ہو اس سے مراد حضرت سید پوریؒ کی ذکر قلبی تھا۔ اس رمز کو حضرت والد صاحبؒ سمجھ گئے اور حضرت سید پوریؒ سے بیعت ہونے کی استدعا فرمائی۔ اور آپؐ نے حضرت سید پوریؒ سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی اور جلدی ہی ذکر قلبی کی نعمت سے نواز دیئے گئے اور پھر دن بدن محنت و کوشش سے مزید منازل سکوک بھی طے ہوتے گئے آخر کار آپؐ کو حضرت سید پوریؒ کی

طرف سے خلافت کی اجازت بھی ہوگئی اور پھر آپ سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا۔
آپؐ کا تبلیغی جذبہ:

آپؐ عالم باعمل تھے علمِ قرأت و علمِ تفسیر اور فقہ و فارسی پر کافی عبور تھا۔ آپؐ امر بالمعروف اور نہی المنکر کا خوب حق ادا کرتے تھے۔ مسجدوں میں بازاروں میں اور بیاہ شادیوں کے جموں میں بلکہ جہاں جہاں لوگوں کا مجمع دیکھتے پہنچ کر تبلیغ و عظ شروع کر دیتے تھے۔ اور عظ ایسے جذبہ و محبت کے ساتھ کرتے کہ سامعین پر ایک سناٹا چھا جاتا تھا۔ ایسے جوش کے ساتھ عظ فرماتے کہ سننے والا متاثر ہو جاتا تھا۔ نافرمانوں اور مجرموں کے بارے میں قرآن پاک سے آیات و وعید زیادہ سنایا کرتے تھے۔

جب کسی کو ناجائز کام یا برائی کا مرتکب دیکھتے تو لہو گرم ہو جاتا تھا اور اُس کے پیچھے ہو لیتے اور اُس وقت تک اُس آدمی کا پیچھا نہ چھوڑتے جب تک توبہ نہ کروا لیتے تھے۔ بیاہ شادیوں میں جہاں ناچ گانا ہوتا وہاں پہنچ جاتے تھے۔ اور گانے والے لوگوں میں اپنا عصا گھما کر تقریر شروع کر دیتے اور گانے والے گھبرا کر خاموش ہو جاتے تھے اور بجائے گانے کے عظ سننے میں مصروف ہو جاتے تھے۔

کسی بے نماز کو دیکھتے تو اُس سے وعدہ لے کر چھوڑتے کہ فلاں وقت کپڑے پاک کر کے حاضر ہونا ہے اگر وہ وعدہ خلافی کر جاتا تو پھر اُس کے پاس دوبارہ پہنچ کر اُس کو اُس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک اُس سے نماز نہ پڑھوا لیتے تھے۔ ہندوستان اور پنجاب میں جس جس گاؤں میں آپؐ رہے اُس گاؤں کا کوئی آدمی رمضان میں روزہ ضائع نہ کر سکتا تھا۔ اور اُس کے عذر رنگ کو مسترد کر کے اُس کے روزہ رکھنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ اُن لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب ہم گرمی میں گندم کی کنٹائی کرتے ہیں اور آپؐ گھر بیٹھتے ہیں چنانچہ آپؐ اُن کے ساتھ اس گرمی میں گندم کی کنٹائی میں خود بھی مصروف ہو کر اُن کے عذر اور حیلہ بہانہ کو ناجائز کام بنا کر شام تک اُن سے روزہ رکھواتے تھے۔

ضلع سیالکوٹ میں چوہڑ منڈہ کے قصبہ میں جب خطیب تھے تو چوہڑ منڈہ اور گردو نواح کے تمام گاؤں میں پھر کر روزہ کھانے والوں کے گھروں میں داخل ہو کر دوپہر کے وقت جلے تنور روٹیوں سمیت توڑ دیتے اور کسی کو جرأت نہ ہو سکتی کہ ہزارہ والے بابائی کا سامنا کر کے کچھ کہہ سکے۔ ایک بار آپ مسجد میں نماز تراویح پڑھا رہے تھے نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو کانوں میں گانے کی آواز آئی تو پوچھا یہ آواز کہاں سے آرہی ہے کسی نے کہا کہ نواز جس کو نازی کہا کرتے ہیں نازی کے گھر سے آواز آرہی ہے۔ آپ فوراً وہاں پہنچے تو بینک میں گراموفون بج رہا تھا آپ کو دیکھ کر سب بھاگ گئے اور آپ نے ڈنڈے سے گراموفون کے کڑے نکلے کر دیئے۔ اور کہا کہ خبردار آئندہ ایسی حرکت کوئی نہ کرے۔ رمضان کے مہینہ میں آپ بازار کی گشت کرتے تھے۔ اگر کسی کو بازار میں روزہ کھاتے دیکھ لیتے تو اس کی خوب پٹائی فرماتے تھے۔ آپ کے ڈر سے چوہڑ منڈہ کے عیسائی بھی اعلانیہ روزہ نہ کھا سکتے تھے۔ آپ نذر باہت اور قوی الجسم تھے۔ خوش پوش اور خوش خوراک تھے۔ گوشت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ حسین و جمیل اور نورانی چہرہ تھا۔ خوش مزاج اور خوش خلق بھی تھے۔

شریعت مطہرہ علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کے پابند تھے تقویٰ پر ہیزگاری میں بلند مقام رکھتے تھے۔ مرزائیوں کے ساتھ اکثر مقابلہ رہتا تھا۔ مرزائی بھی آپ کا سامنا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مرزائیوں کے ساتھ بحث کرنے میں کئی دفعہ انہوں نے پولیس کو بھی بلایا مگر پولیس والے آپ کا موقف سن کر واپس ہو جاتے تھے۔

آپ کے تہجد گزار تھے بلکہ بیداری اور خبرداری کے لئے ایک مرغ جس کی آواز بلند اور خوبصورت ہو پال رکھتے تھے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر مرغ کو دانہ چٹکا کر چھوڑتے تاکہ سحری کے وقت اول وقت سے آذان دے سکے۔ نماز تہجد پڑھ کر ذکر و فکر میں وہیں مصلیٰ پر بیٹھ جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے خوف و محبت سے فریاد کر کے اتار دیتے کہ لا اھی مبارک تر ہو جاتی تھی۔ ایک بار سحری کے وقت دو سوز میں رو رہے تھے اور احقر جبکہ

دس سال کا تھا ان کے رونے کی آواز سے جاگ اٹھا اور پوچھا کہ ابا جان کیا تکلیف ہے کہ آپؐ رورہے ہیں اور ساتھ ساتھ احقر خود بھی رونے لگا۔ آپؐ نے فرمایا بچے کچھ تکلیف نہیں تم سو جاؤ۔

جب احقر نے صبح کے وقت آپؐ سے رات کے رونے کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے کچھ نہ بتایا مگر آپؐ کو تندرست دیکھ کر حوصلہ ہو گیا کہ والد صاحب ٹھیک ہیں۔ آپؐ کی ہمیشہ عادت تھی کہ ہفتہ میں دو تین دن بیاباں جگہ کسی جنگل میں جہاں وضو کے لئے پانی موجود ہوتا یا کسی دریا کے کنارے ٹھہر کر ذکر و اذکار اور عبادت میں مصروف رہ کر تیسرے روز گھر کو آیا کرتے تھے۔ دینی کتب ساتھ لے جاتے دن میں مطالعہ کرتے اور عبادت میں مشغول رہتے اگر گھر پر ہوتے تو بھی چائے پی کر عصر تک مسجد میں یا کسی تنہائی جگہ میں بیٹھ کر وقت خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے تھے۔ دنیا کے کاموں میں ضرورت کے مطابق مشغول رہ کر باقی وقت تنہائی میں بسر کرتے تھے۔ ایک دفعہ ششی والے حضرت صاحبزادہ محمد اسحاق کو آپؐ اپنے ہمراہ سید پور لے گئے تاکہ حضرت سید پوریؒ سے ملاقات کر لیں۔ کیونکہ دونوں حضرات پیر بھائی تھے اور آپس میں گہری محبت رکھتے تھے۔ صاحبزادہ محمد اسحاق اور آپؐ جب سید پور پہنچے تو حضرت خواجہ شمس الدینؒ بیمار تھے۔ اور یہ ان کی آخری بیماری تھی۔ اور آپؐ اور حضرت صاحبزادہ محمد اسحاقؒ کی موجودگی میں ہی حضرت خواجہ شمس الدینؒ کی روح نے بقضائے الہی نفسِ غصری سے پرواز فرمائی۔ صاحبزادہ محمد اسحاقؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپؐ نے قبر مبارک پر کھڑے ہو کر آیات مروجہ کی تلاوت فرمائی۔ اور اپنے پیارے شیخ و مرشد کو اپنے ہاتھوں سپردِ خدا کر کے حسرت بھری آہیں لیتے ہوئے گھر واپس آئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمنؒ زندگی کے آخری سالوں میں چوہڑ منڈہ میں رہے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہاں آپؐ کے عقیدت مند اور مریدین آپؐ کی بے حد خدمت کرتے تھے اور آپؐ اس گاؤں میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حاجن بی بی صدیقہ

مہد الحق اور عبدالعزیز کی جو ہمیشہ تھی آپ کی مرید اور عقیدت مند تھیں دونوں بھائی مذکور بھی مرید عقیدت مند تھے۔ مگر حاجن صدیقانی بی کو قدرت نے طریقت کی بہت سمجھ دی تھی لطائف فہمہ کا اجرا اور سلطان ذکر کے علاوہ عروج و نزول میں قدرت نے چشم باطن روشن فرمادی تھیں اور حرام و حلال میں تمیز میسر تھی بلکہ اپنے باطن کا مشاہدہ کرنے کے علاوہ اپنے طریقت کے دائرہ میں داخل پیر بھائیوں کے باطن کا بھی مشاہدہ کر لینا نصیب تھا۔ آپ "یعنی حاجن صاحبہ" پر قدرت نے وہ رموز و اسرار کھول دیئے تھے جس طرح رابعہ بصریؒ پر رموز کھل گئے تھے۔ مائی صدیقہ اپنا راز کسی کو نہ بتاتی تھی ورنہ آپ کے گرد حلقہ لگ جاتا اور آپ کو خدا تعالیٰ کی یاد کرنے میں ہرج ہوتا اس لئے آپ اپنا بھید احقر کے بغیر کسی کو نہ بتایا کرتیں اور احقر کو بھی رموز و اسرار اس لئے بتائے تھے کہ ابتدائی کوشش و محنت بفضل خدا احقر نے ہی اُن کے ساتھ محنت کی اور سلوک کی واقفیت اور اس میں محنت کرنے کا طریقہ والد صاحب کی اجازت سے اُن کو بتایا تھا۔ اس لئے وہ احقر کو شیخ کی جگہ تصور کرتی تھیں۔ اور بہت عزت و احترام کرتی تھیں۔ گویا احقر کو وہ آخرت کی طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں بہن کا درجہ رکھتی تھیں۔ بوقت بیعت اُن کی عمر 65 سال سے اوپر تھی۔ اور 80 سال کی عمر میں دایر فانی سے رحلت فرمائی۔ اسی طرح کلا سوالہ والے عبدالغنی دودھ والے بھی والد صاحب کے مرید خاص تھے اور لطائف کے اجراء پر واقفیت اور انوار کا مشاہدہ نصیب تھا۔ عورتوں اور مردوں میں اور بہت سے عقیدت مند اور مرید بھی تھے۔

قلہ گامی والد محترم مولانا عبدالرحمنؒ کی آخری چند گھڑیاں

آپؒ زندگی کے آخری ایام میں امامت کے فرائض انجام دینے سے معذور ہو گئے تھے۔ اپنے مؤذن و مقتدی صوفی فیروز دین صاحب کو نماز پڑھانے کی اجازت دے دی تھی اور خود بیٹھ کر نماز جماعت میں شریک رہتے تھے۔ صبح کی نماز باجماعت ادا کر کے اشراق کی نماز کی تیاری کے لئے وضو توڑنے نکلے اور وضو توڑ کر واپس مسجد میں آئے۔ آپؒ کی چار پائی مسجد سے متصل کمرہ میں پڑھی تھی اور جائے نماز یعنی مصلیٰ بھی پڑا تھا۔

آپؐ نے اشراق کی نماز کے لئے وضو فرمایا اور جب پاؤں دھوئے اور اٹھ کر حجرہ میں جانے کا ارادہ فرمایا تھا کہ نماز اشراق ادا کی جائے۔ مگر اٹھنے کی ہمت نہ سمجھے اور پاس کھڑے مریدین نصیب خان مرحوم اور عبدالحق مرحوم جو کہ اُس وقت زندہ تھے۔ اُن کو آواز دی کہ مجھ کو اٹھاؤ مصلیٰ پر لے جاؤ انہوں نے ہاتھوں سے تھام کر اٹھایا اور دو چار قدم لئے ہی تھے کہ قدم بے حس ہو گئے۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا حضرت آپؐ نے تو بالکل ہی ہمت ہار دی ہے۔ لیکن آپؐ کچھ نہ بولے یہ آپؐ کا نزاع کا وقت تھا۔ انہوں نے مصلیٰ سے اٹھا کر قریب چار پائی پر لٹایا۔ اور روح مبارک قفسِ غصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ الَیْہِ رَاجِعُوْنَ

نماز جنازہ:

آپؐ کے انتقال پر ملال کی خبر ہوا کی طرح پھیل گئی گرد و نواح کے گاؤں کے لوگ کچھ پیدل اور کچھ تاگلوں پر کھنچے کھنچے آرہے تھے۔ نماز جنازہ میں بے پناہ جہوم ہو گیا تھا۔ لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ عقیدت مندوں نے پھولوں کے ہار پنچھا کر کے جنازہ کی چار پائی پر ڈھیر لگا دیا تھا۔ اور بعض نے عطر سے بھری ہوئی شیشیاں انڈھیل انڈھیل کر کفن کو معطر کر دیا تھا۔ ہر شخص آخری دیدار کے لئے ترس رہا تھا۔ اور جنازہ کی صفیں باوجود کھلی جگہ ہونے کے سانہ سکتی تھیں بڑی عقیدت مندی سے نماز جنازہ ادا کیا گیا اور بڑی ہی عزت و احترام کے ساتھ ہزارہ والے بابا جی مولانا عبدالرحمن کو سپرد خاک کیا گیا۔ اور آپؐ کی قبر مبارک پر گنبد بنانے کا تذکرہ ہوا مگر میرے بڑے بھائی مولانا محمد یوسف خلیفہ مجاز حضرت سید پورنی نے گنبد بنانے کا مشورہ نہ دیا اور کچی قبر اور سادگی کا مشورہ دیا گیا تاہم اینٹوں کی چھوٹی سی چار دیواری کر دی گئی مگر قبر مبارک کچی ہی چھڑی تھی جو اب تک کچی حالت میں موجود ہے۔ آپؐ نے مورخہ 3 نومبر 1963ء کو وفات پائی اور چوبڑ منڈہ کے گاؤں کے قبرستان میں جو کہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں ہے۔ مدفون ہوئے اللہ تعالیٰ آپؐ کی قبر مبارک پر اپنی رحمت و قیامت برسائے

اور آپؑ کے فیض روحانی سے وعقیدت مندوں کے سینوں کو روشن و منور رکھے آمین۔ یارب
العالمین۔

حضرت مولانا حاجی محمد یوسف صاحب مکتبہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ مولانا عبدالرحمنؒ کے بڑے صاحبزادے اور احقر
مؤلف کے حقیقی برادر کلاں تھے۔ آپ موضع گچ نزد جبوڑی میں کافی عرصہ سلسلہ خطیب و امام
رہائش پذیر رہے۔ اسی لئے طریقت کے ساتھیوں میں گچی استاد کے نام سے مشہور تھے۔ آپؒ
کچھ عرصہ جبوڑی رنج کواٹر کے قریب محلہ میں رہے اور وہاں سے مکان فروخت کر کے مستقل
طور پر تمباہ خانپور درواہا سے تین فرلانگ کے فاصلے پر جبوڑی جانے والی روڈ کے کنارے ایک
محلہ میں آباد ہو گئے تھے۔ اور یہاں بھی امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپؒ کی عمر
وفات کے وقت 85 سال ہو گئی تھی۔ عوام الناس میں بڑی عزت و احترام سے دیکھے جاتے
تھے۔

آپؒ کی ابتدائی بیعت حضرت مولانا عبدالستارؒ عرف بزرگ استاد سے تھی۔
عبدالستارؒ نے آپؒ کو بیعت کرنے کے بعد اپنے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی
خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ چنانچہ آپؒ کو حضرت خواجہ شمس الدینؒ کی صحبت اور مجلس بہت زیادہ
نصیب ہوئی۔ کبھی حضرت عبدالستارؒ کے ہمراہ سید پور تشریف لے جاتے اور کبھی اکیلے ہی جا
پہنچتے اور دو چار روز رہ کر ان کی صحبت و مجلس میں وقت گزار کر واپس لوٹ جایا کرتے تھے۔
حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی صحبت بابرکت میں اکثر وقت گزارنے اور استفادہ کرنے
کا خوب موقع نصیب ہوا۔ آپؒ کے اندر عشق و محبت درد و سوز عاجزی و زاری اور طلب و تلاش
بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ آپؒ کی سیر ختم ہو گئی اور منازل سلوک طے ہو گئے تو حضرت سید پوریؒ
نے خلافت سے نوازا دیا۔ اور فرمایا کہ اب آپؒ مخلوقات الہیہ کو سیراب کریں۔ آپؒ نے حضرت
سید پوریؒ سے عرض کیا کہ حضرت میں اس قابل نہیں کہ پیشوائی کا منصب اختیار کروں۔ حضرت

سید پورٹی نے فرمایا کہ جب میں آپ کو حکم دے رہا ہوں کہ آپ بیعت کیا کریں تو اللہ تعالیٰ تمہاری رہنمائی فرمائیں گے۔

ایک بار حضرت سید پورٹی کی مجلس میں اپنے پیر بھائی عزیز الرحمنؒ المعروف بیڑ والے باباجی صاحبؒ کے ہمراہ موجود تھے۔ آپ رونے لگے کہ حضرت صاحبؒ آپ کے بعد ہماری تربیت اور منازل سلوک کے طے کرنے کا کیا بنے گا۔ حضرت سید پورٹی نے جذبہ میں فرمایا کہ میرے بعد گیر وال والا بوڑھا یعنی مولانا عبدالستارؒ آپ کے لئے حکیم حازق کے طور پر موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بہت کچھ دیا ہوا ہے اس لئے تمہاری تربیت کے لئے کافی ہے۔ حضرت سید پورٹی کی وفات کے بعد آپؒ اپنے شیخ عبدالستارؒ کی مجلس میں پابندی سے رہے دس ماہ بعد وہ بھی دنیا سے چل بسے۔

ایک بار حضرت سید پورٹی توجہ فرما رہے تھے کہ بعد فراغت توجہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ابتداء و انتہا کو یکجا کر دیا ہے۔ اور ایسے انوار ہمارے ساتھیوں میں سے بہت کم کو نصیب ہوئے ہیں۔ آپؒ نے عرض کی کہ حضرت نور جیلالی کے لئے توجہ فرمائیں آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور جلالی عنایت فرما دیا ہے اور یہ وہی دن تھا جس دن نور جلالی کے لئے مائی چائن صلابہؒ نے دعا فرمائی تھی۔

عبدالستارؒ کی وفات کے بعد آپؒ حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ کی خدمت میں اکثر حاضری دیتے تھے۔ حضرت نانگا باباؒ کو بھی آپؒ سے بے حد محبت تھی جب بھی آپؒ پکھلی کو تشریف لاتے تو آپؒ کے پاس ضرور ٹھہرتے تھے۔ ایک بار آپؒ ڈھو ڈیال آئے ہوئے تھے۔ اچانک غائب ہو گئے اور جب واپس آئے تو ایک پیر بھائی گلاب خان صاحبؒ نے پوچھا کہ بابا صاحبؒ آپ کدھر چلے گئے تھے۔ تو حضرت نانگا باباؒ نے فرمایا کہ لوگوں کو توجہ دے دے کہ حال کو نقصان ہو گیا تھا میں اچانک کلب گارہ مولانا محمد یوسف کے پاس چلا گیا تھا کہ دونوں ہم مجلس ہو کر فکر کریں اور میرے حال کا نقصان دور ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اب انقباض فم

ہو گیا ہے۔

اسی طرح حاجی محمد اعظمؒ کو بھی مولانا محمد یوسف سے بہت محبت تھی۔ اور آپؒ کی مجلس میں حاضری دیتے رہتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی حاضری کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی طرح حبشید لالہ فردوسیؒ لالہ جی حاجی رحیم اللہ صاحبؒ گیر وال والے حضرت مرشدی پیر عبدالحی مدظلہؒ آپؒ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اور جملہ طریقت کے ساتھی محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب شہرت سے نفرت رکھتے تھے اور گمنامی کو پسند فرماتے تھے۔ نہائی پسند تھے۔ اور زیادہ وقت ذکر و فکر اور مراقبہ میں گزارتے تھے۔ قلبی صفائی رکھتے تھے اور طریقت کے ساتھیوں کو بھی صفائی رکھنے اور دعویٰ سے اجتناب کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ شریعت کی پابندی کرتے اور کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ سادہ لباس سادہ زندگی گزارنے کو پسند کرتے تھے۔ تبلیغی جماعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اکثر حضرات کو وقت لگانے کی ترغیب اور جو وقت لگائے اُس سے خوش ہوتے تھے۔ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو ملنے کے راستے سر کے بالوں سے بھی زیادہ ہیں۔ کوئی طریقت کے راستے کے ذریعے کوئی تبلیغ کے راستے کے ذریعے کوئی کسی اور دینی محنت کے ذریعے قریب ہوتا ہے۔ مگر طریقت کا راستہ اقرب الطرق ہے یعنی طریقت کا راستہ قرب الہی کے لئے قریب ترین راستہ ہے۔ اور مجرب ہے اور یہ طریقہ دائمی ہے فضلی ہے اور لطیف ترین ہے۔ کسب سے تعلق نہیں رکھتا البتہ محنت و کوشش اور انہماک ضروری شرط ہے۔

آپؒ امراء کی مجلس و صحبت سے اجتناب کرتے تھے۔ توکل و قناعت کے عادی اور انیاس اتعلق رہتے تھے۔ علماء و صلحاء کی مجلس کو ترجیح دیتے اور پسند کرتے تھے۔ حضرت سید پرویزؒ کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ جب کبھی ان کی یاد فرماتے تو آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں۔ اور حاجی محمد اعظمؒ کا یہ شعر پڑھ کر روتے رہتے۔

ہائے ہم سے ہو گیا روپوش نور شمس الدین

عالم درانگی میں پھر رہے ہیں در بدر

آپؑ کے عقیدت مند لاہور کراچی سیالکوٹ اسلام آباد اور اپنے علاقے کھلی
جبوڑی اوگی بل میں بکثرت ہیں۔ آپؑ 13 اپریل 2002ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔
کیر وال والے پیر صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تہاہ میں گھر کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا عزیز الرحمن المعروف ہینڈ والے باباجی

حضرت مولانا عزیز الرحمنؒ ڈھوڈیال تحصیل و ضلع مانسہرہ کے رہنے والے اور سوانی
خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپؒ بھی حضرت مولانا محمد یوسف کے پیر بھائی اور عبدالستارؒ کے
خلیفہ مجاز تھے۔ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ بہت محبت تھی اور اکثر یکجا رہا
کرتے تھے اور عبدالستارؒ کی آپؒ نے بہت خدمت کی اور قریب رہائش ہونے کی وجہ سے اکثر
ان کی مجلس میں حاضری دیتے تھے زندگی کے آخری سالوں میں ڈھوڈیال سے شنکیاری نقل
مکانی کر چکے تھے اور ڈھوڈیال سے بھی جائیداد فروخت نہیں کی تھی اس لئے ایک بیٹا ڈھوڈیال
میں رہتا تھا۔ آپؒ شنکیاری میں نہر کے ہینڈ پر سرکاری طور پر ملازم تھے اور ہینڈ والے باباجی کے
نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ اور شنکیاری میں اپنا ذاتی مکان حاصل کر لیا تھا۔ لہذا شنکیاری میں ہی
رہتے تھے۔ آپؒ بھی حضرت سید پوریؒ کی مجلس میں رہے ہیں اور حضرت نانکا باباؒ سے بھی محبت
تھی اور ان کی مجلس بھی اختیار کی ہے۔

اپنے پیر بھائی محمد یوسفؒ کے ہمراہ گاہے گاہے سید پوریؒ کے پاس بھی جایا کرتے
تھے۔ آپؒ نہایت نیک خدا ترس اور پارسا شخصیت ہو گزرے ہیں۔ نذر حق کو خوش مزاج
اور خوش پوش تھے۔ طریقت کے ساتھیوں کے ساتھ خصوصی محبت کرتے تھے۔ آپؒ کو اللہ تعالیٰ
نے علم ظاہر اور علم باطن سے نواز رکھا تھا۔ خدا کی محبت اور عشق میں سرشار تھے۔ آپؒ اپنے شیخ
کی محبت میں اشک بار رہتے تھے۔ اور حضرت سید پوریؒ کے صاحبزادہ گان کی قدر اور ان سے

مبت کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ حضرت سید پوریؒ کی طرف سے طریقت کی نعمت حاصل ہوئی ہے اس لئے ان کے صاحبزادہ پیر عبدالحی صاحب مدظلہؒ گیر وال والوں سے دلی انس و
 محبت تھی اور ملاقات کے لئے گیر وال خود جایا کرتے تھے۔ آپؒ اپنے طریقت کے ساتھیوں
 میں تصوف و سلوک کی باریکیاں بیان کر کے ان کے عشق و محبت سے جذبہ کو اجاگر کرتے رہتے
 تھے۔ آپؒ کی وفات شنکیاری میں ہوئی مگر ایک بے پناہ ہجوم کے ذریعے جنازہ شنکیاری سے
 ڈھوڑیاں تک پیدل کندھوں پہ اٹھا کر لایا گیا اور ہر آدمی اس بات کو فخر جانتا تھا کہ اپنے لئے
 سعادت خیال کرتا تھا اور ایک آدمی کو بمشکل ایک منٹ کندھا لگانا نصیب ہوتا تھا۔ لوگ پر
 والوں کی طرح جنازہ کے ساتھ روتے اور دوڑتے چلے جا رہے تھے اور جنازہ کو دیکھنے کی غرض
 سے ہر آدمی بے چین تھا۔ آپؒ کے جنازہ پر نور برس رہا تھا۔ چہرہ کفن سے زیادہ سفید نظر آ رہا
 تھا۔ پیر عبدالحی مدظلہؒ کو نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ احقر کو بھی دیدن کی
 سعادت مل گئی تھی۔ اور پھر کھلی جگہ جنازہ کر کے آپؒ کو اپنی زمین میں ہزارہ یونیورسٹی (سابقہ
 منغل ہسپتال) اور گیر وال کے مابین سڑک کے کنارے زیارت والے موڑ کے قریب دفن کیا
 گیا۔ اور عقیدت مندوں نے آپؒ کے مزار کے قریب ایک مسجد اور مدرسہ تعمیر کر دیا ہے اور قبر کو
 بھی چار دیواری کے اندر بنایا گیا ہے۔ بہر حال یہ فیصلہ آپؒ کے حکم اور دلی خواہش پر نہیں ہوا
 بلکہ مریدین نے اپنی جانب سے یہ فیصلہ بعد الوفا خود کیا ہے۔ آپؒ کے مریدین بہت زیادہ
 تھے۔ اکثر مریدین ہری پور علاقہ میں اور کالونی نزد ہری پور کی جانب موجود ہیں۔ آپؒ موحّد
 اور دیوبند مسلک تھے۔ شریعت و سنت نبویؐ کی پابندی خود بھی کرتے اور اپنے عقیدت مندوں
 کو بھی ہدایت فرماتے تھے۔ اپنے آپؒ کو کامل تصور نہ کرتے تھے بلکہ مبتدی کے درجہ میں تصور
 کرتے تھے۔ احقر کے ساتھ ان کی بہت محبت تھی۔ احقر ان کی ملاقات کو گاہے گاہے شنکیاری
 جایا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو عام فرمائے اور ان کے عقیدت مندوں کو بھی ان کے نقش
 قدم پر چلنے کی توفیق بخشے آمین یا رب العالمین۔

مولانا حاجی رحیم اللہ صاحب، بٹلوی خلیفہ مجاز حضرت نانکا بابا

حضرت مولانا حاجی رحیم اللہ بٹلوی عرف ترکنال استاد شنکیاری سے 5 کلومیٹر دور ڈاڈر روڈ گاؤں ترکنال کے رہنے والے تھے۔ بہت عرصہ ترکنال میں گزارا اور بعد میں بٹل منتقل ہو گئے اور مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ آپ خاندان قریش کے چشم و چراغ تھے۔ اور عالم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آبائی جائیداد فروخت کر کے دین کی محنت اور خدمت کے لئے جان فارغ کر دی تھی۔ نرم مزاج عاجزانہ طبیعت کے مالک اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک

کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ
دنیا میں ایسی زندگی بسر کر جیسا کہ تو غریب اور مسافر دکھائی دے۔

آپ اس مفہوم کے مصداق تھے۔ درویشی لباس میں ملبوس نہ تھے بلکہ عام لباس زیب تن فرماتے تھے۔ اور سنت نبویؐ کی پیروی کرنے میں زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ اٹھنے بیٹھنے کھانے اور پینے میں نیز سونے اور جاگنے میں بلکہ دنیا کے ہر شعبے میں سنت نبویؐ کی ادائیگی میں سخت کوشاں رہتے تھے۔ سادہ کھانا کھاتے تھے۔ اور مہمان کے لئے بھی گھر میں جوتیار ہوتا حاضر خدمت کر دیتے تھے۔

آپ سفر و حضر میں دین کی محبت و تبلیغ کا مشغلہ رکھتے تھے۔ سال میں 1/4 حصہ گھر اور باقی تمام حصہ سفر میں گزرتا تھا۔ اور دین کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ اور رمضان کا پورا مہینہ گھر گزارتے تھے۔ تاکہ رمضان میں تراویح اور قرآن پاک کا ختم ضائع نہ ہو جائے۔ رمضان کے بعد فوراً تبلیغی دورے پر نکل جاتے تھے۔ آپؐ نے قلوب المؤمنین کو خدا کے ذکر سے خوب گرمایا ہوا تھا۔ اگر کسی شخص کو ذکر سے غافل یا سستی کرتے دیکھتے تو اس کو چند و نصائح کے ساتھ تیار کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چلتی پھرتی خانقاہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ طریقت کے ساتھیوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ہر علاقے کے لئے پروگرام مرتب کر کے جایا کرتے تھے۔

اور اُن کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ طریقت کے فضائل بیان کر کے دلی رجحان اور شوق کو اجاگر فرماتے تھے۔ شرک اور بدعات کا قلع قمع کرنے والے تھے۔ بہت سے لوگ آپؐ سے بیعت ہو کر بدعات و رسومات سے باز آ گئے تھے۔ اور تو حید پرست ہو گئے تھے۔ آپؐ نہایت ہی پار ساتھ اور نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتے تھے۔ اگر کسی کو نماز تہجد اور اوراد وظائف کا عادی دیکھتے تو اس کی بہت تعریف کرتے بلکہ مجلس میں وعظ و تقریر کے دوران اُس کی مثال دے کر باقی ساتھیوں کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کرتے۔

آپؐ جاو و جلال اور ذخیرہ اندوزی کے قائل نہ تھے۔ فوت ہونے سے چند لمحے پہلے آپؐ نے اعتکاف والے ساتھیوں سے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ مالدار اور زمیندار نہیں در نہ مجھے دین کے لئے اتنا وقت کہاں ملتا اور یہ بھی فرمایا کہ نزع کے وقت آدمی کے پاس نیک اور خدا رسیدہ انسان ہونے چاہئیں۔ غافل اور بے نماز آدمی نہ ہوں اگر اس کی حقیقی والدہ بھی غافل اور بے نماز ہوگی تو اس کا اثر بھی نزع میں مرنے والے پر ضرور پڑے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ آدمی کو ہر وقت با وضو رہنا ضروری ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ طریقت کے ساتھی کو طریقت میں ہی خوب محنت کرنی چاہیے۔ اور طریقت کے احباب سے میل جول رکھنا ضروری ہے۔ نیز غافل اور سست بے دین انسانوں سے زیادہ میل جول نہ رکھے تاکہ اُس کی مجلس سے آدمی پر برا اثر نہ پڑے۔ کیونکہ غافل اور دیندار انسان غیض و غصب کی آگ سے لپٹا رہتا ہے۔ اور اس کے اندر سے خواہشات نفسانی کا دھواں ہر وقت نکلتا رہتا ہے۔ اور اس کا لباس تقویٰ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی آگ سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ اور ایسے انسان کی مجلس متقی و پرہیزگار انسان کو متاثر کرتی ہے۔ اور دین کی محنت و محبت میں سستی اور بے ذوقی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح ایک بالٹی کے اندر صاف و شفاف پانی میں مٹی کا ڈھیلہ پھینکنے سے بالٹی کا پانی گدلا اور میلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نیک اور پارسا انسان کی باطنی کیفیت میلی اور گدلی ہو جاتی ہے۔ اور انسان غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں آپؐ کی بیعت:

ابتداء میں آپؐ کسی سے بیعت نہ تھے مگر صوم و صلوة کے پابند اور دینی مسائل سے پوری طرح سے واقف تھے۔ اور مولانا محمد یوسف المعروف گچی اُستاد سے آپؐ کی رفاقت تھی۔ اور وہ ان دنوں ترکنال کے سامنے والے گاؤں کلہگاہ میں رہائش پذیر تھے۔ اس لئے ان کا آپس میں میل جول قائم تھا۔ مولانا محمد یوسفؒ کی دلی خواہش تھی کہ حاجی رحیم اللہ صاحبؒ کو بھی طریقت کی دولت نصیب ہو جائے۔ اگرچہ وہ خود بھی حضرت سید پوریؒ کی طرف سے خلیفہ مجاز تھے۔ اور حاجی صاحب کو بیعت فرما کر ان کے ساتھ محنت کر سکتے تھے مگر بوجہ دوستی اور ہم عمر ہونے کے خود بیعت کرنے کی سعی نہیں کی کیونکہ فیض کے لئے عقیدت و ادب بھی نہایت ضروری ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے پاس حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ اکثر آیا کرتے تھے۔ مولانا محمد یوسفؒ نے خیال کیا کہ حضرت سید پوریؒ اور عبدالسارؒ دنیا سے چل بے اور فی الحال حضرت نانگا باباؒ ہی موجود ہیں اور حاجی رحیم اللہ صاحبؒ کو ایسی جگہ بیعت کرایا جائے جہاں پر ان کا اعتقاد جم سکے ایسی ہستی نانگا باباؒ ہی ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت نانگا باباؒ کلہگاہ تشریف لائے ہوئے تھے مولانا محمد یوسفؒ صاحب باباؒ کو اپنے ہمراہ ندی کے کنارے لائے اور فرمایا حضرت آپؒ یہاں تشریف رکھیں میں جلدی سے ترکنال گاؤں سے اپنے ایک ساتھی کی ملاقات آپؒ سے کرانا چاہتا ہوں شاید وہ بھی بیعت کے لئے تیار ہو جائیں۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جلدی سے موضع ترکنال پہنچ کر حاجی رحیم اللہ صاحبؒ کو کسی بہانے حضرت نانگا باباؒ کے پاس لے آئے۔ جب حضرت نانگا باباؒ پر حاجی صاحبؒ کی نظر پڑی تو ان پر عقیدت بیٹھ گئی اور آپؒ ان سے بیعت ہو گئے۔ حضرت نانگا باباؒ نے بیعت فرما کر ان سے ہدایت فرمائی کہ جب کبھی وقت ملے سید پور بمقام پینہ ملاقات کے لئے آجانا مگر مولوی محمد یوسفؒ کی مجلس اور ان کی تربیت میں وقت گزارنا۔ چنانچہ حاجی صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی آپس میں محبت پہلے سے زیادہ ہو گئی اور ان کے ساتھ رہنے لگے اور ان سے

زہیت و توجہ حاصل کرنے لگے اور گاہے گاہے حضرت نانگا بابا سے بھی مجلس و ملاقات ہوتی رہی اور پانچ سال کے عرصہ کے بعد آپ کو بھی حضرت نانگا بابا نے باطنی استعداد دیکھ کر خلافت عنایت فرمادی۔ آپ کے بہت زیادہ عقیدت مند اور مریدین ہیں۔ خاص طور پر سیکٹری محمد خان صاحب بھدوالے آپ کے خلیفہ مجاز ہیں۔

آپ کی وفات پر حسرت:

آپ تیس رمضان المبارک ۳۹۹ھ بروز منگل گھر سے بغرض اعتکاف رخصت ہو کر بھل کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے۔ دو دن اعتکاف میں گزرے تھے۔ کہ صبح کی نماز پڑھ کر حسب معمول آپ نے تلاوت قرآن پاک فرمائی۔ پھر اشراق کی نماز ادا کی۔ بعد ازاں رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ واپس آ کر نیا وضو فرمایا اور شکرانہ وضو ادا کیا۔ پھر باقی اعتکاف کے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے۔ چند جملے پسند و نصائح حسب عادت فرمائے کہ اچانک درد محسوس ہوا پہلے بازو میں پھر چھاتی میں آ گیا۔ اور پھر درد نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ اسی درد کے ساتھ سات بجے صبح دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ علاقہ بھر میں آپ کی وفات کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ دوست احباب عقیدت مند اور علماء کرام پہنچ گئے۔ تین بجے نماز ظہر حضرت قبلہ گاہی جناب عبدالحی مدظلہ نے نماز جنازہ ادا کرائی۔ اور پھر سپرد خاک کر دیئے گئے۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ الَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کا مزار بھل میں ڈب والی مسجد کے سامنے قبرستان میں ہے۔

حضرت سیکریٹری محمد خان صاحب مدظلہ بھد خور دوالے

حضرت شمس الدین کے خلفاء در خلفاء میں درخشندہ شجر کاری کا ایک پودہ حضرت سیکریٹری محمد خان صاحب مدظلہ بھی ہیں۔ آپ بھد خور کے رہنے والے ہیں۔ آپ ابتداء میں یونین کونسل کے سیکریٹری منتخب ہو کر یونین کونسل بھل میں تعینات ہو گئے تھے۔ بھل میں مؤخر الذکر حاجی رحیم اللہ صاحب کی مجلس میں حاضر ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ سلسلہ عالیہ

نقشبندیہ میں حاجی رحیم اللہ صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ اور ان کی صحبت اور مجلس میں وقت گزار کر خدا تعالیٰ کے متلاشی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طلب و محبت میں لگا تار محنت و کوشش کرتے ہوئے ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول رہ کر تصوف و سلوک کی حقیقت و ماہیت سے آشنا ہو گئے۔ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کر کے بندہ گانِ خدا کی صحبت و مجلس میں شریک رہنے لگے۔ دنیاوی وضع قطع چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے دینی طرز و عمل اختیار کر لیا۔ اور شریعت و سنت نبویؐ کی پابندی کرتے ہوئے ریاضت و مجاہدہ میں مصروف عمل رہے اور اپنے شیخ کی طرح دینی محنت و تبلیغ میں متحرک رہتے ہیں۔ اور شیخ کی طرف سے خلافت کا منصب بھی آپ کے سپرد کیا گیا اور جس میں آپؒ نے کما حقہ اپنی کوشش اور محنت کو بروئے کار لایا مگر خود کو مبتدی تصور کرتے ہوئے محنت و کوشش کا دامن پکڑے رکھا۔ اور اپنے طریقت کے ساتھیوں کے ساتھ بہت اُنس و محبت رکھتے ہوئے ان کی مجلس میں رہنے کو اپنا فریضہ اور اپنے لئے باعثِ فخر تصور کرتے رہے۔ کیر وال والے حضرت پیر عبدالحی صاحب مدظلہ العالی کی بہت قدر منزلت کرتے ہیں اور ان کو دیکھ کر ان کی روح خوش ہو جاتی ہے۔ اور اپنے لئے فیض و ترقی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

احقر مؤلف کتاب ہذا کے ساتھ بھی خصوصی تعلق و محبت ہے۔ جس کا اندازہ کتاب ہذا میں تقریظ سے لگایا جاسکتا ہے۔ انوارِ ولایت شمسیہ کی ہر دو جلدوں میں آپؒ نے تقریظ لکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہوا ہے۔ اپنے شیخ حاجی رحیم اللہ صاحبؒ کی محبت میں سرشار رہتے ہیں۔ اور ان کے طرزِ عمل کو اپنایا ہوا ہے۔ آپؒ خود بھی شریعتِ مطہرہ کی پابندی کرتے ہیں۔ اور اپنے عقیدہ مندوں کو بھی اس کی پابندی کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپؒ نڈر اور حق گو ہیں۔ حق گوئی میں کسی کی پرواہ کئے بغیر معاملہ سرانجام دیتے ہیں۔ اور کسی چیز کی رو رعایت کئے بغیر اپنی رائے پیش کر دیتے ہیں۔ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ بے تکلف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپؒ کو تادمِ آخراہی حفاظت اور فضل میں رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

صوفی ہدایت اللہ

صوفی ہدایت اللہ درنبری درہ بھوگڑ منگ کے رہنے والے تھے۔ گوجر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور چھوٹی عمر میں ہی تحصیل علم دین کے لئے گھر سے نکل گئے تھے۔ اور مختلف مقامات پر تعلیم حاصل کی اور آخر میں مولانا عبدالرحمن خلیفہ مجاز حضرت سید پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا عبدالرحمن موصوف جو کہ احقر مولف کتاب ہذا کے والد محترم تھے ان دنوں کلہا گاہ پکھل میں پیش امام تھے اور ان کے پاس بیس پچیس طلباء بڑی کتابیں پڑھنے کے لئے جمع رہتے تھے۔ اور صوفی ہدایت اللہ بھی ان طلباء میں سے ایک تھے۔

ان دنوں حضرت سید پوریؒ دنیا سے روپوش ہو چکے تھے مگر حضرت نانگا باباؒ موجود تھے اور روحانیت کے تبلیغی دورے پر آئے ہوئے کلہا گاہ میں اپنے پیر بھائی مولانا عبدالرحمن کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور حضرت والد محترم سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان ہی دنوں میں حاجی رحیم اللہ صاحبؒ ٹل (المعروف ترکنال استاد) اور صوفی ہدایت اللہ جو کہ زیر تعلیم تھا حضرت نانگا باباؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔

صوفی ہدایت اللہ دینی تعلیم کے ساتھ تصوف و سلوک اور ذکر و فکر اور مراقبہ میں زیادہ وقت دیا کرتے تھے۔ اور بہت جلد ہی قدرت نے ان کو علوم و معارف سے نوازدیا۔ اللہ تعالیٰ نے صوفی ہدایت اللہ کی چشم بصیرت کو باطنی طور پر روشن و منور فرمادیا تھا۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کو انکی باطنی کیفیت سے آگاہ فرماتے اور عروج و نزول ہونے کی خبر دیتے رہتے تھے اور ان کو روحانی نفع اور نقصان سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ اس لئے لوگوں میں صوفی کے لفظ سے مشہور ہو کر صوفی ہدایت اللہ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ تمام عمر خدا کی یاد میں گزار دی اور آخر دم تک شادی نہیں کی۔

حاجی صاحب رحیم اللہ اور صوفی ہدایت اللہ دونوں کو حضرت نانگا باباؒ کی طرف سے خلافت حاصل ہو گئی حضرت صوفی ہدایت اللہ کے مریدین ٹل کنش علاقہ بکری اور بٹہ میرا میں

موجود ہیں۔ آپؐ کچھ عرصہ بل کے گاؤں کی مسجد میں قیام پذیر رہے اور مسجد کی خدمت پر مامور رہے۔ لیکن بعد میں نقل مکانی کر کے علاقہ ٹکری چلے گئے۔ کافی عرصہ ٹکری میں گزار کر آخر ہفہ کے قریب ہفہ میراوالی بستی میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں پر مریدین نے ان کی خوب خدمت کی اور کچھ عرصہ گزار کر بیمار پڑ گئے اور یہاں ہی دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ اِنْ لِلّٰہِ وَاِنَّ الَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپؐ مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۷۷ء بمطابق ۹ ربیع الثانی ۱۳۹۵ بروز منگل دار فانی سے کوچ فرما گئے آپؐ کا مزار بمقام ہفہ میرا متصل لمباہل نہر ٹکٹ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت برسائے آمین۔

حضرت مولانا عبدالوہاب صاحبؒ کو ہستان

حضرت مولانا عبدالوہاب صاحبؒ عوام الناس میں کوہستان مولا کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ علاقہ کوہستان سے نقل مکانی فرما کر کافی عرصہ سے گاؤں شنکیاری میں آباد تھے۔ مولانا عبدالوہاب یعنی کوہستان مولا حضرت خواجہ شمس الدین سید پورئی کے مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ جو کہ نہایت پرہیزگار متقی و پارسا انسان ہو گزرے ہیں۔ شریعت اور سنت نبویؐ کے پابند تھے۔ لباس درویشی میں ملبوس نہیں رہتے تھے بلکہ سادہ عام لباس میں رہتے تھے۔ اگرچہ آپؒ خلیفہ مجاز تھے مگر عوام الناس میں جنات نکالنے کی پھونک جھاڑ میں مشہور رہنے کی وجہ سے لوگوں نے آپؒ سے روحانی نسبت بہت کم قائم رکھی۔ کوئی آدمی آپؒ سے طریقت کی نسبت رکھتا تھا عام شہرت نہ تھی۔ وہی شخص آپؒ سے روحانی تعلق رکھتا تھا جس کو آپؒ کے بارے میں مجاز ہونے کی خبر تھی۔ ورنہ عام آدمی استاد جی کہہ کر پکارتے اور اپنے دنیاوی کام پھونک جھاڑ کا کام ان سے لیتے رہے۔ آخر عمر میں آپؒ بہت بیمار رہے۔ اور بیمار ہونے کی وجہ سے نہایت کمزور اور نحیف ہو گئے تھے۔ آخر کار اسی بیماری کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو گئے اور شنکیاری کے قبرستان (اڈہ کے قریب پرانی زیارت کے سامنے) میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم و کرم فرمائے اور درجات بلند فرمائے آمین۔

حضرت جمشید لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ اوگی ماسمہ (نزارہ)

حضرت جمشید لالہ جی علاقہ کوہستان کمبیلہ دبیر کے گرد و نواح میں کسی موضع کے رہنے والے تھے۔ 1945ء کے پس و پیش اپنے علاقہ سے کئی گھرانوں کے ساتھ نقل مکانی کر کے کلبگاہ نامی گاؤں جو کہ شنکیاری سے 5 میل ڈاڈر روڈ پر واقع ہے آکر آباد ہو گئے اور خوش قسمتی سے ان کو مکان حضرت مولانا عبدالرحمن خلیفہ مجاز حضرت شمس الدین سید پوریؒ کے متصل پڑوس میں ملا تھا جو کہ آج کل ختم ہو کر جائے سفید کی صورت میں موجود ہے اور مولانا عبدالرحمن موصوف مؤخر الذکر کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد یوسف احقر کے بڑے بھائی کے قبضہ و ملکیت میں ہے۔ حضرت جمشید لالہ جی اس مکان میں 1945 سے 1948ء تک رہے اور حضرت قبلہ والد محترم مولانا عبدالرحمنؒ اور محترم بھائی مولانا محمد یوسفؒ جو کہ ہر دو حضرت سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے ان کی صحبت و مجلس نصیب ہو گئی اور ان کی صحبت و مجلس کی برکت اور اثر سے طریقت کی نعت نصیب ہو گئی اور حضرت نور محمد المعروف نانگا باباؒ جو کہ والد محترم اور بھائی محترم کے پیر بھائی حضرت سید پوریؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے انہوں نے خود طریقت میں داخل کرنے کی بجائے حضرت نور محمد عرف نانگا باباؒ سے بیعت کرادیئے اور تربیت خود فرماتے رہے۔ اسی لئے جمشید لالہ جی احقر کی بہت قدر دانی کرتے تھے اور میرے والد محترم اور بھائی محترم کو اپنا پیشوا تصور کرتے ہوئے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جو شخص کسی کو طریقت کی ترغیب اور دلالت بھی کرے وہ شیخ کے جا بجا ہوتا ہے اور اُسی کی قدر و منزلت دلی طور پر ہونی ضروری ہے اس لئے کہ وہ بندہ کو خدا کے قریب کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

بوجہ طوالت پوری طرح حالات لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ حضرت جمشید لالہ جی مولانا محمد یوسف موصوف سے کچھ اس طرح مانوس تھے کہ جب بھائی محترم دُری کے قریب گاؤں گج میں بوجہ امامت مقرر ہو گئے تو حضرت جمشید لالہ جی بھی کلبگاہ سے

نقل مکانی کر کے گچ چلے گئے اور وہاں تین چار سال کا عرصہ گزارا پھر باہمی مشورہ سے ہٹل تشریف لے آئے اور یہاں تجارت شروع کر دی۔ آپؐ نے اپنے پیر بھائی حاجی رحیم اللہ اور فردوس لالہ جیؒ کے ساتھ مشترک تجارت کی اور کئی سال تک ہٹل رہے پھر اوگی میں جگہ خرید کر جمشید لالہ جیؒ اوگی تشریف لے آئے اور دو تین سال کے بعد حضرت فردوس لالہ جیؒ کو بھی اپنے پڑوس میں جگہ لے کر اوگی بلا لیا گیا۔ گویا اب جمشید لالہ جیؒ اور فردوس لالہ جیؒ اوگی کے سکونتی ہو گئے اور ہر دو کی قبریں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ فردوس لالہ جیؒ حضرت جمشید لالہ جیؒ کے قریبی رشتہ دار تھے اور ایک دوسرے کے بھائی پکارے جاتے تھے۔ اور دونوں حضرات حضرت نور محمد عرف نانگا باباؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ فردوس لالہ جیؒ کا تذکرہ آگے آئے گا۔ آپؐ یعنی جمشید لالہ جیؒ کلبگاہ کے زمانہ سے خلیفہ مجاز تھے مگر بیعت کرنے سے گریز کرتے تھے حتیٰ کہ اوگی کے زمانہ میں بیعت کی ابتداء کی جس کا تذکرہ آگے تحریر ہے۔ آپؐ خود کو چھپائے رکھتے تھے۔ مسکینی پسند کرتے اور گزراوقات پر گزارہ کرنے والے تھے۔ آپؐ کا کلام بہت مفید سادہ با اثر اور مدلل ہوتا تھا۔ باوجود عالم نہ ہونے کے ایسی گفتگو فرماتے کہ قرآن و سنت سے باہر نہ ہوتی تھی اور عالم حیران ہو جاتے تھے۔ اور اپنی بڑائی کی کوئی بات منہ سے نہ نکالتے تھے۔ اگر کوئی بیعت کے لئے آتا تو گیر وال کی جانب حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے فرزند ارجمند پیر عبدالحی مدظلہ العالی کی خدمت میں بھیج دیا کرتے یا کسی دوسرے خلیفہ کے پاس بھیج دیتے مگر جب ظاہر ہو گئے تو پھر بیعت فرما لیتے تھے۔ تناول اور کئنال کے علاقہ کے مریدین بعد میں جب آپؐ معروف ہو گئے بیعت فرمائے گئے۔ اور وہ بھی جو قصد آپؐ کی جانب متوجہ ہو کر بیعت ہونے کا اصرار کرتا اُسے بیعت فرماتے تھے۔

ہنس کھ اور خوش مزاج تھے۔ بظاہر سادگی کی بنا پر پیر معلوم نہ ہوتے تھے کیونکہ لباس درویشی میں ملبوس نہ تھے۔ مگر علم معرفت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہوا تھا۔ پیر کامل ہونے کا انکشاف اس طرح ہوا کہ ایک بار پولیس کے سپاہی کو کچھ نصیحت فرمائی اور وہ

سپاہی کسی دوسری نام نہاد گدی پر آیا جایا کرتا تھا۔ آپؐ کی نصیحت اس کے دل پر گہرا اثر کر گئی۔ اور آپؐ سے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ فلاں جگہ جا کر بیعت ہو جاؤ۔ مگر اس نے اصرار کیا کہ حضرت میں آپؐ سے ہی بیعت ہوں گا۔ دو تین دن ٹالتے رہے مگر وہ پولیس مین کسی دوسری طرف راغب نہ ہوا۔ بدستور آپؐ کا دامن پکڑے رہا۔ مجبور ہو کر اُسے مسجد میں لے گئے اور کہا میں پیر نہیں ہوں۔ مگر ایک وظیفہ آپؐ کو سکھادیتا ہوں جو مجھ کو میرے شیخ حضرت نانگا باباؒ نے سکھایا تھا۔ جب وظیفہ سکھ چکو گے تو تم میرے طریقہ کے ساتھی ہو جاؤ گے۔ یہ نہیں کہا کہ تم میرے مرید ہو جاؤ گے اور میں تمہارا پیر ہو جاؤں گا۔ آج کل تو نام نہاد پیر جو کہ حقیقت میں تصوف کی بے تہ کی خبر بھی نہیں رکھتے اعلیٰ ترین گدی نشین تصور ہوتے اور خود کو پیر کہلاتے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے اور حقیقت حال کی سمجھ عطا فرمائے۔ تاکہ نفس کو جان سکیں جب تک نفس کی شناخت نہیں ہو سکتی رب کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ سابقہ انبیائے کرام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا۔

أَعْرِفْ نَفْسَكَ تَعْرِفْ رَبَّكَ اپنے نفس کو پہچان تاکہ تو اپنے رب کو

پہچان لے (از کیمائے سعادت ص ۴۵)

جب انسان نفس کی پہچان کرے گا تو سارے جھگڑے قصے ختم۔ نہ خود کو گدی نشین تصور کرے گا اور نہ مریدین کی قطاروں پر فخر ہوگا بلکہ خود کو نامکمل اور تشنہ ہی تصور کرے گا۔ اور طلب مولا میں بے چین نظر آئے گا۔ اور حقیقی پیر کی علامت ہی یہی ہے۔ حضرت جشید اللہؒ جی اسی صفت کے مالک تھے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ بیعت ہونے والے سپاہی مجھے شیخ اور پیر کہہ کر نہ پکارنا بلکہ میں تمہارے ساتھ طریقہ کا رشتہ و تعلق رکھتا ہوں اور میں طریقہ کے ساتھی ہوں۔ حضرت سید پوریؒ بھی اپنے عقیدت مندوں کو مریدین نہ کہتے تھے بلکہ طریقہ کے ساتھی کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔ جو اس حقیقی لائن یعنی طریقہ کے حقیقی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے خود کو خدا جانے کیا کیا سمجھتا اور تصور کرتا ہے اور اپنے مریدوں میں خود کو شیر اور مریدین کو

مکین کے مقام پر رکھا ہوا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ اس کی مجلس و محفل میں موجود مریدین کا اس کے سامنے بات کرنا گستاخی کے مترادف ہوتا ہے۔ اور مارے ڈر کے اس سے کوئی بات بھی پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اور اس میں بھی ایک خاص بھید ہے۔ کہ کوئی مرید رموز و اسرار اور تصوف کی باریکیاں پوچھ نہیں سکے گا۔ کھلی آزادی میں اگر کوئی پوچھ لے تو حضرت کے پاس جواب نہ ہوگا اور بقول حضرت جمشید لالہ جی کہ جاؤ آج چھٹی ہے اسی پر اکتفاء ہوگا۔ میری ملاقات کسی پیر کے مرید اور عقیدت مند سے ہوئی طریقت پر گفتگو ہوئی میں نے کہا کہ اپنے شیخ سے اس بات پر تبصرہ کرنا اُس نے کہا کہ حضرت ہم تو اپنے شیخ کی محفل میں بات کرتا تو درکنار کوئی ذاتی مسئلہ پوچھنے کی جرأت و ہمت نہیں رکھتے رعب طاری رہتا ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں صحابہ کرام کوئی بات نہیں کر سکتے تھے اور اُن سے کوئی بات دریافت کرنے کی جرأت نہ رکھتے تھے ایسا ہرگز نہیں تھا۔ شیخ مرید کا روحانی باپ ہوتا ہے جو کہ اُس کی روحانیت کی پرورش کرتا ہے۔ خوف و ادب اپنے مقام پر مگر شیخ اور مرید میں گفتگو و باطل پر روحانیت کے لطیف مسائل پر اور دیگر امور پر ہونی لازمی امر ہے اور آداب کے دائرہ میں گفتگو ہونی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لئے شیخ کو مریدین کے ساتھ مسکراہٹ سے ربط و تعلق رکھنا مفید ہے۔ مگر خود کو دل ہی دل میں نامکمل تصور کرنا اشد ضروری امر ہے اور شیخ کے لئے مفید تر ہے۔ جمشید لالہ جی کے بارے میں بیان کر رہا تھا کہ انہوں نے جب پولیس مین کو بیعت کر کے نصیحت فرمائی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میرا حال کسی کے سامنے ذکر نہ کرنا۔ جب پولیس مین آپ سے بیعت ہوا تو چند دن کے اندر اندر انقلاب آ گیا۔ اور شریعت مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا پابند ہو کر طلب خدا میں مضطرب رہنے لگا۔ وضع قطع اور شکل و صورت اور چال و گفتگو میں دینی اثر نمایاں نظر آنے لگا۔ اُس کے افسر تھانیدار نے اُس کی بدلی ہوئی کیفیت کو دیکھا تو اس تھانیدار کی قسمت بھی بیدار ہو گئی اور سپاہی سے کھوج لگانی شروع کر دی آخر سپاہی ماتحت تھا اپنے افسر کے اصرار کے آگے بے بس ہو کر پورا قصہ سنا دیا اور لالہ جی کا

اظہار کر دیا۔

سپاہی کی طرح تھانیدار نے بھی حضرت لالہ جی کو بیعت کے لئے مجبور کیا اور لالہ جی نے آخر تھانیدار کو بھی بیعت فرما دیا اس تھانیدار کا نام گل عادت تھا۔ چند دنوں بعد وہ تھانیدار گل عادت بھی سپاہی کی طرح زندگی بدل کر اسلامی طریق پر پابند ہو گیا۔ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کرنے میں پیش پیش رہتا تھا۔ اس تھانیدار کے پانچوں لطائف زندہ ہو کر ذکر الہی میں متحرک ہو گئے تھے۔ اور شب و روز ذکر دائمی میں محو رہنے لگا۔ اور فارغ اوقات میں حضرت جمشید لالہ جی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی مجلس میں تربیت حاصل کرنے لگا۔ اور کیف و سرور میں ہر وقت ڈوبا ہوا عاجزی و مسکینی میں رہنے کا خوگر بن گیا۔ حرام اور حلال میں تمیز کرنے والا اور مشتبہ غذا سے بھی اجتناب کرنے لگا۔

جس گاؤں میں کسی ضروری مسئلہ کے لئے اپنے شاف کے ساتھ گشت پر جاتا تو اپنے ہمراہ اپنا ذاتی راشن خورد و نوش لے جاتا اور کھانے کے وقت اپنا ہی کھانا کھایا کرتا گاؤں والوں کی دعوت و طعام خود نہ کھاتا اور سپاہیوں کو سادہ غذا پکا کر کھلانے کی ہدایت کرتا تھا۔ اور اپنے راشن کی روٹی پکوا کر ساگ لسی منگوا کر اپنی روٹی کھاتا اُس میں بھی ساگ لسی کی تحقیق کر کے کھایا کرتا تھا تا کہ حرام طریق پر مہیا نہ کی گئی ہو۔

تھانیدار گل عادت کی اہلیہ اُسے تنگ کرنے لگی کہ بیعت ہو کر کیا فائدہ حاصل کیا، تھانیدار صاحب کا خیال تھا کہ میری اہلیہ بھی بیعت ہو جائے تاکہ اس پر بھی طریقت کی حقیقت کھل جائے۔ تھانیدار جمشید لالہ جی کی خدمت میں عرض کرنے لگا۔ حضرت میری بیوی کو بھی بیعت فرمادیں۔ جمشید لالہ جی اُس کی بات کو نال کر فرمایا جاؤ اپنی بیوی کو خود ہی بیعت کرو۔ تھانیدار صاحب کا یقین پختہ تھا گھر آ کر بیوی سے کہا آؤ تم کو بھی میں خود بیعت کر دوں۔ جب بیوی با وضو ہو کر خاوند کے سامنے بیعت ہونے کے لئے بیٹھی اور خاوند نے باذن جمشید لالہ جی اُس کو بیعت فرمایا تو اُسی وقت بیوی کے لطائف خمسہ یعنی پانچوں لطیفے قلب روح سرھ

احفاء ذکر سے متحرک ہو کر زندہ ہو گئے۔ تھانیدار نے یہ واقعہ آ کر اپنے شیخ لالہ جی کو سنایا تو لالہ جی حیران ہو کر اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور سلسلہ کی برکات کے معترف ہوئے کیونکہ انہوں نے یونہی کہہ دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بھی حقیقت میں قبول فرمالیا۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کہ دینے پائے تو اس طرح بھی اپنے فضلوں سے لطائف زندہ کر دے اور اگر مشیت نہ ہو تو کوئی عمر بھر مجاہدہ کرے دل بھی زندہ نہ ہو سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت ہے اور طالب مولا کے اندرونی کیفیت پر مبنی ہے۔ یہاں ایک نکتہ نکلتا ہے کہ بعض مشائخ اپنے ناقص یعنی مبتدی مریدین کو جنہوں نے منازل سلوک پورے طے نہیں کئے ہوتے اور سیر ختم نہیں کی ہوتی بعض کو ان میں سے مناسب حالات کے پیش نظر بیعت کرنے کی یعنی ذکر بتلانے کی اجازت فرمادیتے ہیں۔ اور ان سے بھی مریدین کو آگے فیض پہنچنے لگتا ہے۔ یہ شیخ کی اجازت کی برکت ہی ہوتی ہے۔ صاحب مجاز کا کمال نہیں ہوتا۔ پس ایسی صورت میں جس کو اس قسم کی اجازت دی گئی ہے خود کو کامل مقتدا تصور نہ کرے۔ اگر اپنے آپ کو پیر و مقتدا، گدی نشین ہونے کا اہل تصور کرے گا تو اہلس کے پنچے میں بھنس کر رمی پیر بن جائے گا۔ اور فیضانِ الہی سے محروم رہے گا۔ خدا کے ہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی۔ اس لئے خود کو محتاط رکھا جائے۔ اور شیخ کو بھی خوب پرکھ کرنے کے بعد اجازت دینی چاہیے ایسا نہ ہو کہ ایسے شخص کو مقتدا بنایا جائے جس کا نفس سرکش اور جاہ و مال کا دلدادہ ہو اور فہم و فراست کمزور ہو تو پھر نتیجہ غلط برآمد ہوگا۔ اور ایسے تجربات اکثر بوزرے ہیں کہ شیخ نے اجازت دی ہے اور شیخ کی موجودگی میں محتاط اور شیخ کے بعد خود پرستی اور من مانی رویہ اختیار کر کے شرک و بدعت کے سر پرست ہو کر داعی ہونے کے دعوے دار بن بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ حقیقت کی سمجھ عنایت کرے اور شیخ کے طرز و عمل اپنانے کی توفیق نصیب کرے۔ اور شیخ کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھنا نصیب کرے آمین!

حالات جمشید کا ایک منظر:

حضرت جمشید لالہ جی کا بگاہ کے زمانے میں میرے والد محترم مولانا عبدالرحمن کے

باہر قرآن کے شاگرد اور مقتدی بھی تھے اس لئے احقر کو صاحب الحق یعنی استاذ زادہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اور احقر کے ساتھ محبت تھی۔ ایک دفعہ احقر مولف کتاب ہذا اوگی میں اُن کی ملاقات کو گیارہ رات کو بیٹھک میں حلقہ ذکر میں بیٹھے ہم دونوں ہی تھے۔ لالہ جی نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا صاحب الحق صاحب میری جانب ذرا فکر کر کے دیکھیں کہ میرے حال کو کیا نقصان ہے۔ میں نے جواب دیا کہ لالہ جی صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں آپ کے سامنے میری حیثیت ایک مدہم چنگاری کی سی ہے اور آپ ایک بہت زیادہ روشن آگ کے مانند ہیں چنگاری کی کیا حیثیت ہے کہ روشن آگ کو اپنے اثر سے روشناس کرنے میں اپنی قوت و دخل دے سکے۔ یہ آپ کس نفسی سے کام لے رہے ہیں۔ مگر جشید لالہ جی نے فرمایا کہ صاحب الحق صاحب میں مزاق نہیں کرتا بلکہ دلی طور حقیقت حال بیان کر رہا ہوں آپ اس کو حقیقت تصور کریں۔ یہی تھی حضرت لالہ جی کی کس نفسی اور گمانی کہ خود کو بیچ ہی تصور کرتے تھے۔

ایک بار ہم دونوں بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے آپ نے ریاض حسین کننا لوی کا ذکر فرمایا میں نے کہا لالہ جی صاحب وہ تو بچ بانا کی جامع مسجد میں بریلوی حضرات کے خطیب ہیں پھر آپ سے کیسے تعلق ہے جبکہ آپ دیوبند مسلک پر ہیں مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ اُن کا عقیدہ بھی دیوبند مسلک پر ہی ہے صرف وہ بریلوی حضرات کو راہ راست پر لانے کے لئے محنت و کوشش کرنے کے لئے اُن کی مسجد میں امام ہیں۔ ریاض حسین نے مجھے باور کرایا ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت دیوبند مسلک سے محبت رکھنے والے ہیں۔ اُس وقت ریاض حسین اوگی میں بہت آتے جاتے تھے۔ اور انہوں نے ایک رسالہ جشید یہ بھی لکھا تھا۔ سنا بل نور بعد کی تصنیف ہے۔

ایک دفعہ حاجی رحیم اللہ بٹلوی جو کہ لالہ جی کے پیر بھائی اور حضرت نانگا بابا کے خلیفہ بھارت تھے۔ اپنے کسی مرید کو حضرت لالہ جی کی خدمت میں لائے۔ اور فرمایا کہ ان کے حال و حقیقت میں نقصان یعنی شدت کا قبض ہے۔ آپ ان کے ساتھ فکر یعنی توجہ خاص فرمادیں۔

حضرت لالہ جی اندر گھر گئے اور اپنی اہلیہ جو کہ کشف معنوی سے واقفیت رکھتی تھیں۔ اُن سے لالہ جی نے فرمایا کہ ذرا اس شخص کی جانب فکر کر کے دیکھیں کہ اس کے حال کو کیا نقصان ہے۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نے فکر کیا تو فرمایا کہ اس نے کسی مرنے والے گھر میں کھانا بھی کھایا ہے اور اس میت کے سوگ میں رویا بھی ہے۔ حضرت لالہ جی نے فرمایا کہ جب میں اس کی جانب فکر کروں گا تو تم بھی مہمان خانے کے قریب کھڑکی میں بیٹھ کر فکر کرنا اور جب اس کا حال عروج ہو جائے اُٹھ کر چلی جانا۔ حضرت لالہ جی نے آکر حاجی رحیم اللہ صاحب کو فرمایا کہ آپ کے مرید نے کسی میت والے کے گھر کھانا کھایا ہے اور رویا بھی ہے اس وجہ سے حال کو نقصان ہو گیا ہے۔ جب فکر کیا تو حال ٹھیک ہو گیا اور مولوی صاحب جو حاجی صاحب کے مرید تھے انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی میں نے میت والے گھر کھانا بھی کھایا ہے اور رویا بھی ہوں کیونکہ مرنے والی میری ساس تھی اس لئے رویا تھا۔ حاجی صاحب نے لالہ جی سے فرمایا کہ تم کہتے تھے کہ مجھے کشف نہیں ہے تو پھر اس قدر لطیف خبر کیسے دے دی آپ نے فرمایا میں نے ٹھیک کہا ہے یہ بات میں نے اپنی اہلیہ سے معلوم کی تھی جس کو کشف معنوی ہے۔

حضرت نانگا بابا سے کسی دوست نے شکایت کی کہ جشید لالہ جی شوم ہے حضرت نانگا بابا نے فرمایا کیسے۔ اُس دوست نے کہا یہ لوگوں کو بیعت نہیں کرتا۔ اگر یہ لوگوں کو بیعت کرے تو بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔ حضرت نانگا بابا نے فرمایا کہ شوم نہیں خُم ہے (خُم کوزہ نما بہت بڑا برتن ہوتا ہے جس میں تین چار گھڑے پانی سماتا ہے) اور تم لوگ کوزہ کی طرح ہو اس میں اسی قدر گنجائش ہے کہ ہر چیز اپنے اندر محفوظ کر کے سمیٹ لیتا ہے یعنی اس کا ظرف قوی ہے نورانیت کو اپنے اندر محفوظ کئے ہوئے ہے۔ کسی دوسرے کو اس کی خبر لگنے نہیں دیتا اور تم کوزہ کی مانند ہو کہ تھوڑا سا پانی ڈالا بھر گیا اور باہر نکلنے لگا اور باہر نکلتے ہوئے پانی کو ہر آنکھ دیکھتی ہے۔ حضرت نانگا بابا کا مطلب یہ تھا کہ تم کو تھوڑی سی کیفیت حاصل ہو جائے تو خود کو کامل تصور کرنے لگتے ہو اور دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کس وقت حضرت خلافت سے نوازیں کہ ہم دوسروں

کو بیعت کر دیں۔ مگر یہ ہے کہ اس کا ظرف قوی ہے سب کچھ وصول ہونے کے باوجود نیز خلافت کی اجازت ملنے کے باوجود بھی خود پر ادھورا ہونے کا گمان رکھتا ہے اور بیعت کرنے کا قصد نہیں رکھتا۔ یہی کمالیت کا درجہ ہے۔ کامل پیر دریا کے دریا بھی پی لے پھر بھی پیاسا ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ لالہ جی کی اہلیہ صاحبہ بیمار تھیں ان کو لالہ جی حکیم کی دکان پر دوائی لینے کے لئے لے گئے۔ حکیم کی دکان کے سامنے ایک مکان میں لوگوں کا ہجوم اور زور کا شور و غل تھا۔ آپ نے اپنی اہلیہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ یہ کیسا شور ہے۔ اہلیہ نے فکر کر کے بتایا کہ ایک دھوکہ باز پیر لوگوں کو اپنا کرشمہ دکھا رہا ہے۔ مکان کی چھت میں ایک سوراخ ہے۔ یہ کچھ منتر پڑھتا ہے سوراخ سے ایک تختی نمودار ہوتی ہے اس پر کچھ حالات غیبیہ لکھے ہوئے آتے ہیں وہ ان حالات کو مردوں اور عورتوں کو بتاتا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ ہو کو فکر کریں تاکہ میری حقیقت آپ کی حقیقت کے ساتھ مل کر اس جگہ تک جاسکے مائی صاحبہ نے کہا کہ میں پہلے سے بیمار ہوں مزید روحانی بیماری لاحق ہو جائے گی آپ نے فرمایا غم و فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ فکر کر لوں گا تب مائی صاحبہ نے مل کر فکر کیا جب آپ کی حقیقت مکان کی چھت میں اس سوراخ تک پہنچی تو آپ نے جھٹ سوراخ بند کر دیا۔

اب وہ شخص کافی کوشش کر رہا تھا مگر تختی نہیں آ رہی تھی۔ وہ حیران ہو گیا اور اصل وجہ معلوم نہ ہو سکی تب لوگوں سے کہنے لگا کہ جاؤ آج چھٹی ہے۔ یہ بات جب لالہ جی نے بتائی کہ دھوکہ باز کو جب نورانیت نے گھیر لیا اور ظلمت کا بس نہ چل سکا تو اس نے اپنی جان لوگوں سے پرکھ کر چھڑوائی کہ ”جاؤ آج چھٹی ہے“۔

ایک دفعہ ایک جگہ نقلی پیر لوگوں کو اپنے کرتب اس طرح دکھاتا کہ جب وہ کچھ پڑھ کر ہجومک مارتا تو چائے کا کپ یعنی پیالے جنبش میں ہو کر رقص کرنے لگتے۔ لالہ جی کو پتہ چلا تو وہ بھی اسی جگہ پہنچ گئے۔ اور نقلی پیر کو کہا کہ کپ نچا کر دکھاؤ۔ جب کپ ناچنے لگا تو لالہ جی نے

تیسرا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا اور شیطان کلمہ تمجید کی برکت سے بھاگ گیا اور کپ نے ناچنا بند کر دیا اس شخص نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

ایک دفعہ لالہ جی کسی مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ذکر و فکر میں محو تھے۔ اسی مسجد کے دوسرے کونے میں ایک نقلی پیر جس کو کشفِ صوری تھا بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک نقلی پیر کا کشف دور ہو گیا اور وہ خالی ہو گیا۔ وہ فوراً آپ کے قریب آ کر کہنے لگا کہ تم نے میری بزرگی چھین لی ہے۔ آپ نے مسکرا کر کہا ارے بزرگی تو خدا کے فضل کا نام ہے اور خدا کا فضل بھی کوئی چھین سکتا ہے۔

حضرت جمشید لالہ جی نے فرمایا کہ جب مجھ پر سکر و حیرت کا مقام ظاہر ہوا تو میں اپنی ہوش کھو بیٹھا۔ اور ناگنا بابا کی تلاش میں نکل گیا وہ مجھ کو مل گئے۔ وہ کسی طرف جا رہے تھے میں بھی ساتھ ہو گیا اور کئی ساتھی بھی ہمراہ تھے۔ میں کبھی اُن کے آگے آگے چلتا اور کبھی پیچھے ہو جاتا اور دل میں خواہش گزرتی کہ ان کو مار دوں۔ اور ان کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرتا ہوا چلا جاتا تھا۔ آپ نے یعنی بابا نے فرمایا کہ ”کے کرنے لگیں لو نیاں“ بند کو میں کہا اے دیوانے کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ اور انہوں نے میری طرف توجہ خاص فرمائی۔ مجھے ہوش آ گیا۔ اور میں نے بے ہوشی کا سارا حال اُن کو سنایا۔ آگے جا کر ایک پہاڑی درے میں سب ساتھ بیٹھ گئے اور میں رو رہا تھا۔ میرے ساتھ سب ساتھی رو رہے تھے۔ حضرت بابا نے فرمایا کہ سب اس دیوانے کے لئے دعا کرو۔ اور حضرت بھی دعا فرما رہے تھے۔ دعا کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مولوی حضرات فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ پر لکھا ہوا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھایا ہے کہ دعا کی وجہ سے پہلا نوشتہ مٹ کر نیا لکھا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں اس دیوانے کے بارے میں کہہ رہا تھا کہ دعا کے بعد سابقہ نوشتہ مٹ کر نیا نوشتہ ظاہر ہوا ہے۔ (یہ ٹھیک ہے لَا یُرَدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَا - ترجمہ تقدیر نہیں بدلتی مگر دعا کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ اور جو تقدیر بدلتی ہے) تقدیر معلق ہوتی ہے۔ تقدیر مبرم مطلق ہرگز نہیں بدل سکتی تقدیر مبرم مطلق کے بارے میں ملے

شدہ فیصلہ ہے اور فرمانِ ربی ہے۔

لا مبدل لکلمات اللہ اللہ تعالیٰ کی لکھت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

اس ضمن میں اسی کتاب میں کسی مقام پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ (اور جمشید لالہ جی کے بارے میں بھی تقدیر معلق ہوگی جو دعا کی وجہ سے تبدیل ہوتی نظر آئی۔ جس کے بارے میں حضرت نانگا بابا نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت جمشید لالہ جی اپنے طریقت کے بھائیوں کو فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھیو! ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا کرو۔ اور کسی حال میں اُس سے روگردانی نہ کرو۔ اگر عروج نصیب ہے یعنی حال اوپر آسمان کی جانب رخ پذیر ہے تب بھی شکریہ کے طور پر اُس کی جانب متوجہ رہو اور اگر خدا نخواستہ کسی بد عملی یا بدعتی کی وجہ سے حال کو نقصان ہو کر نزول کرنے لگے تب بھی مایوس ہو کر خدا کی یاد نہ چھوڑو بلکہ عروج کی نسبت نزول میں زیادہ خدا کی جانب رہا کرو۔ تاکہ تم پر خدا راضی ہو کر رحم فرمائے اور ان کلمات اور جملوں کو اپنی سادہ زبان ہندکو میں یوں بیان کیا کرتے تھے۔

سگلیو! "جے حال اُختاں جلدے فر خدا کو نہ چھوڑو! جے حال تلالاں جلدے فر خدا کو نہ چھوڑو" یعنی حال عروج میں ہوتا ہے پھر خدا کی یاد نہ رہے اور اگر حال نزول میں ہو پھر خدا کی یاد نہ رہے بلکہ ہر حال اور ہر حالت میں اُس کی یاد سے غفلت نہ ہونے پائے۔

جب آپؐ کی اہلیہ دنیا سے رخصت فرما گئیں تو اُن کا مرید گل عادت تھا نیدار جو کہ فنا فی الشیخ کا درجہ رکھتا تھا۔ نہایت خلوص اور قربانی دینے کے عالم میں درخواست کرنے لگا۔ کہ حضرت اگر آپؐ میری بات پر اتفاق کریں اور پسند فرمادیں تو میری ایک بیٹی جو ان ہے۔ اور آپؐ کی اہلیہ فوت ہو گئی ہے میں اپنی بیٹی کو آپؐ کے نکاح میں دے دوں۔ آپؐ نے اُس کی اس ٹٹل کس کو قبول نہ فرمایا اور اپنی جگہ پر باقی ساتھیوں کو فرمایا کہ گل عادت اس وقت محبت میں

سرشار ہے اگر میں اس کی بات تسلیم کر لوں گا تو کل اس کی برادری اس کو طعنہ دے گی کہ تم نے کیا کیا کہ جو ان بچی اپنے ادھیڑ عمر کے پیر کے حوالے کر دی۔ اور پھر یہ پریشان ہوگا محبت و یقین کمزور ہو جائے گا اور خدا کی یاد و محبت سے رہ جائے گا ہم تو اس کو خدا کی جانب بلانے والے ہیں اور اس کا یقین اور محبت تیز کرنے کے خواہش مند ہیں نہ کہ اپنی طرف بلا کر اس کو خدا کی یاد اور محبت سے دور کر دیا جائے اس لئے میں نے اس کی پیش کش کو تسلیم نہ کیا۔ اور دوسری جگہ سے شادی کر دی۔

آپ کا عقائدی اور نظریاتی پہلو!

آپ کے ایک عقیدت مند کا بیان ہے کہ جشید لالہ جی کا میرے بارے میں یہ مشورہ اور وصیت تھی کہ عقیدہ درست کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ میں اُس وقت عقیدہ کے بارے میں کچھ علم نہ رکھتا تھا۔ کہ غلط عقیدہ کیا ہوتا ہے۔ اور درست عقیدہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا غیر سے مدد طلب کرنا سوائے اللہ کے غلط عقیدہ کی نشانی ہے۔ اور صرف خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرنا درست عقیدہ کی علامت ہے۔ فرمایا ولی کامل کے عمل کو اپنانا چاہیے وہ زندہ ہو یا دنیا سے اوجھل ہو اپنی حاجت روائی کے لئے طلب کرنا یا پکارنا غلط عقیدہ کی جڑ ہے اور پھر اس جڑ سے دیگر ہر قسم کی برائی جنم لیتی ہے۔ اور صوفی خیال کرتا ہے کہ میں ٹھیک راہ پر ہوں۔ اور اس کو بزرگی کا رنگ دیتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی طریقت اور سلسلہ پر پورا پورا یقین ہونا ضروری ہے اور اس کو افضل تصور کرتے ہوئے اس میں محنت و کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کچھ حصول نہ ہو یعنی قلب زندہ نہ ہو سکے تو اپنا تصور جانے طریقت کا تصور نہ جانے یہ سمجھے کہ میری طرف سے کچھ کمی ہے ورنہ طریقت کے اثرات بدستور حسب سابقہ ہیں۔ نیز اپنے پیرومرشد کی محبت سے سرشار رہ کر محنت کرے تب فائدہ ہوگا اور اپنے مرشد کو سب سے اپنے لئے فائدہ مند اور کامل تصور کرے۔

دوسرے نذر:

آپ کا بیان زیادہ تر توحید باری تعالیٰ کے بارے میں ہوتا تھا۔ اُن کے ایک ساتھی نے فرمایا کہ ہمارے ایک دوست کا نام پیر بخش تھا۔ آپ نے فرمایا یہ نام غلط ہے۔ اس کا نام قادر بخش یا اللہ بخش ہونا چاہیے۔ اور آپ اُس ساتھی کو کبھی پیر بخش کہہ کر نہ بلاتے تھے بلکہ قادر بخش یا اللہ بخش کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ تھی آپ کی توحید پرستی کہ اللہ کی صفت کو غیر کے ساتھ پسند نہ کیا۔ ایک دفعہ اوگی کے بازار میں آپ کی دکان کے سامنے ایک نقلی پیر غیب کی بات جاننے کا دعویٰ کرنے لگا۔ اور کہہ رہا تھا وہ پیر ہی کیا ہے جو کسی چیز کو جو دنیا کے کسی کو نے میں پڑی ہو بتا دے۔ حضرت لالہ جی نے جب اُس کی یہ بات سنی تو چپکے سے اٹھ کر وہ بھی اُس کے قریب ہو گئے۔ اور کلمہ تجید کا ورد کرتے ہوئے جب میں ہاتھ ڈالا مٹھی میں کنجی آ گئی۔ آپ نے اس سے فرمایا دور کی بات رہنے دو قریب ہی میری مٹھی میں بتاؤ کیا ہے؟ اُس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر وہ نہ بتا سکا کہ لالہ جی کی مٹھی میں کیا چیز ہے۔ آخر بے بس ہو گیا اور نہ بتا سکا۔ اور لالہ جی کو دمکیاں دینے لگا مگر لالہ جی نے فرمایا تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میرے ساتھ اللہ ہے۔ اس قسم کے بہت زیادہ واقعات ہیں مگر باعث طوالت کتاب ہذا میں سب واقعات لکھنے کی گنجائش نہیں۔

حضرت فردوس لالہ جی اوگی

فردوس لالہ جی جمشید لالہ جی کے ساتھ اپنے علاقہ کو ہستان سے نقل مکانی کر کے آئے تھے اور ہر جگہ جس جس مقام پر رہائش پذیر ہوئے دونوں ہی ساتھ ساتھ پڑوس میں رہے۔ کلب گاہ سے لے کر گچ اور بٹل اور پھر اوگی تک ساتھ رہے اور آخری آرام گاہ یعنی مرقد مبارک بھی ساتھ ہے۔ جمشید لالہ جی سے دینی تعلیم میں اضافہ رکھتے تھے اس لئے قریبی مسجد میں جمشید لالہ جی اور محلہ والوں کا امامت کے فرائض بغیر کچھ معاوضہ لئے ادا فرمایا کرتے تھے۔ گویا محلہ کی طرف سے منصب امامت آپ کے سپرد تھا۔ جس دن آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے محلہ کا مؤذن اور امامت کرنے والا مصلیٰ خالی دیکھ کر اتنا روتا تھا کہ بجلی بند نہ ہونے

پاتی تھی۔ اور سارے محلہ والے آپ کے اخلاق حمیدہ کو یاد کر کے سوگوار تھے۔ مؤلف کتاب ہذا کے ساتھ بہت زیادہ انس و محبت سے پیش آتے اور تصوف و سلوک کی باریکیاں اپنے خاص اوقات میں بیان فرماتے تھے۔ اور جب وہ تصوف و سلوک میں چھڑ جاتے فیض و رحمت کی بارش برستی محسوس ہوتی تھی۔ کشف معنوی سے قدرت نے نواز رکھا تھا۔ کسی کا بھید افشاء نہ فرماتے کہ یہ کس حال میں ہے البتہ میں نے ایک عارضی گدی نشین کے بارے میں دریافت کیا کہ اُس کی بہت مشہوری ہو گئی ہے تو چپکے سے اُس کے باطن کی کیفیت جو اُن پر ظاہر ہوئی میرے کان میں کہہ دی اور میں نے آئندہ اُس کے قریب جانے کی خواہش ترک کر دی۔

جمشید لالہ جی کے مریدین رات دن آتے جاتے رہے مگر ان کا بھید نہ پاسکے حالانکہ قریب ہی تھے اور مسجد میں ان کے پیچھے امامت کے ساتھ نماز بھی ادا کرتے رہے۔ شہرت سے دور بھاگتے تھے اور گمنامی کو پسند فرماتے تھے۔ عشق و محبت میں مثل شمع جلتے اور پکھلتے رہتے تھے گھر اور باہر مجلس و تنہائی میں برابر حیثیت حاصل تھی ذکر دائمی میں رجوع الی اللہ رکھتے تھے۔ دکان میں بھی سودا فروخت کرتے ہوئے خدا کی طرف رجوع رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور کوئی چیز اُن کی توجہ خدا کی جانب سے ادھر ادھر نہ کر سکتی تھی۔ حضرت قبلہ گاہی مرشدی و مولائی پیر طریقت گیر وال والوں سے سخت محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کا کلام شریں اور بیان پر تاثیر ہوتا تھا۔ جمشید لالہ جی کی طرح بہت کم بیعت فرماتے تھے اور جمشید لالہ جی کے ساتھ ساتھ بیعت ہوئے اور ساتھ ساتھ خلافت سے نوازے گئے۔ گویا جمشید لالہ جی کی طرح ان کو بھی مولانا عبدالرحمنؒ اور مولانا محمد یوسف گچھی کی صحبت و مجلس حاصل رہی اور ان کی محنت و کوشش سے طریقت میں شمولیت نصیب ہوئی۔ جب فوت ہوئے تب بھی چار پائی پر پڑے دل ذکر الہی سے متحرک تھا۔ اور حضرت جمشید لالہ جی پاس بیٹھے تھے اور انہوں نے اُن کی اہلیہ کو بتایا کہ روح پر واز ہونے کے باوجود ان کا دل زندہ ہے۔ نماز جنازہ حضرت پیر صاحب گیر وال والوں نے پڑھائی۔

حضرت سید پوریؒ کے خلفاء (علاقہ نندھاڑ) کا تعارف

حضرت مولانا محمد گل عرف کنوانترے استاد

حضرت مولانا محمد گل عرف کنوانترے استاد شلمانی خاندان جو کہ بفقہ گلی باغ کے گرد و نواح میں آباد ہے سے تعلق رکھتے تھے۔ شلمانی خاندان سلیمان خیل قبیلہ سے بدل کر شلمانی کے نام سے یاد ہونے لگا۔ حضرت مولانا محمد گلؒ کے آباؤ اجداد یہاں سے نقل مکانی کر کے بگرام آباد ہو گئے تھے۔ اور پھر اسی علاقہ میں حضرت مولانا محمد گلؒ کی پیدائش ہوئی اور اسی علاقہ کے پختہ رہائشی ہو گئے اور اب بھی آپؒ کی اولاد گاؤں کنوانترے میں آباد ہے۔

گاؤں کنوانترے کی وجہ تسمیہ:

آپؒ بگرام کے قریب ایک گاؤں جو کہ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ پہاڑی کی وجہ سے کوہانی گاؤں یعنی پہاڑی گاؤں کہلاتا ہے چونکہ پشتو زبان میں کوہان کو کنوانترے کے نام سے پکارا جاتا ہے اس لئے اس گاؤں کا نام کوہانی کی بجائے کنوانترے پکارا جاتا رہا۔ اور مولانا محمد گلؒ چونکہ اس گاؤں کے پیش امام تھے۔ اس لئے ان کو کنوانترے استاد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور اسی نام سے لوگوں میں پہچانے جاتے تھے۔

دینی علوم کی تحصیل:

بگرام میں ایک مشہور عالم دین جن کا عرف بگرام بابا تھا۔ بابا سے آپؒ نے تمام کتب دینیہ صرف و نحو علم اصول فقہ اور علم فارسی و عربی پڑھ کر تمام فنون میں مہارت حاصل کر لی۔ اور پھر خود بھی درس نظامی کے ماہر مدرس بن گئے۔ اور آپؒ کی خدمت میں اس چھوٹے سے گاؤں کنوانترے میں دس سے پندرہ طلباء دینی کتب کا درس حاصل کرتے رہے اور ان کا تمام خرچ اس بستی والے ہی برداشت کرتے تھے۔

آپؑ کی نیکی اور پرہیزگاری اور علمی قابلیت کی بنا پر بنگلہرام کے خان حبیب اللہ خان صاحب مرحوم نے کچھ زمین آپؑ کے لئے وقف کر دی تھی۔ تاکہ کاشت کر کے اپنا گذر اوقات چلا سکیں جو کہ اب تک آپؑ کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ اور آپؑ کی اولاد کو علاقہ کے لوگ اب بھی آپؑ کی وجہ سے قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور آپؑ کی اولاد بھی دین اسلام پر پابند ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت:

آپؑ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ اور خلفاء میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپؑ کی اپنے شیخ سید پوریؒ سے بے حد محبت تھی علاقہ بنگلہرام سے پیدل چل کر سید پور، ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر پہنچ کر شیخ کی صحبت و مجلس سے فیضیاب ہو کر واپس پیدل بنگلہرام آتے تھے۔ حاجی احمد خانؒ اور حاجی سید محمد خان صاحب کے والد ماجد حاجی سلطان محمد خانؒ کو خواب کی تعبیر آپؑ نے بتائی اور سید پور جا کر حضرت خواجہ شمس الدینؒ سے بیعت ہونے کی ترغیب دی تھی جو کہ عمل میں لائی گئی اور واقعی خواب کے مطابق واقعہ پیش آیا۔ یہ تذکرہ سلطان محمد خان کے تذکرہ میں اگے ملاحظہ فرماویں۔

حضرت سلطان محمد خانؒ کے فرزند ارجمند حاجی احمد جانؒ بھی آپؑ کے ہی مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ آپؑ کے دیگر خلفاء کی معلومات نہیں ہو سکی۔ کیونکہ آپؑ نہایت انکساری اور گمنامی کو ترجیح دینے والے بزرگ تھے۔ آپؑ کے خلیفہ مجاز حاجی احمد جانؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ مولانا محمد گلؒ کی وجہ سے بنگلہرام کا گرد و نواح خدا تعالیٰ کی یاد اور ذکر و فکر سے ہر وقت آباد رہتا تھا۔ جب تک آپؒ زندہ تھے جگہ جگہ ذکر کے حلقے لگتے اور لوگ آپؑ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ اور آپؑ کے جانے کے بعد علاقہ میں سرد مہری پیدا ہو گئی۔

آپؑ کے معارف و کشف و کرامات:

علاقہ نندھاڑ میں حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے خلفاء میں آپؑ نہایت کامل

بزرگ اور صاحب فراست ہو گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سچے محب اور درد و سوز رکھنے والے تھے۔ ذکر دائمی میں ہمہ وقت غرق رہنے والے اور ساتھیوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اور اپنی صفائی بہت زیادہ رکھتے تھے۔ اور قوی الحال تھے۔ اور خدا تعالیٰ سے بندوں کو ملانے اور قریب کرنے کی از حد ہوس رکھتے تھے۔

چنانچہ ایک قریبی رشتہ دار جو کہ صوم و صلوة کے پابند نیک سیرت ضرور تھے مگر ابھی طریقت حاصل نہ تھی آپؑ نے ان کو بیعت ہونے کی ترغیب دی مگر وہ بیعت نہ ہو سکے۔ آخر کار محبت و اشتیاق کی بنا پر آپؑ نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کے قلب پر اپنی توجہ مرکوز فرمائی آپؑ کی توجہ کی برکت سے ان کا بے حس دل ذکر الہی سے زندہ ہو کر متحرک ہو گیا۔ یاد رہے کہ ایسی توجہ خاص بغیر کامل ولی کے جس کا حال نہایت ہی قوی ہو وہ ہی دے سکتا ہے ورنہ کمزور حال والا اگر ایسی توجہ دے گا تو اس کی اپنی حقیقت و حال بند ہو کر قبض پیدا ہو جائے گی اور جان چھڑانے کا حیران ہوگا اور جب تک کسی دوسرے کامل کے ساتھ بیٹھ کر اُس سے فکر نہ کرائے گا تو بسط حاصل نہ ہوگا یعنی حال آزاد نہ ہوگا۔ یہ حضرت مولانا محمد گلؒ کے نہایت کامل ہونے اور حال قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح احقر مؤلف محبت و اشتیاق اور خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ کرنے کے لئے ایک عام انسان کی جانب اپنی توجہ اُس کے قلب پر مرکوز کر بیٹھا تو تین روز تک روحانی کیفیت بگڑی رہی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ قلب میں کوئی پتھر پھنس گیا ہے تین روز کے بعد اللہ تعالیٰ نے معافی دی اور اپنی پہلی کیفیت پر آ گیا۔ اور پھر ایسی حرکت کرنے سے اجتناب کیا۔ پس ہر سال کو چاہیے کہ ہر ایک کی جانب کبھی توجہ مرکوز نہ کرے اور نہ

ہاں کسی قبر پر میت کے قلب پر ذکر کے ساتھ توجہ کرے ایسا کرنے سے سالک کو ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔ ہاں قوی الحال ولی اللہ اپنے حال کو بغیر نقصان کے دوسرے شخص پر توجہ مرکوز کر کے خدا تعالیٰ کی امداد اور فضل سے فائدہ یعنی ذکر الہی کا اثر پہنچا کر قلب کو راجہ حق کی جانب مائل کر سکتا ہے جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا حال نہایت قوی تھا۔ جب وہ کسی قبرستان میں

جاتے تو کسی مسلمان مردہ کی قبر پر کھڑے ہو کر مردہ کے قلب پر توجہ مرکوز فرماتے تو اُس مردہ کا قلب خدا تعالیٰ کے ذکر سے زندہ ہو کر منور ہو جاتا تھا۔ ایک بار کسی شخص نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضرت مجدد الف ثانی پڑھائیں گے۔ مگر وہ بیعت نہیں ہوا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی سے محبت و عقیدت تھی۔ جب حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے قلب پر توجہ فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُس خوش نصیب میت کا قلب ذکر الہی سے زندہ ہو گیا یعنی روشن و منور ہو کر ذکر کا اجراء ہو گیا۔

(ماخوذ از سوانح حیات حضرت مجدد مؤلف محمد حلیم ص ۱۳۸ سوانح منسلک مکتوبات جلد اول)
پس حضرت مولانا محمد گل بھی نہایت ہی قوی الحقیقت ولی اللہ تھے۔ جو کہ بغیر بیعت ہوئے آدمی کی جانب فکر کرنے کے متحمل ہوئے۔ ایک بار مولانا محمد گل حاجی احمد جان کو اپنے سامنے بٹھا کر توجہ فرما رہے تھے۔ جب توجہ فرما کر فارغ ہوئے تو فرمانے لگے کہ حاجی احمد جان کے حال کو اپنے حال کے ساتھ کر کے عرش کی جانب لے جانے لگا۔ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر چھوٹ گیا اور واپس آ کر بیت المعمور میں ٹھہر گیا۔ دوبارہ لے گیا مگر پھر بھی وہی واقعہ پیش آیا تیسری دفعہ اپنے حال کے ساتھ اپنے کسی ساتھی کی حقیقت و حال کو ملا کر جو کہ کامل ساتھی تھا حاجی کے حال کو پھر لے گیا اور عرش کی جانب پہنچا دیا گیا۔ یہ واقعہ حاجی احمد جان نے مجھے خود بتایا تھا۔ اور تاکید کی تھی کہ میرا نام اور یہ راز کسی سے ذکر نہ کریں۔ میں نے حاجی صاحب کا نام لے کر نہ کیا تھا اب چونکہ حاجی صاحب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اس لئے نام لے کر واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ اور حاجی صاحب کے پوشیدہ راز کو بعد از مرگ ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ حاجی صاحب کا ذکر خیر ہے۔

ایک دفعہ حاجی احمد جان کو شوق ملاقات پیدا ہوا، اُنھ کو گھر سے کنواٹرے گاؤں کی جانب روانہ ہوئے تھوڑی دُور گئے تھے کہ اُن کے شیخ مولانا محمد گل ادھر بنگرام کی جانب ہی آرہے تھے۔ راستے میں ملاقات ہو گئی اور وہیں کنارے پر بیٹھ کر دونوں مراقبہ میں محو ہو گئے۔

مراقبہ سے فارغ ہو کر مولانا محمد گلؒ نے حاجی صاحبؒ سے فرمایا کہ جب تم گھر سے روانہ ہوئے ہوتا کہ شیخ کی ملاقات کر لوں تو اللہ تعالیٰ اس عمل پر اتنا راضی ہوا ہے کہ تمہارے مقام سلوک میں ایک درجہ آگے ترقی ہو گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ شیخ کی محبت میں یا کسی اللہ والے کامل کی محبت میں گھر سے جو روانہ ہوگا اس روانگی اور ملاقات کی برکت سے اس کے سلوک کی منازل میں ترقی ہونے اور رکاوٹیں دور ہونے کی راہ کھلتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔ یہ چلت پھرت بے کار اور بے سود ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا کی راہ میں کوشش کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ اس لئے اللہ والوں کی ملاقات اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اختیار کی جائے تو فائدہ سے خالی نہ ہوگی۔ اپنی آخرت کو سنوارنے کے لئے محقق عالم سے مسئلہ پوچھنے اور اللہ والے کی مجلس سے فیض حاصل کرنے کے لئے اُن کی جانب بڑھنا بہت مفید ہے۔

حضرت مولانا محمد گلؒ نے اس قسم کے رموز و اسرار بہت بیان کئے ہیں مگر ہر شخص سن کر جگہ پر چھوڑتا رہا کسی نے لکھنے کی کوشش نہ کی ورنہ آج اچھی خاصی عمدہ علم و حکمت اور رموز و اسرار کی کتاب موجود ہوتی مگر افسوس کہ آپؒ کے بیان کردہ حالات قلم بند نہ ہو سکے۔ اور نہ ہی آپؒ کے وقت کے کوئی آدمی ایسے ملتے ہیں جن کو حالات یاد ہوں۔ حضرت مولانا محمد گلؒ کی بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ شریعت و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پابند تھے۔ نیز آپؒ کی صحبت و مجلس اور توجہ خاص سے سالکانِ راہ خدا کے قلوب ذکر الہی سے زندہ اور متحرک ہوتے رہے یہ آپؒ کی کرامت کا ہی حصہ ہے۔ اگر کوئی شخص ہوا پر بھی اڑے مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو وہ ولی اللہ ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ایسا شخص جو خود کو بزرگ کہلوائے مگر سنت و شریعت سے روگردانی کرے اور کہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے یا فقیری اور ہے مولویت اور۔ ایسا شخص فقیر نہیں ہوتا بلکہ ابلیس کا ساتھی ہوتا ہے۔

۔ مگر ہوا پر اڑے کوئی رات دن تارکِ سنت ہے تو شیطانِ گن (حبیب)

حضرت عبداللہ عارف باللہ اپنی کتاب حقیقت رموز و اسرار میں فرماتے ہیں:

۔ گر بر آپ روی نصے باشی گر بر ہوا پری مکے باشی
دل بدست آر اے یار کہ مردے باشی و کسے باشی
ترجمہ:- اگر تو پانی پر چلتا ہے تو ایک تنکا کی مانند ہے کیونکہ تنکا بھی پانی پر تیرتا ہے
اور اگر تو ہوا میں اڑتا ہے تو ایک مکھی کے مانند ہے کہ مکھی مجھڑ بھی ہوا پر اڑتا ہے کوئی کمالیت نہیں
ہے۔ بلکہ آج کل تو کفار زیادہ ہوا پر اڑتے پھرتے ہیں۔ اے دوست اپنے دل کو قابو رکھتا کہ
مرد خدا بن جائے۔ دل کو ہاتھ میں لانے کے معنی یہ ہیں کہ تیرا دل خدا کو ہی چاہنے والا ہو۔ اور
کسی چیز کی ہوس نہ رکھتا ہو ایسا آدمی مردانِ خدا میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت نانگا باباؒ نے اپنے دل کو قابو میں رکھا ہوا تھا اس لئے وہ مردِ خدا میں شمار
ہوتے ہیں۔ گاؤں کنواڑے میں مسجد کے برآمدے میں ایک چھوٹا سا حجرہ تھا۔ حضرت گل محمدؒ
بعد نماز عشاء ذکر و فکر سے فارغ ہوتے اور ساتھی گھر چلے جاتے تو آپؒ اس حجرہ میں داخل ہو کر
ساری رات ذکر و فکر میں محو رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی آذان تک اس حجرے میں عبادت میں
مشغول رہتے ہیں۔ دائمی ذکر میں انہماک کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔

حاجی احمد جان فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ مولانا محمد گلؒ نے جب حضرت خواجہ
شمس الدین سید پوریؒ سے بیعت فرمائی تو سات سال تک اپنے دل کی ایسی نگرانی فرمائی کہ
سات سال تک دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہی اور غیر اللہ کا خیال تک نہ آیا۔ اور
وسوسہ شیطانی دل پر نہ گزر سکا۔ اور سات سال کے بعد دل غیر اللہ کے خیال اور وسوسہ شیطانی
سے نا آشنا ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آشنائی و تعلق کا خوگر ہو چکا تھا۔ یعنی ذکر دائمی پر
مداومت حاصل ہو چکی تھی۔ اور کوئی دقیقہ بغیر ذکر الہی کے نہ گزرتا تھا۔ گویا ہوش دردم کے معنی
آپؒ کے حق میں صادق آتے تھے۔ اور ہوش دردم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سانس کی نگرانی کا
جائے کہ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنے پائے۔ اور یاد خدا کے بغیر خارج نہ ہونے پائے۔

حضرت عبداللہ عارف باللہ اپنی کتاب حقیقت رموز و اسرار میں فرماتے ہیں:

۔ گر بر آپ روی نخسے باشی
گر بر ہوا پری مکسے باشی
دل بدست آر اے یار کہ مردے باشی و کے باشی
ترجمہ:- اگر تو پانی پر چلتا ہے تو ایک تنکا کی مانند ہے کیونکہ تنکا بھی پانی پر تیرتا ہے
اور اگر تو ہوا میں اڑتا ہے تو ایک مکھی کے مانند ہے کہ مکھی مجھڑ بھی ہوا پر اڑتا ہے کوئی کمالیت نہیں
ہے۔ بلکہ آج کل تو کفار زیادہ ہوا پر اڑتے پھرتے ہیں۔ اے دوست اپنے دل کو قابو رکھنا کہ
مرد خدا بن جائے۔ دل کو ہاتھ میں لانے کے معنی یہ ہیں کہ تیرا دل خدا کو ہی چاہنے والا ہو۔ اور
کسی چیز کی ہوس نہ رکھتا ہو ایسا آدمی مردانِ خدا میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت نانگا بابا نے اپنے دل کو قابو میں رکھا ہوا تھا اس لئے وہ مردِ خدا میں شمار
ہوتے ہیں۔ گاؤں کنواںزے میں مسجد کے برآمدے میں ایک چھوٹا سا حجرہ تھا۔ حضرت گل محمدؒ
بعد نماز عشاء ذکر و فکر سے فارغ ہوتے اور ساتھی گھر چلے جاتے تو آپؒ اس حجرہ میں داخل ہو کر
ساری رات ذکر و فکر میں محو رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی آذان تک اس حجرے میں عبادت میں
مشغول رہتے ہیں۔ دائمی ذکر میں انہماک کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔

حاجی احمد جان فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ مولانا محمد گلؒ نے جب حضرت خواجہ
شمس الدین سید پوریؒ سے بیعت فرمائی تو سات سال تک اپنے دل کی ایسی نگرانی فرمائی کہ
سات سال تک دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہی اور غیر اللہ کا خیال تک نہ آیا۔ اور
دوسرے شیطانی دل پر نہ گزر سکا۔ اور سات سال کے بعد دل غیر اللہ کے خیال اور دوسرے شیطانی
سے نا آشنا ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آشنائی و تعلق کا خوگر ہو چکا تھا۔ یعنی ذکر دائمی پر
مداومت حاصل ہو چکی تھی۔ اور کوئی دقیقہ بغیر ذکر الہی کے نہ گزرتا تھا۔ گویا ہوشِ دردم کے معنی
آپؒ کے حق میں صادق آتے تھے۔ اور ہوشِ دردم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سانس کی نگرانی کی
جائے کہ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنے پائے۔ اور یاد خدا کے بغیر خارج نہ ہونے پائے۔

آپ کے لئے لایا ہوں گلاب شاہؒ نے اپنے کھیت والی چھلی لے لی اور دوسری چھوڑ دی اور فرمایا کہ دوسری چھلی حرام معلوم ہوتی ہے تب ان کے بیٹے کا یقین باپ پر پختہ ہوا، اور وہ بھی مولانا گل محمدؒ کا مرید ہو گیا۔ اور گلاب شاہؒ کی طرح حضرت مولانا گل محمدؒ کا گرویدہ ہو گیا۔

سفر آخرت:

حضرت مولانا گل محمدؒ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکے اور یکم جنوری 1951ء کو دنیاۓ فانی سے رخصت ہو گئے۔ تقریباً پچاس پچپن سال کی عمر میں وفات پائی آپ کے جنازہ میں اتنے لوگ جمع ہوئے کہ کبھی اس سے پہلے کسی جنازہ میں اتنے لوگ دیکھنے میں نہ آئے تھے اور آپ کا جنازہ آپ کے استاد محترم بھگترام والے بابا جیؒ نے ادا کرایا تھا۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ الَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت مولانا غلام ربانیؒ کلکتہ بھگترام

حضرت مولانا غلام ربانیؒ پہلے گڑنگ علاقہ بھگترام میں رہائش پذیر تھے اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے بہت جلد ہی مقصود کو پالیا اور خلافت کی خلعت سے نوازا دیئے گئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ جب سے بیعت ہوا ہوں اس کے بعد اپنے مرشد سے صرف چار دفعہ ملاقات کی ہے۔ اور پھر 1943ء میں مرشد حضرت سید پوریؒ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ آپؒ کو فانی الشیخ ہونے کا درجہ حاصل تھا جب بھی حضرت سید پوریؒ کا نام لیتے تو آنسو چھم چھم برسنے لگتے تھے اور اپنی تصانیف میں نظم و نثر کی ہر عبارت میں حضرت سید پوریؒ کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔ آپؒ کی تصانیف نہایت عمدہ اور رموز و اسرار کا خزانہ ہیں۔ خصوصاً "اسم ذات" نہایت دقیق اور مفید ہے۔ اسی کتاب میں آپؒ اپنے شیخ و مرشد حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ اُن کے اس غلام کو انہی کے طفیل جو کچھ ملا ہے ان کے عکس فیض کی برکت سے ملا ہے۔

از عکوس شمس الدین طائر شدم از مکاں تالا مکاں سائر شدم

ترجمہ:- میں نے اپنے مرشد حضرت شمس الدین سید پوریؒ کے فیض کی وجہ سے ہی پرواز روحانی حاصل کی۔ اور مکاں سے لامکاں تک سیر نصیب ہوئی۔ مندرجہ بالا شعر جو کہ کتاب ”اسم ذات“ سے اخذ ہے آپ کے عشق و عقیدت کا بین ثبوت ہے جو آپ کو اپنے شیخ خواجہ شمس الدین سید پوریؒ سے لاحق تھی۔ گویا جملہ کمالات اپنے شیخ کی طرف منسوب کر کے اپنی نفی فرماتے ہیں۔ بلکہ اپنی ہر تصنیف اردو فارسی اور پشتو میں اپنے شیخ کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہتے۔ اُن کے جملہ کلام بوجہ طوالت درج کرنی بہت مشکل ہے بلکہ اس ایڈیشن میں کچھ کلام حذف کر کے مزید کچھ نئی کلام جو کہ نثر کے طور پر فرمائی ہے درج کی جاتی ہے۔ سابقہ ایڈیشن سے صرف نمبر ۷، نمبر ۸ اور نمبر ۸ بطور نمونہ چھوڑی جاتی ہے۔ اگر نمبر ایک تا آٹھ سب کا اندراج کیا جائے تو کتاب میں طوالت پیدا ہوگی جو کہ طباعت میں مشکلات کا ذریعہ ہے۔ ہاں البتہ ایک قطعہ میں کسی دوسرے قطعہ کا ایک شعر یا دو تین اشعار جو مناسب سمجھے ہیں داخل کر کے قطعہ کا حصہ بنادئیے گئے ہیں۔

قطعہ (۱)

بعد از حمد خدا وند کریم	بعد از فصل خدا وند عظیم
الصلوة اے سید خیر الانام	السلام اے رونق خلق تمام
بعد از تمہید ایں فرش زمین	مسکن روح کر دہ بر عرش بریں
روح مرحوم است از رحم رحیم	مشرّب او باشد از عرش بریں
درد و چندی بادِ فیض سید پور	صد دو چندی بادِ نورش باو فور
شمس سید پوریم باماتا بندہ دار	بے خوفس برزماں رخشندہ دار
ناشران ایں کتابم شاد دار	ناشران ایں بیاں آباد دار
بے حضوری غفلت و رحمت بود	باحضوری جلوت و ثروت بود
سہل کن برمن حساب کا رمن	سرد کن برمن شراب نار من

از طفیلش چند نظم معرفت می نویسم برا مید مغفرت
 بے کسم من بے کسم من بے کسم تا تو انم تا تو انم غیثم
 اقتباس نور شمس " سید پور اشپ تاریکی غلاما گشتہ نور

قطعه (۷)

لذتِ ہر دو جہاں آثارِ دل دولت جاوید از انوارِ دل
 از کمال اسم ذات اسرارِ دل نکتہٴ دل علم از گفستارِ دل
 از کمال ذکر اطمینانِ دل اکا بذکر اللہ شنو اعلانِ دل
 گفت در قرآنِ کریم لم یزل جمیعت پیدا شود از ذکرِ دل
 قلب چوں از ماوراء فانی شود باحضور ش با خدا باقی شود
 ذکر لازم فکرِ دائم می شود پس حضور از فکر قائم کے شود
 چوں حضور حضرت پاک آیت پس سرورِ نورِ پاکت آیت
 ایں بود ایصال و قرب اے عاشقا! میر من اللہ تربیت از دلبر
 گر طلوع شمس دیں بردل بود اے غلاما مشکلت خود حل شود
 پر تو ایں شمس عالم گیر واں ایں جہاں ایں قلب راجا گیر واں
 دامنِ خیمہٴ قلبی شد وسیع از مکاں تالا مکاں در دے جمع

قطعه (۸)

در مقام عزم و ایقان جلو ہ گر در ہوائے عشق و ایمان نغمہ گر
 بچکوں است عشق من ایمان من بچکوں است جان من جانانِ من
 بچکوں رانچکوں طالب شدہ تاء و تاب از ہر یکے غالب شدہ
 پس تمیز عاشق و معشوق چیست یک طرف نابود و دیگر بود ایں ست

فارسی کلام حضرت مولانا غلام ربانی صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ سید پوری خریدار غلام

می فروشد باز بر خیرالانام

طوق اطاعت بہ گردن کردہ اند

پیش حضرت بانیز آوردہ اند

ایہ خدا منظور دار ایں بندہ را

در حضورش سر اقلندہ را

از عذاب روز محشر باز دار

از حساب خویش ہم آزاد دار

بروخ تابان سردار علم

بردیر فرمان سالار اُمم

یہ تھا آپ کا فارسی منظوم کلام جس میں سے چند قطعات لئے گئے۔

حضرت مولانا غلام ربانی کے چند ملفوظات و اقوال روحانی قلم بند کئے جاتے ہیں:-

۱۔ معرفت کی پرواز صفائی قلب میں ہے اور صفائی قلب کی ابتداء اور انتہا معرفت کی

ابتداء و انتہا ہے۔ رحمت و ہدایت نوری مشعل ہے اور منزل معرفت ذات ہے۔ یہ مومن کا

فریضہ اور نصیب ہے (جو فضلی و ازلی ہے)۔

(مولانا رومؒ کے فرمان ذیل پر تبصرہ کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں۔

۔ صید نزدیک است دور پند اُشتی

تیر فکر ت رابعید اندا ختی

(مولانا رومؒ)

ترجمہ:- مولانا روم طالب حق کو اشارہ دیتے ہیں کہ شکار نزدیک ہے اور تو دور سمجھتا

ہے۔ اور اپنے فکر کے تیر کو دور پھینکتا ہے یعنی تیرا رب تیرے دل کے اندر ہی ہے قلب المؤمن عرش اللہ یعنی مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

ع دل گزر گا ہے جلیل اکبر است

پس اپنے دل کے شیشہ کو غیریت کے گرد و غبار سے پاک کر کے اس میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام اللہ کے انوار کو داخل کرو گے تو معرفت حقیقی حاصل ہو جائے گی۔ اپنے فکر و خیال کو اپنے دل میں مرکوز کرتے ہوئے اللہ کے سوا ہر چیز کو بلکہ اپنی ذات کو بھی بھلا دو اور ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کو بے کیف بے چوں موجود تصور کرو۔ حضرت مولانا غلام ربانی خلیفہ مجاز حضرت سید پوریؒ مولانا روٹم کے مندرجہ بالا شعر پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں۔

۲۔ یہ قرب قوت ربانی ہے جو متصرف ہے عالم امکان میں اور معرفت قرآنی سے منقول ہے۔

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلٍ
ہم (بندے کی) شہ رگ سے بھی
الزَّوْبِدِ زیادہ قریب ہیں۔

یہ تقدس قرب ہے جو جبل الوریڈ سے نزدیک ہے۔ اور بلا کیف ہے۔ باوجود قرب کے بعید از ادارک امکانی انسانی ہے۔ ممکنات کا قرب با کیف و چون اور چگون ہے۔ اور ذات اقداں کا قرب بچگون و بے چون یعنی بے کیف ہے۔ پس تقدس ذات وہ ہے جو علم امکان کے صفات و خواص اور افعال و رنگ و رنگ و آہنگ و فرہنگ سے بالاتر ہے۔ لیکن وجود ذاتی ایقان اطلاقاً عالی از اطراف و اکناف ہے۔ چنانچہ ایقان ایک وجود ذات باری تعالیٰ سے تعلق بستہ و خیال پیوستہ ہے۔ اور عزم و ارادہ با ذات باری تعالیٰ دائم و قائم رکھتا ہے۔ اور یہ توجہ ذات ہے کیونکہ توجہ کے تین درجے ہیں۔

ایک توجہ شریعت ہے۔ جو اتباع سنت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسری توجہ طریقت ہے جو لا یعنی سے قطع تعلق ہے۔ تیسری توجہ حقیقت ہے جو انانیت و امکانیت کے وجود سے

ورگزر ہے۔ عزما و کسبا و موہوبا اور اختیاراً۔ دوام تصور سے توجہ ذات اقدس نصیب ہوتی ہے۔ ایک اور آسان نکتہ یہ ہے۔ توجہ ذات اسم ذات کا معنی ہے۔ یعنی اس کا مسمیٰ ہے۔ ان کا خیال کرنا توجہ ذات ہے۔ اور یہ بھی تین طرح کی توجہ ہے۔ ۱۔ توجہ معبود۔ ذکر کے دوران معبود کا تصور کرنا ۲۔ توجہ موجود۔ ذکر کے دوران ذات اقدس کو (اپنی شان کے ساتھ اور بے چوں و بے چگوں اور بے کیف) موجود خیال کرنا۔ ۳۔ توجہ مقصود۔ ذکر کے دوران ذات اقدس کو مقصود کرنا ہے اور یہ اسم کا معنی ہے۔

۳۔ روح ایک طاقت ہے۔ جس کا نام امر ربی ہے۔ (روح جسم کے لئے بمنزلہ سوار ہے۔ جس طرح سوار کی غذا الگ اور سواری کی غذا الگ ہوتی ہے اسی طرح روح کی غذا الگ اور جسم (سواری) کی غذا الگ ہے۔ روح امری اور آفاقی ہے۔ اور جسم خلقی اور خاکی ہے۔ روح کی غذا ذکر و اذکار اور عبادت الہی سے حاصل ہوتی ہے مگر جسم کی غذا آب و خاک کی آمیزش سے برآمد ہوتی ہے۔ جیسے اناج و غلہ سبزی پھل دودھ مکھن انڈہ گوشت وغیرہ جو کہ آب و خاک کی آمیزش سے نمودار ہوتا ہے۔ اور اس کی اصل منی اور پانی ہی ہے۔) لہذا اس پر آپ غور کریں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ مثل اور عکس عالم مثال سے شروع ہوتا ہے جو افعال و آثار کا مقام ہے۔

۵۔ نور کے قرب کے باعث قلبی ظلمت کو آگ لگتی ہے۔ (یعنی عبادت الہی جو کہ اخلاص پہنچی ہوا اور اسی طرح یاد الہی جو کہ محبت الہی سے لبریز ہو اس سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ قلبی کدورتوں اور غفلت کے پردوں کو جلا کر خاکستر بنا دیتا ہے اور دل کو جلاء نصیب ہوتی ہے۔)

۶۔ اسم ذات کو ذکر کثرت سے رکھا جائے صرف یہی نہیں کہ اسم ذات کے لفظ اللہ کو بار بار بارودہرایا جائے بلکہ ساتھ ساتھ یہ تصور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس دل میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دل میں دل کے ساتھ تصور کریں۔ کہ وصل حقیقی نصیب ہوگا۔

۷۔ ایمان خالق اور بندے کے درمیان نورانی اثر ہے جسے تعلق مع اللہ کہتے ہیں یہ کیفیت و اثر قائم ہے تو ایمان قائم ہے۔ ایمان تو تب بنتا ہے جب خالق اور بندے کے درمیان تعلق پیدا ہو جائے۔ اگر تعلق مع اللہ نہیں تو ایمان نہیں۔ (صرف حقیقہ ایمان ہے جو حقیقہ یقین کا صلہ ہے۔)

۸۔ کلمہ یقین کے ساتھ ادا کرنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے اور ایک مومن کا نور نور یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کلمہ طیبہ افضل الذکر ہے۔ (کلمہ طیبہ کا ثمرہ یقین ہے)

۹۔ اسم ذات کے ماسوا دیگر اوراد و وظائف عمر بھر کرنے سے بھی اسم ذات تک ہی رسائی ہوتی ہے۔ اسم ذات کا تکرار کرتے ہوئے اپنے عیوب اور معاصی کا فکر کرنا ذات باری تعالیٰ سے حجاب کے مترادف ہے۔ جنت اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر ہے۔ اور جہنم صلہ ہے قہر ذات کا۔

۱۰۔ دنیا میں ماسوا اللہ کے تعلقات کو ختم کرنا آسان نہیں ہے۔ آسان یہ ہے کہ مقصود بالذات نگاہ میں رکھا جائے۔ دیگر سب حوادث ہیں۔ ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ قلب کو دنیا کے علائق اور مکدرات سے پاک کرنا آسان کام نہیں ہے۔ مقصود بالذات نگاہ میں ہوگا۔ تو دنیا اور اس کے علائق خود بخود آہستہ آہستہ مٹ جائیں گے۔

۱۱۔ ذکر الہی اور اوراد بھول کر رہ جاویں اور یاد آ جانے پر فوراً جاری کر دینا اس کے معنی میں ذکر و دام کے ہی ہوں گے۔

۱۲۔ بغیر ریاء کے عمل کرنا یعنی ارادہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی پر مامور کرنا اخلاص ہے۔

۱۳۔ علم دین اور تصوف و احسان لازم و ملزوم ہیں یعنی شریعت و تصوف الگ الگ نہیں ہیں۔

۱۴۔ نور قرآن نور کعبہ نور ذکر اور نور نماز ایک ساتھ جاری ہونے سے ذکر زور پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح جب ذکر زور پکڑے تو بعض اوقات نماز کی ادائیگی میں بھی ذکر جاری رہتا ہے ایسی صورت میں یہ ذکر کا غلبہ نماز کی تعظیم میں مغل نہ ہوگا (بلکہ یہ نماز معراج المؤمنین کے درجہ میں داخل ہوگی۔ اور حضور کے ساتھ نماز ادا ہوگی)۔

۱۵۔ اجرائے قلب یعنی دل کے ذکر کے لئے فکر مٹن کی مانند ہے (کہ مٹن دبانے سے بجلی روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فکر سے ذکر دل پر اثر انداز ہو کر روشن ہوگا۔ اور دل کی تاریکی دور ہوگی حضرت نور محمد عرف نانگا بابا جو کہ حضرت سید پوریؒ کے مایہ ناز خلفاء میں تھے اور عارف و معارف میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان پر ہاتھی آواز ہوا تھا کہ ذکر ساتھ فکر کے اور یہ آواز بار بار ہوا تھا اس لئے ذکر فکر کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔ عام اصطلاح میں بھی ذکر و فکر کا نام دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت غلام ربائیؒ نے بس ذکر کے ساتھ فکر کو مٹن بتلایا ہے۔)

۱۶۔ قلب شیشہ ہے ارادۂ ذات کا۔ قلب سب امکان کا گزر گاہ ہے۔ جب دھیان اور دلیل عظمت والوہیت پر ہو تو دوسری چیزوں پر نظر نہیں رہتی۔

۱۷۔ تصوف میں سے اچھا حال استغفار ہے۔ اگر کسی وقت حال و کیفیت میں (صرف اپنے تصور کی معافی طلب کی جائے) تاکہ آئندہ اور گزشتہ کیفیت ہر دو کے لئے مفید اثر ظاہر ہو جائے۔

۱۸۔ اگر کوئی علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو کثرت سے ذکر کرے۔ ذکر ایک ذریعہ ہے فکر کا۔ فکر ذریعہ ہے حضور کا۔ اور حضور ذریعہ ہے وصل یا سرور کا۔ اور سرور دال ہے وصل پر۔ سبحان اللہ ایک مقام ہے تعجب کا۔ علم دو نکتہ ہے۔ معدوم کو چھوڑنا اور ذات کو پکڑنا۔

۱۹۔ ہماری طرف سے عبدیت پیش ہوئی تو ادھر سے الوہیت کا نزول ہوا ہماری تسلیم اور رضا پر ہمیں نور یقین عطا ہوا۔ (نور یقین سے عین الیقین اور پھر عین الیقین کے بعد حق الیقین کا تحفہ نصیب ہوا۔)

۲۰۔ مقامِ رضا میں بھی رضا چاہنے والے کا ذاتی مقصد پنہاں ہوتا ہے کہ رضا کا خواہش مند ہوتا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے۔ اس سے افضل مقامِ مقامِ عشق ہے کہ جس میں عاشق صرف عشقِ ربانی میں مبتلا ہوتا ہے اس سے وہ نہ جنت کا خواہاں ہوتا ہے نہ دوزخ سے ہراساں۔ اور اگر رضا میں یہ مقصود ہو کہ وہ خود عافیت میں رہے تو یہ بھی خطِ نفس ہے نفس کا حصہ ہے۔ اور مقامِ عبدیت ہے لیکن مقامِ عشق نہیں ہے اور عشق کی تعبیر شریعت میں حضور میں نیت اور خلوص ہے۔

۲۱۔ انسان کا قد خود ”لا“ نافی ہے اس کو اثبات کرنے کے لئے لا کو منانا ہوگا۔

۲۲۔ اپنے ارادے کو ایک کریں۔ اسی سے ذات کی وحدانیت کا قائم ہونا ہے۔ ذات تو ایک ہے۔ اس کو کیسے واحد سمجھا جائے عددی لحاظ سے یا کسی دوسرے طریقہ سے بلکہ ایقانی لحاظ سے یعنی نور الیقین سے احد سمجھا جائے۔

۲۳۔ جو استعداد (نورانیت) اللہ تعالیٰ عز اسمہ نے انسان کے اندر رکھی ہے اُس نورانیت کے دو چند یا زیادہ ترقی پذیر ہونے کی کیفیت بسط کہلاتی ہے اور اس میں کمی آنے یا رکاوٹ پیدا ہونے کی کیفیت کو قبض کہتے ہیں۔ (یہ استعداد ذکر الہی سے پیدا شدہ ایک نور ہے۔ جو فیض کو وصول کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ دوسرے معنوں میں نور فراست سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہی نعمت ولی کے حق میں تمیز کرنے کے لئے ایک کسوٹی ہوتی ہے جو کہ من جانب اللہ فضلی عنایت ہے۔)

۲۴۔ شیطان والہی میں استعدادِ داعیہ مفقود ہے۔ کہ امر الہی کے انکار و کفر سے دعوتِ حق قبول کرنے کی استعداد سلب کر لی گئی۔

۲۵۔ (حضرت صاحب نے باطنی آنکھ کو جو دل کی کمال صفائی نصیب ہونے سے کھلتی ہے دل کی کھڑکی کھولنے کی تشبیہ دے کر ایک شعر میں اشارہ فرمایا)۔

روزن از دل کشا از چشم دل در دل نہیں دامن اے کیف و چوں ذاتِ خدا اکبر نہیں

ترجمہ:- دل کی کھڑکی کھول اور دل کی باطنی آنکھوں سے دل کے اندر مشاہدہ کر اور ہمیشہ بے کیف و بے مثل ذاتِ باری تعالیٰ کو بے کیف ارادہ اور بے کیف نگاہ سے جھانک (اور کسی کیف و مثل کو ارادہ میں لانے کی کوشش ہرگز نہ کر۔ کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ بے کیف و بے مثل یعنی بے چون و پنجگوں اور وراء الراء، وراء الراء ذات ہے اور فہم و وہم اور کیف و کیفیت سے باہر ہے۔ بے کیف ارادہ کو کیف ذات کی جانب متوجہ رکھنا اور خود کو نفی تصور کرنا ضروری ہے۔)

۲۶۔ توجہ کیا چیز ہے۔ یہ اتحادِ ارادتین ہیں یعنی دو ارادے پیر اور مرید دونوں کے ارادے متحد ہو جائیں اس سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کسی پودے پر پانی ڈالا جائے تو پودا ہرا ہوا جاتا ہے۔ (پانی اور پودے کی جڑوں کا متحد ہو کر ہریالی حاصل ہونا پانی کا فیض ہے۔ مگر مرید کی طلب و محبت پودے کی جڑوں کی طرح پانی کو جذب کرنے کی خاصیت کے مانند ہے۔ اگر پودے کی جڑ خشک و بے کار ہونے کی وجہ سے پانی جذب نہ کرے تو پودا ہرا نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کو پانی دیا جائے اسی طرح پانی میں اگر کوئی صابن کی یا کوئی دوسری چکنائی جو کہ زہریلی قسم سے ہو ملی ہوئی ہو۔ تو پودے کی جڑیں ٹھیک ہونے کے باوجود پودا نشوونما ہرگز نہ پاسکے گا۔ بعینہ مرید کی عقیدت اور طلب و محبت میں فرق ہو تو پیر کامل کا فیض اخذ نہ کر سکے گا۔ اور اگر مرید میں طلب و محبت موجود ہے مگر پیر ناقص جاہ و مال اور راہ و رسم روحانی صفات سے دور بے کیف و بے سرور اور نور یقین اور نور ایمان سے دور ہوگا تو بھی مرید صادق کو فائدہ نہ ہوگا۔ مرید صادق ہوگا پیر کامل ہوگا تو فائدہ روحانی حاصل ہوگا۔) پیر اور مرید کے دونوں ارادوں کے متحد ہونے پر فیض مرتب ہوتا ہے اور تربیت نصیب ہوتی ہے۔ مرید اگر صادق ہے تو تربیت ہوگی جیسے میاں اور بیوی کی مقاربت سے بچہ کی تولید ہوتی ہے۔ اسی طرح پیر و مرشد کے باہمی محبت اور مجلس سے تعلق و نسبت بھی ہے۔ (جس سے مرید صاحب حال ہوتا ہے)

۲۷۔ تصوف میں اتنا خشک بھی نہ ہو کہ ٹوٹ جائے (یعنی اس نعمت اور کیفیت کا قائل ہی

نہ ہو اور خشک زاہدوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہوئے تعلق مع اللہ کی حقیقت سے محروم رہتے ہوئے انقطاع من اللہ ہو جائے (اور اتنا تر بھی نہ ہو کہ غرق ہو جائے)۔ (یعنی تصوف و سلوک میں شریعت کی رو رعایت رکھتے ہوئے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کرتے ہوئے خود کو کامل نہیں بلکہ بے حاصل تصور کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ خود کو عارف باللہ سمجھتے ہوئے معرفت الہی سے محروم ہو کر نفس و شیطان کے پھندے میں پھنس کر دور جا لگے)۔

۲۸۔ انسان کے ارادے اور اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام اسم ذات (اللہ) کی جتنی (روشنی) دو طرف ہے۔ ایک سر اعراش پر اور دوسرا سر افراش پر ہوتا ہے۔ اور ذکر جو کہ ذکر الہی میں مصروف ہے اس کے ارادہ کی جتنی (روشنی) بھی دو طرف ہے اور روشن ہے۔ فاعل اور فعل میں کوئی منزل (دوری) نہیں ہے۔ البتہ اثر اور فعل میں بعد (دوری) ہے۔

۲۹۔ حال (صاحب ذوالحال) میں امن نہیں ہے۔ استقامت میں امن ہے۔ (کیونکہ ذوالحال طبع انسان بدلتا رہتا ہے کبھی دنیا کی طرف رغبت ہوتی ہے اور کبھی خدا کی جانب توجہ پھرتی ہے۔ اور ایسی کیفیت میں خطرہ موجود ہے امن نہیں ہوتا کیا خبر کہ اس کی موت کس کیفیت میں رہتے ہوئے آجائے کہ دنیا کی رغبت کے دوران یا متوجہ الی اللہ رہنے کے دوران اس لئے ذوالحال ہونے کی کیفیت سے پناہ مانگی جائے اور استقامت طلب کی جائے) اور حال (مطلق) میں مجذوبیت ہے۔ (کہ حال مطلق کی کیفیت کے غلبہ میں انسان نظام حیات کے لئے محنت کرنے اور معاشرہ کے ساتھ تعلق استوار کرنے سے باہر ہو جاتا ہے)۔

۳۰۔ ذاکر و فاکر (ذکر و فکر کرنے والا) کو نماز میں چار نور حاصل ہوتے ہیں۔ نور صلوة، ۲۔ نور القرآن ۳۔ نور کعبہ ۴۔ نور ذکر و عبادت۔ نماز فجر اور جمعہ کے روز عصر کے وقت ذکر تیز ہوتا ہے۔ (یعنی نماز فجر کے وقت اگر کوئی ذکر الہی میں مشغول ہو تو اثرات زیادہ ہونگے اسی طرح جمعہ کے بعد عصر کا وقت داخل ہو کر اگر کوئی ذکر الہی میں مجو ہو جائے تو بھی اثرات ذکر زیادہ حاصل ہونگے۔ ویسے بھی ذاکرین کے لئے اللہ تعالیٰ نے صبح و شام کے وقت ذکر کرنے

کی تاکید زیادہ فرمائی ہے۔ بالغدر و الاصال سے مراد صبح و شام ہی ہے۔ قولہ تعالیٰ
 وَذَكِّرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ اور اپنے رب کو یاد کر اپنے دل میں عاجزی
 فَضْرًا غَاوٌ خَيْفَةُ ذُوْنِ الْجَهْرِ اور پوشیدگی کے ساتھ سوائے بات اونچا
 مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوْرِ وَالْآصَالِ کرنے کے صبح اور شام اور مت ہو جو
 وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ غافلوں میں سے۔

یعنی جس کو ذکر الہی نصیب نہیں ہو وہ غافلین کی فہرست میں ہوگا۔

۳۱۔ ابتداء میں تکوین زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بخت کو مقام عطا فرماتا ہے۔ تو تکوین زیادہ ہوتا ہے۔ اہل تکوین پر سرور و کیفیات زیادہ ہوتے ہیں۔ حال اور تکوین ایک جیسی خاصیت رکھتے ہیں۔ (کیونکہ جذب تکوین میں کیفیات و سرور کا غلبہ ہوتا ہے) مقام اور تکوین کی ایک جیسی کیفیت و خاصیت ہوتی ہے (کہ اس میں سرور و لطف کم اور استقامت و یقین بخت ہوتا ہے۔ ایمان باللہ میں تقویت نصیب ہوتی ہے)۔

نوٹ: حضرت غلام ربائی کے ملفوظات بے شمار ہیں بوجہ طوالت بحث ۳۱ ملفوظات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اور ان کو اپنے شیخ کامل حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی طرف سے یہ فیض اور نعمت عظمیٰ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ تک ۳۱ واسطوں سے پہنچا ہے انہی واسطوں کی تعداد کے موافق ملفوظات کی بھی تعداد رکھی گئی ہے۔

حضرت مولانا غلام ربائیؒ کا مسکن کلکتہ شنگ (ہنگرام) ہے آپؒ کے بھی بہت زیادہ اہمیت مند اور خلفاء ہیں۔ آپؒ کو اپنے شیخ سے بے پناہ محبت تھی بلکہ فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل تھا۔ اسی لئے اپنے پیر زادوں سے بھی بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں جو پورے منسلک کوئی پیر بھائی ملتا اس کے ساتھ نہایت پیار اور شفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ آپؒ کی روحانی کتب اور تصنیفات بے شمار ہیں جو کہ اردو، پشتو اور فارسی پر مشتمل ہیں۔ مکی نماز جنازہ آپؒ کے پیر زادہ پیر مظفر دینؒ نے پڑھائی اور اپنے گاؤں کلکتہ شنگ ضلع

بگرام میں مدفون ہیں۔

اضافہ از محمد قاسم نقشبندی حسب خواہش صاحبزادہ ابوذر صاحب دامت برکاتہ

یوں تو حضرت خواجہ شمس الدین صاحبؒ کے تمام خلفاء کو اللہ رب العزت نے بہت اونچا اور اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے لیکن آپؒ کے چند خاص الخاص خلفاء میں سے خاص حضرت مولانا غلام ربانی صاحبؒ ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا غلام ربانی صاحبؒ کا تعلق گڑنگ ضلع بگرام سے تھا جس وجہ سے آپؒ گڑنگ کے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔

آپؒ کا تمام بچپن اور لڑکپن گھر سے دور حصول علم کی خاطر دور دراز کے سفر میں گزرا۔ اس سعی کے دوران آپؒ مختلف جید علماء اور بزرگان طریقت سے فیضیاب ہوئے۔ ایک بات جو ان تمام بزرگان طریقت میں مشترک تھی وہ یہ کہ سب نے اپنی اپنی جگہ آپؒ کو یہ بشارت دی کہ آپؒ کا حصہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ہی ہے۔ تلاش رہبر کی تشنگی یہاں تک بڑھ گئی کہ جوانی میں آپؒ سات سال گھر (گڑنگ چڑ) سے کچھ دور ایک غار میں مغرب سے صبح تک عبادت و مجاہدہ میں مصروف رہتے کہ خواجہ خضرؒ سے راہنمائی حاصل ہو۔ قدرت خدا کی کہ خواجہ خضرؒ تو نہ ملے لیکن اللہ رب العزت نے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ شمس الدین صاحبؒ سے ملاقات کرا دی۔ پہلی ملاقات میں خواجہ صاحبؒ نے آپؒ کو بیعت فرمایا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ پہلے روز کچھ احساس نہ ہوا لیکن دوسرے روز عصر کے وقت جب میں مسجد میں داخل ہونے لگا تو سامنے حضرت خواجہ صاحبؒ دیوار سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ بس حضرت خواجہ صاحبؒ کو دیکھنا تھا کہ میرا قلب بمعہ لطائف کے جاری ہو گیا اور ایسا جاری ہوا کہ آج تک جاری ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتی من یشاء۔

کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ صاحبؒ اور ان کے قافلے کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا اور وہ بھی سخت سردی میں چیل پہاڑ کی چوٹی کے قریب، گاہری کندو مقام پر۔ اسی

مقام پر حضرت خواجہ صاحبؒ نے آپؒ کو خلافت سے نوازنے کا اعلان فرمایا۔ قافلے میں موجود ملاقات آلائی کے خلفاء کے اظہار حیرت پر مزید فرمایا کہ جو کچھ مجھے دکھایا گیا اور حکم ہوا میں نے اس پر عمل کیا۔ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ میرے سلسلے میں مخلوق خداوندی کا تعلق سے گڑبگ کے مولوی صاحبؒ کے ساتھ ہے۔ سب سے زیادہ لوگ ان سے فیضیاب ہو گئے۔

خلافت ملنے کے بعد سید پور شریف میں آپؒ نے ایک دوست کی معرفت حضرت خواجہ صاحبؒ سے عرض کی کہ میں تو بیان وغیرہ نہیں کر سکتا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے جوش میں آکر فرمایا کہ جاؤ آپ شریعت اور طریقت دونوں بیان کریں گے۔ حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے یہ دونوں فرمودات ”گفتہ اور گفتہ اللہ بود، گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود“ کی مصداق ٹھہرا۔ اپنے شیخ سے بے انتہا محبت اور عشق آپؒ کا خاصہ تھی۔ ناممکن ہے حضرت خواجہ صاحبؒ کا نام نامی آپؒ کے سامنے آئے اور آنکھوں سے چھم چھم آنسو نہ گرنے لگے۔ آپؒ سخت مواحد تھے اور شیخ کاملؒ کی شفقت اور اسے سے بے مثال نسبت پر نازاں تھے۔ آپؒ (حضرت مولانا غلام ربانی صاحبؒ) بہت اونچے پائے کے حکیم اور شاعر تھے۔ آپؒ کا کلام پشتو، فارسی اور اردو میں موجود ہے۔ یہ تمام القائی کلام ہے جس میں شریعت و طریقت، تصوف و معارف، عشق و فطانت کے بے مثال اور دقیق نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اس انمول بے شمار کلام کو حضرتؒ کے جانشین اور صاحبزادے حضرت ابوذر غفاری صاحبؒ نے حضرت صوفی مقبول احمد نقشبندیؒ اور انکے متعلقین کے تعاون سے کلیات ربانی پشتو کے نام سے ترتیب دے کر چھپوایا ہے اسی طرح اردو کلام اور فارسی کلام بھی زیر طباعت ہے۔ ایسے ہی حضرت صاحبؒ کی نثری تحاریر بھی کچھ تو آپؒ کی حیات میں ہی چھپ چکی ہیں اور کچھ آپؒ کے جانشین حضرت ابوذر غفاری صاحبؒ نے چھپوائی ہیں اور کچھ ابھی زیر طبع ہیں۔ ان کتب میں ممال معرفت کے موتی پورے و بے ہیں جو کہ علم لدنیہ میں اپنی مثال آپؒ ہیں۔ ان میں یہ توضیح شدہ

کتب درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ اسم ذات ۲۔ اسم ذات اقدس ۳۔ صغت اللہ ۴۔ تمنائے حج
 - ۵۔ رموز تصوف ۶۔ شرح قصیدہ امالی ۷۔ نماز مترجم منظوم پشتو ۸۔ کلیات ربانی پشتو
- حضرت صاحبؒ کی خاص الخاص کرامت عقیدہ، توحید اور شریعت پر مستحکم رہنا ہے۔ اس کی جھلک آپ کے خلفاء اور ان کے متعلقین میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کی مثال آپ کے محبوب خلیفہ حضرت صوفی مقبول احمد دامت برکاتہم ہیں۔

حضرت مولانا غلام ربانی صاحبؒ نے اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت کو حضرت صاحبؒ نے اپنی نثر اور نظم دونوں میں بہت دکھایا ہے۔ ہر جگہ اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور نبی کریمؐ آخر الزماں ﷺ سے عشق کے اظہار کے بعد اپنے شیخ حضرت خواجہ صاحبؒ سے عقیدت کو خوب بیان فرمایا اور ہمیشہ اپنی عاجزی کا اظہار کیا۔ جیسا کہ آپ حضرت خواجہ صاحبؒ کی مداح میں فرماتے ہیں:-

از عکس شمس الدین طائر شدم

از مکاں تالا مکاں ساثر شدم

اللہ رب العزت کے فضل اور شیخ کامل کی دعا سے قبلہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحبؒ سے مخلوق خدا کو وہ تعلق ہوا اور وہ فیض حاصل ہوا کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں آپ کے خلفاء موجود نہ ہوں اور مخلوق خدا کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سید پوریہ کے طریقہ سے اپنے اپنے تئیں فیضیاب نہ کر رہے ہوں۔

یہ سب بے شک اللہ رب العزت کے خاص لطف و کرم اور فضل اور شیخ کامل حضرت خواجہ شمس الدین صاحبؒ کی نظر پر تاثیر کی بدولت آپ حضرت مولانا غلام ربانی صاحبؒ کو عطا ہوا۔ شیخ کامل سے اپنے اس اثوث نسبت اور والہانہ عشق کو خود اپنی زبان میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

زمشرق باز آں شمس ہدایت بغرب ایس غلام آید کہ نہ آید

حضرت مولانا غلام ربانی صاحبؒ 4 مئی 1997ء (۱۴۱۷ھ) کو وصال فرما گئے۔

آپؒ کی نماز جنازہ آپؒ کے شیخ زادے اور محب رفیق حضرت مولانا مظفر دین صاحبؒ نے پڑھائی اور آپؒ اپنے گھر گلزشتک بنگرام میں مدفون ہیں۔ آپؒ کے حالات زندگی مفصل طور پر آپ کی سوانح عمری ”شہباز لامکانی“ کے نام سے چھپ چکی ہے۔

شمس الدین مولانا شدہ جان خریدار غلام

فیض نامت یا خدا یاد در درونم خوشتر است

حاجی محمد سعیدؒ سالک مجذوب

حاجی محمد سعیدؒ کا اصل وطن مالوف کوہستان تھا۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ بنگرام میں گزرا۔ آپؒ نے لڑکپن میں حضرت سید پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی۔ اور ذکر و فکر میں محور بنے لگے اور بہت جلد ہی سلوک کی تکمیل ہو گئی تھی۔ حضرت مولانا گل محمد عرف کنواڑے استادؒ اور حضرت مولانا غلام ربانیؒ گلزشتکیؒ کو حضرت سید پوریؒ کی خدمت میں پیش کرنے اور تعارف کرانے کی سعادت آپؒ ہی کے حصہ میں تھی۔ آپؒ دنیا سے لائق تھے اور آخر تک لا تعلق ہی رہے۔ کسی طرف سے کچھ آجاتا تو میاں بیوی کھا لیتے ورنہ خاموش ذکر و عبادت میں مصروف رہتے۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایک بار میں دریا کے کنارے بیٹھا ذکر الہی میں مشغول تھا کہ نفس ظاہر ہوا اور کہنے لگا کہ آپؒ نے مجھ سے بہت زیادتی کی ہے کہ بھوکے مار دیا۔ میں نے کہا کہ ہاں کھانا چاہتا ہے؟ اچانک غیب سے خوان نعمتوں کا بھرا ہوا کسی نے پیش کر دیا۔ میں نے نفس سے مخاطب ہو کر کہا اب خوب کھاؤ پھر گلہ نہ کرنا۔ گویا آپؒ صبح کی نماز پڑھ کر دریا کے کنارے ویران جگہ قیام پذیر ہوتے اور سارا دن ذکر و عبادت اور مراقبہ فرماتے رہتے اور شام کو گھر چلے جاتے تھے۔ اسی طرح چالیس سال تک معمول رہا۔ ایک بار آپؒ قیام پاکستان سے

قبل بھی چلے گئے اور وہاں ایک پیر مشہور تھا اور اُس کا بہت بڑا حلقہ تھا۔ آپ بھی اُس کے پاس پہنچے اور پیر صاحب کے قریب ہو کر کان میں کچھ بات کہی تو پیر صاحب ان کے آگے ہاتھ جوڑنے لگے اور کہا کہ میرا پردہ براہِ کرم فاش نہ فرمادیں چنانچہ آپ کا بہت احترام کرنے لگا اور آپ کے روبرو سرنگون رہنے لگا۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک بیوہ عورت آئی جس کے چند بچے بھی تھے۔ اور عرض کرنے لگی کہ حضرت میں آپ کی پارسائی اور نیکی کی وجہ سے آپ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہوں اور یہ آدھ سیر سونا ہے یہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں اسے بھی قبول فرمادیں۔ آپ نے اُس عورت اور اُس زیور کی طرف التفات نہ فرمایا اور اُس کو تسلی دی کہ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھا رکھے گا اور آپ کے بچے جوان ہو کر آپ کی خدمت کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ بہت اچھی زندگی گزارنے لگی اور بچے جوان ہو گئے کاروبار میں ترقی ہوئی اور اُس عورت کے بچے آپ کی زیادہ خدمت کرتے رہے۔

آپ نہایت پرہیزگار و متقی اور شریعت مطہرہ کے پابند تھے۔ بہت خدا ترس اور خدا رسیدہ ہستی تھی۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سید پورئی سے بے حد محبت تھی۔ بلکہ فانی الشیخ کا درجہ حاصل تھا۔ حضرت سید پورئی سے صرف تین بار ملاقات ہونے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ پہلی ملاقات پر راہِ سلوک کی حقیقت کا انکشاف ہو گیا تھا۔ دوسری اور تیسری ملاقات میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے انوارِ ولایت سے نوازا دیا تھا۔ اور حضرت سید پورئی کی زندگی میں ہی آپ پر مقامِ سکر غالب تھا۔ آپ کے دوسرے پیر بھائی اور حضرت سید پورئی کے خلیفہ مجاز نے آپ کے بارے میں خلافت دینے کا پوچھا کیونکہ آپ کامل تھے حضرت سید پورئی نے فرمایا کہ ان پر سکر غالب ہے اس لئے ان کے مریدین پر سکر غالب ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک شخص نے اصرار کے ساتھ آپ سے بیعت کر لی تو وہ بھی مجذوب ہو گیا۔ حضرت سید پورئی نے آپ کو کامل توجہ دے کر سکر سے صحو میں ترقی دے دی اور پھر آپ کے مریدین پر سکر غالب نہ ہوتا تھا۔ آپ

نہایت مسافرانہ زندگی گزارتے تھے اور کوئی آمدنی کوئی زمین اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا مگر پھر بھی توکل کے پہاڑ تھے بڑے صبر و تحمل سے زندگی گزاری اور دنیا سے پیوند نہیں لگایا۔ ذکر دوام اور مراقبہ آپ کا مشغلہ تھا۔ کسی طرف سے کوئی کچھ بھیج دیتا تو کھا لیتے ورنہ صبر و شکر پر ہی اکتفاء تھا۔ آپ ”مستجاب الدعوات“ تھے۔ اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ اور خود کو چھپائے رکھتے تھے۔ کسی کے آگے اپنی حاجت اور احتیاج بیان کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ جب کسی سے معافہ فرماتے تو باوجود سو سال سے اوپر عمر ہونے کے بھی زور سے دبا یا کرتے اور دیر تک نہ چھوڑتے۔ آپ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی اور بنگرام کی قبرستان میں حاجی احمد جان صاحب کی قبر کے متصل مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا نور زمان عرف پاشتو استاد

حضرت مولانا نور زمان عرف پاشتو استاد بہت بڑے عالم اور حافظ القرآن اور قاری تھے۔ حضرت حاجی محمد سعید کی طرح یہ بھی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے نہ اپنا مکان تھا اور نہ جائیداد اور نہ ہی خطابت و امامت کرتے تھے بس اللہ تعالیٰ کے بھروسے اور توکل پر زندگی بسر کرتے تھے اور کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ کسی کے آگے اپنی حاجت اور احتیاج بیان کیا ہو اور نہ ایک جگہ مستقل رہائش رکھی کہ لوگ واقف ہو کر امداد کرتے۔ کبھی ڈھوڈیاں کبھی اچھڑیاں اور کبھی کسی دوسرے گاؤں میں مقیم رہے اور آخری ایام میں بلل کے قریب اہل کے گاؤں میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

آپ نے ابتداء میں کسی قادری سلسلہ میں بیعت کی اور خلافت بھی حاصل کر لی تھی مگر قلبی ذکر اور لطائف خمسہ سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے دوبارہ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور کچھ عرصہ گزار کر کو سیر سلوک کی منزلیں طے کر کے خلافت حاصل کی۔ آپ زیادہ ذکر و فکر اور مراقبہ میں وقت گزارتے تھے۔ شریعت کی پابندی پر خود بھی عمل پیرا ہوتے اور دوسروں کو بھی سختی سے قرآن و سنت کی

پابندی کرنے پر زور دیتے تھے۔ ایک بار حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے عشاء کی نماز کے بعد حضرت سے توجہ حاصل کر کے ذکر و فکر سے فارغ ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ سو جاؤ کہ سحری کو جلد اٹھنے کی توفیق مل جائے حضرت بھی پاس چار پائی ڈال کر لیٹ گئے اور چراغ گل کر کے اندھیرا کر دیا۔ مگر آپ چپکے سے حضرت کی چار پائی کے پائے کے پاس مراقب ہو گئے اور جب سحری کو حضرت کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولانا نور زمانؒ چار پائی کے پاس بیٹھے رات سے ہی مراقب تھے۔ اور ساری رات مراقبہ میں گزار دی۔ حضرت شمس الدینؒ کو پشتو زبان نہیں آتی تھی اور ان کو اردو ہند کو نہیں آتی تھی اس لئے آپس میں صرف فارسی زبان میں مخاطب ہو کر باہمی تبادلہ خیالات کرتے تھے اور حضرت سے نصیحت لیتے تھے۔ علم باطن سے بھی وافر حصہ نصیب تھا اس لئے حضرت نے خلافت سے نوازا رکھا تھا۔ امراء اور دنیا دار انسان سے دور رہتے تھے۔ تمام عمر زہد تقویٰ اور عبادت میں گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ واعظ و بیاں درد و محبت اور جذبہ کے ساتھ بیان فرماتے اور ایسا جذبہ کہ سامعین ڈر جاتے کہ شاید یہ ہم کو ڈانٹ رہے ہیں۔ اور دین کے بارے میں سخت تھے اور باریکیاں بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور کسی کی رو رعایت کئے بغیر حق بات سے آگاہ فرماتے اور غلط رسومات سے منع فرماتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب موصوف کے درجات بلند فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

نوٹ: صاحب موصوف کی زینہ اولاد کوئی نہیں تھی صرف دو بیٹیاں تھیں شادی کر کے دے دی تھیں۔

حضرت مکی میاںؒ

حضرت مکی میاںؒ بمقام بیلہ علاقہ آلائی بالا ضلع کوہستان ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ نہایت پرہیز گار اور عشق الہی کے پروانے تھے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے مرید و خلیفہ و مجاز تھے۔ ساری زندگی اپنے پیرومرشد کی

خدمت اور صحبت میں گزارنے کی سعادت ملی۔ آپؑ نہایت انکسار اور عاجز طبیعت کے مالک تھے۔ وہ گھوڑی جس کا تذکرہ حضرت سید پوریؒ کے تذکرہ میں موجود ہے اور جس گھوڑی کے گر کر مرنے کا تذکرہ ہے وہ آپؑ ہی نے بھیجی تھی۔ تاکہ مرشد کامل اس گھوڑی پر سفر کیا کریں۔

آپؑ الائی کے دور دراز اور مشکل پہاڑی علاقہ سے تین یوم کا سفر طے کر کے سید پور پہنچ جاتے اور حضرتؒ کی مجلس میں وقت گزار کر واپس ہو جاتے تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادوں کی نہایت عزت کرتے اور ان کو اپنے مرشد کے قائم مقام تصور کرتے تھے۔ آپؑ مرشد کے فرزندوں میں سے الائی کے علاقے کا اگر کوئی دورہ کرتا تو سارے علاقے میں آپؑ ساتھ رہتے اور ان کو رخصت کرتے وقت تین چار میل تک ساتھ جا کر الوداع کرتے تھے۔ اپنے بڑے پیر بھائی مولانا عبدالستارؒ سے بھی نہایت عقیدت تھی۔ چنانچہ اپنے پسماندہ گان کو نصیحت کی تھی کہ میری قبر ان کے ساتھ کرنا اور مجھ کو ان کے ساتھ برابر دفن نہ

کرنا بلکہ قدرے ان کے پاؤں کی جانب سر کا کر قبر بنانا اور یہ بات از روئے ادب کے کہی تھی۔ کہ ان کی جانب میری پشت بھی نہ ہو اور برابری بھی نہ ہو حالانکہ پیر بھائی تھے اور دونوں حضرات صاحب مجاز اور عارف و معارف سے حصہ وافر رکھتے تھے اور اسی پر اکتفاء نہیں باقی خلفاء پیر بھائیوں کی بھی ایسی ہی عزت و احترام کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت معرفت اللہؒ سے باوجود کامل ہونے کے توجہ حاصل کرتے تھے اور نہایت عقیدت کے ساتھ اپنی نئی نوپا ان کے سر پر رکھ کر ان کی پھٹی پرانی نوپا بطور تبرک اپنے سر پر رکھتے تھے۔ ایسی انکساری اور اپنی نفی وہی کر سکتا ہے جس کو قدرت نے عرفان و قرب سے نوازا ہوتا ہے۔ ورنہ یہ بھی کامل و مکمل پیر طریقت تھے اور بہت زیادہ مریدین کا حلقہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں سادات خاندان میں ہونے کی سعادت بھی نصیب تھی۔ آپؑ کی وصیت کے موافق آپؑ کو آپ کے فرزند ارجمند اور بڑے بیٹے محمد الیاس جو کہ حضرت سید پوریؒ کا مرید و خلیفہ ہے نے حضرت عبدالستارؒ عرف بزرگ استاد کے مزار کے ساتھ ان کے عقب میں قدرے پاؤں کی جانب سر کا کر کھودی اور

دفن فرمایا۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپؐ فرمایا کرتے تھے جو شخص سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں پورے خلوص و محبت کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے وہ ان اونٹوں کی طرح امن و امان اور سیدھی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ جس طرح اونٹوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکیل باندھ کر سیدھی قطار میں لے جایا جاتا ہے۔ اور ہر اونٹ دوسرے اونٹ کے پیچھے برابر قدم بقدیم چلتا ہے اور ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اور کسی کا فصل ہونا نہیں کھا سکتا۔ جب تک کہ اونٹوں کی قطار سے تعلق توڑ کر علیحدہ نہ ہو جائے۔ جب علیحدہ ہو گیا تو پھر اُس کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔ اسی طرح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہونے والا بھی جب تک طریقت کے اصول و ضوابط کا پابند رہتا ہے اور اپنے آپ کو شریعت مطہر علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل ڈال کر عقیدت و محبت، ربط و تعلق اطاعت و فرمانبرداری، صحبت و مجلس کی رسی و ٹکیل سلسلہ والوں کے ساتھ جوڑ کر چلتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے اور بد عقیدت ہو کر ادھر ادھر نہیں بھاگتا تو وہ کبھی بھی نفس و شیطان کے پھندے میں پھنس کر تباہ اور برباد نہیں ہوگا۔ اور سیدھی راہ سے بھٹک کر گمراہ نہیں ہوگا۔

صاحبزادہ محمد الیاس میاں

صاحبزادہ محمد الیاس میاں حضرت مکی میاں کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ حضرت سید پوریؒ کے ہی مرید و خلیفہ ہیں اور اپنے والد ماجد کے طرح انکساری اور محبت و اخوت پیر بھائیوں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اپنے والد کی جگہ جانشین ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ یہ بھی اب کافی کمزور اور ضعیف ہیں۔ باوجود کمزوری کے گیر وال اور سید پور تک آنے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تہجد کی نماز چاشت و اشراق کی پابندی نصیب ہے۔ اُن کے علاقہ میں بہت زیادہ عقیدت مند اور مریدین ہیں۔ مگر دعویٰ کی نسبت سے پاک اور اپنے والد کے مزار پر کسی قسم کی بدعت و شرک نہیں ہونے دیتے اور نہ عرس جیسی دوکانداری چمکا کر مال و دولت حاصل کرنا پسند

کرتے ہیں۔ مکی میاں اور عبدالستار کے مزار پر سوائے فاتحہ پڑھنے والوں کے سال بھر کوئی مجمع اور کسی قسم کا ہجوم جمع نہیں کیا جاتا۔ مزار پر انوار پر سکون اور تنہائیوں کے ویران جگہ میں سنسان حالات سے مزین ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ محمد الیاس میاں کو مزید توفیق بخشے آمین۔

سید محمود شاہ عرف میاں صاحب

سید محمود شاہ عرف میاں صاحب سکندرنوگرام کس لغز نامی جگہ کے رہنے والے تھے جو کہ آلائی بالا کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ آپ نجیب الطرفین خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ عالم دین تھے اور فقہ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ قضاء علماء حضرات مسائل کی تصحیح آپ سے کرایا کرتے تھے۔ آپ نے علوم و فنون کو ہستان و آلائی کے بڑے بڑے علمائے کرام سے جگہ بہ جگہ رہ کر حاصل کئے تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل ہوئے کہ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ سے بیعت ہو گئے اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی وفات کے بعد حضرت کے بیٹے پیر مظفر دین صاحب برار کوٹ والوں سے تعلق صحبت و مجلس رکھا اور سیر سلوک طے ہوا۔ اور ان کو بھی اپنے والد ماجد کی طرف سے خلیفہ مجاز مقرر فرما دیا گیا۔

آپ نے کبھی اپنے آپ کو پیر طریقت نہیں کہلایا بلکہ مبتدی ہی شمار کرتے رہے۔ آپ کے اخلاق و عادات قابل رشک تھے۔ آپ نہایت حلیم مزاج اور بردباد تھے۔ اور بلا مبالغہ آپ باحیاء و پاکیزہ زبان تھے۔ کبھی کسی سے نہیں الجھے اور کسی کو اذیت نہیں دی اور پوری زندگی کبھی آواز اونچی سے نہیں بنے بلکہ آپ بجائے ہنسنے کے مسکراتے تھے۔ اگر کوئی شخص ہنس پڑتا تو فوراً منع فرمادیتے تھے۔ کامل تقویٰ کے حامل تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ قرآن و سنت کے بے حد پابند تھے ان کی جگہ پانی ناپید تھا آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ سے میٹھا پانی جاری فرما دیا۔ آپ نے اسی سال کی عمر میں بروز جمعہ بوقت چاشت وفات پائی۔ علاقہ بھر کے لوگ آپ کو عقیدت مندی سے یاد کرتے ہیں اور وہ اپنی جگہ میں ہی مدفون ہیں۔

حاجی قطب جمالدار

حاجی قطب جمالدار ابتداء میں خانِ آلائی کے ساتھ موضع بیاری میں ملازمت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ اپنی بہادری، ذہانت و قابلیت اور دیانت داری کی وجہ سے باقی ملازموں میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کو خانگی معاملات کے اختیار زیادہ حاصل تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کو جمالدار کا لقب حاصل ہوا۔ چنانچہ آپ کا بخت بیدار ہوا تو حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت سے بیعت فرما کر ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے۔ اور خانِ آلائی کی ملازمت چھوڑ کر اپنی محنت و مزدوری کر کے بال بچوں کی پرورش کرنے لگے۔ اور ذکر و فکر اور مراقبہ میں محو رہنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی نورِ معرفت سے نوازا دیا۔ اور حضرت سید پوریؒ کے متوسلین میں خصوصی مقام حاصل ہو گیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کی زیارت کرنے اور حج کا فریضہ ادا کرنے کا موقع بھی نصیب فرمادیا۔ حج کے دوران آپ کی کیفیت اور پارسائی و خدا رسیدہ ہونے کی صورت کو دیکھ کر ایک شخص نے عقیدت ظاہر کی اور بیعت ہونے کی استدعا کی آپ نے اُس کو بیعت فرمالیا۔ اور وہ شخص بھی ذکرِ قلبی پر سمجھ گیا اور لطائف زندہ ہو گئے۔ آپ جب حج سے واپس آئے تو یہ تذکرہ حضرت سید پوریؒ کے سامنے بیان فرمادیا۔ حضرت سید پوریؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا ہوا یہ سلسلہ وہاں سے ہی آیا تھا پھر وہاں پہنچ گیا۔ حاجی قطب جمالدار کا مزار شریف بیاری کے قبرستان میں ہے۔

حضرت پیر رحمت ثانی میاں

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے خلفاء میں سے ایک نہایت پارسا اور عشق و محبت کے پیکر نیز رموز کے خزانے حضرت پیر رحمت ثانی میاں بھی تھے جو کہ سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۲۸۸ھ ہے۔ آپ گاؤں گنستہ آلائی بالا ضلع کوہستان ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد بھی عالم دین تھے۔ اس لئے آپ کو بھی حصول

دین کے لئے گھر سے باہر بھیجا۔ جب آپؐ جوان ہوئے تو اسی مقصد کے لئے گلگت و چلاس کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کافی عرصہ گزارا، اور لوگ بڑی عزت و احترام کرتے تھے۔ جب آپؐ کے والد ماجد کو پتہ چلا تو ان کے بڑے بھائی کو بھیجا کہ ہمراہ لے آئے جب بھائی وہاں پہنچے تو لوگ مجبور کرنے لگے کہ انہیں چھوڑ جاؤ۔ مگر بھائی نے لوگوں کو کسی طرح سے راضی کر کے ان کو ہمراہ لایا۔ کچھ عرصہ گھر پر گزار کر پکھلی ضلع مانسہرہ اور یہاں آ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ علاقہ پکھلی میں حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کی اطلاع ہو چکی تھی لوگ دھڑا دھڑ بیعت ہو رہے تھے۔ آپؐ بھی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت ہو گئے۔ اور آپؐ کی دلی خواہش پوری ہو گئی۔ اپنے شیخ و رہبر کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے فرمائے اور خلیفہ مجاز ہونے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد مکمل طور پر اپنے گاؤں گسٹو آلائی میں ہی رہائش پذیر رہے۔ شادی کی سنت پوری کرنے کے بعد درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت دین میں وقت صرف ہونے لگا۔ اور آپؐ سے لوگ آ کر طریقت میں بھی داخل ہونے لگے۔ پیر و مرشد کی رحلت کے بعد بہت عرصہ زندہ رہے اور طالبان راہ حق کا تزکیہ نفس کرتے رہے۔ آپؐ کے علاقہ آلائی میں بہت زیادہ عقیدت مند ہیں۔ اور آپؐ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپؐ کی اکثر کرامتیں تحریر نہیں ہو سکیں البتہ بعض حالات جو معلومات میں آئے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ آپؐ کے گھر ایک ہی لکڑی کا صندوق تھا۔ اس میں انانج بھر دیتے تھے۔ اور اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے ایک طرف سے نکال نکال کر خرچ کرتے رہتے تھے جب تک نیا غلہ دانہ نہ آتا تھا برتن سے غلہ ختم نہ ہوتا تھا۔

۲۔ ایک بار آپؐ کے ہاں شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ تشریف فرما تھے۔ منصور میاں نے دعوت کی کھانا تقریباً پچاس آدمیوں کے اندازہ کا تھا۔ مگر حضرت سید پوریؒ کے ہمراہ دوسو کے قریب مہمان تھے۔ منصور میاں گھبرا گئے اور آپؐ سے کہا کہ آدمی بہت زیادہ جمع

ہو گئے ہیں۔ اور کھانا قلیل تیار ہے آپؐ نے فرمایا گھبراؤ نہیں کھانا میں خود کھلاؤں گا۔ کھانے پر پردہ ڈال کر خود تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ سب حضرات کھا کر سیر ہو گئے۔

۳۔ ایک بار ایک شخص نے آپؐ کے سامنے بھونا ہوا گوشت پیش کیا آپؐ کو بھونا ہوا گوشت پسند بھی بہت تھا۔ مگر جب گوشت آپؐ کے سامنے آیا تو اٹھو الیا اور کہا لے جاؤ یہ حرام ہے۔ بعد میں تحقیق کی گئی تو وہ کسی سے جولایا تھا چوری کا جانور ذبح کیا گیا تھا۔

۴۔ ایک بار ایک شخص کا مرغ گم ہو گیا وہ مسجد میں شور کر رہا تھا کہ کسی نے میرا مرغ چالیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا شور نہ کرو اپنی بیوی سے دریافت کرو اس نے کہا وہ بیمار ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس عورت نے ذبح کیا ہے اس سے پوچھو تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ ماں بیٹی نے باہمی مشورہ سے پکڑ کر ذبح کر کے پکالیا تھا۔

۵۔ رات کو جس جگہ پر ذکر و فکر اور مراقبہ فرماتے تھے تو کبھی کبھی وہاں روشنی نظر آیا کرتی تھی اور یہ ذکر الہی کے انوار اترتے محسوس ہو جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خوش الحان ہونے کی صفت عطا فرمائی تھی آپؐ کی آواز نہایت پر اثر اور درد و سوز والی تھی۔ مثنوی مولانا روم اور حضرت سلطان باہو کا کلام درد و سوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور حضرت سید پورئی ان سے پڑھا کر خود سنتے تھے۔ اور سن کر رونا کرتے تھے۔ حضرت سلطان باہوؒ کے اس شعر کو بہت درد اور محبت کے ساتھ پڑھتے اور خود بھی جوش میں آ جاتے تھے۔

اے یار اگر تو طالبی مطلوب خود شناس

مطلوب عین طالب و زوقیل و قال چیست

ترجمہ: اے یار اگر تو خدا کا طالب ہے تو اپنے مطلوب کی معرفت حاصل کر اور

مطلوب بھی تیرا طالب یعنی تجھ کو چاہنے اور قریب کرنے والا ہے۔ تو پھر اس میں قیل و قال کی ضرورت ہی نہیں تو مطلوب کو چاہتا ہے اور مطلوب تجھ کو پسند کرتا ہے۔ اور یہ بات قرآن سے

ہیت ہے۔ قولہ تعالیٰ

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا
لَنَحْدِيَھُمْ سُبُلَنَا ۖ وَإِنَّا لِلّٰہِ
لَنَعْمُ الْمُخْصِنُونَ

اور جن لوگوں نے محنت کی ہماری طرف
قریب ہونے کے لئے البتہ دکھادیں
گے ہم ان کو راہ اپنی بے شک اللہ تعالیٰ
نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آپؐ کی بڑی کرامت یہ تھی کہ خود بھی سنت نبویؐ پر عمل پیرا تھے اور اپنے معتقدین اور
مریدین کو شریعت کی پابندی کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ آپؐ جب دنیا سے رخصت ہونے
لگے تو آٹھ روز یہ رہے۔ اور حالت بیماری میں بھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ آپؐ بروز منگل
مورخہ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ کو دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے گاؤں گستر کے قبرستان میں
مدفن ہوئے۔

حضرت مولانا اسرار میاںؒ

حضرت مولانا اسرار میاںؒ گاؤں بوجڑی، آلائی بالا ضلع کوہستان ہزارہ کے رہنے
والے تھے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پورٹی کے خلفاء اجل میں سے تھے۔ آپؒ شریعت
مطہرہ کے سخت پابند اور صاحب کشف و کرامت ہو کر رہے ہیں۔ آپؒ حضرت نور محمد عرف نانگا
بابا جو آپ کے بڑے پیر بھائی تھے ان کی طرح کشف و رموز بہت بیان فرماتے تھے اور تصوف
کی لطیف اسرار بیان کرتے تھے نام بھی اسرار میاں تھا اور قدرت نے صاحب اسرار بنا دیئے
تھے۔ مگر مکمل حالات بیان کرنے والے ان کی صحبت و مجلس کے وقت کا کوئی شخص نہ ملا اس لئے
ان کے حالات قلمبند نہ ہو سکے۔ افسوس باقی رہا۔

حضرت مولانا مولوی فضل اللہؒ

حضرت مولانا مولوی فضل اللہؒ حضرت اسرار میاںؒ کے ہونہار فرزند ارجمند تھے۔ اور
آپؒ کے صحیح جانشین تھے۔ آپؒ کے ہی مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ اپنے والد کی طرح تصوف

سلوک کے اسرار اور کشف و رموز میں گہری معلومات رکھتے تھے۔ عالم دین تھے اور اکوڑہ خٹک کے دارالعلوم سے فارغ تھے۔ علم منطق کے خاص ماہر تھے۔ اکوڑہ خٹک سے جو طالب علم فارغ ہوتا تو منطق کے علم میں معلومات و اضافہ کرنے کے لئے آپ کے پاس ٹھہر کر مزید تکرار کر کے علم میں اضافہ کرتا۔ آپ نہایت ذاکروفا کرتے کسی وقت بھی ذکر و فکر سے فارغ نہ رہتے تھے۔ ذکر دوام نصیب تھا۔ حتیٰ کہ پڑھاتے وقت بھی ذکر میں محو رہتے جب کوئی عبارت پڑھنی یا تصحیح کرنی ہوتی آنکھ کھول دیتے ورنہ آنکھ بند رکھتے ہوئے طالب علم کا سبق سنتے اور خود مراقبہ میں محو رہتے جب گیر وال آتے تو بھی احقر نے دیکھا کہ اکثر مراقبہ کی حالت میں ہوتے جب بات کرتے تو آنکھ قدرے کھول کر پھر بند کر لیتے۔ عشق و محبت سے بھرے ہوئے قلبی صفائی بہت زیادہ رکھتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد احقر ان کی قبر پر مراقبہ ہوا تو انوار کی بارش برس رہی تھی اور درد و سوز ایسا تھا کہ جب اٹھ کر آگے چلے تو ان کی محبت جدا نہ ہوتی تھی۔ پوکل کے جعفر خان صاحب ان کے ہی مرید و خلیفہ ہیں۔ جن کے مریدین گلگت چلاس کی طرف ہیں اور کبھی کبھار دورہ پر جاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر جعفر خان صاحب پوکل تک سلسلہ ۳۴ واسطوں سے پہنچتا ہے اس لئے حضرت سید پورئی کے یہاں ۳۴ خلفاء کا تذکرہ ہوا ہے اور آخری تذکرہ جعفر خان پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت سید پورئی کے دیگر خلفاء

حضرت سید پورئی کے بیبی خلفاء نہیں بلکہ ایک سو سے بھی اوپر خلفاء ہوئے ہیں مگر جن کے حالات اور نام معلوم ہو سکے وہ درج کئے گئے ہیں۔ اکثر خلفاء احاطہ تحریر میں نہیں آئے۔ اور ایسے اشخاص جن کے لطائف خمسہ ذکر سے متحرک ہو چکے تھے مگر خلافت کے اہل یا خلافت نہیں دی گئی ایسے افراد کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ کیونکہ ایسے بہت کم لوگ تھے جو آپ کی صحبت میں رہے اور ان کو قلبی ذکر نصیب نہ ہوا ہو۔ اور آپ کے خلفاء کی مجلس و صحبت میں رہنے والوں کا بھی یہی حال ہے۔ کہ اکثر زندہ دل ہو کر دنیا سے گئے یا ابھی زندہ ہیں۔ جس میں

خود بینی و تکبر و حسد و بدنیتی کا غلبہ ہے۔ تو ایسا شخص بھی قلبی ذکر کی نعمت سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ قلبی جوہر ان غیر موصل صفات جو کہ فیض کو قلبی جوہر تک اثر انداز ہونے کے لئے راہ کی رکاوٹ اور جوہر قلبی اور فیض کے مابین حائل ہیں کہاں ذکر کا اثر ہونے دیتی ہیں۔ جب تک کہ مکمل طور پر ندامت و استغفار سے یہ رکاوٹی پردے پھٹ نہ جائیں۔ ذکر اثر نہیں کرے گا۔ ذکر اثر اُس قلب پر کرتا ہے جس کے پردے اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضلوں سے دور کر دیتے ہیں۔ اور اُس قلب میں اندھیرا دور ہو کر روشنی من جانب اللہ عطا کی جاتی ہے۔ تو لہ تعالیٰ

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُوْرٍ مِّنْ
رَّبِّهِ ط فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
اُوْلٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

پس جو شخص کہ کھولا ہے اللہ نے سینہ اُس کا
واسطے اسلام کے پس وہ اوپر نور کے ہے
اپنے رب کی طرف سے پس افسوس ہے
واسطے ان لوگوں کے کہ سخت ہیں دل ان
کے۔ یاد کرنے اللہ کی سے۔ یہی لوگ بچ
گمراہی ظاہر کے ہیں۔

یعنی جن کے دل اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی وجہ سے پردوں میں لپٹ کر سخت ہیں اُن پر افسوس ہے کہ وہ خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور یاد الہی سے محروم ہیں۔ مگر جو لوگ خلوص و محبت کے ساتھ انابت و ندامت کے ساتھ اللہ کی جانب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں نور اور روشنی حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے دل میں ذکر کی تاثیر پالیتے ہیں۔ حضرت سید پورٹی سے منسلک اور متوسلین کی تعداد ااکھوں سے بھی تجاوز کر چکی تھی مگر ذکر کی نعمت ہزاروں کو ہی میسر ہوئی ہے۔ اور اب بھی ہو رہی ہے۔ جو صداقت و امانت اور دیانت میں خالص ہیں جو خالص نہیں ہوتے وہ تو نبی اور رسولوں کی مجلس میں بھی محروم ہی رہتے ہیں۔ اس لئے خدا کی رحمت و مہربانی کو متوجہ کرنے کے لئے خلوص و محبت لازمی امر ہے۔ اور یقین اس کی کنجی ہے۔ یقین و ایمان کے بغیر خلوص و محبت بے معنی ہے۔

یقین و ایمان اور خلوص و محبت شریعت مطہرہ کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے مقبول ہے اس لئے اس محنت میں شریعت مطہرہ کو اول درجہ میں رکھا جائے گا۔ چونکہ حضرت خواجہ شمس الدینؒ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی کمال پیروی کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے نیک بخت خلفاء اور متوسلین جن کو خلوص و محبت کی نعمت نصیب تھی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن و سنت کے پابند تھے۔ اور اب بھی سنت و شریعت کی پابندی اس سلسلہ طریقت کی پہلی اور ابتدائی شرط ہے۔ اور اپنے عقیدت مندوں کو اس طریق سنت کی پابندی کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اور خود کو نفی اور دوسروں کو بہتر تصور کرنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بزرگان خاص بندوں کی صحبت و مجلس میں رہنے اور استفادہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین یا رب العالمین۔

قارئین کرام سے گزارش

حسب ہدایت حضرت قبلہ گاہی مرشدی و مولائی پیر عبدالحی مدظلہ العالی کتاب ہذا انوارِ ولایت شمسۃ میں قطع برید اور کچھ اضافہ کے بعد سے دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے حالات کا تذکرہ اور ان کے خلفاء حضرات کا تذکرہ اور کچھ دیگر مفید مضامین اس پہلے حصہ میں درج ہیں۔ خلفاء کے تذکرہ کے بعد کتاب ہذا انوارِ ولایت شمسۃ کا دوسرا حصہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس میں ضروری مضامین طلب معرفت اور راہِ سلوک میں آسانی پیدا کرنے اور جذبہ شوق بیدار کرنے والے حالات درج ہیں۔ اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مقامات اور لطائف خمسہ پر بحث کی گئی ہے۔ ابتدائی حصہ میں جو علمائے کرام نے تقاریر لکھی ہیں دونوں حصوں کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ بوقت تقریر کتاب انوارِ ولایت شمسۃ ایک حصہ پر مشتمل تھی۔ اب اس کے دو حصے کئے گئے ہیں اس لئے دونوں حصے کے مضامین سے علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دو حصے کو قبول و منظور فرمائے امت مسلمہ کے لئے ذریعہ ہدایت اور مولف کے لئے صدقہ جاریہ فرمادے اور اگر کوئی بات ایسی لکھی گئی ہے جو کسی کی ناگواری کا ذریعہ ہو یا ہو معذرت خواہ ہوں والسلام دعا کی استدعا ہے۔

احقر مؤلف سب ہذا حبیب الرحمن حبیب میر وال (مانسہرہ)

پہلا حصہ ختم شد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لَقَمَن پاردہ ۱۵)
ترجمہ: اور اُن لوگوں کی راہ چل جو میری طرف رجوع ہو گئے۔

انوارِ ولایت شمسِ

بموسوم

افکارِ لدنیہ عرفانیہ حصہ دوم
حالات و تعلیمات حضرت شیخ المشائخ عارف باللہ
خواجہ شمس الدین نقشبندی سید پوریؒ (نور اللہ مرقدہ)

تالیف

حبیب الرحمن حبیب

گاؤں گیر دال ڈہوڈیال، تحصیل ضلع مانسہرہ

انتساب

کتاب ہذا انوار ولایت شمسہ حصہ دوم بہ موسوم افکار لدنیہ عرفانیہ کو فخر عارفین و فقراء، تاج اولیائے کرام حضرت باباجی فقیر محمد ہشتنگری کے مبارک روح اور انوارات ولایت سے منسوب کرتا ہوں جنہوں نے عشق و محبت اور نور معرفت کی سُلّی ہوئی چنگاری اپنے قلب میں محفوظ کرتے ہوئے علاقہ پشاور سے لا کر آزاد کشمیر کے پہاڑوں اور میدانوں میں مردانِ خدا کے قلوب روشن کر دیئے اور شرک و بدعات اور رسومات سے چھٹکارا دلایا۔ اور جس کے سینہ میں بھی معرفت کی چنگاری سے عشق الہی کی آگ روشن ہوئی۔ اُس نے رسومات اور بدعات کو کھوئے سکہ سمجھ کر دور پھینک دیا اور جس کے قلب و سینہ نے یہ تاثیر جذب نہیں کر سکی وہ بدعات کے مطلب کو ہی نہ پاسکے۔ اور بدعات و رسومات میں گرفتار رہے۔ اللہ تعالیٰ باباجی فقیر محمد ہشتنگری کے قلب و سینہ کے انوار ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

(از حبیب الرحمن حبیب عہد عنہ)

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انوار ولایت شمسۃ کا حصہ اول مکمل ہوا، اب اسی کتاب مذکورہ کے دوسرے حصے کا آغاز ہے۔ پہلے حصے میں کچھ تصوف و سلوک کے بارے میں مفید مضامین اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پورٹی کے حالات و واقعات اور کشف و کرامات کا تذکرہ ہے اور ساتھ ساتھ آپ کے جملہ خلفائے اجل کے نام اور ان کے بارے میں تذکرہ درج ہے۔ حضرت سید پورٹی کے کم و بیش دو سو سے زائد خلفاء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے میر و سلوک کے منازل طے کر لئے تھے جن خلفاء کے نام یا ان کے حالات سے آگاہی نہیں ہو سکی ان کا تذکرہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جن خلفاء کے نام معلوم ہوئے اور کچھ حالات بھی طے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خلفاء حضرات کے تذکرہ کے اختتام پر انوار ولایت شمسۃ کا حصہ اول مکمل ہو جاتا ہے۔

اور خلفاء کے تذکرہ کے بعد دوسرا حصے کا آغاز ہوتا ہے اور یہی دوسرا حصہ ہے جو قارئین کرام کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انوار ولایت شمسۃ کے ہر دو حصوں کو شرف قبولیت بخشے اور مؤلف کے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر عام فرمائے آمین۔

تمہید

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفَىٰ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ صَلَفَنِي اَمَّا بَعْدُ۔
 اللہ تعالیٰ نے انسان کو جامع الکملات کی صفت پر پیدا فرمایا ہے۔ اس کا وجود سرتاپا
 واکسیر ہے۔ اور عالم کبیر کی صفات کا عکس ہے۔ بلکہ عالم صغیر کی صفات کا درجہ رکھتا ہے۔ اور
 اس کی صفات و کمالات کا محور اس کا قلب ہے۔ مگر اس کی صفات و کمالات کا ظہور ایمان باللہ
 اور یقین رسالت کے بعد احکام الہی پر پوری پوری پابندی کرتے ہوئے اور یاد الہی میں محویت
 پیدا کرنے سے متعلق ہے۔

ورنہ انسان تو سبھی ہیں مگر جن انسانوں کے دل پر کفر و شرک اور بد اعمالیوں کا خول
 یعنی غلاف لپٹا ہوا ہے۔ وہ انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانیت کے درجہ پر بھی اور نیچے
 ہیں۔ قولہ تعالیٰ:-

أُولَٰئِكَ كَانُوا لَنَا عَمًا بَنِي هُمْ
 أَضَلُّ (حوالہ سورۃ)

یہ لوگ (جو کفر و شرک اور بدعات میں
 مشغول ہیں) مثل چوپایوں کے ہیں
 بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

چونکہ انسان اس صفت پر پیدا کیا گیا ہے اگر یہی گرا ہوا سفلی انسان اپنی ضمیر اور قلب
 کا رخ بدل کر صراطِ مستقیم کی سمت اختیار کر لے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرمانبرداری پر کار بند
 ہو جائے قرآن و سنت کے مطابق عمل پیرا ہو جائے۔ تو بھی سو سال شرک و بدعت اور کفر میں
 اٹھا انسان بھی بذریعہ توبہ و استغفار معفرت الہی کے حصول کا مستحق ہو سکتا ہے اور اس سے
 مصلحت انسانی کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اگر سو سال کفر و شرک میں مبتلا انسان متوجہ الی اللہ ہو کر پشیمانی
 و توبہ کا دامن پکڑ کر ایمان باللہ پر آجاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپنالتا ہے تو

اس کے جملہ نقائص اور کفر کا اندھیرا چھٹ کر قلبی کدورت دور ہو کر یہ بندہ خدا کھلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:-
مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ
الْجَنَّةَ.
 جو کوئی اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی
 معبود عبادت کے لائق نہیں مگر ایک اللہ
 ہی ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ بنی نوح انسان اس خدا داد صلاحیت انسانی صفات کا درجہ آخری دم
 تک رکھتا ہے مگر یہ صلاحیت اور انسانی صفات کفر و شرک کے غلاف میں پوشیدہ ہے اور اس کو
 اس کی حرکات کفریہ اور شرکیہ کی بدولت اسفل سافلین کے درجہ میں گرا دیا گیا ہے۔ اور جب
 تک کفر و شرک اور بدعات کا غلاف دور نہ ہوگا ان کی صفات انسانیہ کا ظہور نہ ہوگا۔ اور ان کا
 قلب امراض کفریہ اور ضلالت و گمراہی سے باہر ہرگز نہ نکل سکے گا۔ مگر یہ بات تسلیم کرنی پڑے
 گی کہ ان کی موت وارد ہونے تک ان کی صفات انسانیہ ان کے قلب میں موجود اور پوشیدہ
 رہے گی۔ اور موت سے چند لمحات قبل بھی جبکہ ان کو موت وارد ہونے کی خبر اور یقین نہ ہونے
 پائے تو بھی ایمان لانے پر ان کے قلب سے کفریہ غلاف دور ہو کر یہ اعلیٰ مقام کے مستحق ہو سکتے
 ہیں۔

ہاں اگر موت کا یقین پیدا ہو جانے پر ایمان لائے گا تو اس کا ایمان قبولیت کا درجہ
 حاصل نہ کر سکے گا اور ایسا انسان بدستور کفر و شرک میں مبتلا دنیا سے اٹھایا جائے گا۔ جیسے فرعون کا
 واقعہ ہے کہ دریائے نیل کی لہروں میں جب بہہ رہا تھا تو موت کے خوف سے پکار اٹھا قَوْلُ
 تَعَالَى:-

أَمِنْتُ بِرَبِّ مُوسَى وَ

میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام

کے رب پر ایمان لایا۔

هَارُونُ

مگر اس وقت کا ایمان لانا اس کے کے کچھ کام نہ آیا کیونکہ موت کا یقین پیدا ہو چکا

تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تو لہ تعالیٰ :-

اَللّٰهُنَّ وَقَدْ غَصِيْبَتْ مِنْ
قَبْلُ وَكُنْتُ مِنَ الْفَاسِدِيْنَ
اب ایمان لاتا ہے اور اس سے قبل تو نے
نافرمانی کی اور تھا تو فساد کرنے والوں
میں سے۔

پس معلوم ہوا کہ موت کا یقین پیدا ہو جانے کے بعد اگر تو بہ کی جائے گی تو تو بہ قبول نہ ہوگی۔ کافر کی تو بہ لغز سے گنہگار کی تو بہ گناہوں سے اُس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ اس کو موت کا علم اور یقین نہیں ہوتا اور اُس کی امید زندگی برقرار ہوتی ہے اگرچہ اُس کی موت بہت قریب ترین ہی نہ ہونے والی ہو۔

چنانچہ ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پا کر دو دروازہ علاقہ سے اونٹ پر سوار جنگلوں اور بیابانوں سے ہوتا ہوا مدینہ شریف آ رہا تھا کہ وقت کہ نبی سے ملاقات کرے اور سفر کرتے کرتے کئی دن گزر گئے تھے راستہ میں اپنی بھوک درختوں کے پتے کھا کھا کر دور کرتا تھا اور لگا تار سفر کر رہا تھا جب مدینہ شریف کے قریب پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کرام کے ساتھ اونٹ پر سوار ملے۔ اس نے ناواقفیت کی بنا پر آپ سے مدینہ شریف کا راستہ پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مدینہ کو کس لئے جا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ سنا ہے کہ وہاں اللہ کا ایک نبی رہتا ہے اس کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ حضور نے فرمایا انا نبی محمد الرسول اللہ یعنی میں ہی محمد اللہ کا نبی اور رسول ہوں۔ تو یہ صحابی کہنے لگا کہ آپ مجھ کو وہ کچھ سکھادیں جو اللہ نے آپ کو سکھا کر بھیجا ہے۔ حالانکہ نہ وہ اونٹ سے اترے اور نہ ہی حضور اونٹ سے اترے۔ اونٹ پر سوار ہی کلمہ توحید پڑھایا اور کلمہ شہادت پڑھایا وہ پچپ چاپ سنتا رہا آخر محل کہا افسر زت بذالک یعنی جو آپ نے کہا میں اس کا اقرار دل و زباں سے کرتا ہوں۔ مگر فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ اقررت بذالک ابھی پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اونٹ کا ہال سورخ پر پڑا اونٹ کو دھچکا لگا اور یہ شخص نیچے گرا اور گردن ٹوٹ گئی زمین پر لوٹ پلوٹ ہو

رہا تھا تو حضورؐ اپنے اونٹ سے نیچے اترے اور اُس کے سر کو اپنی گود مبارک میں رکھا اور اُس سے گرد و غبار کو جھاڑا اور اُس کی روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں پرواز کر گئی۔ چند منٹ قبل وہ حالت کفر میں تھا اور موت سے چند منٹ پہلے ایمان لایا اور صحابیت کا درجہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ایمان لانے کے وقت اُس کو یہ خبر نہ تھی کہ میں اونٹ سے گر کر ابھی چند لمحات کے بعد دنیا سے رخصت ہو جاؤ گا۔ پس معلوم ہوا کہ موت وارد ہونے سے چند لمحہ قبل ایمان لانے سے جبکہ موت کا علم اور یقین نہ ہو۔ انسان اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکتا ہے اور انسان کو جو شرافت اللہ نے عطا فرمائی ہے موت تک محفوظ ہوتی ہے اور موت کے بعد یہ شرافت اگر ایمان سلامت ہو قائم رہے گی ورنہ یہ شرافت سلب ہو کر بوجہ کفر و شرک ہلاکت کے گڑھے میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ اس لئے موت کے وارد ہونے سے قبل جبکہ زندگی کی امید وابستہ ہے تو بہ کر کے اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کے لئے براہ راست اختیار کرنا ضروری امر ہے۔ اور موت کا علم نہیں کہ کب آجائے۔

یہ ہے گناہوں سے توبہ کرنے اور کفر سے توبہ کرنے کا راز کہ موت کا یقین پیدا ہونے سے قبل اگر کوئی چند لمحات بھی سدھر جائیں اور پھر اگرچہ موت وارد ہو جائے تو بھی اس کا بخت بیدار ہو جاتا ہے۔ مگر موت کا علم اور یقین پیدا کرنے کے بعد ہزار بار بھی کوئی توبہ کرے اور سدھر جانے کا اقرار کرے تو اس کی توبہ کرنا اور برائی سے بچنے کا اقرار کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس لئے ہر کسی کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ زندگی و حیاتی میں ہی سدھرنے اور برائی سے بچنے کی کوشش کرے۔

۔ ورنہ بعد از مرگ و اولیہ چہ سود

یعنی مرنے کے بعد فریاد نہ امت کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

کافر و مشرک کو اور بدعتی کو اپنی حرکات نفسانیہ سے توبہ کر کے باز آ جانا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان لا کر اپنی صفات انسانیہ سے فائدہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص

کافر و مشرک تو نہیں ہے۔ مگر گناہوں کے گرد و غبار اور قلبی کدورت میں پھنسا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے تو بھی بروقت توبہ کرے۔ اور گناہوں سے باز آ جائے۔ اور پوری پوری کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کی صورت پیدا ہو جائے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی کرنے کی توفیق مل جائے۔ اور موت کے وارد ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی اصلاح کر لے ورنہ بعد الممات پچھتانے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اس لئے انسان ہونے کی صورت میں جو خوبیاں اور صفات انسانیہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھی ہوئی ہیں۔ ان سے فائدہ لینے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو صفات رکھی ہیں وہ صفات کیا ہیں۔ وہ صفات اور خوبیاں یہ ہیں کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرب و معرفت الہی کی نعمت کا حصول ہے۔ ایک عارف باللہ جو کہ کامل و مکمل ہے فرماتا ہے۔

در گزر از ذات خود بنگر در صفات تا صفات رو نماید سوئے ذات ترجمہ۔ اپنی ذاتی حس اور انا سے گزر کر اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی عطا کی جانب انابت کرے۔ اور تجھے قلب مفید کی صفات نصیب ہو جائے پس انسان اپنے اندر کی پوشیدہ صفات سے فائدہ اٹھائے ورنہ یہ خداداد صفات مرنے کے ساتھ ہی سلب ہو کر بے سود اور بے کار ہو کر دفن ہو جائیں گی۔

انسان کی تمام صفات جو اس کو من جانب اللہ عطا ہوئی ہیں اس کے کفر و نافرمانی کی وجہ سے ان پر غلاف لپٹا ہوا ہے اور یہ اس غلاف کے اندر بند ہیں۔ اگر انسان کفر و شرک اور نفسانیت چھوڑ کر انابت اور ندامت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور مطیع و فرمانبردار ہو کر اسلام کی حقانیت کو قبول کرے۔ تو رحمت خداوندی کی خوشبو اس کے دل و دماغ کو روشن و معطر کر دے گی۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

رہو ہوا بگڑا تا بوائے خدا در مشامت فی وسد اے کہ خدا

ترجمہ۔ (اے صاحب گھر! یعنی اے دل میں خدا کی دی ہوئی صفات کو پوشیدہ رکھنے والے جو صفات کہ تو نے نفسانیت میں لپیٹ رکھی ہیں) جا اور نفسانیت کو چھوڑ دے۔ تا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کی خوشبو اور لذت حاصل ہو کر تیرے ناک اور تیرے قلب و جسم کو پہنچے۔ پس تو اپنی انسانی صفات کو بروئے کار لا کر فائدہ حاصل کرے۔ مگر افسوس ہے کہ تو خدا کی نافرمانی اور کفر و شرک کی وجہ سے اس کمینی دنیا سے نجاست و پلیدی پر فریفتہ ہو کر اصل حقیقت سے دور ہو چکا ہے۔ مولانا رومؒ نے پھر فرمایا۔

عاشقی تو بر نجاست بچو زاغ بوائے مشکت فی قلیہ در دماغ

ترجمہ۔ تو نجاست دنیا پر اس طرح فریفتہ اور عاشق ہو چکا ہے کہ جس طرح کو امر دار اور نجاست پر فریفتہ ہو کر کھانے کے لئے بیٹھتا ہے۔ اور تیری مشک و بدبو تیرے دماغ تک نہیں پہنچتی۔ کہ اس کی بدبو کو سونگھ کر اس کے حصول کو ترک کر کے دور ہو جائے۔ تو اس نجاست دنیا کی بدبو کو اپنے لئے خوشبو تصور کرتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ خوشبو نہیں بلکہ بدبو ہی ہے۔ اور مرنے کے بعد اس کی بدبو کا علم ہوگا۔ اور پھر اس کو چھوڑنے کا وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ کہ تو اس کمینی دنیا کے مکر فریب سے نکل کر خدا کی معرفت حاصل کر سکے۔ تو اس لکڑی کے کیڑے کی طرح اس بدبو کی طلب میں خوش ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ جو چیز مجھے حاصل ہے۔ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ لکڑی کا کیڑا بھی تیری طرح خوش ہے اور خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

در میان چوب گوید کرم چوب مرکز باشد چنین حلوائے خوب

ترجمہ۔ لکڑی کا کیڑا لکڑی کے اندر کہتا ہے کہ جو حلوا مجھے نصیب ہے کسی کو ایسا حلوا نصیب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مٹی کا کیڑا مٹی کے اندر بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ فرمایا۔

در میان خاک گوید کرم خورد ایں چنین حلواہ بعالم کس نہ خورد

ترجمہ۔ چھوٹا کیز امنی کے اندر کہتا ہے کہ اس قسم کا حلوہ دنیا میں کسی نے نہ کھایا ہو گا۔ لکڑی اور منی کے کیزے کی طرح دنیا پر فریفتہ انسان بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ مجھے دنیا کی بادشاہی مل گئی ہے مگر اس کو کیا علم کہ اللہ والوں کی گودڑی بادشاہ کے تحت شاہی سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا۔

جندہ خوانے نہادہ در جہاں ایک از چشم حسیاں بس نہاں
ترجمہ۔ دنیا میں عمدہ خوان رکھا ہوا ہے لیکن یہ کمینوں یعنی دنیا دار کی نگاہ سے اوجھل ہے۔ اللہ والوں کو جو نعمت من جانب الہی حاصل ہے۔ اس کا علم دنیا داروں کو حاصل ہونا مشکل ہے۔ اس نعمت کی لذت و سرور کی آگاہی ہر کسی کو نہیں ہوتی بلکہ خدا کے فضلوں سے آگاہی نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے کفر و شرک اور بدعات سے توبہ کر کے خواہشات نفسانیہ کی نجاست کو ترک کر کے رحمت خداوندی کے لئے جستجو کرنی ضروری ہے۔ اور اصل حقیقت بھی یہی ہے اور یہی دنیا و آخرت میں نجات اور فلاح پانے کا ذریعہ ہے۔

اور اس نجاست کو ترک کرنے اور اس سے نکلنے کے لئے بھی کسی یار و مددگار کی تلاش کی جائے۔ ورنہ از خود اس بھنور سے پار ہونا دشوار ہے۔ دریا پار کرنے کے لئے بھی کسی ماہر تیراک کا ہاتھ پکڑ کر پار ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح نفسانیت کے بھنور و طغیانی سے نکلنے کے لئے اور پار ہونے کے لئے بھی کسی کامل و مکمل مرد خدا کی مجلس اختیار کر کے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر نفس کی بھنور سے پار ہونا ضروری ہے۔

از خود ہرگز نفسانیت کے سیلاب سے باہر نہیں ہو سکے گا۔ جس طرح دریا پار کرنے کے لئے بھی کسی ماہر تیراک انسان کی ضرورت ہے۔ نا تجربہ کار انسان کا ہاتھ پکڑ کر دریا پار کرنے کی کوشش کرے گا تو دونوں دریا کی لہروں میں بہہ کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اس لئے نفسانیت کے سیلاب سے نکلنے اور پار ہونے کے لئے بھی کسی خاص بندہ خدا جو سیر و سلوک کا ماہر ملے کر چکا ہو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر نفس کی طغیانی سے پار ہونا چاہیے۔ اور

نفسانیت کے بخسور سے باہر نکلنا چاہیے۔ ہدایت اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

۔ راہ اُسُنوں کچھیں ہدایت اللہ جیوا راہ دا واقف کار ہووے

اگر کوئی کسی راہ پر خود نہیں گیا اور نہ اس راستہ کے موڑ اور مشکلات سے خبردار ہے تو وہ کسی دوسرے کی کیا رہنمائی کرے گا۔ اس لئے نفسانیت کے بخسور سے نکلنے کے لئے اور تزکیہ نفس کے لئے ایسے بندہ خدا کا ہاتھ پکڑے جو سیر و سلوک کی منازل طے کر چکا ہو۔ کتاب ہذا میں بندگان خدا کی شناخت اور نشاندہی کر دی گئی ہے۔ لہذا اگر ایسا کوئی بندہ خدا ملے تو اس سے استفادہ کیا جائے اور خودی و خود بینی کو نظر انداز کر کے معرفت الہی کے حصول کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے آمین۔

بندگان خدا کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے خاص بندوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ قولہ

تعالیٰ۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي
وَادْخُلِي جَنَّتِي۔

اے جان آرام پکڑنے والی پھر جا طرف
پروردگار اپنے کے خوش ہے تو پسند کی گئی
پس داخل ہو بیچ بندوں میرے کے اور
داخل ہو بیچ بہشت میری کے۔

یعنی اگر تم میری جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو اور میری معرفت کی طلب رکھتے ہو۔ تو میرے بندوں میں داخل ہو کر اور ان کے نقش قدم پہ چل کر اپنی زندگی بسر کرو۔ اور ان کی طرح پرہیزگار بنو۔ تو تم بھی جنت میں داخل ہونے کے مستحق ہو جاؤ گے۔ قولہ تعالیٰ:-

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

میرے صادقین بندوں کے ساتھ رہو۔

صادقین بندے وہ ہیں جو صرف اور صرف اللہ کو ہی چاہنے والے ہیں۔ اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف اُس کو ہی چاہتے ہیں۔ یُرِيدُونَ وَجْهَهُ نص قطعی سے ان کی خدا طلبی کی دلیل حاصل ہے۔

خدا کے خاص بندے ماسوا اللہ سے لاطعلق ہوتے ہی ہیں مگر اپنی جان کو بھی بھلا کر نفی کر دیتے ہیں۔ اور ذاتِ اقدس وحدہ لاشریک کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ ان بندگانِ خدا کے ساتھ رہ کر اللہ تعالیٰ کی طلب و چاہت رکھتے ہوئے زندگی بسر کی جائے اگر کوئی اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں اپنی مرضی پر چلے گا تو کل بروز قیامت اُسے اپنے بندوں سے الگ کر دیا جائے گا۔ اور اس کو اپنے گنہگار ساتھیوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ قولہ تعالیٰ :-

وَأَمَّا الْيَوْمَ آيَٰهَا
الْمُجْرِمُونَ
حکم ہو گا کہ آج کے دن اے گنہگارو
میرے بندوں سے علیحدہ ہو جاؤ

دنیا میں تم میرے بندوں کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی بات پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ساتھ حسد و بغل رکھتے تھے۔ اس لئے آج تم کو ان کی رفاقت نصیب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اپنے گنہگار ساتھیوں کے ساتھ تمہارا حشر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے جو نیک اور متقی بندے ہوں گے۔ ان کے لئے کوئی خوف و خطر نہ ہو گا۔ قولہ تعالیٰ :-

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
خبردار رہو کہ دوست خدا کے نہیں ڈران
پر اور نہ وہ غمگین ہو گئے

ہاں ان اللہ والوں کی مجلس میں وقت گزار کر نیک بنو گے تو نجات ہوگی۔ انسان کی بڑی غلطی اور کم فہمی ہے کہ اپنے نفس کی مرضی پر چلے اور امیدوارِ جنت کا ہو۔ اس بارے میں کسی بندہ خدا نے فرمایا ہے۔

سکام دوزخ کے کریں اور جنت کے ہیں امیدوار قصرِ جنت تو بنا ہے پارِ ساک واسطے
اگر جنت کی غرض ہے تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی طرح زندگی بسر کرو اور خدا

تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ اور نجات اُخروی کے مستحق بنو گے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت و طلب رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں رہ کر ان کی مجلس و صحبت حاصل کرو گے تو تمہاری قلبی امراض ختم ہو گئی اور تم نیک خصلت ہو جاؤ گے اور تمہارا دل دنیا سے نفرت کرنے لگے گا اور خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے میں راحت محسوس کرے گا۔ اور اللہ کی محبت دل میں پختہ ہو جائے گی۔ حضرت مجدد الف ثانی مکتوب نمبر ۱۰۹ جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہوتے ہیں۔ باطنی امراض کا ازالہ انہی بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا ہے ان کی نظر شفا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔

ہُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُم اللہ والے ایک ایسی قوم ہے کہ ان کے

پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔

گویا نیک بخت و نبی ان کی مجلس نصیب ہوا کرتی ہے۔ بد بخت ان کے ساتھ نفرت

و حسد کی بنا پر دور ہی رہتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:۔

ہُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ بِهِمْ یہ لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں (یعنی تعلق مع

اللہ رکھتے ہیں) انہی کی برکت سے يُمَطَّرُونَ بِهِمْ يُرْزَقُونَ

(اللہ) بارش برساتے ہیں اور انہی کی (بخاری شریف)

برکت سے مخلوقات کو رزق ملتا ہے۔

اسی لئے ان کے لئے سمندروں کی مخلوق ان کے لئے دعا کرتی ہے۔ اور فرشتے ان

کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو پہچان کر ان کی مجلس اختیار کرو گے تو نور

بصیرت سے نواز دیئے جاؤ گے۔ حضرت سید پورنی کے خلیفہ مجاز حاجی محمد اعظم فرماتے ہیں۔

ان کی محفل اندھے کو مینا کر دے ان کی مجلس مردہ دل احیا کرے

ان کی مجلس سے استفادہ کرنے سے مردہ دل خدا کی یاد میں زندہ ہو کر ذکر الہی سے

منحرف ہو جاتے ہیں۔ جسے اجرائے قلب کہتے ہیں۔ مگر ان کی شناخت بڑے احتیاط کے ساتھ کرنی ہوگی کیونکہ اس لباس میں کئی چور اور ڈاکو بھی راہ میں پڑے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ظاہر میں ملنگی و درویشی کا لباس اور لبادہ اوڑھے بیٹھے ہیں مگر باطن سیاہ ہوتا ہے۔ صرف آمدنی کی غرض اور نیت ہوتی ہے۔ لہذا کسی بندہ سے تعلق جوڑنے سے پہلے اس کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے کہ وہ شریعت کا کس حد تک پابند ہے۔ اور مال و جاہ کی ہوس کتنی ہے۔ اس کی مجلس میں بیٹھنے والے کس قدر قرآن و سنت کی پابندی کرنے والے ہو چکے ہیں۔

اگر تمہارے پاس کوئی شخص ہو اپراڑتا ہوا آئے اور شریعت کا پابند نہ ہو تو یہ جوگی اور یوگ ہے نہ کہ حقیقت! ایسا بندہ ہرگز بندہ خدا نہ ہوگا۔ ہوا پر تو جوگی بھی اڑ سکتا ہے جو کہ ایمان سے بالکل خالی اور غیر مسلم ہوتا ہے۔ ایک عارف عبد اللہ انصارؒ بابت فرماتے ہیں۔

اگر برہو اپری مکے باشی دگر بر آب رویٰ خستے باشی
یعنی اگر تو ہوا پر اڑتا ہے تو کیا کمال ہے۔ ہوا پر کبھی بھی اڑ سکتی ہے۔ اور اگر پانی پر چلتا ہے تو بھی کیا کمال ہے کہ پانی پر تیرنا بھی تیرتا ہے۔ اصل کمال تعلق مع اللہ رکھتے ہوئے شریعت کی پابندی کرنا ہے اور دل کو خدا کی یاد میں گرفتار رکھ بیٹی جو انہر دی ہے۔ اس لئے عارف کا مقولہ ہے کہ

دل بدست آر کہ کسے باشی

یعنی دل کو ہاتھ میں رکھتا کہ جو انہر دی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے بہت زیادہ عمدہ عمدہ صفات بیان فرمائے ہیں چند

امصاف اس آیت کریمہ میں ظاہر کئے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ

وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰى
الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ط
تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط
سِيْمًا هُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ
اَثْرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ
مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرَةِ مَثَلُهُمْ
فِى الْاِنْجِيْلِ ط كَذَرِعٍ
اَخْرَجَ شَطَاہُ فَاَذَرَهُ
فَاسْتَفْلَظَ فَاَسْتَوٰى عَلٰى
سُوْقِهِ يُعْجِبُ الذَّرْعَ لِيَفِيْظَ
بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا
ط (التّٰح ۴۳)

محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ اور جو

لوگ کہ ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں اوپر
کفار کے اور رحمدل ہیں درمیان اپنے
دیکھتا ہے۔ تو ان کو رکوع کرنے والے۔
سجدے کرنے والے چاہتے ہیں فضل
خدا کا اور رضامندی اُس کی۔ اس کی
نشانی بیچ ان کے سینوں کے ہے۔ اثر
سجدے کے سے یہ صفت ان کی بیچ تو
رات کے صفت ہے بیچ انجیل کے جیسے
کھیتی نکالے سوئی (بالیس) اپنی پس قوی
کرے اس واپس موٹی ہو جاویں۔ خوش
لگتی ہے کھیتی کرنے والوں کو تا کہ غصہ
میں لاوے۔ اللہ سب اپنے مسلمانوں
کے کافروں کو وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے
ان لوگوں کو کہ ایمان لائے اور کام کئے
ایچھے۔ انہیں بخشش اور ثواب بڑا ہے۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ نیز آپؐ کا
اتباع کرنیوالے مومنین کافروں پر سخت ہیں۔ یعنی کفار پر ان کا رعب ہے۔ کفار ان کی لٹکار
سے ڈرتے ہیں۔ لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حلیم بردباد اور نرم مزاج ہیں ایک
دوسرے کے ساتھ نہایت پیار و محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔

ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اکثر مساجد میں رکوع کرتے ہوئے اور سجدوں

میں پڑے ہوئے دکھائی دیں گے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اُس کا فضل طلب کرتے ہیں۔ اور ہر کام میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ کوئی کام اپنی مرضی و خواہش سے نہیں کرتے بلکہ ہر کام میں خدا تعالیٰ کی مرضی کو مد نظر رکھتے ہوئے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے قریب وہی ہو سکتا ہے جو اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی مرضی کرے۔ بایزید بوسطائی نے مکافہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اهل ادلك اقرب الطرق اليك اے اللہ تجھ تک جو قریب تر راستہ ہے اس کی رہنمائی فرما دیجو! قال یا ابا یزید دع نفسك و تعال فرمایا اے بایزید اپنے نفس کو چھوڑ کر آ جا۔ یعنی نفس کی مرضی کو چھوڑ کر ہی میرے قریب آ سکتا ہے۔ گویا اللہ اور بندے کے درمیان پردہ نفس کا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ایک علامت یہ ہے کہ ان کے چہروں پر سجدوں کے علامات اور انوار ہونگے۔ یا دالہی کی وجہ سے چہرہ پور نور ہوگا حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بندے جہان میں رہتے ہیں مگر بے جہان ہیں۔ دراصل جہان میں یہی لوگ ہیں اور ان ہی کی وجہ سے جہان قائم ہے۔ دنیا کی خوشی ان کو خوش نہیں کر سکتی۔ اور دنیا کا غم ان کو غمگین نہیں کر سکتا۔ مومن کا کوئی قدم خدا تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہیں اٹھ سکتا۔ اور ان کو کوئی سانس خدا تعالیٰ کی یاد کے بغیر نہیں چلتا۔ وہ خود شریعت کا پابند ہوتا ہے۔ اور شریعت کی خلاف ورزی کرنے والے کو برداشت نہیں کرتا۔ اس کی آواز حق کی آواز ہوتی ہے۔ اور اُس کی آواز بھی خدا کے لئے ہوتی ہے۔ کسی بندہ خدا نے کہا ہے۔

مرد حق راہ علامت اے پسر رنگ زرد و آو سرد و چشم تر
یعنی بندہ خدا کی تین علامتیں ہیں جیسے کہ رنگ خوف الہی میں زرد اور آواز ٹھنڈی اور آنکھیں اشک بار رہتی ہیں۔ یاد رہے کہ بندہ خدا کبھی قبضہ لگا کر نہیں ہنستا بلکہ تبسم فرمایا کرتا ہے۔ اور تبسم فرمانا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ خدا تعالیٰ کے بندے کی بڑی علامت یہ ہے کہ آخرت کی قدر اور طلب الہی کی شوق دلاتا ہے۔ اور اس کو دیکھنے سے خدا یاد آ جاتا ہے۔ اور

اس کی مجلس میں رہنے والے روز بروز قرآن و سنت کے پابند ہوتے ہیں۔ اور دنیا سے سرد مہری پیدا ہوتی ہے۔ خدا کا بندہ مال اور عزت کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ اس کا ظاہر شریعت سے آراستہ پیراستہ ہوتا ہے اور اس کا باطن نور معرفت کا خزینہ ہوتا ہے۔ بلکہ ظاہر سے باطن اعلیٰ اور بالا ہوتا ہے۔

یہی ولی اللہ کی علامت حقیقی ہے۔ یہ چند اوصاف اگر کسی بندہ خدا میں نظر آئیں تو ان کی محبت لازمی امر ہے۔ ایسے شخص کی مجلس میں حاضری دینی نیک بختی کی علامت ہے۔ اور خدا کے قرب کا ذریعہ ہے۔ حاجی محمد اعظمؒ اپنے مرشد کی توصیف میں فرماتے ہیں۔

تیری مجلس میسر جس گھڑی ہو عبادت سالہا سے بڑھ کر پایا
یہ تھے چند اوصاف جو میں نے اپنے ناقص عقل و فکر سے ظاہر کر دیئے ہیں ایسے بندہ
گان خدا کی مجلس اپنے لئے لازم کرلو۔ و ما علینا الابلغ۔

تصوف و سلوک یا طریقت و بیعت کی حقیقت

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خیر میں علم حدیث اور اصول فقہ وغیرہ جدا جدا امتیز نہ تھے یعنی جدا گانہ حیثیت حاصل نہ تھی۔ بلکہ پچھلے زمانہ میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں بہت سے علوم وضع کئے گئے اور ہر ایک کا جدا نام تجویز ہوا۔ علوم وضع کرنے والوں کو سب نے محققہ طور پر امام تسلیم کیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو آئمہ اربعہ تسلیم کیا گیا۔ اور ان کے وضع کردہ مسائل و اصول پر عمل کیا جانے لگا۔ جس کسی کا جس امام کے ساتھ نسبتی تعلق زیادہ مضبوط تھا وہ اُسی امام کے وضع کردہ اصول و ضوابط پر کار بند رہا۔ اور اب تک یہی طریق جاری ہے۔ چنانچہ جس امام نے قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے

اپنے علم و تحقیق اور فہم و ادراک سے جو اصول و مسائل کا انچوز پیش کیا عوام الناس کی بھاری جمعیت اُس پر عمل کرنے لگی۔ اور وہ جمعیت جو جس امام کے استنباط کردہ مسائل و اصول پر عمل کرنے لگی وہ ایک مسلک کی حیثیت سے رونما ہوئی۔ اس طرح مسلمانوں میں چار مسلک رونما ہو گئے جو کہ چاروں ہی حق و انصاف اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ اور قرآن و حدیث کے عین موافق ہیں۔ اور یہ چاروں مذاہب حنبلی، مالکی، شافعی اور حنفی اب بھی موجود ہیں۔ اور ان کے اصول و ضوابط کے مطابق زندگی گزارنا بالکل صحیح اور درست جانتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کو تفقہ فی الدین یعنی دین میں زیادہ سمجھ رکھنے والا دیکھ کر النَّاسُ فِی الْغَفَّةِ عِیَالُ اَبْحَنِیْفَۃٍ۔ یعنی لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے عیال بمعنی محتاج میں کہنا پڑا۔ اور حضرت امام بخاریؒ حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک بحر فی الحدیث یعنی حدیث میں کامل کہلوانے کا شہرہ ہے۔ اسی طرح تزکیہ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین گزرے ہیں کہ ان سب نے روحانی پیشوا تسلیم کیا ہے۔

جیسے پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ بہر حق حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور پیشوائے حق حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور ان سے پیشرو بعد کے کامل بزرگان دین جیسے جنید بغدادیؒ و بایزید بوسطانیؒ معروف کرخیؒ حسن بصریؒ، حضرت خواجہ سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور دیگر جملہ اولیائے عظام ہیں۔ جن کا نام بوجہ طوالت مضمون لکھا نہیں گیا ہے۔

جس طرح پچھلوں کو اگلوں سے تعلق جوڑنے اور ان کی تقلید و پیروی سے چارہ نہیں اسی طرح ظاہری علم کی طرح علم تصوف میں بھی بدوں اتباع طریقہ بزرگان دین چارہ نہیں۔ گواہی درجہ تزکیہ نقشبند جو بموجب نجات ہے۔ بدوں اتباع مشائخ ہفیف تر طریق تو میسر ہو سکتا ہے مگر وہ امر جو مطلوب ہے۔ اور کمال کہلاتا ہے۔ اس کا حصول بدوں صحبت کاملین کے ہرگز ممکن نہیں۔ کیونکہ ہر چیز کے لئے ایک اصول ہے۔ بغیر استاد کی رہبری کے کوئی کام

پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

درخت را آب باید نمود مولود طفل را شیر شاگرد را استاد باید طالب حق را پیر ترجمہ۔ درخت اور دیگر سبزہ زار کو پانی کی ضرورت ہے اور معصوم پیدا ہونے والے بچے کے لئے دودھ کی ضرورت ہے ہر نوع کے شاگرد کے لئے پیر و استاد کی ضرورت ہے۔ اور طلب راہ حق رکھنے والے کے لئے پیر کامل کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس کی رہبری کرتا ہے اور نقائص کی نشاندہی کرتا ہے۔ پس بزرگان دین کی اتباع میں ان کے طرز عمل پر زندگی گزارنا جو ان کو سنداً حاصل ہو۔ اور ان کی یہ نسبت طریقہ مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسلک ہو۔ بزرگوں کی اصطلاح میں طریقت و بیعت یا تصوف و سلوک کہلاتا ہے۔ جیسے دیگر استنباط شدہ علوم کا نام علم فقہ علم حدیث و تفسیر ہو گیا ہے۔ اسی طرح مشائخ عظام کے اس خاص مستخرج طریق کا نام علم سلوک و احسان اور علم تصوف پڑ گیا ہے۔

اگر کوئی شرح و قایہ یا ہدایہ اور کنز الدقائق پڑھتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ فقہ پڑھتا ہے حالانکہ فقہ میں بقول امام اعظم بہت سے علوم مثلاً تفسیر و حدیث حتیٰ کہ علم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں۔ مگر واحد اصطلاحی نام فقہ ہی ہے۔ اسی طرح جب کوئی حضرات مشائخ طریقت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر محنت کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ علم تصوف میں محنت کرتا ہے یا سالک و صوفی ہے۔ صرف نماز و روزہ حج اور زکوٰۃ اور دیگر اعمال حسنہ کرنے والے کو کوئی صوفی نہیں کہتا حالانکہ تصوف میں بھی ان سب اعمال حسنہ کی پابندی کی جاتی ہے۔

جہاں عوام جو کسی کے منہ پر داڑھی یا داڑھی کے نشانات چھوڑے ہوئے ہوں کو عام طور پر صوفی کہہ کر پکارتے ہیں وہ صوفی نہیں ہوتے نہ جہاں ہی تصوف و احسان سے واقف ہوتے ہیں۔ فقط وہ ہر داڑھی کے نشانات والے چاہے معمولی علامت بھی ظاہر ہو ان کو اپنی اصطلاح خود ساختہ میں صوفی صاحب کہہ دیتے ہیں۔ اس صفت سے صوفی مراد ہرگز نہیں۔ صوفی وہ ہوتا ہے جو کسی شیخ کامل کا مرید ہوتا ہے اور مرید کی صفت بھی خالص ہے۔ الصریض لا یزید الا

اللہ۔ (ترجمہ) مرید وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ طلب نہیں رکھتا۔ عام مرید دراصل حرفِ مہم پر پیش کی صفت پر نہیں ہوتا بلکہ جاہل مرید نہیں مرید ہوتا ہے۔ مرید بمعنی باغی کے ہیں جس کو خدا کے احکام کی ذرہ پرواہ نہیں ہوتی اور پھر بھی مرید کہلاتا ہے۔ مرید بمعنی ارادتمند یا عقیدت مند کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو یقین کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے عمل پیرا ہوتا ہے اور یہ تصوف کی اصطلاح میں مرید ہونے کا مستحق ہے۔ پس بزرگانِ دین اور مشائخِ طریق کے ساتھ تعلق و نسبت جوڑ کر احکامِ شریعت اور اعمالِ حسنہ پر عمل کرنے نیز اخلاقی حمیدہ پیدا کرنے اور اخلاقی ردیلہ سے اجتناب کرنے کا نام تصوف و احسان ہے۔ اور عالمِ اسلام میں زیادہ تر دین کی اشاعت و ترقی تصوف و سلوک کے ذریعے ہوئی ہے۔ تصوف و سلوک کے آئمہ مشائخِ عظام کی کوشش سے دنیا کے ہر ہر کونہ میں دین کی آواز لگی اور پھیلی ہے۔ اور یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ، بایزیدؒ، بوسطانیؒ، شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ رہبر و حق حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویریؒ اور مجدد الف ثانی سرہندیؒ اور دیگر اولیائے عظام کی محنت سے دین کی اشاعت میں بہت بڑا کام کیا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شرف الدین تحکی مہندیؒ نے اور مولانا رومؒ و امام غزالیؒ نے دین کی ترویج و ترقی میں بہت کام کیا ہے۔ یہ صاحب تصوف حضرات ہی تھے اس لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ صاحب تصوف و سلوک کو دین کی اشاعت اور ترقی میں علیحدہ تصور کرے۔ حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجلس و صحبت کے تربیت یافتہ حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ نے دین کی اشاعت و ترقی کے لئے جو القائی عمل شروع کیا اور علمائے حق کی تائید اور پذیرائی حاصل ہوئی وہ عملِ حسنہ اب بھی دعوت و تبلیغ دین کے نام سے متعارف ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اسی خانقاہی نظام کے پروردہ اور اسی شاخ کے شمر ہیں جن کی محنتِ شاقہ سے اب تک دین کی محنت دنیا کے ہر ہر کونے میں جاری ہے اور یہ محنت تبلیغ و دعوت کے نام سے متعارف اور رونما ہو چکی ہے جو کہ شریعت کے عین

مطابق عدل و انصاف اور حقیقت پر مبنی ہے۔ اور تصوف و سلوک میں محنت کرنے کا ایک صلہ و ثمر ہے۔ تصوف و سلوک کا حصہ و جزو ہے جو کہ چلتی پھرتی خانقاہ ہے۔ اور اصلاح اعمال کا ایک طریق ہے۔ مگر خانقاہ کا ذمہ دار یا امیر نہایت باصلاحیت اور دینی مصلح ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے حضرت الیاسؒ جب جماعت کی تشکیل فرماتے تھے تو امیر ایسے شخص کو مقرر فرماتے تھے جو صاحبِ حال و قلبی ذکر کی نعمت سے سرفراز ہوتا تھا۔ کیونکہ دین میں محنت کا جذبہ اور اثرات پیدا ہونے کا انحصار ذمہ دار/امیر جماعت کی ذات پر ہے۔ امیر جماعت دین میں جس قدر تعمر فی العلم اور تقویٰ و ورع کا مالک ہو گا اسی قدر جماعت پر اثرات زیادہ مرتب ہوں گے۔ مگر آج کل ایسے ہمہ صفت موصوف اشخاص کا ہونا مفقود ہے۔ خلوص تصوف و اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے اندر یہ جذبہ و خلوص پیدا ہو کر القائی صورت میں ان پر جو صورت حال ظاہر ہوئی قابلِ تحسین اور قابلِ عمل بنی۔ اور اُن جیسی محنت و کیفیت ہر کسی مبلغِ دین کے لئے لازمی امر ہے اسی لئے وہ جماعت والوں کو تبلیغ میں تشکیل سے پہلے رائے پوریا سہانپور بیعت کرانے کے لئے جوق در جوق بھیجتے تھے۔ حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ یا عبدالقادر رائے پوریؒ خود جماعت میں نکلنے والے نہ تھے بلکہ نکلنے والوں کا تزکیہ نفس کرنے والے تھے۔ تسلی کے لئے سوانح عمری حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ جو کہ حضرت ابوالحسن علی ندویؒ کی قلم سے ہے دیکھیں پھر آپ کو تصوف و سلوک کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ تصوف و احسان کے برکات کیا ہیں۔

دین کی ہر محنت کے ساتھ ساتھ تصوف و احسان مانندوں جو جان بہار قوت ایماں (حبیب)

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ تصوف دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک خدا تعالیٰ سے سچا معاملہ رکھنا۔ دوسرے مخلوق کے ساتھ نیکو کاری اور بردباری کرنا جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں وہ سچا صوفی ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ سچا رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی ہر قسم کی خواہشوں اور لذتوں کو اُس (اللہ) کے حکم پر قربان کر دے۔ اور مخلوق سے نیکو کاری کرنے کے

معنی یہ ہیں کہ کسی کو اپنے حسبِ دل خواہ (مطیع و فرمانبردار) بنانے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ خود ہی ان سب کا خیر خواہ بن کر رہے۔ جب تک کہ ان کی خواہش خلافِ شریعت نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص خلافِ شریعت کرتا ہے یا خلافِ شریعت کام میں بغیر ہچکچاہٹ محسوس کرنے کے راضی ہوتا ہے۔ وہ ہرگز سچا صوفی نہیں ہے اگرچہ وہ مدعیِ تصوف ہے تو بھی وہ جھوٹا مدعی ہے۔ اور من گھڑت صوفی ہے نیز خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ صوفی کے لئے یہ امر ضروری ہے۔ اول:- احکامِ شریعت کا لحاظ رکھنا تا امکان بندہ کی کوئی حرکت و سکون خلافِ شریعت نہ ہونے پائے۔ دوم:- قضاء و قدر اور قسمت پر راضی ہے (ادھر ادھر حملے نہ مارے اور نہ دنیا داروں کی برابری کرنے کی خواہش رکھے اور بغیر تکلیف کچھ میسر آئے شاکر رہے) سوم:- اختیار و خواہش کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی خواہش و اختیار پر رضا مند ہو جائے (اپنی خواہش پر زور نہ دے اور نہ خواہش پوری ہونے کی فکر رکھے۔ محنت ضرور کرے مگر مرضیِ خدا کی پسند رکھے۔ توکل و بھروسہ خدا پر رکھے اور جو کچھ نعمتوں میں سے حاصل ہے ان کی جانب التفات نہ کرے اور نہ یہ کہے کہ ان کو استعمال کا موقع ملے گا یا نہیں بلکہ اس جانب (دھیان بھی نہ ہو اور دھیان خدا کی جانب ہو) (از اہم مکتوب مصنفہ امام غزالی ص ۳۰)

حضرت اشرف خان صاحبؒ پشاور کی اپنی کتاب سلوک سلیمانی ص ۵۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ حضرت سید الملتہ حضرت سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک تصوف و سلوک صرف چند اوراد اور اشغال و احوالِ باطنی کا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کو سدھارنے اور طریقِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بنانے اور کمالِ تقویٰ و احسان کے حصول کی کوشش کا نام تصوف و سلوک ہے۔ اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حضرت تھانویؒ) ظاہری اعمال کی اصلاح۔ اخلاق کی پاکیزگی، معاملات کی صفائی، معاشرے کی درستگی اور حرام و حلال کی تمیز کو تصوف کا سب سے بڑا مقصد اور سالکین کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ فرمایا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ظاہری اتباع کافی ہے۔ یعنی سیاہ پگڑی باندھ لی۔ سرمہ لگا لیا، تہہ بند نصف

ساقین تک اونچا کر لیا۔ (مسواک کر لیا) اور اتباع مکمل ہو گیا۔ میں (تھانوی) ظاہری اتباع کی نفی نہیں کرتا وہ بھی ضروری ہے لیکن باطنی (طریق میں) اتباع اس سے بھی اشد ضروری ہے۔ (اور وہ ہے اللہ کے ساتھ سچا معاملہ اور عشق و محبت سے لبریز دل جس میں سوائے طلب الہی کے کچھ نہ ہو سکے اور ہر لمحہ دھیان و توجہ خدا کی جانب متوجہ رہے۔ اور ذکر دوام حاصل ہو۔ خلوت در انجمن اور یادداشت کی حقیقت سے آگاہی حاصل ہو۔ گویا اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے جاگتے سوتے تعلق مع اللہ رہے اور یک لحظہ غفلت نہ ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے فرمان لی مع اللہ سناعة کی حقیقت سے آشنا ہو تو پھر ظاہری اتباع کے ساتھ باطنی اتباع کا حق بھی ادا ہو گیا۔)

ازدروں شو آشاو زیروں بیگانہ باش ایں چنین زیباروش کم فی بود اندر جہاں ترجمہ۔ اپنے باطن سے آشا ہو جا اور اپنی ذات (نفس) سے بیگانہ ہو جا اور اس قسم کا مناسب اور زیبا رویہ جہان میں بہت کم دیکھنے میں آ سکتا ہے۔ (کیونکہ یہ باطنی ضمیر دولت عظمیٰ کسی کسی کو نصیب ہو سکتی ہے) افعال میں اتباع ہو فکر و کیفیات میں اتباع ہو۔ ضابطہ نفس ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر کا ہر حال میں پابند ہو یہی اصل مقصد اور تصوف ہے۔ آنکھیں بند کر کے سبز اور زرد نور دیکھنا یا کچھ نظر آنا یہ کچھ بھی نہیں اگر اس کو اتباع شریعت نصیب نہیں اور اگر اتباع شریعت نصیب ہے تو پھر یہ نظر آنا نور علی نور ہے مگر مقصود نہیں ہے۔ مقصود اللہ تعالیٰ ہے جو کہ بے کیف بے مثل کیف رنگ اور کیفیت سے باہر وراء الراء ہے۔ جو کچھ ادراک اور فہم میں آ سکتا ہے غیر خدا ہے۔ اس لئے کچھ دیکھ کر خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ خدا کا قرب یہ ہے کہ سب کچھ عدم و گم ہو جائے اور صرف اُس کی موجودگی کا یقین پختہ ہو جائے یعنی اپنی ذات و نفس بھی ادراک سے باہر ہو جائے "ذغ نفسک و تنعال" کا راز یہی ہے۔

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صوفی کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ وہ سب راہ کے مناظر ہوتے ہیں۔ اسے تصوف و سلوک

کاغذ نہ سمجھ بیٹھے۔ بلکہ تصوف وحدود شرعی کی پابندی اور سنت نبویؐ کی پابندی کرتے ہوئے راہ معرفت کے متلاشی ہونے کا نام ہے۔ (راہ کے مناظر مقصود نہیں مگر سوائے حق پیش رفت کی علامت و نشانات ضرور ہیں جس طرح کوئی لاہور جاتے ہوئے راہ میں گوجرانوالہ، مرید کے آبادی کے مناظر ضرور ملاحظہ کرے گا اصل مقصد لاہور پہنچنا ہے۔ گوجرانوالہ اور مرید کے مقصود نہیں بلکہ راہ کے مناظر ہیں۔ مگر لاہور کی طرف پیش رفت کی دلیل ضرور ہیں۔)

حضرت اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا۔ مقصود و سلوک و تصوف رضائے الہی حق ہے۔ اور اس کے بعد دو چیزیں ہیں۔ طریق کا علم اور اس پر عمل، سو طریق صرف ایک ہی ہے۔ یعنی احکام ظاہری و باطنی کی پابندی۔ اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر قلبی پر دوام ہو سکے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو صحبت اختیار کرے۔ اور اگر کثرت کے لئے فراغت نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس امر کا بدل ہے۔ اور دو چیزیں طریق کی مانع ہیں۔ (۱) معاصی (۲) فضول کاموں میں مشغول و دلچسپی۔ ایک امر ان سب کے نافع ہونے کا ذریعہ و شرط ہے۔ یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد و مقصود میں دیر سویر ہوتی ہے۔ یہ سارے طریق (تصوف) کا خلاصہ ہے۔ حق تعالیٰ کے قریب ہونے کا یہی ایک راستہ ہے۔ کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں اور اخلاق حمیدہ آتے رہیں۔ معاصی چھوٹے رہیں۔ طاعت کی توفیق و ہمت ملتی رہے۔ غفلت من اللہ جاتی رہے۔ اور توجہ الی اللہ پیدا ہوتی رہے۔ دنیا کی محبت جاتی رہے (خدا کی محبت زور پکڑتی رہے) پس یہی طریقت کی حقیقت اور مغز ہے۔ اسوۂ حسنہ اور سلف صالحین کا عمل ہے نیز (مندرجہ بالا عبارت) تصوف و سلوک کا انچوز اور خلاصہ ہے۔ اور طریقت و تصوف کی غرض انتہا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جو کہ مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مایہ ناز خلیفہ اور تفسیر مظہری کے مصنف ہیں۔ اپنی کتاب کشف الحجابہ ص ۸۸-۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔ شریعت

کی مغز و حقیقت درویشوں کی خدمت میں رہ کر تلاش کرنی چاہیے اور یوں نہ کہنا چاہیے کہ حقیقت شریعت سے خلاف ہے۔ یہ بات جاہلوں کی ہے اور اس طور پر کہنا کفر ہے۔ بلکہ شریعت یہی ہے۔ اولیاء اللہ کی خدمت میں اور رنگ پیدا کرتی ہے۔ یہ دل جب علاقہ محبت اور علاقہ علمی اللہ تعالیٰ کے سوا اور چیزوں سے دور رکھتا ہے۔ دل پاک ہو جاتا ہے اور نفس کی برائیاں دور ہو کر نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ذوق خاص پیدا ہو جاتا ہے۔ پس یہی شریعت اس کے حق میں مغز ہے۔ اور اس کی نماز خدا کے نزدیک اور علاقہ بہم پہنچاتی ہے۔ یعنی اس کی دو رکعت نماز اوروں (عام لوگوں) کی لاکھوں رکعت نماز سے بہتر ہوتی ہے۔ اور یہی حال اس کے صوم و صلوٰۃ اور (دیگر نیکیوں) اعمال حسنہ کا بھی ہوتا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم سب اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر نہ ہوگا۔ جو کہ صحابہ کرامؓ نے خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے۔ یہ مرتبے ان کے قوت ایمانی اور اخلاص کے سبب سے تھے۔ اور یہ قوت ایمانی ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں نصیب ہوئی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باطنی نور کو درویشوں اور اللہ والوں کے سینے سے ڈھونڈنا چاہیے۔ تاکہ ہر نیک و بد صحیح فرست نور سے دریافت ہو جائے۔ قرآن شریف میں ولی اللہ متقی جو کہ ذکر دوام اور تعلق مع اللہ رہنے کی صفت سے موصوف ہے ایسے بیدار بخت کہا گیا ہے۔ قولہ تعالیٰ

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ اور وہ درست رکھتا ہے نیکوں کو۔

اور حدیث شریف میں فرمایا کہ علامت اولیاء اللہ وہ ہے کہ ان کی صحبت سے خدا یاد آوے۔ یعنی ان کی صحبت سے دنیا کی محبت کم ہو جائے اور محبت الہی زیادہ ہو جائے۔ لیکن جو آدمی متقی نہیں ہوتا وہ ولی اللہ نہیں ہوتا" (اگرچہ لوگوں میں مشہور کیوں نہ ہو جائے عام لوگوں کے نزدیک ولایت کا معیار صرف گدی نشین ہو جانا ہے اگرچہ اہل بھی نہ ہو۔ مگر باپ دادا کی وراثت سمجھ کر لوگ اس کے سر پر گجڑی رکھ دیتے ہیں) حقیقی جانشین اور اہل اللہ میں سے اگر

کوئی ملے تو اس کی مجلس و صحبت اکسیر ہوتی ہے۔ جس کی صحبت کے چند منٹ سالہا کی عبادت سے بہتر ہیں۔ مولانا رومؒ نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر است از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ۔ کچھ وقت اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے ساتھ گزارنا سو سال کی طاعت بے ریا سے بہتر ہے۔ اسی لئے حضرت الیاسؑ ایک بار حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ شام کی نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت الیاسؑ کا معمول تھا کہ نماز مغرب کے بعد نوافل کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت رائے پوریؒ نماز مغرب سے فارغ ہو کر کسی وجہ سے نوافل چھوڑ کر اپنے کمرہ میں چار پائی پر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت الیاسؑ نے جب دیکھا کہ حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ فارغ ہو کر چار پائی پر تشریف فرما ہیں تو حضرت الیاسؑ نے نوافل چھوڑ کر حضرت رائے پوریؒ کی مجلس میں آ کر خاموش بیٹھ گئے حضرت الیاسؑ رائے پوریؒ نے فرمایا مولانا صاحب آپ نے نوافل ادا کرنے تھے۔ مگر آپؑ نے فرمایا حضرت آپ کی مجلس میں میرا بیٹھنا نوافل سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ تھے دین کو سمجھنے والے۔ اگر کوئی آج کل کا زاہد ہوتا تو خوب جھوم جھوم کر نفل ادا کرتا اور ایسے ولی اللہ کی کیا پرواہ ہوتی کہ جس کی مجلس میں بیٹھنا نوافل سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ مگر ایسی فراست کا نصیب ہونا تصوف و سلوک میں محنت کرنے سے حاصل ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی طلب کی محبت پیدا ہوگی۔

پس اللہ تعالیٰ سے سچی دوستی اور محبت کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل پر پابند رہتے ہوئے۔ کسی اللہ والے کی صحبت وہ ہمنشین اختیار کر کے راہ سلوک کی تکمیل کرنی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ سلوک و تصوف جو کہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اور نفس پرست بناوٹی درویشوں کی ایجاد نہیں ہے۔ ایسے تصوف و سلوک کو اپنانے کی ہمت و توفیق نصیب فرمادے۔ اور ہم سب کو نور معرفت کی دولت عظمیٰ سے نوازے۔ اور آمین کہنے والوں پر رحم و کرم کی نظر فرمائے آمین یا رب العالمین۔

دل کی تاریکی اور روشنی کے نتائج

جس طرح جسم و کپڑوں کی صفائی نہانے اور دھونے سے ہوتی ہے۔ اسی طرح دل کی صفائی انوار ذکر الہی کے دل پر اثر مرتب کرتے ہوئے دل میں اترنے سے ہوتی ہے۔ نیک اعمال جو اخلاص نیت سے کئے جائیں۔ ان کے کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی نور دل کی تاریکی اور سیاہی کو روشنی میں بدل دیتا ہے۔ جس شخص میں جس قدر زیادہ محبت و اخلاص اور عجز و انکساری پائی جائے گی اسی قدر اس کے اعمال میں خدا کی طرف جانے کی ہمت پر داز ہوگی۔ اور اسی نسبت سے اس کے اعمالِ حسنہ سے روشنی پیدا ہوگی۔ اور دل کو سکون و راحت نصیب ہوگی۔ ہر نیک عمل کے کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے۔ مگر ذکر الہی جو دھیان و یکسوئی کے ساتھ کیا جائے اس سے بہت زیادہ اور بہت جلدی نور پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے صفائی جتنی جلدی ذکر الہی سے ہوتی ہے۔ باقی نیک اعمال سے اتنی جلدی صفائی نہیں ہو سکتی مگر ہر عملِ حسنہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخلاص نیت شرط اولین ہے۔

دل میں انوار الہی کے داخل ہونے کے لئے دل کا دروازہ (روزنِ قلب) کھلا رہنا چاہیے اور دل کا دروازہ عجز و انکساری۔ ملامتی و گمنامی سے کھلتا ہے۔ تکبر و غرور و خود بینی اور خود پسندی سے بند ہوتا ہے۔ اگر جس نے عجز و انکساری اختیار کرتے ہوئے اخلاص و رضائے الہی کے ساتھ نیک اعمال کئے تو ان کے سب نیک اعمال کا نور براہِ راست دل میں اترتا ہے۔ اور امراضِ قلبی کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ اور دل کو صفائی بخشتا ہے۔ جس کا دل جس قدر روشن اور منور ہوتا ہے اُس کو اسی قدر محبت الہی اور خوفِ خدا کا غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ مگر جس کا دل سیاہ و تاریک ہوتا ہے اُس کے دل میں بے چینی سی رہتی ہے۔ اور قہر و غصہ غلبہ پکڑتا ہے۔ حسد و کین و تکبر و غرور و نفسانیت و انانیت اور دیگر خدائے تعالیٰ کے ناپسندیدہ افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور جس

کا دل نور الہی سے منور ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے پسندیدہ افعال مہر وفا، حسن اخلاق، طلب معرفت الہی اور سنت و شریعت کی پابندی کا جذبہ نصیب ہوتا ہے۔ جس میں اخلاص نیت، عجز و مسکینی جتنی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی قدر اس کے اعمال حسنہ زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اور زیادہ وزنی بھی ہوتے ہیں۔ اور اسی نسبت سے خدا کی معرفت میں درجہ و مقام نصیب ہوتا ہے۔ اور ہر عزیز ہوتا ہے۔ کسی کے بارے میں بغض و حسد دل میں نہیں رہتا۔ نفس و شیطان کے اثرات اور وساوس سے جو اثرات دل پر ہوتے ہیں انوار ذکر الہی سے دھل کر صاف اور ختم ہو جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک مشاہدہ ہے کہ ان کے چند دوست و احباب کی آپس میں کچھ رنجش تھی۔ آپؒ نے دربار الہی میں دعا فرمائی۔ دعا میں ان پر ایک کیفیت و حالت طاری ہوئی اسی حالت میں آپؒ دیکھتے ہیں کہ آسمان پر ایک نوری نقطہ ظاہر ہوا اور پھر وہ نور پھیلتے پھیلتے اس مجلس کے احباب پر آکر برس پڑا۔ تو مجلس کے دوست و احباب جو ایک دوسرے سے ذاتی رنجش تھی فوراً ختم ہو گئی۔ اور آپس میں محبت و پیار پیدا ہو گیا۔ قریش مکہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور جانی دشمن تھے۔ مگر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس میں ان کے دلوں کی تاریکی روشنی میں بدل گئی۔ تو وہی قریش مکہ جو پہلے ایک دوسرے سے سخت مخالف تھے۔ آپس میں پیار و محبت کرنے والے اور ایک دوسرے پر جان قربان کرنے والے سچے دوست بن گئے۔ اور ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا مقام نصیب ہو گیا۔

پس معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کے خلاف دل میں حسد و بغل اور رنجش بھی دل کی سیاہی اور تاریکی کی بدولت ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ سیاہی و تاریکی جب خدا تعالیٰ کے ذکر و عبادت سے دھل کر ختم ہو جاتی ہے تو حسد و بغل اور دوسری امراض قلبی بھی دور ہو جاتی ہیں۔ یہ ہادر کر لینا چاہیے کہ اگر کسی کے دل میں حسد و بغل اور برے اثرات موجود ہیں تو اس کے قلبی تاریکی کے اثرات ہیں۔ اور اعمال فاسدہ دل کی تاریکی اور سیاہ ہونے کے اثرات اور دل کے

بگڑ جانے کا پس منظر ہیں۔ اسی طرح اعمالِ حسنہ دل کی روشنی اور جلاء کا صلہ و ثمرہ ہیں۔ لہذا دل کی کدورت و تاریکی کو خدا کے حکم کی دل و جان سے پیروی کرتے ہوئے اخلاصِ نیت اور عجز و مسکینی کے ساتھ نیک اعمال میں ہمہ وقت مصروف رہ کر دل کو دھونا اور صاف کرنا چاہیے۔ ذکر و فکر اور دھن و دھیان کے ساتھ یادِ الہی میں مصروف رہ کر دل کی تاریکی دور کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اور آخر وقت تک غفلت سے اجتناب کرتے ہوئے ذکرِ الہی میں مصروف عمل رہنا چاہیے۔

۱۔ اندریں راہ می تراش فی خراش تادم آخر دم فارغ مباحث
یعنی اندرونِ دل کو خدا کی عبادت اور ذکرِ الہی سے تراشتا و خراشتا یعنی صاف کرتا رہ
اور جب تک آخری سانس باقی ہے غفلت نہ کرنا اور ذکرِ الہی کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ اور اپنی جان کو
یادِ الہی سے فارغ نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوگی۔ اللہ
تعالیٰ ہمیں اپنا ذکر و فکر اور عبادتِ اخلاصِ نیت کے ساتھ کرنے کی ہمت و توفیق نصیب فرمائے
اور عجز و مسکینی کے ساتھ یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب کر کے حسد و بغل، تکبر و ریاکاری اور خود بینی، خود
اعتمادی اور خود پرستی کی امراضِ مہلک سے بچائے رکھے اور اپنی رضا اور فرمانبرداری اور طلب
معرفت کی خواہش کو پیدا فرمائے آمین۔

شیخ درہبر کے بتلائے ہوئے اصول و ضوابط کے تحت ذکرِ الہی کے برکات و ثمرات

ذکرِ الہی کے برکات بے شمار ہیں۔ یہاں چند فوائدِ تبرکات ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ کوئی
بندہ خدا اللہ والوں کی محفل و مجلس میں رہ کر غیر اللہ کا تذکرہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول
رہے۔ پیر و مرشد کا جو آپس میں تعلق واسطہ ہے۔ وہ بھی ذکرِ الہی کی بنیاد پر ہے۔ پیر اپنے مرید کو
گناہوں سے توبہ کرا کر ذکرِ اللہ کی طرف راغب کرتا ہے۔ پیر اپنے سلسلہ طریقت کے مطابق

مُردین کو بھی ذکر الہی کی تلقین کرتا ہے۔ اور اس پر مداومت کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ سلسلہِ چشتیہ اور سہروردیہ میں نفی اثبات (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) سکھا کر محنت کرائی جاتی ہے۔ اور سلسلہِ عالیہ نقشبندیہ میں لفظ اسم ذات (اللَّهُ) پر محنت کرائی جاتی ہے۔ نفی اثبات ہے تو بھی یا والہی کی جانب توجہ کا مبذول ہونا ہے۔ اور اگر اسم ذات ہے تو بھی یاد الہی کی جانب متوجہ ہونا ہے۔ اور دونوں طرز و طریق پر ذکر کرنے کا اصل مُدعا و مُنتجبا معرفت الہی ہی ہے۔ اور خدا تعالیٰ تک رسائی کے لئے بزرگانِ دین کے اپنے اپنے تجربہ پر طرزِ عمل ہیں۔ چاروں سلاسل میں جو ذکر الہی سکھایا جاتا ہے۔ یہ ذکر یکسوئی اور محبت و ربط کے ساتھ کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر جب عشق و محبت کے ساتھ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نام کا نور دل میں قرار پکڑ لیتا ہے اور ذکر الہی کے نور کا دل میں قرار پکڑنے کی علامت و نشانی یہ ہے کہ دل خدا کی یاد میں متحرک اور زندہ ہو جاتا ہے۔ ذکر الہی سے یہ دل چلتی ہوئی گھڑی کی طرح متحرک ہو کر جاری ہو جاتا ہے۔ اسی کو اجرائے قلب کہتے ہیں۔

دل کی گھائیوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کا نورانی سورج طلوع ہو کر تاریک قلب کو منور و روشن کر دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت والفت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ غفلت اور میل کچیل دُمل جاتا ہے۔ رحمانی برکات کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ شیطان ذلیل و خوار ہو کر رسوا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا قبضہ دل سے اٹھا کر دور ہو جاتا ہے۔ نیز ذکر دل میں اپنے زہریلے وساوس اور نافرمانی کے جراثیم داخل کرنے کی ہمت و جرأت نہیں کر سکتا ہے۔ ذکر اللہ کی حرارت کو برداشت نہیں کر سکتا اس لئے جب سوئے دل کے قریب لے جانے کی کوشش کرتا ہے تو ذکر اللہ کی مدد سے فوراً اٹھالیتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس خناس کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جو کہ دلوں میں وساوس ڈالتا ہے۔ فرمان الہی ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ: مُلْكِ
النَّاسِ: اِلٰهِ النَّاسِ: مِنْ
شَرِّ الْوَاَسِ الْخَنَّاسِ: الَّذِي
يُؤَسِّسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ
مِنَ الْجَنَّةِ وَ النَّاسِ

کہہ دیجئے کہ میں پناہ پکڑتا ہوں ساتھ
پروردگار لوگوں کے، بادشاہ لوگوں کے،
معبود لوگوں کے، اور برائی و سوسہ ڈالنے
والے پیچھے ہٹ جانے کی سے، وہ جو
وسوسہ ڈالتا ہے بیچ سینے لوگوں کے، جنوں
میں سے آدمیوں میں سے۔

اللہ تعالیٰ نے خناس کی عادت سے بھی روشناس فرمادیا کہ وسوسہ ڈالتے ہوئے جب
کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ وسوسہ ڈالنا مشکل ہو جاتا تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اسی لئے اس
کا نام خناس ہے اور خناس کا کام ہے کہ دلوں کے اندر غلط اثرات اور برائیوں کے وسوسے سے
داخل کرتا رہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی حفاظت میں آ جاتا ہے تو اس کے دل میں وسوسہ ڈالنے
سے کتراتا ہے اور آگے آ کر وسوسہ نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ بندہ گانِ خدا کا دل ذکر الہی سے ہمہ
وقت آباد رہتا ہے۔ اور کوئی ایسا وقت نہیں ملتا کہ غفلت ہو۔ اور یہ غفلت کی حالت میں آگے
بڑھتا ہے اور ذکر و فاکر کی صفت میں پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس لئے ذکر و اوم کی اشد ضرورت
ہے۔ تاکہ خناس دل پر حملہ آور ہو کر وسوسوں کا انجکشن نہ کر سکے۔

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ شیطان کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنا تکلیف دہ ہے
جس طرح انسان کے لئے خارش تکلیف دہ ہے۔ پس انسان جب ذکر الہی میں مشغول ہوتا
ہے تو شیطان نہایت پریشان ہوتا ہے۔ اور حملہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ کیونکہ آدمی ذکر اللہ
کے محفوظ قلعہ میں محفوظ رہتا ہے۔ اور اُس وقت تک محفوظ رہتا ہے جب تک ذکر الہی میں
مشغول رہتا ہے۔ بندہ اپنے خالق و مالک سے اُس کے ذکر و عبادت کی بدولت قریب ہو جاتا
ہے۔ تو لہ تعالیٰ۔

وَاذْكُرِ اللّٰهَ كَثِيْرًا اَعْلَمَكُم
تَقْلِحُوْنَ

اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ نجات حاصل
کرو۔

بندہ جب مسلسل صبح و شام خدا تعالیٰ کی یاد ذکر و عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے تو نور
معرفت حاصل کر کے خدا تعالیٰ کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ اور ذکر دوام کی صفت حاصل
ہو جاتی ہے۔ ذکر الہی کی بدولت ذاکر کے قلب و سینہ میں رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے انوار کی بارش برستی رہتی ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز حاجی محمد اعظمؒ فرماتے ہیں۔

۱۔ یہ دل ذکر دوامی سے ہو زندہ حیات جاویدانی کا مزہ دے
یعنی اے اللہ تعالیٰ میرا دل ذکر دوامی سے ہمیشہ زندہ ہو اور ہمیشہ کی زندگی کا لطف
عطا فرما دے۔ فضائل ذکر کے بارے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فضائل ذکر
کے نام پر ایک الگ رسالہ لکھا ہے۔ جس میں ذکر کے فوائد و برکات مکمل طور پر نقل فرمائے
ہیں۔ ان میں سے بعض فوائد مختصر طور پر درج کئے جاتے ہیں جن کی اکثر تبلیغی حضرات تعلیم
کرتے ہوئے تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور ذکر کرنے کی ترغیب ملتی رہتی ہے۔

۱۔ ذکر اللہ شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو کم کرتا ہے۔

۲۔ خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہونے کا سبب ہے۔

۳۔ دل سے غم و فکر دور کرتا ہے۔

۴۔ چہرہ پر نور ہوتا ہے۔

۵۔ رزق میں برکت ہوتی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی محبت کا دروازہ ہے۔

۷۔ ذکر اللہ کرنے والا زندہ اور ذکر اللہ نہ کرنے والا مردہ ہوتا ہے۔

۸۔ ذکر اللہ میں کثرت قربت خدا میں اضافہ ہے۔

۹۔ ذکر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔

۱۰۔ ذکر اللہ روح کی غذا ہے۔ جس طرح مچھلی کے لئے پانی ضروری ہے۔ اسی طرح روح کے لئے ذکر الہی لازمی ہے۔

۱۱۔ ذکر الہی سے جو کہ دھیان و یکسوئی سے کیا جائے عروج نصیب ہوتا ہے۔ جو کہ خدا کی جانب متوجہ رہنے اور قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

۱۲۔ ذکر الہی کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے۔ اور پل صراط پر آگے آگے چلتا ہے۔ ارشاد ربی ہے۔

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ
بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ
بُشْرَىٰ لَكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتِ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ هُوَ
لِفُوزٍ الْعَظِيمِ • (الحديد ع ۲۴)

اُس دن دیکھے گا تو مومن مرد اور مومن عورتوں کی دوڑتا ہوگا اُن کا نور اُن کے آگے اور دائیں طرف ان کے خوشخبری ہے تم کو آج یہ پیش ہیں۔ چلتی ہیں نیچے ان کے سے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہونے اُن کے یہی ہے وہ مراد پانا بڑا۔

۱۳۔ ذکر الہی سے مراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۴۔ مراقبہ ذکر الہی میں یکسوئی و یکجہتی میں مشغولی کا نام ہے۔

طریق مراقبہ

مراقبہ ترقب سے مشتق ہے۔ ترقب انتظار کو کہتے ہیں اس لئے مراقبہ میں ایک گونا گونا فوضات و احسانات، انعامات اور برکات ربی کا انتظار ہے۔ نیز مراقبہ انوارات صفاتیہ، تجلیات ذاتیہ اور خدا کی محبت میں فناء ہو کر دیدار الہی سے مشرف ہونے کا انتظار ہے۔ یہ مراقبہ ذکر الہی کا یکسوئی کے ساتھ بلکہ اپنی ذات کو بھی کالعدم خیال کرتے ہوئے تصور جما کر کیا جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعامات و اکرامات کا نزول ہوتا ہے اور بندہ خدا بارگاہ الہی میں مقبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ذکر کرنے والا محو ہو کر خدا تعالیٰ کی محبت میں فناء ہو جاتا ہے۔ مولانا رومؒ اس بارے میں فرماتے ہیں۔

ذکر ذکر محو گردو تمام جملگی مذکور ماندہ و السلام

ترجمہ۔ جب ذکر اور ذکر محو ہو جاتا ہے تو پھر ہر شے کو بھلا کر صرف محبوب (اللہ) کو ہی موجود پاتا ہے۔ ابن الدنیا نے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے جو چپ چاپ بیٹھے تھے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس سوچ میں بیٹھے ہو۔ عرض کیا مخلوقات الہیہ کی سوچ میں ہیں۔ یعنی اُس کی صفات میں غور کر رہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور نہ کیا کرو۔ وہ وراء الراء ہے۔ بلکہ اُس کی صفات میں غور کیا کرو۔ یعنی جتنی اونچی شان والا سمجھا جائے اس سے بھی اونچا ذی شان ہے۔ حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔ غور و فکر کو افضل اس لئے قرار دیا ہے کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں۔ دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی معرفت! اس لئے کہ غور و فکر معرفت الہی کی کنجی ہے۔ دوسری اللہ تعالیٰ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے۔ یہی غور و فکر ہے کہ جسے صوفیہ مراقبہ

سے تعبیر کرتے ہیں۔ (از فضائل ذکر ص ۴۳-۴۴)

مراقبہ ہمیشہ ذکر خفی کے ساتھ ہوا کرتا ہے کیونکہ زبان کو خاموش رکھ کر صرف تصورات کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور مراقبہ میں اپنے وجود کی نفی قرار دے کر خدا کی جانب یکسوئی قائم کی جاتی ہے۔ اس لئے ذکر لسانی سے زیادہ پراسرار اور پر کیف ہوتا ہے۔ اور درجہ میں بھی ستر درجہ دوچند ہوتا ہے۔

مستند ابو العلیٰ میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے۔ وہ ذکر خفی جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں۔ ستر درجہ دوچند ہوتا ہے۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو حساب کے لئے جمع کیا جائے گا کہ جب کرمانا کا تبین اعمالنا سے لے کر آئیں گے۔ تو ارشاد ہوگا۔ فلاں بندہ کے اعمال دیکھ کچھ اور بھی باقی ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو۔ اور محفوظ نہ ہو۔ ارشاد ہوگا۔ ہمارے پاس اس کی ایک نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں ہے۔ وہ ذکر خفی ہے۔ (یعنی جودل میں تصور و خیال کے ساتھ یکسورہ کروہ تنہا یوں میں اللہ اللہ کا دھیان کیا کرتا تھا اور اس کا دل اس کی تصدیق میں گھڑی کی آہٹ کی طرح آواز پیدا کرتے ہوئے متحرک رہتا تھا) یعنی ذکر قلبی کہ قلب میں ذکر الہی کا اجراء ہوتا ہے۔

نبیہتی نے شعب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے "کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اُس ذکر پر جس کو وہ سنیں تو ستر درجہ بڑھا ہوا ہے۔" یہ ایک باطنی رمز ہے جس کے بارے میں عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

میانِ عاشق و معشوق رمزِ ریت کرمانا کا تبین را ہم خبر نیست
عاشق و معشوق (بندہ و مولیٰ) میں ایک ایسی رمز ہوتی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ فرشتے تو صرف الفاظ نقل کر سکتے ہیں یا سن سکتے ہیں جن کو زبان کے ساتھ آہستہ یا بلند آواز سے ادا کیا جائے خیالی اور تصوراتی الفاظ کی ادائیگی سے بے خبر ہی رہے

ہیں۔ قولہ تعالیٰ

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ

رَقِيبٌ عَتِيدٌ ط کوئی ایسا لفظ بات سے ہونٹوں پر ادا نہ

ہونے والا نہیں جس کو تمہیں لکھنے کے

لئے تیار نہیں ہوتے ہوں

جب عام کلام لکھنے کے بغیر نہیں چھوڑتے تو پھر ذکر الہی جو زبان ہر چڑھے لکھنے بغیر

کب چھوڑیں گے۔ اس لئے زبانی ذکر آہستہ ہو کہ بلند آواز سے ہو ضرور لکھا جاتا ہے اور

فرشتوں کی معلومات میں ضرور آتا ہے۔ ماسوا خیالی و تصوراتی الفاظ کے مگر اللہ سے کچھ بھی

پوشیدہ نہیں ہے بلکہ وہ تمہاری خیانت سے دیکھنے والی آنکھوں کی شرارت کو بھی جانتا ہے۔ قولہ

تعالیٰ۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا

تَخْفَى الصُّدُورُ وہ تمہاری خائین نظروں کو بھی بھانپتا ہے

اور جو تمہارے دل کے ارادوں میں

تصورات ابھرتے ہیں ان کو بھی جانتا

ہے۔

بلکہ آئندہ بھی جو خیالات و تصورات ابھریں گے ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ پھر ایسے

خالق و مالک سے کس طرح کوئی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

کتنے خوش بخت و خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو ایک لحظہ بھی غفلت نہیں ہوتی کہ ان

کی ظاہری عبادت اپنے اپنے مقام پر اجر و ثواب کی حامل تو ہے مگر ہر وقت کا ذکر و فکر زندگی کے

اوقات میں مزید برآں ہے۔ اور یہی چیز ہے جس نے شیطان کو دوق اور پریشاں کر رکھا ہے۔

شیطان کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا کہ جتنا ذکر الہی کے نور سے ڈرتا ہے۔ چونکہ ذکر و فکر اور مراقبہ

ائم ذات سے دل کے اندر نور پیدا ہوتا ہے۔ جو کہ شیطان کی رسوائی کا واحد ذریعہ اور نفس امارہ

کی سرکوبی کا سبب ہے۔ اور معرفت الہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ خدا

تعالیٰ کو ملنے کے تین راستے ہیں۔ نمبر ۱ ذکر، نمبر ۲ رابطہ، نمبر ۳ مراقبہ۔ مراقبہ میں ذکر و ربط شامل ہوتا ہے۔ گویا یہ روحانی زندگی کے پروان چڑھنے کی فکر و ضابطہ ہے پس مراقبہ سے اخلاقِ رذیلہ اخلاقِ حسنہ میں جلد بدل جاتے ہیں۔ اور مراقبہ میں ذکر بندہ خدا کا ہم نشین اور قریب ہوتا ہے۔ مراقبہ سے جذب کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ جو کہ حصولِ معرفتِ الہی کی طرف جلد کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اور جذبِ عشقِ الہی کی قسم ہے۔ جذب ہی کو دوسرے معنوں میں عشقِ الہی میں گرفتاری کا نام دیا گیا ہے۔ اسی کیفیت کو جو اللہ اور بندہ کے درمیان تعلق اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضلوں کی عنایات ہیں جذب کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ اور اسی کو جذبہ بھی کہا گیا ہے۔ جذب و جذبہ ایک ہی معنی و مراد میں شامل ہے۔ حضرت راجا بابا گلی باغ والے آج سے دو سو سال پہلے اس جذب و جذبہ کے بارے میں فرما چکے ہیں۔

تانیہ پیک جذبہ ترک دنیا کے بود باوجود ماسوا اللہ بوئے مولا کے بود ترجمہ۔ جب تک بندہ کے اندر جذب یا جذبہ پیدا نہ ہوگا تب تک دنیا کی محبت دل سے نہیں جاسکتی۔ اور جب تک خدا کے غیر کو دل میں جگہ دے رکھی ہے معرفتِ الہی کی جو حاصل نہ ہوگی۔ اسی ضمن میں احقر ناچیز کی ناقص رائے یہ ہے۔

تاندہ ذکر دل شود ایں جذب پیدا کے شود گرباشد مرشد حق قلب ذکر کے شود ترجمہ۔ جب تک کسی کو قلبی ذکر نصیب نہیں ہو جاتا جذب کیسے پیدا ہوگا اور اگر مرشد حق کی مجلس و محبت نصیب نہ ہوگی تو قلب کیسے ذکر ہو سکتا ہے۔ اس لئے کامل و مکمل پیر و مرشد کی رہبری بغیر کتابوں سے دیکھ کر اپنے عقل و فکر کے استعمال سے مراقبہ کرنا بے معنی اور باعث نقصان ہوگا اللہ تعالیٰ ہمارے اندر طلبِ حق کی لگن پیدا فرمائے اور کسی بندہ خدا کی مجلس میں رہ کر طلبِ معرفت کی محنت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

پیر و مرشد کا بنیادی تعلق و واسطہ نیز بیعت کی ضرورت و اہمیت

بنی نوع انسان کے ایک دوسرے کے ساتھ جتنے تعلق اور رشتے قائم ہیں ان جملہ تعلقات میں سے اہم اور قیمتی تعلق دینی استاد و شاگرد اور روحانی رہبر و مرید کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک تعلق والدین کے ساتھ ہے۔ اور والدین کی اطاعت و فرمانبرداری لازمی ہے۔ اور ایک تعلق اپنے روحانی باشرع پیر و مرشد کے ساتھ منسلک ہے۔ جبکہ پیر و مرشد کی بھی جائز کاموں میں اطاعت و فرمانبرداری اور ربط و تعلق اور محبت ضروری ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں۔ "معلوم ہوا کہ شیخ کی حرمت و احترام والدین کی حرمت سے زیادہ ہے۔ اور شیخ کامل ہی حقیقی والد اور طریقت کا رہبر اور مُرید کو جہالت کی تاریکی سے معرفت الہی کے نور اور سعادتِ ابدی اور نجاتِ سرمدی کی طرف نکالنے اور فرشتوں کے ساتھ ملانے والا ہے۔ کیونکہ شیخ ہی گناہوں کا طبیب ہے۔"

والدین انسان کے لئے دنیا پر آنے کا ذریعہ و سبب ہیں۔ نیز اس کی جسمانی پرورش بچپن سے لے کر جوانی تک کرتے ہیں۔ اور اپنی اولاد کے لئے بہتر انتظام اور بہتر اقدام کر کے ان کے مستقبل کو سنوارتے ہیں۔ اسی طرح پیر اپنے مُرید کا ایک روحانی باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو کہ مُرید کی تربیت خُسنہ کرتا ہے۔ اور اس کے امراضِ قلبی کا علاج کر کے روح کو غذا پہنچا کر روحانی پرورش کرتا ہے۔ اور مُرید کو خدا کے قریب کرنے کا ایک واسطہ و وسیلہ ہے۔ پیر و مُرید کا تعلق ذاتی نہیں ہوتا بلکہ ان کا آپس میں تعلق و نسبت اللہ تعالیٰ کے نام اسمِ ذاتی (اللہ اللہ) سیکھانے کا واسطہ اور تعلق ہوتا ہے۔ اللہ ہی کے لئے محبت ہوتی ہے۔ اور اللہ ہی کے نام پر محبت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ شیخ و مُرید کی باہمی محبت و نسبت کے بارے میں حضرت سید سلیمان ندویؒ کے ملفوظات سلوکِ سلیمانی مصنفہ اشرف خان صاحب پشاورؒ ص ۹۵ پر لکھتے ہیں۔

"درحقیقت بیعت شیخ و مرید کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ شیخ اس کی اصلاح برائے دین اور خیر خواہی میں کمی نہ کرے گا۔ اور مرید شیخ کی ہر ہدایت پر جو کہ خلاف شرع نہ ہو، پابندی کرے گا۔ طلب حق کے بارے میں ہدایات کا خیر مقدم کرے گا"۔ اور اپنی اس نسبت کو اپنی نیک بختی کا ذریعہ تصور کرے گا۔

پس پیرو مرید کی یہ نسبت تمام تعلقات و رشتہ داریوں سے زیادہ اہم اور محبوب ہے۔ کیونکہ مرید اپنے پیرو مرشد سے تعلق و نسبت قائم کر کے اللہ تعالیٰ کا نام سیکھتا ہے۔ اور پھر پیر کی رہنمائی کے مطابق اس پر محنت کرتا ہے۔ اور اس محنت و کوشش کے صلہ و ثمرہ میں نہ معرفت الہی کی دولت سے نوازا دیا جاتا ہے۔ اس کا قلب و سینہ یاد الہی کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اسرارِ ربیٰ منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور جب تک اپنے شیخ کی کامل محبت دل میں پیدا نہیں ہو جاتی اُس وقت تک مرید پر نور معرفت کا راز نہیں کھل سکتا۔ جب شیخ کی محبت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت کا غلبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی کامل محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی کمال محبت نصیب ہو جائے تو اس شخص کا بخت بیدار ہو جاتا ہے۔ اور معرفتِ حقیقی نصیب ہو جاتی ہے۔

شیخ کی کامل محبت جس کو نصیب ہو جائے فنا فی الشیخ کے درجہ میں ہوتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت جس کو نصیب ہو جائے فنا فی الرسول کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کامل محبت رکھنے والے درجہ کو فنا فی اللہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ محبت جس قدر بڑھتی جائے گی مقامات میں ترقی نصیب ہوتی جائے گی۔ اور بندہ اپنی انا اور ذات کو کالعدم اور نفی کرے گا۔ پس شیخ مرید کے لئے خدا تعالیٰ کے قریب کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں۔

مرشد کامل ایسا ملایا جس دل دی کھڑکی لائی ہو۔ میں قربان مرشد تو باہو جس دیا بھید الہی ہو۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا کامل پیر عطا فرمایا ہے کہ جس نے میرے دل کے اندر ایک باطنی نور کی کھڑکی کھول دی ہے۔ میں اپنے پیر پر قربان جاؤں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے بھید و اسرار سے واقف کر دیا ہے۔ حاجی محمد اعظمؒ بھی فرماتے ہیں۔

طفیل پیر ہے اتباع سنت اسی سے قرب ہے تیرا خدایا

حضرت مولانا محمد اشرف خان پشاورؒ پیر مرشد اور مرید کے باہمی نسبت کے بارے میں اپنی کتاب سلوک سلیمانی ص ۸۳-۸۴ پر لکھتے ہیں۔ "شیخ کی اہمیت و ضرورت محتاج تعارف نہیں کہ بغیر شیخ کامل کی رہنمائی و دستگیری اور اس کی صحبت و اطاعت کے اس راستے میں ایک قدم بھی اٹھانا دشوار ہے جو موسیقی بھی ہوں تو اتباع حضرت لازمی ہے۔ ہدایت منحصر ہے اتباع شیخ کامل میں شیخ ہی وہ ذریعہ ہے جس کے واسطے سے اللہ تعالیٰ اپنے گونا گوں فیضان و برکات سے نوازتا ہے۔" مگر شیخ وہ شیخ جو اپنی ذات کے مفادات سے باہر ہو چکا ہو۔ تب ایسے شیخ کے سینہ میں انوار جمع ہو کر آگے تقسیم ہونگے۔"

یہ کسی میکدہ سے اٹھی موج ہے چلی آ رہی ہے جو فیضان ہو کر فیض ہے یہ کسی ولی وقت کا اب جو میرا شعر ہے البہام ہے پیر کی محبت اکیسرا عظم اور کبریت احمر ہوتی ہے۔ یہ فیض صحبت ہی تھا جس نے صحابہ کرامؓ کی زندگی کے رخ کو یکسر بدل دیا۔ اور ان کو اسوہ نبویؐ کا مکمل نمونہ بنا دیا۔ اور ان سے ہدایت کا سلسلہ جاری ہوا یہ الہی سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی طرح دائمی ہے۔ ہمارے حضرت والد فرماتے تھے قرن اول میں جماعت سے جماعت متاثر ہوتی تھی پھر جب اسلامی معاشرے میں اضطلال (سستی و کاہلی) آیا۔ تو جماعت کی بجائے افراد کا ملین پیدا ہونے لگے اور افراد سے افراد متاثر ہونے لگے۔ دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی۔ ہمارے اور آپ کے دل خالی ہو جائیں۔ (تو ہو جائیں) لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے موجود ہیں "اور موجود رہیں گے اور

قیامت تک موجود رہیں گے۔ اسی طرح بد بخت ازلی اور منافقین بھی موجود رہتے ہوئے اللہ کے بندوں کی مخالفت برائے مخالفت کرتے رہیں گے۔ اور اسی مخالفت کی بدولت صبر و تحمل پر اللہ کے بندوں کے درجات میں بلندی ہوگی۔ اور وہ صاحب فیض و برکات ہونگے۔ اور مجھے ہوئے قلوب کو ذرا الہی سے روشن و منور کرتے رہیں گے۔" جیسے چراغ کو چراغ جلاتا ہے۔ (مگر یاد رہے کہ بجھا ہوا چراغ بجھے ہوئے چراغ کو کبھی روشن نہیں کر سکتا اس لئے ایسے شخص کے گرد حلقہ نہ رکھیں جو خود ہی بے خبر ہو اور مکر و گرد آلود دل کا مالک ہو۔ کسی روشن قلب رکھنے والے کی تلاش کر کے اس کے گرد حلقہ رکھیں گے تو دل میں نورانیت پیدا ہوگی۔ اور یہ نورانی دل والا شخص میلے دل کو روشنی بخشنے کا اہل ہوگا) جن کے دل میلے ہو چکے ہیں۔ پھر ان کو روشن قلوب سے ملا دو تو صاف و روشن ہو جائیں گے۔

قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا روشن سراجا مُبْنِیْرَا یعنی روشن چراغ کہا گیا ہے۔ دنیا میں جو صلحا اور صوفیا موجود ہیں اول سے اب تک ان کے دل اُس چراغ سراجا مُبْنِیْرَا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روشن ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ سلسلہ طریقت کے شجروں میں جو حضرات اولیائے عظام میں سے انہی روشن چراغوں کے نام یکجا ہیں جیسے محدثین حضرات اپنی سندیں ملاتے ہیں۔ اسی طرح یہ روشن چراغ اپنا سلسلہ شجرہ میں ملاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا (یعنی سید سلیمان ندویؒ نے) زمین آسمان کی روشنی تو اللہ پاک ہی ہے۔ (اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ) یعنی اللہ ہی زمین و آسمان کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا جائے تو نور کہاں رہ جاتا ہے۔ ظلمت ہی ظلمت رہ جاتی ہے۔ نور تو اللہ تعالیٰ ہے اسی لئے جو اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہیں ظلمت میں ہیں یہ چیز پروپر گنڈا ہے ہاتھ نہیں آتی زعمہ دل بزرگوں کی صحبت اختیار کیجئے۔ جیسے ایک دیا سے دوسرا دیا روشن کیا جاتا ہے اسی طرح روشن قلب رکھنے والے سے صحبت و مجلس کی جائے تو تاریک دل بھی روشن ہو جاتا ہے۔ گویا روشنی ایک روشن دل سے دوسرے تاریک دل میں سرایت کرتے ہوئے روشن ہوتی ہے۔ انسان

فطرنا دوسرے کی صحبت سے متاثر ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل اللہ کی صحبت تو سراپا شعلہ طور ہے۔ جو
 ہاں اللہ کے تعلقات کو جلا کر خاکستر کی دیتی ہے۔ یہ حکمت الہی ہے۔ اور عادتِ خداوندی ہے
 کہ اپنے نور ہدایت و فیضان کو شیخ کے ذریعہ طالبینِ حق کے دلوں میں منتقل کر دیتا ہے۔ اور دلوں
 کی بھتی شیخ کی آبیاری سے ہری بھری اور سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔
 (تقمین شعر نمبر ۱)

تیرے ایک چھینٹے سے اے ابر بہاری ان دنوں
 سبز ہے شاداب ہے سیراب ہے گلزارِ دل
 جب سے بہار آئی ہے خزاں زدہ دل میں
 طالبِ حق میں مضطرب رہتا ہے میرے یار یہ دل
 نہیں ملتی یہ دولت کسی کو سینہ زوری سے
 مگر ہٹ جاتے ہیں اللہ والوں کی نگاہ سے زنگارِ دل

اللہ والے جس دل میں جب نگاہ کرتے ہیں
 سرایت کرتی ہیں دل شیدا میں شرارِ دل
 (حبیب)

اے طالبِ حق اللہ والوں کی صحبت کے اثر سے زندگی خود بخود بدل جاتی ہے۔ اور
 اہل دل کی کیا اثر نگاہ مسِ خام کو زرخاں بنا دیتی ہے۔ اور دل سے برے اثرات کو جلا کر نور
 سے منور کر دیتی ہے اور رُخِ دنیا سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی جانب پھر جاتا ہے۔
 مگر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

۔ تیری نظر میں ہے تاثیرِ مستی و صہبا تیری نگاہ جسے چاہے بادۂ خوار کرے
 تیری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں وہ چاہے مست کرے چاہے بیدار کرے
 اس راہ (تصوف) میں ہر وقت دھن و دھیان ہی سے کام چلتا ہے۔ بغیر فکرِ باطن

رسوخ اور اثر حاصل نہیں ہوگا۔ جو صحبت کامل کا ثمرہ ہے اور شیخ کا فیض باطنی ہوتا ہے۔ یہ قلبی فکر و دھیان اور دھن و سوز اور طلب ہی حصول مدعا کا بھی ذریعہ ہے۔ اور نعتِ عظمیٰ ہے۔ اور عشق کی بے تابیاں اور مبھوریاں بھی قرب و وصل سے کم نہیں ہیں۔

یہ عالم ہے دل کا غم عشق میں کہ مفہوم ہو کر بھی سرور ہوتا ہے
غرض خاصانِ حق کی صحبت محبت الہیہ کا سرچشمہ ہے۔ (استفادہ سلوک سلیمانی) اللہ والوں کی مجلس و صحبت قلوب کے حجابات کو دور کرتی ہے اور دل کے برے اثرات کو زائل کرتی ہے۔ اور دل میں نورانیت پیدا کرتی ہے۔ اس لئے بے فائدہ کتب اور رسائل و اخبار اور ناولوں کے قصے کہانیوں سے احتراز کر کے صحبتِ صلحاء میں وقت گزارنے کا متلاشی رہنا چاہیے تا کہ رخِ قبر و قیامت اور دینِ اسلام کی جانب پختہ ہو جائے۔

صد کتاب و صد ورق در نازکن جان و دل را جانبِ دلدار کن (مولانا روم)
ترجمہ۔ سینکڑوں کتابیں (بے فائدہ) اور سینکڑوں ورق (بے سود) کو آگ کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اور اپنی جان اور دل کو مکمل طور پر خدا تعالیٰ کی طرف پھیرنا چاہیے۔ اور یہ سعادت مندی اللہ والوں کی صحبت سے ہی میسر آ سکتی ہے۔ ایک عارف باللہ فرماتے ہیں۔
شریعت را استاد باید حقیقت را پیر درخت را آب باید طفل را شیر ترجمہ۔ شریعت کا علم سیکھنے کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے اور علم باطنی یعنی نور نبوت کو اخذ کرنے کے لئے شیخ و مقتداۓ حقیقی کی ضرورت ہے۔ جس طرح پودے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور بچے شیر خوار کے لئے دودھ کی ضرورت ہے۔ تب جا کر پروان چڑھتے ہیں مگر پیرِ باشرع اور قرآن و سنت کا حامل ہو۔ خلاف سنت و شریعت ہرگز نہ ہو۔

(پنجابی) خلاف شرع نوں پیر نہ منیے پاویں وچ فضا پرواز کرے

پہن لباس درویشاں داپاویں حق ھو دا آواز کرے (حبیب)

الغرض خلاف شریعت کو پیر و مقتداۓ تسلیم نہ کیا جائے اگرچہ ہوا پر اڑتا ہوا دکھائی دے

اور لباس درویشانہ پہن کر حق یا ہُوْھُو کے نعرے لگاتا ہوا سنائی دے۔ خبردار! ایسے انسان کے قریب ہونا خطرہ ایمان ہے۔ شریعت کی خلاف ورزی کرنے والا معرفتِ الہی کی خوشبو ہرگز نہیں سونگھ سکتا۔ اور ولایت کی خلعت اور مقام حاصل ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

خلاف پیغمبر کے راہ گزید ہرگز بمنزل وخواہد رسید
ترجمہ۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ ہرگز مقامِ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت دے اور قرآن و سنت پر چلنے کی توفیق بخشے
آمین۔

پیر و مرشد کے آداب اور باہمی ربط و تعلق

پیر و مرشد کے باہمی ربط و تعلق پر گزشتہ طور میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں مزید برآں روشنی ڈالی جاتی ہے کہ پیر کی اہمیت و ضرورت پر معلومات میں اضافہ پیدا ہوتا جائے تاکہ مرید اپنے خیالات و افکار کو درست طور پر استعمال کرنے کا خوگر ہو جائے۔ اور پیر کے واسطہ و نسبت سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت کی نعمت اُسے حاصل ہو جائے۔ پس طالب حق کی راہ سلوک طے کرنے کے لئے اپنے متشرع شیخ و رہبر کے دکھائے ہوئے طریقہ کے عین مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ سوائے سنت اوراد و وظائف کے باقی اوراد و وظائف میں اپنی ذاتی رائے کو دخل بر گز نہ دیا جائے۔ اپنے شیخ کے بتائے ہوئے وظیفہ پر دوام اور محنت کی جائے تو اسی میں فائدہ ہوگا۔

اپنی ترقی اور خدا تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے لئے اپنے مرشد کو کامل تصور کرے۔ اور اگر کسی دوسرے بزرگ کی مجلس میں جانے سے کچھ فائدہ پہنچے تو اس فائدہ کو بھی اپنے شیخ و رہبر کی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ فائدہ پہنچنے کا احساس بھی اس کو اپنے شیخ کی برکت و مجلس میں حاضری سے ملا ہے۔ ورنہ یہ تو وہی ہے جو شیخ کی مجلس نصیب ہونے سے پہلے تھا اور بے حس و بے اثر تھا۔ اثرات کا احساس شیخ کی صحبت و مجلس سے نصیب ہوا۔ نہ کہ خود بخود اس قابل ہو گیا۔ بقول سعدی

بگفتا من گلے ناچیز بودم و لیکن مدتے با گل نشتم

جمال ہم نشین در من اثر کرد و گر نہ من خالم کہ ہستم

ترجمہ۔ کیچڑ بولا کہ میں تو ناچیز کیچڑ تھا لیکن کچھ عرصہ پھولوں کی مجلس و صحبت میں رہ کر وقت گزارا ہے۔ اپنے ہم نشینوں کی مجلس کا اثر مجھ پر بھی اثر کر چکا ہے ورنہ میں تو وہی کیچڑ بے

خوشبو ہوں اور یہ خوشبو ہم نشینوں کی وجہ سے مجھ کو حاصل ہو گئی ہے۔ پس مرشد و شیخ کی مجلس سے ملے ہوئے اثرات کو نہ بھولے۔ اور مرشد کے حق میں اپنا عقیدہ مضبوط رکھے۔ مرشد کا احترام اور ادب ملحوظ رکھے۔ اگر نیت و ارادہ میں ذرہ بھر بھی ادب و احترام میں فرق کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی عنایات حکمت سے محروم رہ جائے گا۔

پیر اپنے مرید کو خدا تعالیٰ کے راستہ پر چلنے کی ہدایت اور رہنمائی کرتا ہے اس لئے دین کی حصول کے لئے ادب کی راہ اختیار کرنی ضروری ہے۔ اس لئے الذین کُلُّہ اذبت یعنی دین سارے کا سارا ادب ہے۔ پس راہ خدا بھی ایک دینی راستہ ہے۔ اور اس راہ پر چلنے کے لئے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ حضرت خواجہ احمد مجد الف ثانی سرہندیؒ کے شیخ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ فرماتے ہیں۔

در راہ خدا جملہ ادب باید بود تا جان باقیست در طلب باید بود

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہمہ تن ادب کا مجسمہ بن کر رہنا چاہیے۔ اور جب تک زندگی باقی ہے خدا تعالیٰ کی معرفت حقیقی کی طلب رکھنی چاہیے۔ اور خدا تعالیٰ کی طلب میں اہمیت مضبوط رکھنی ضروری ہے اور جب تک یہ نعمت حاصل نہ ہو جائے کوشش نہیں چھوڑنی چاہیے اگر کوشش و محنت میں زندگی بھی گزر کر خاتمہ ہو جائے تب تک کوشش ترک نہ کرے۔ کسی نے خوب فرمایا ہے۔

سایم اور ایانیا ہم جستجوئے می کنم حاصل آید یا نیا آرزوئے فی کنم

ترجمہ۔ کہ میں اپنے رب کی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا یا کامیابی نہ ملے مگر تلاش کرتا ہی رہوں گا زندگی میں حاصل آئے یا نہ آئے آرزو کرتا ہی رہوں گا۔ پس خدا کی طلب و محبت اپنے شیخ کے ساتھ ربط و تعلق جوڑنے اور اپنے شیخ سے اچھی عقیدت رکھنے سے حاصل ہوگی۔ پیر طریقت جو شریعت مطہرہ اور قرآن و سنت کا پابند ہو۔ اور جاہ و مال کا دلدادہ نہ ہو۔ صاحب حال ہو۔ پس مرید کو ایسے شیخ کا دامن پکڑ کر تزکیہ نفس کرانا ضروری ہے۔ اور اپنے

سرکش نفس کی اصلاح ایسے شیخ کی مجلس میں رہ کر کرنی چاہیے۔ حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں کہ پیر کا دامن پکڑ کر اپنے سرکش نفس کی سرکوبی کرنی چاہیے۔

۔ نفس سرکش را بکس از نطق پیر دامن آن نفس کش محکم گیر

ترجمہ: اپنے پیر کا دامن مضبوطی سے پکڑ اور اس کے زیر سایہ رہ کر اپنے سرکش نفس کی اصلاح کرتا رہا کر۔ اور اپنے پیر کی محبت میں سرشار رہ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی ضروری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اُن کے پیر حضرت باقی باللہؒ کسی کام کے لئے بلاتے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ پر خوف طاری ہو جاتا کہ خدا جانے میرا کچھ قصور معلوم ہو گیا ہے فرماتے ہیں کہ اُس وقت تک خوف طاری رہتا تھا جب تک خدمت میں حاضر ہو کر بلانے کی اصل وجہ معلوم نہ ہو جاتی تھی۔ خدمت میں حاضری سے پہلے دل میں خیال گزرتا تھا کہ خدا جانے میرے بارے میں کیا حکم صادر فرمائیں گے۔ اور اس خوف کے ساتھ رنگ بھی متغیر ہو جاتا تھا۔

پس خدا تعالیٰ سے بھی جو زیادہ ڈرتا ہے وہی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ شیخ کی محبت و حقیقت خدا کی محبت ہوتی ہے اور شیخ سے خائف رہنا بھی اسی حقیقت پر مبنی ہے مگر خوف ایسا نہ ہو کہ حق بات پر بھی کچھ اظہار نہ کر سکے اور اپنے بارے میں ہدایات اور اپنے مسائل بیان نہ کر سکے۔ اور کچھ مفید سوال پوچھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے خوف بھی دائرہ شریعت کے اندر اندر رہ کر ہونا ضروری ہے۔ ہاں شیخ کی مجلس میں عام بے سود کلام سے بچنا ضروری ہے۔ اور شیخ کے دامن سے کمال ادب و احترام کے ساتھ وابستہ رہ کر زندگی گزارنی چاہیے۔ اور کوئی بات ضروری دریافت کرنی ہو تو عرض کر سکتا ہے۔ ورنہ خاموشی بہتر ہے اور جب تک خود شیخ اس کو مخاطب نہ کرے کلام کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر شیخ کوئی بات پوچھے تو خوش کلامی اور نرم مزاجی کے ساتھ عرض کرے زیادہ گفتگو اور باتوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرے۔ کلام اگر کرنا ہے تو شیخ کی طبیعت اور مزاج کو دیکھ کر اور سوچ سمجھ کے ساتھ کرے۔

جاہلانہ کلام اور دنیا کے قصے کہانیاں اور واقعات پر تبصرہ کرنے سے احتراز کرے۔ نیت و ارادہ میں یا ظاہری طور پر کسی معاملہ میں اپنے شیخ پر اپنی برتری و فوقیت ثابت نہ کرے۔ اور نہ ایسی کوئی حرکت کرے کہ شیخ کی اہانت ہو جائے۔ ہر حال میں شیخ کے وجود کو اپنے لئے ذریعہ ترقی اور باعث برکت تصور کرے۔ شیخ کے سامنے باوجود عالم فاضل ہونے کے خود کو انجان تصور کرے اور عاجزی کا دامن تھامے رکھے۔

اپنے قلب میں انوار و اردات جو محسوس کرے انہیں شیخ کے سینہ کا عکس اور فیض تصور کرے۔ اپنے شیخ پر نیک گمان رکھے بدگمانی سے بچے۔ ہاں اگر شیخ بدعات و رسوم کی طرف مائل ہو تو اس کی موافقت کرنا لازمی نہیں۔ اپنے شیخ کی جائے نشست پر نہ بیٹھے اور نہ اس کے سایہ پر قدم رکھے۔ شیخ اگر اپنی جائے نشست پر بیٹھنے کا حکم دے تو حکم تسلیم کرے۔ شیخ کے سامنے متکبرانہ انداز میں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے معذوری ہو تو حرج نہیں ہے۔ شیخ کی موجودگی میں ایسی جگہ اور ایسے انداز سے نہ بیٹھے کہ برابری ظاہر ہوتی ہو یا اس سے بہتر جگہ کا اظہار ہوتا ہو۔ ہر صورت میں شیخ کا ادب نظر انداز نہ ہوتا ہو۔ شیخ کے سامنے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو شیخ کی طبیعت پر ناگوار گزرے۔ شیخ کی کرامت نہ ڈھونڈے شیخ کے وجود با برکت کو ہی کرامت تصور کرے۔ جو ادب و احترام شیخ کی موجودگی میں کرتا ہو وہی ادب و احترام شیخ کے پشت پر بھی کرے۔ شیخ کی معمولی نیکی کو بھی اعلیٰ مقام دے اور اپنے ہر عمل نیک کو اعتمادی شکل نہ دے بلکہ اس کی قبولیت کی درخواست عاجزانہ طور پر نیت و ارادہ کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش کرے۔ تاکہ عمل نیک کو شرف قبولیت حاصل ہو جائے۔

شیخ کی صحبت میں جانے سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگ کر اور اللہ کے نور معرفت کی طلب لے کر حاضر ہو جائے۔ کیونکہ غافل انسان کے قلب و سینہ کا رنگ و میل اور اس کی نفسانی خواہشات بندہ گان خدا کی قلبی صفائی کو متاثر کر کے انہیں پریشان کر دیتی ہیں۔ اللہ والوں کی مجلس میں اگر اس قسم کا کوئی آدمی جو طلب حق نہ رکھتا ہو۔ اور اپنی دنیاوی

غرض کے لئے قریب ہو گیا ہو۔ تو ان کی محفل و مجلس میں ایسی بدمزگی پیدا کر دیتا ہے جیسے صاف و شفاف پانی کی بالٹی میں ایک مٹی کا ڈھیلا بھینکنے سے جو بالٹی کا پانی گدلا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت بندگانِ خدا کے قلب میں پیدا ہوتی ہے پھر گدے پانی کو اور میل و زنگ کو صاف کرنے کے لئے کافی محنت اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

لہذا بندہ گانِ خدا کی محفل و مجلس میں اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر خدا تعالیٰ کی طلب و محبت کی نیت سے بیٹھنا ضروری ہے۔ تاکہ نور بصیرت اور نور ایمانی کی دولت حاصل ہو جائے۔

حضرت عارف باللہ فرماتے ہیں۔

چوں بہ پیش بزرگے ہم گوش باش
اد کہ خن گوید تو خاموش باش

ترجمہ۔ جب تو کسی بندہ خدا کی مجلس میں حاضر ہو جائے تو اس کی باتوں کی طرف متوجہ ہو جایا کر۔ یعنی خود نہ بول اور جو کچھ وہ نصیحت کرے خاموشی سے سنتا رہا کر۔ تب تیرے لئے بندہ خدا کی صحبت و مجلس کا رآمد اور مفید ثابت ہوگی۔ حضرت عبداللہ اپنے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

کنج بودم نہانی
کلید آن بدست خرقائی

منا گاہ رسیدم پنجمہ زندگانی
چندال بخوردم کہ زمن ماندم نہ خرقائی

ترجمہ۔ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا اور اس خزانے کی کنجی حضرت خرقائی کے دست مبارک میں تھی یعنی جس خزانہ کے دروازہ کو کھولنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوالحسن خرقائی کو مقرر فرمایا ہوا تھا۔ اچانک ان کی خدمت میں پہنچا جو کہ حیات جاویدانی کا چشمہ تھے۔ جب ہی میں نے اس چشمہ پر پہنچ کر آبِ حیات پیا۔ تو خدا کی محبت میں ایسا فنا و گم ہو گیا کہ نہ اپنی فہم و ادراک رہی اور نہ اپنے مرشد خرقائی کی خبر رہی بلکہ خدا کی محبت و تجلیات میں فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہو گیا۔

خدا کے بندوں کی صحبت اکسیر ہوتی ہے مگر پتھر پر نہیں خاک بنے تو تاثیر ہوتی ہے

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یعنی مرد مومن کی نگاہ و صحبت سے تقدیر (معلق) بدل کر انسان بری لائن سے ہٹ کر اچھی لائن پر قدم رکھ لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اللہ والوں کی صحبت و مجلس کے بارے میں فرمایا ہے۔

م عارف نسیم صبح دم ہے اسی سے ریشہ مضیٰ میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر شہابی سے کلیسی دو قدم ہے

یعنی عارف باللہ کی مجلس و سانس صبح کی ہوا کی مانند ہے جس طرح صبح کی ہوا سبزہ پھولوں میں بہار لانے کا عمل کرتی ہے اسی طرح عارف باللہ بھی مردہ قلوب میں زندگی اور بہار لانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

فرمایا کہ کوئی عارف مثل شعیبؒ مل جائے تو گلہ بانی سے کلیم اللہ ہونے میں بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی صحبت ملی تو گلی بانی سے ترقی ہو کر کلیم اللہ بن گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ عارف باللہ کی مجلس میں اسفل سے علویات کی طرف ترقی نصیب ہوتی ہے یہاں موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کا بطور تمثیل تذکرہ کیا گیا ہے۔ ورنہ موسیٰ علیہ السلام بھی برگزیدہ نبی تھے اور شعیب علیہ السلام بھی برگزیدہ نبی تھے۔ اقبالؒ نے عارف باللہ کو شعیبؒ کی نسبت دے کر اور طالب حق جوازی و فضلی معرفت الہی کا اہل ہے اس کو موسیٰؑ کی نسبت سے تشبیہ دی ہے کہ اگر اہل معرفت کو کوئی اللہ کا بندہ میسر ہو جائے تو اسے اگرچہ گلہ بان ہی کیوں نہ ہو اللہ کے بندے کی صحبت میں تبدیل ہو کر عارف باللہ اور صاحب مشاہدہ معارف ربی بن جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ عارف باللہ حقیقی کی صحبت ہو اور اہل معرفت حقیقی کو صحبت میسر ہو۔ یہاں عام لوگوں کی پیری و مریدی کی بات نہیں ہے۔

مگر یہاں ایک بات نکتہ کی یہ بھی ہے کہ جس طرح اللہ والوں کی صحبت میں تاثیر

احسن ہے۔ اسی طرح برے لوگوں کی صحبت بھی دل میں کدورت و میل اور دینی امور میں سستی پیدا کرتی ہے۔ اور ان کی غفلت کا عکس براہ راست دل پر اثر پیدا کر کے ذوق و شوق اور حضوری میں رکاوٹ اور بُعد و دوری پیدا کرتا ہے اور غفلت والے دل کی میل و سیاحتی صفائی والے دل کو کالا و مکدر کر دیتی ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند

یعنی اچھوں کی صحبت تجھے اچھا بنا دے گی اور بدوں کی صحبت تجھے برا بنا دے گی۔

مردم نا اہل را در صحبت خود را ہمہ سعادت دنیا و آخرت در صحبت داناشناس

ترجمہ۔ عارف باللہ عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ نا اہل شخص جو کہ دین سے دور ہوتا ہے اور غافل دل رکھتا ہے اس کی مجلس اختیار نہ کر اور دنیا و آخرت کی سعادت مندی کو اللہ والوں کی مجلس میں رہ کر تلاش کر جو کہ حقیقی عقلمند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل معرفت بنائے اور اپنے بندوں کی مجلس و صحبت نصیب کرے اور ہدایت اسلام، ایمان نصیب کرے اور نیک لوگوں کے ساتھ رکھے اور ان کے ساتھ خاتمہ فرمائے آمین۔

پیر و مرشد کی محبت و تربیت ثمر خیر ہوتی ہے

پیر و مرشد کے درمیان جو محبت قائم ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کی جانب سے ایک عطیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ کو بھی اپنے مرید صادق سے محبت ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کی محبت خالص اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہی محبت بڑھتے بڑھتے ایسی غالب ہو جاتی ہے کہ ماسوا اللہ سے الفت و محبت نہیں رہتی۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت کا غلبہ نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت خواجہ سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز حاجی محمد اعظمؒ فرماتے ہیں۔

محبت ہی نہیں دنیائے دوں سے خدا کا راستہ جب سے دکھایا

اسی طرح اپنے پیر و مرشد سے محبت کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

کسی کا شوق ہم کو گھیر لایا کسی کی دید نے بے گل بنایا
جمالِ یار کی پرتو ہے دل میں وہی نقشہ ہے آنکھوں میں سما
رُخ پر نور کی بجلی جو چمکی! دل شیدا میں اس کا عکس پایا
رگِ جاں میں سائی تیری الفت تصوف کا مزہ جب سے چکھایا

اسی طرح حضرت سید پوریؒ کے ایک اور خلیفہ مجاز اور عاشق و دیوانے عارف باللہ حضرت غلام ربانیؒ مگڑ فنک والے فرماتے ہیں۔

از نکوسِ شمس الدین طائرِ شدم از مکاں تالامکاں سائرِ شدم

یعنی میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت سید پوریؒ کی عکس ریزی اور برکت کی وجہ سے عروج حاصل کیا۔ اور انہی کی برکت اور توجہ کی بدولت مکاں سے لامکاں تک سیر و عروج حاصل کیا ہے۔

اسی طرح حضرت سلطان العارفين سلطان باہوؒ بھی اپنے پیر و مرشد عبد الرحمنؒ کے بارے میں عقیدت کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

مرشد کامل ایسا ملایا جس دل دی کھڑکی لائی ہو
میں قربان مرشد توں باہوؒ جس دیا بھید الہی ہو
ابھیہ تن میرا اکھیاں ہو وے تے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہو
ہر ہر لوں دے مڈھ لکھ لکھ اکھیاں ہوون ایک کھولاں تے اک کجاں ہو
اقتیاں ڈھیاں صبر نہ آوے تے ہو رکتے دل پچاں ہو
مرشد کا دیدار ہے باہو مینو ن لکھ کروڑاں حجاں ہو

پیر و مرشد کے مابین یہ کمال محبت و الفت کا تعلق و سلسلہ خدا کا نام سکھانے اور اس پر محبت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ شیخ و رہبر خدا کے قرب میں جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی

مرید کے لئے ترقی و مدارج کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ معالج جتنا ماہر اور نبض شناس ہوگا مریض کے مرض کی تشخیص جلدی اور بہتر کرے گا۔ اور مریض جلد شفا یاب ہوگا۔ اور اگر معالج خود ہی بیمار اور نبض شناس نہ ہوگا تو مریض کا کیا علاج تجویز کر سکے گا۔

۔ نیم حکیم خطرہ جان کا مصداق ہوگا

لہذا معالج کا تجربہ کار اور مرض شناس ہونا لازمی امر ہے۔

۔ راہ اُس تھیں مکتبہ ہدایت اللہ جہاد راہ دا واقف کار ہووے

ہاں ایک بات یاد رہے کہ معالج قابل اور ماہر بھی کسی وقت کچھ وقفہ کے لئے نامناسب حالات کی وجہ سے بیمار ہو جائے تو مریض علاج سے محروم ہی نہیں رہ جاتا بلکہ مریض کی بیماری بڑھ جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اس لئے مریض کو اپنے معالج کی صحت و تندرستی اور عمر درازی کے لئے دعا گور ہنا ضروری ہے۔ اسی طرح پیر و مرشد بھی ایک معالج و حکیم حاذق کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو کہ گناہوں کے مریض کا علاج تجویز کرتا ہے ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کی صحت اور عمر درازی اور درجات کی بلندی کے لئے مریدین کو دعا کرنی ضروری ہے۔ جو کہ مریض گناہ یعنی مریدین کا ترکیہ نفس کرتا ہے۔

پیر و مرشد جو مریض گناہ کا علاج کرتا ہے وہ اپنی ذاتی رائے سے نہیں کرتا بلکہ وہ سلسلہ بسلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض باطنیہ سے ہی مستفید ہوتا ہے۔ اور اسی گروہ روحانی کا مستفیض فرد ہوتا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مریض گناہ کا علاج کر کے تربیت احسن سے نواز دیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

۔ مریضان گناہ کو دوزخ فیض محمد سے بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

جب مریض شفا یاب ہو جاتا ہے تو یہ لازمی امر ہے کہ وہ اپنے معالج کو دعائیں دیتا ہے۔ معالج اور مریض کے درمیان نسبت قائم ہو جاتی ہے اور باہمی ربط و تعلق سے شفا یاب مریض (مرید) معالج (شیخ) کی تربیت و صحبت سے علم و حکمت سیکھ جاتا ہے۔ اور پھر ایک

معالج کی حیثیت سے رونما ہو کر بہت سے دیگر مریضوں کے علاج پر مامور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض باطنیہ سے فیض یافتہ مریض گناہ جب اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو وہ دیگر مریضان گناہ (مریدین جو بھی ماحول کے اثرات میں لپٹے ہوئے ہیں) کا علاج کرنے کے قابل ہو کر ان کا احسن علاج تجویز کر لیتا ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی ان ہی کھٹالیوں سے گزر کر ہی شفا یاب ہوا ہے اور اس حقیقت کو خوب سمجھتا ہے۔

پیر و مرشد کا تقرب الہی میں کمال مرید کے لئے نفع بخش ہے

یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے کہ قابل استاد کے شاگرد جو استاد کے کمالات اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کچھ زیادہ ہی قابل نکلنے ہیں اسی طرح جس کا شیخ و مرشد زیادہ علم والا اور کمال درجات کا حامل ہوگا۔ اس کے مریدین جو علم و حکمت اخذ کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ فیض باطنی سے زیادہ مستفید ہوتے ہیں اور فیض خاص سے مستفیض ہو جاتے ہیں۔ شیخ کے قلب و سینہ کے اثرات کی عکس ریزی مریدین کے قلب و سینہ میں براہ راست اثر انداز ہو کر قلب کو منور کرتی ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے عقیدت مند اور خلیفہ مجاز حضرت تکی میاںؒ آلائی بالا (کوہستان ہزارہ) کے ایک گاؤں ہیلہ میں تشریف فرما تھے۔ آپؒ کے ایک مرید اور عقیدت مند نے کہا کہ حضرت! آج تیسرا روز ہے کہ دل سخت ہو چکا ہے اور طبیعت مکدر اور پریشان ہے۔ اور روحانی قبض کی حالت طاری ہے۔ حضرت تکی میاںؒ نے یہ بات سن کر تبسم فرمایا اور اس کی اس حالت کی وجہ کا اصل سبب یوں ظاہر کیا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ جب والدہ ہریڑھ کھالیتی ہے تو شیر خوار بچے کے پیٹ میں ہریڑھ کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی قبض ہو جاتی ہے۔ یا اسہال شروع ہو جاتے ہیں یہ کیفیت ہریڑھ کے کھانے کی نوعیت پر منحصر

ہے۔ اسی طرح جب والدہ کوئی قابض یا سخت ثقیل چیز کھا لیتی ہے تو بچے کے پیٹ میں بھی تکلیف ظاہر ہو جاتی ہے۔

لہذا پیر و مرشد کے درمیان بھی یہی معاملہ ہے۔ پیر و مرشد کی قبض و بسط روحانی مرید کے قلب پر براہ راست اثر پذیر ہوتی ہے۔ شیخ کی حالت بسط مرید کی طبیعت میں رقت آمیزی پیدا کرتی ہے اور روحانیت میں اضافہ پیدا کرتی ہے۔ اور شیخ کی طبیعت اور روحانیت میں قبض کی حالت ہو تو مرید کی باطنی کیفیت میں قبض کی صورت رونما ہو جاتی ہے۔ ہاں مگر جس مرید کو وصولی یعنی روحانی سیر نصیب ہو جائے اور وہ مرتبہ مراد حاصل کر لے اس پر فیض بلا واسطہ وارد رہتا ہے۔ اور ایسے مرید کو شیخ کی قبض و بسط سے رکاوٹ پیدا ہونے کا خدشہ نہیں رہتا جیسے جس پرندہ کے بچے خود اڑنے اور چلنے کے قابل ہو جائیں وہ اپنی ماں کے زیر اثر نہیں ہوتے بلکہ اپنی خوراک خود تلاش کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں۔

مگر مبتدی مرید کے لئے پیر کے زیر سایہ ہی تربیت ہوتی ہے۔ اور شیخ کی طبیعت کے اثرات اس پر براہ راست مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے شیخ کو مریدین کی تربیت کرنے اور ان کی کیفیات درست رکھنے کے لئے خود کو نہایت احتیاط سے رکھنا ہوگا۔ اور کسی وقت ایسی صورت پیدا ہونے کی نوبت نہ آئے کہ شیخ کسی دنیاوی ماحول میں اپنی طبیعت مکدر کر کے مریدین کی تربیت میں کچھ وقفہ تعطل پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ بلکہ ہر لحظہ اور ہر گھڑی رجوع الی اللہ ٹوٹنے کی نوبت پیدا کرنے والے حالات و اثرات سے دوری اختیار کرے۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو پھر مریدین کی تربیت کا ذمہ قبول نہ کرے۔ یہ تو شیخ کی ذمہ داری اور اوصاف حمیدہ کا حصہ ہے۔ جو از روئے احتیاط بیان ہوا۔

حضرت مکی کامل شیخ تھے انہوں نے مرید کی بات سن کر مرید کی قبض اور طبیعت کے مکدر رہنے کا تجزیہ یوں کیا اور فرمانے لگے۔ کہ تین دن سے میری اپنی حالت و کیفیت میں فرق ہے۔ اور میری محبت ان دنوں اپنے بیٹوں کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ اور محبت الہی میں غیریت

آچکی تھی۔ اور وہ فیض باطنی جو صرف اور صرف محبت الہی کے خالص ہونے کی صورت میں وارد ہوتا ہے اس فیض باطنیہ میں تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ کی حالت و کیفیت پر اس کا اثر ہو نا بھی لازمی امر تھا۔

مندرجہ بالا عبارت کے متن سے ایک عمدہ نکتہ نکلتا ہے۔ کہ طالبانِ راہِ حق کی ترقی کا دار و مدار پیر و مرشد کے مدارجِ راہِ سلوک میں کامل ہونے سے وابستہ ہے۔ مرید کی ترقی کا انحصار مرشد کی کمالت پر ہے۔ مگر مرید صادق و طالبِ حق ہو۔ بے طالبِ حق مرید وقت کے مجدد سے بھی مستفید نہیں ہو سکتا۔ مریدینِ صادقین کی صفت ہونی نفع بخش ہے۔ لہذا مریدینِ صادقین کو اپنے پیر و مرشد کی بلندیِ درجات کی دربارِ الہی میں استدعا کرنا اور دعا مانگنی ضروری ہے اور شیخ کے مدارجِ راہِ سلوک میں کمالت پانے کی تمنا و التجا کرنی چاہیے۔ تاکہ شیخ و رہبرِ فانی اللہ اور بقا باللہ کے مدارج طے کر کے اپنے مریدین کی احسن تربیت کرنے کا حامل ہو سکے۔ رہبر و شیخِ تقرب الہی میں جتنا قریب ہوگا اسی قدر مریدین اور عقیدت مندوں کو حصولِ کمالت زیادہ نصیب ہوگی۔ اور مدارجِ راہِ سلوک میں جلد ترقی پذیر ہو ن گئے۔ شیخِ علمِ باطن میں جتنا زیادہ صاحبِ مراتب ہوگا اسی نسبت سے مرید صادق کو فائدہ اور علم و حکمت سے حصہ نصیب ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و مجلس کے فیض یافتہ صحابہ کرام کا مقام و درجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمالت اور تقرب الہی کی بدولت ہی زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کیمیا جس پر پڑی تقرب الہی میں کامل کر دیا۔ چنانچہ حضرت وحشیؒ کو بحالتِ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و مجلس چنند لمحے نصیب ہوئی تو مرتبہ اور درجہ میں اوّلین قرنیٰ سے بڑھ گئے۔ اوّلین قرنیٰ جنہوں نے کمالِ محبت اور عشقِ الہی میں اپنی ساری عمر فقر کی راہ میں گزاردی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس و صحبت نصیب نہ ہو سکی۔ تو صحابیت کے درجہ سے محروم ہو گئے۔ مگر حضرت وحشیؒ کا تقرب الہی میں بڑھ جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس و صحبت میں حاضر ہو کر دیدار

حاصل ہونے کا پیش خیمہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چند گھڑیوں کا گزرتا صحابیت کا مقام دلانے کا حامل ہے۔ جس سعادت کو حضرت اولیس قرئی اپنی والدہ کے خدمت کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے کیونکہ اولیس قرئی والدہ کی خدمت اور بڑھاپے کی وجہ سے کسی طرف جانے سے قاصر تھے۔ اور دوسرا کوئی شخص اُن کی جگہ یہ خدمت کرنے والا بھی نہ تھا۔

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس و صحبت اور نظرِ کیسا نے اُن کی آن میں وحشی کو اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کا مرتبہ دلا دیا۔ ورنہ محبت و عشق میں اولیس قرئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنی سستی محبت ہونے کا مقام رکھتے تھے۔ اور یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا درجہ اور مقام باقی انبیائے کرام کی امت سے بالا و اعلیٰ ہے۔ اس کا اصل سبب اور درجات میں اعلیٰ ہونے کی سعادت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب الہی میں بالا و اعلیٰ ہونے کی وجہ سے ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جو شخص تقرب الہی میں جتنا زیادہ قریب ہوگا۔ اس سے نسبت رکھنے والے مقتدین اسی قدر علم و حکمت سے نواز دیئے جائیں گے۔ جیسے حضرت خواجہ شمس الدین سید پوری تقرب الہی میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے تو ان سے نسبت رکھنے والے خلفاء بھی مولانا روم حضرت امام غزالی اور دیگر بڑے بڑے اولیائے کرام جیسی کیفیت و حالات سے متصف تھے گذشتہ سطور میں اُن کے بارے میں مختصر حالات جو لکھے ہیں ان حالات سے ان کے تقرب الہی کے بارے میں باخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سید پوری کے خلفاء کا کیا مقام تھا۔ اس لئے مریدین صادقین کو اپنے خصوصی اوقات میں اپنے رہبر و شیخ کے تقرب الہی میں اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے لئے دلی خلوص و محبت اور مدد کے ساتھ دستِ بدعا رہنا ضروری ہے۔ اس میں مریدین صادقین کا اپنا نفع مضمر و پوشیدہ ہے۔

شیخ کے لئے احتیاط

مریدین صادقین کے نفع اور طلبِ خدا کی ترغیب کے لئے شیخ و مقتداء کے لئے لازم ہے کہ طلبِ خدا رکھنے والوں کی مجلس میں حاضر رہے۔ تاکہ ان کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔ اور تربیتِ حسنہ نصیب ہوتی رہے اور شیخ عقیدت مندوں کو علمِ معرفت کی طرف ترغیب دیتا رہے۔ اور راہِ سلوک میں محبت کرنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ اور دنیا و مافیہا سے سرد مہری رکھنے کی ترغیب دے۔ قرآن و سنت پر پابندی رکھنے اور شریعتِ مطہرہ پر چلنے کا حکم دے۔ اور خود بھی قرآن و سنت پر عمل کرنے کی پابندی کرے اور بدعاتِ حسنہ و سیئہ سے اجتناب کرے اور کرائے اور رسومات کی قید سے خود بھی بچے اور مریدین کو بچنے کی ہدایت کرے۔

شیخ اپنے مریدین کے ساتھ کثرت سے اختلاط نہ کرے کیونکہ کثرتِ اختلاط سے شیخ کے آداب و احترام میں فرق آئے گا جو کہ مریدین کے روحانی نفع کا مانع ہے۔ اور مریدین کے لیے راہِ خدا میں محنت کرنے میں حرج اور رکاوٹ کا ذریعہ ہے۔ شیخ اپنے مریدین کے مال و زر میں نظر نہ رکھے اور نہ ہی اس کی مدد کا خواہاں رہے۔ اور نہ اپنے دل میں تعاون کی خواہش رکھے۔ یہ خواہش شیخ کے لئے مضر ہے۔ اور راہِ حق میں بڑھنے اور ترقی کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پیر و مرشد کے تعلقات میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ پیر اپنے مرید کو اپنا تعاون کرانے کی ترغیب نہ دے۔ اور نہ اس قسم کی عبارات خط میں لکھے کہ "آج کل ادھر سخت سردی پڑ رہی ہے۔ گرم کپڑوں کے بغیر گزارہ مشکل ہے" اس قسم کی عبارات سے اپنے تعاون کی ایک گونا گونا ترغیب واضح ہو جاتی ہے کہ مرید کو یہ خیال آجائے کہ پیر صاحب کے لئے گرم کپڑوں کی ضرورت ہے کیونکہ سردی ان کو بھی محسوس ہوتی

ہوگی ہاں اگر شیخ کی نیت میں ایسا خیال نہ ہو تو کوئی حرج نہ ہوگا۔

اور شیخ اپنے عقیدت مندوں کے آگے یہ الفاظ بھی ادا نہ کرے کہ فلاں نے مجھے یہ چیز دی اور ہنسی مذاق سے بھی یہ الفاظ نہ کہے کہ یہ چیز میرے گھر بھیج دے۔ پیر و مرشد کو نہایت مستغنی ہو کر زندگی گزارنی چاہیے۔ سخت احتیاج میں بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ اور مرید کو اپنا احتیاج معلوم نہ ہونے دے۔ اسی میں اس کی بہتری اور ترقی کا راز ہے۔ شیخ سودا سلف کی ضرورت ہونے کے باوجود مرید کی موجودگی میں سودا نہ خریدے۔ اور اگر بالفرض خرید ہی لیا تو مرید کو رقم ادا کرنے میں سختی کے ساتھ منع کرے اور کسی صورت میں رقم ادا نہ کرنے دے۔ ایسا کرنا دونوں کے حق میں بہتری کا سبب ہے کیونکہ اٹلیس دونوں کے دل میں وسوسہ پیدا کرے گا۔ اگر مرید کسی مجبوری کے تحت رقم ادا نہ کر سکے تو شیخ کے ارادہ میں فتور آئے گا کہ یہ خاموش رہا ہے۔ اس کے دل میں محبت نہیں ہے۔ کیونکہ شیخ کو مقولہ یاد آئے گا۔ **حب القلب** اظہر بالید اور اٹلیس اس مقولہ کو ہتھیار بنا کر وار کرے گا۔ اور مرید کے دل میں وسوسہ پیدا کرے گا کہ شیخ نے مجھے دیکھ کر سودا یا دکر لیا ہے۔ اب اٹلیس ہر دونوں پر اپنا پورا وار کر کے ان کی محبت و ربط کو جدا کرنے کی از حد کوشش کرے گا۔ پس شیخ کو چاہیے کہ باریک نظر رکھے اور جتنا خدا کے قریب ہوگا اسے وصف لطافت نصیب ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت لطیف خبیر بھی ہے اس لئے تقرب الہی سے لطافت کی صفت نصیب ہوگی۔ اور پھر معاملہ میں لطافت سے مشاہدہ کرنے کا خوگر ہو جائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک خلیفہ محمد طاہر بدخشی کو مکتوب نمبر ۱۷۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اپنے خلفاء کو اچھی طرح تاکید کریں کہ مرید کے حال میں طمع اس سے دنیاوی منافع کی امید نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت میں سے ایک رکاوٹ ہے اور پیر کی خرابی کا باعث ہے۔" (مکتوبات جلد اول) شیخ و رہبر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ضرورت سے زیادہ لوگوں کے ساتھ اختلاط و تعشق نہ رکھے اور گوشہ نشینی و تنہائی کے لئے شب و روز میں کوئی

وقت ضرور نکالے۔ حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک خلیفہ کو تحریر کرتے ہوئے ہدایت کرتے ہیں " کہ خلق کے ساتھ اسی قدر اختلاط و انبساط رکھیں کہ ان کے حقوق ادا ہو سکیں اور ضرورت سے زیادہ تجاوز کرنا مفید نہیں ہے۔ الضَّرُورَةُ رُبْقَدْ دِهَا یعنی ضرورت اندازہ کے موافق ہوتی ہے۔ قدر حاجت کے زیادہ مخلوق کے ساتھ انبساط رکھنا فضول ہے۔ اور لا یعنی میں داخل ہے۔ بسا اوقات بڑے بڑے ضرر اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور شریعت و طریقت کے ممنوعات امور میں داخل ہوتا ہے۔ وہ شیخ جو مریدوں کے ساتھ حد سے زیادہ انبساط رکھتا ہے۔ یا خوش طبعی میں زیادہ آگے آگے بڑھنے اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق کی گفتگو میں مصروف ہوتا ہے وہ مریدوں کو ارادت سے نکالتا ہے۔ اور ان کی (عقیدت) ترقی میں فتور ڈالتا ہے۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح معلوم کریں کہ طالبانِ حق کے ساتھ اس قسم کا سلوک کریں جو ان کی الفت اور اُنس کا سبب ہو۔ نہ کہ بیگاہی و نفرت کا موجب۔ خلق سے تنہائی اور گوشہ نشینی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حاجت سے زیادہ ان کے ساتھ آشنائی رکھنا بھی زہر قاتل ہے۔ (مکتوب نمبر ۱۰۲ دفتر سوم)

شیخ کے لئے یہ امر بھی ضروری ہے اور نہایت قابلِ غور بھی ہے کہ وہ اپنے کسی خلیفہ و مرید کی موجودگی میں اس کے منہ پر اس کی تعریف نہ کرے۔ کیونکہ اس طرح مرید موصوف کے نفس کو خوراک ملتی ہے۔ اور خوش فہمی کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ اور اسکے دل و دماغ میں اتانیت پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ ہاں البتہ پس پشت اس کی تعریف کرنا بہتر اور دیگر ساتھیوں کے لئے سود مند ہے۔ اور دوسرے مریدین کے لئے نافع ہے کہ اس کی مجلس اختیار کر کے اس کے اوصافِ حمیدہ سے مستفید ہو سکیں۔ اور اس پر رشک کرتے ہوئے خود بھی محنت و کوشش کرنے کی سعی جمعی کریں۔

پیر اپنے مریدوں کو حالات و مواجید کے ظاہر ہونے کی ہوس نہ دلائے اور کشف و کرامات کی تعریف نیز بزرگی کے سبز باغ دکھانے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ عقیدت مندوں

کے دل میں طلبِ خدا کی حقیقی طلب و تڑپ اور محبت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سے خالص محبت اور رضا جوئی پیدا کرنے کی سعی و کوشش کرے۔ اپنے کمالات کی نفی بلکہ اپنی نفسی اور گناہی کی صورت پیدا ہونے کی ترغیب دیتا رہے۔ اور اپنے عقیدت مندوں کو دنیا کے مضر اثرات سے بچنے کی ترغیب دیتا رہے۔ اور قرآن و سنت پر عمل پیرا رہنے کی ترغیب زیادہ دے۔ کیونکہ بغیر شریعتِ مطہرہ کی پابندی کرنے کے یہ روحانی دولت نصیب نہ ہوگی۔ اگر کسی کو بغیر شریعت کی پابندی کے کچھ اسرار و رموز اور کشف و کرامات حاصل ہیں تو یہ استدراج ہے جو کہ غیر مسلموں کو بھی فائدہ بخشی اور گوشہ نشینی سے حاصل ہو جاتا ہے جو کہ آخرت کے لئے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ صرف شہرت دنیاوی اور دنیا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایک شیخ کو اس قسم کے جملہ امور کو دیکھ کر مریدوں کی تربیت کرنی ضروری ہے۔ شیخ مریدین کو خلافت دینے میں خاص احتیاط سے کام لے ورنہ یہ کام ربی طور پر رونما ہو کر حقیقت اور نورانیت سے محرومیت کا شکار رہے گا۔ جب تک وہ لطائفِ خمسہ اور کم از کم ولایتِ صغریٰ کے مقامات طے نہ کرے اس کو آگے ذکر بتلانے کی اجازت نہ دے۔

شیخ مریدین کو ذکر و فکر میں انہماک حاصل کرنے کی ترغیب دے اور ذکر دوام میں رہنے کی عادت پیدا کرنے کی ترغیب دیتا رہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ شیخ بھی ذکر دوام میں رہتے ہوئے اپنے لمحات گزارنے کی سمجھ رکھتا ہو۔ ورنہ دو اندھے انگلی پکڑ کر چلنے سے دونوں گڑھے اور کنویں میں گرنے سے جان نہیں بچا سکیں گے۔ پیری مریدی کوئی رسم نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقت حاصل ہونے سے ہی اس کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ شیخ اپنے مرید کے سر پر خواہ مخواہ سفید پگڑی یا سبز پگڑی بندھوا کر یہ مشکل فریضہ اس کے سپرد ہرگز نہ کرے ورنہ ماخوذ ہوگا ہاں جو اہل ہے وہ بغیر سفید پگڑی اور کلاہ کے اور لباس درویشی کے طالبانِ حق کو حق کی راہ دکھانے کے قابل ہوگا۔ کیونکہ بلوغت خود رموزاتِ بلوغت سے آگاہ ہو جانے میں مدد دیتی ہے۔

شیخ اپنے مریدین کو مجوزہ اوراد و وظائف ذکر و فکر اور مراقبہ کی تواتر سے کرنے کی ترغیب دے اس طریقہ سے پیرومرید کے باہمی ربط و تعلق اور عشق و محبت میں اضافہ اور راہ سلوک میں ترقی ہوتی رہے گی۔ اور دونوں کی باہمی محبت قائم رہے گی۔ پس پیرومرید کے باہمی ربط و تعلقات میں چند بندہ گان خدا کے اقوال اور دیگر احوال مفیدہ درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ راہ حق پر چلنے والوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں اور رہنمائی کا ذریعہ بن کر حق کی جانب رہنمائی ہو سکے اور مؤلف کے لئے باعث نجات کا ذریعہ ہے۔

۔ مگر قبول افتدز ہے عز و شرف

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

ایسے مبتدی اور متوسط کے لئے مقام غور و اتباہ جو کہ خلیفہ کجاز ہے

طالب حق کی راہ میں مدارج سلوک کو طے کرتے ہوئے تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

- ۱۔ راہ خدا میں نور معرفت کے حصول کے لئے ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے۔
- ۲۔ کچھ مدارج سلوک طے کر کے باقی مدارج کے طے کرنے کی کوشش و سعی میں رات دن ہمدن کو شاں رہتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہ کر محنت کرتا ہے۔
- ۳۔ خدا کے فضل و کرم سے راہ سلوک کے تمام مدارج طے کر کے نور معرفت الہی سے اپنا سینہ منور کر لیتا ہے اور فنائے نام کی وصولی ہو کر قرب و وصل کی نعمت سے سرفراز و معمور ہو جاتا ہے۔ قرآن و سنت پر عمل نصیب ہوتا ہے اور شریعت مطہرہ کی کمال پیروی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بال برابر مخالفت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور مشاہدہ کا یقین نصیب ہو جاتا ہے۔ اوپر دیئے گئے نمبر ۱ میں مبتدی کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور نمبر ۲ میں متوسط کے اوصاف ظاہر ہیں مگر نمبر ۳ میں فتنی کے خصوصی اوصاف کا تذکرہ ہے۔

حضرت بایزید بوسطائی نے سنت نبویؐ کی مخالفت کے انحراف کے خطرہ سے ساری عمر خر بوزہ نہیں کھایا۔ کیونکہ وہ اس امر کی تحقیق سے قاصر تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خر بوزہ کیسے کاٹ کر کھایا ہوگا۔ اور میں کہیں ان کے طریقہ سنت کے خلاف کاٹ کر سنت کی مخالفت نہ کر بیٹھوں۔ لہذا خر بوزہ کھانا ہی چھوڑ دیا۔ یہ ان کے اپنے جذبات تھے۔ بایزید بوسطائی فانی اللہ اور بقا باللہ کے مقام کو طے کر کے منہتی ہو چکے تھے۔ اس لئے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص رعایت کرتے تھے۔

منہتی خدا کی حفاظت میں آ کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ امداد ربی اس کے شامل حال رہتی ہے۔ اور حقیقت اخلاص اور رضائے الہی نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کا ہر قول و فعل حرکات و سکنات معمولات زندگی خدا کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کے دوستوں کی فہرست میں نام درج ہو جاتا ہے۔ نیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے اعلان خوشخبری

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
خبردار ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ کے دوست
ان پر کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ خوشخبری ان پر صادق آ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے کی فضیلت جس کو حاصل ہو جائے وہ خدا کی بارگاہ لایزال میں کامیاب و بامراد ہو جاتا ہے۔ دنیا میں اس کا وجود باعث برکت ہوتا ہے۔ اور دنیا سے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لئے بامراد اور واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ اور جس روز اس کی روح قفس غسری سے جدا ہوتی ہے آسمان اور زمین اس پر روتے ہیں۔ کیونکہ زمین پر جہاں چلتا پھرتا تھا خدا کی رحمت کا نزول ہوتا تھا اور آسمان کے دروازہ سے جب اس کی روزی اتری تھی آسمان کو اس کی برکات کی اور رحمت ربانی کی وجہ سے برکات حاصل تھیں۔ دنیا سے جانے کے بعد وہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے تو آسمان اور زمین اپنی محرومی کی بنا پر روتے ہیں۔ اور جو خدا کا فرمان فاسق فاجر مرتا ہے تو آسمان اور زمین اس کے مرنے پر

نہیں روتے۔ قولہ تعالیٰ وَمَا بَكَثَ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ یعنی اس پر آسمان اور زمین بھی نہیں روتے۔ آسمان اور زمین کا رونا بندہ خدا کے لئے خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے اور تقرب الہی میں بھی اپنے اپنے درجات ہیں جو اپنے اپنے عشق و محبت الہی اور اخلاص کے درجے پر درجات و مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ جس کا جتنا زیادہ عشق و اخلاص کامل ہوگا اس کے اسی قدر درجات و مقامات بلند ہوں گے۔ چنانچہ سب سے اعلیٰ و بالا عشق و محبت اور اخلاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی نصیب ہے۔ اس لئے آپ کے درجات تمام انسانیت اور ملائکہ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد دیگرے جو مقامات و درجات کی تقسیم ہے وہ اپنے اپنے عشق و محبت اور اخلاص کے تفاوت سے مرتب ہیں۔ اور عام مسلمانوں کے درجات اور مقامات بھی اسی محبت و اخلاص پر دیئے گئے ہیں۔

گذشتہ طور میں نمبر ۱۱ اور نمبر ۲ یعنی پہلی اور دوسری صورت مبتدی اور متوسط کی بیان ہوئی ہے جو کہ ابھی راہ خدا کی منزل میں تھنہ تکمیل ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ابھی کافی مشکلات اور رکاوٹیں راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ اور ان کو ہر قدم پر نگاہ رکھ کر منازل سلوک طے کرنے ہوتے ہیں۔ کیونکہ نفس و شیطان اپنی اپنی مکاریوں اور فریب کاریوں کا جال پھیلا کر چاندنی کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے مبتدی اور متوسط کو ابھی خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اس کا نفس اور شیطان اس کو طرح طرح کے مختلف حیلے بہانے تراش کر گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تاکہ مزید محنت کر کے حفاظت کے درجہ تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ پس مبتدی اور متوسط کی بڑی ہوشیاری اور بیداری سے کام لینا چاہیے۔ شریعت کی کسوٹی پر نفس و شیطان کی شرارتوں کا اندازہ اور موازنہ کرنا چاہیے اور اس راہ طریقت کے منہتی عارفوں کے اصول و ضوابط پر جو کہ شریعت کے دائرہ کے اندر ہوتے ہیں عمل پیرا بننا چاہیے۔

اگر کوئی عارف و کامل موجود ہو تو اس کے آستانہ پر حاضر ہو کر اس کے کمالات اور **فوضات** سے اپنا باطن روشن کر کے تزکیہ نفس کرنا ضروری ہے۔ اپنے ذاتی عقل و دانش کی

پیر دی چھوڑتے ہوئے اپنے آپ کو گونگا تصور کر کے کامل کی صحبت میں خاموش رہ کر فیض حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے منازل سلوک طے ہو سکیں۔
مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

قال را بگذارد مردِ حال شو پیش مردِ کامل پامال شو

ترجمہ۔ باتوں کو چھوڑ دے اور اہل حال اور صاحب دل مرد بن جا۔ اور صاحب حال بننے کے لئے تو کامل بندہ خدا کے سامنے مٹ کر خاموش حالت میں اپنی اور اپنے وصف و کمالات کی نفی کرتے ہوئے بیٹھ کر فیض حاصل کر تو ایک روز تو بھی کام کا شخص بن جائے گا۔
مولانا رومؒ نے دوسرے مقام پر فرمایا۔

اہل دل شواہل دل شواہل دل ورنہ بچوں خرفردمانی بہ گل

مولانا نے تین دفعہ تکرار کے ساتھ کہا کہ صاحب دل بن جا۔ ایسا نہ کرے گا تو پھر گدھے کی طرح کیچڑ میں پھنسا رہے گا۔ جیسے کہ گدھا کیچڑ اور دلدل میں پھنس کر اپنی جان چھڑانے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تو بھی دنیا کی محبت کے دلدل میں پھنس کر دنیا سے چل بے گا اور مرنے کے بعد پھر ندامت و پشیمانی اور شرمندگی سے تیرے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ اور دنیا میں بے کار زندگی جو کہ غفلت میں گزر گئی اس پر پچھتائے گا اور پھر مرنے کے بعد پچھتانا بے کار اور بے سود ہوگا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چیزیاں چک گئیں کھیت

یعنی تیری لاپرواہی و سستی اور غفلت کی وجہ سے تیرا فصل کا کھیت چیزوں نے چک کر اجاز دیا اور تو نے پرواہ نہ کی اور حفاظت کرنے سے پہلو تہی کی اور جب فصل اجڑ کر کھیت کا کباڑہ ہو گیا تو پھر دیکھ کر ہاتھ ملنے لگا اور افسوس کرنے لگا پھر کف دست رگڑنا بے سود اور بے کار ہے۔ اب تیرے پچھتاوے سے کچھ ہاتھ نہ آ سکے گا۔

اسی طرح دین کی محبت اور بارگاہِ خداوندی میں حصول معرفت کے لئے ابھی سے عیا

ہوشیاری اور بیداری کی ضرورت ہے اور حصول معرفت کے لئے ابھی سے ہی کوشش و تدبیر اختیار کی جائے کہ کوئی دقیقہ و لمحہ ضائع نہ ہونے پائے۔ حضرت سید پوریؒ کے خلیفہ مجاز حضرت حاجی محمد اعظم گیروائیؒ فرماتے ہیں۔

ذرا تدبیر کے ناخن تو کھولو کہ اُس کی بارگاہ کتنی بڑی ہے

یعنی اس کی معرفت و رضاء کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تدبیر اور سوچ و فکر کو حرکت میں لاؤ اور پھر دیکھو کہ اُس کی معرفت و رضاء میں کس قدر انعامات و ثمرات پوشیدہ ہیں۔ پس مبتدی اور متوسط کے لئے ہمہ وقت ہوشیاری و بیداری کے ساتھ تدبیر کے ناخن تیز رکھنا ضروری ہوتے ہیں کیونکہ جس طرح تصوف و سلوک لطیف ہے اسی طرح اس میں محنت کرتے ہوئے خیالات و نظریات اور عقل و فکر کو بھی لطیف رکھنا ہوگا۔ اور پھر بتدریج خدا تعالیٰ کی جانب سے لطافت بھی دیانت بھی امانت بھی علم و حکمت بھی لطیف تر نصیب ہو جاتا ہے۔ جتنا اوپر عروج ہوگا لطیف ہوگا اور نفس کا مادہ نحیف ہوتا جائے گا۔ اور یقین پختہ نصیب ہوتا رہے گا اور اگر غور و فکر اور محنت میں غفلت و سستی کرے گا تو پھر خدشہ ہے کہ پھر نفس و شیطان انہیں راہ میں پھنسا کر تباہی کے گڑھے میں کہیں دور نہ پھینک دے اور پھر اٹھنے اور چلنے کے قابل ہی نہ رہے۔

بعض اوقات شیخ اپنے مریدین کو جو ابھی مبتدی یا متوسط ہی ہوتے ہیں ضروری حالات و واقعات کے پیش نظر اور دینی مصلحت کے طور پر بغیر سلوک کی تکمیل کے خلافت سے نواز دیتا ہے۔ یہ منصب مبتدی اور متوسط کے لئے اور بھی خطرہ کی علامت ہوتا ہے۔ اور یہ مبتدی و متوسط جن کے ذمہ منصب خلافت کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی فضلوں سے نفس و شیطان کے فریب و مکاری سے نکل کر کامیاب ہو سکتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہو گیا تو مریدوں کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی ترقی بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور عقیدت مندوں کی بھی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ اور شیخ کی اجازت و اذن کی برکت سے فیض

عقیدت مندوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ مگر یہاں کمال عجز و انکساری اور انانیت کی نفی کے ساتھ نیز دھیان و یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر اور مراقبہ میں ہمہ وقت مشغول رہنا پڑتا ہے اور اخلاص و محبت کے ساتھ راہِ خدا میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔

پس ایسے صاحبِ مجاز کو چاہیے کہ اپنے آپ کو کھنہ تکمیل تصور کرے اور کامل ہستیوں کو جو اس سے بہت پہلے راہِ سلوک میں رواں دواں اور سیر و سلوک میں محنت کناں ہیں ان کو اپنے لئے ذریعہ فیض جانے اور ان کے سامنے مٹ کر رہے نیز ان کامل ہستیوں کو بمنزلہ رہبر و رہنما ہونے کی نگاہ سے دیکھے جن کو پہلے گزر رہے ہوئے کاملین عارفوں کی صحبت و مجلس نصیب ہو چکی ہے اور ان عارفوں کی طرف سے خلافت پر مامور ہو چکے ہیں۔ ان کی اپنے دل میں کامل محبت کے ساتھ ساتھ ان کے افعال و کردار کے ساتھ مطابقت اختیار کرنی چاہیے۔ ان کی محبت و مجلس کو اپنے لئے لازم کریں اور اپنے آپ کو لاعلم اور مبتدی تصور کرتے ہوئے ان کی صحبت و مجلس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے رہیں۔ کیونکہ پہلے پچھلوں پر فوقیت و سبقت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ
أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۚ فَمَنْ
جَنَّبَ النَّعِيمَ ۚ ثَلَاثَةٌ مِّنَ
الْأُولَٰئِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ
(سورۃ النّٰعِم)

ہاں اگر ان میں سے پہلے خلفاءِ بد نصیبی اور بد بختی کی وجہ سے نفس و شیطان کے فریب میں پھنس کر شرعی احکام سے روگردانی میں مبتلا ہو کر خود بینی، نفس پرستی، طلبِ جاہ و شہم، مال و زر کی طلب و ہوس اور مریدین کی کثرت پر فخر و خوشی محسوس کرنے لگے۔ عارفین کے طرزِ عمل کو چھوڑ کر پیری و مریدی چمکانے کے لئے اپنی جانب سے بناوٹی طریقے ایجاد کر

ڈالے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش کرے۔ جب اس کی مدح کی جائے تو خوشی محسوس کرے اور جب اس کے عیوب کی نشاندہی کی جائے تو ملال پیدا ہو۔ فقط رسمی بیعت اور مریدین کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرتا رہے اور اگر اس کا کوئی مرید و عقیدت مند کسی دوسرے بندہ خدا کی ملاقات اور صحبت و مجلس میں جاتے ہوئے معلوم ہو جائے تو اس کی طبیعت پر ملال پیدا ہونے لگے تو ایسے خلفاء سابقین کی لسٹ سے باہر تصور ہو گئے۔ ان کی صحبت سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ اور ایسے شخص کی مجلس و صحبت دین کی خرابی کا ذریعہ ہوگی۔ اگر کوئی صاحب مجاز اپنے آپ کو بھی خلفائے کاملین کی صف میں شمار کرتے ہوئے اپنے مریدین کی تعداد و بہتات پر نظر ڈال کر اپنے آپ کو بھی کامل تصور کر بیٹھے اور کاملین کو اپنے جیسے حال پر محمول کرے اور اپنے ذہن میں ان کاملین کے علوم و مشاہدات کو اپنی سمجھ کے برابر تصور کرے تو یہ حرکات و سکنات اس کے راہ سلوک میں حائل ہو کر رکاوٹ کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اور آگے ترقی ہونے کی بجائے تنزل ہوگا۔ مریدین کی بہتات اور اس کی اپنی مقبولیت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی البتہ منازل سلوک سے پھسل جانے اور شیطان کے فریب میں پھنس جانے کا خدشہ ضرور ہے۔

حضرت یعقوب چرخئی جن کو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند نے خلافت سے نوازا دیا تھا مگر پھر بھی حضرت یعقوب چرخئی نے اپنے شیخ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی وفات کے بعد اپنے بڑے پیر بھائی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کے مرید و خلیفہ حضرت شیخ عطار کی محبت و مجلس اختیار کر کے باقی ماندہ منازل سلوک طے فرمائے۔ اور اپنی خلافت و مجاز ہونے کو نظر انداز کرتے ہوئے مبتدی بن کر فیض حاصل کیا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے شیخ کی غیر موجودگی میں چاہے دنیا سے ارہصل ہو جائے یا کسی سفر پر گیا ہو ابھو تو اپنے شیخ کے کامل مرید اور پیر بھائی سے فیض لینا اور اس کی مجلس اختیار کرنا ضروری ہے۔ اور خود کو محتاج اور ضرورت مند تصور کرنا ضروری ہے۔ تب ہی فیض اس کے قلب میں منعکس ہو سکے گا۔ اور اگر

خود کو کچھ سمجھتا ہو اور اپنی ذات پر اعتماد و یقین رکھتا ہو کہ میں کچھ ہوں تو فیض کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

ہر کہ خدمت کر دے اور مخدوم شد ہر کہ خود را دید اور محروم شد

ترجمہ۔ جو کوئی خود کو خدمت گزار اور کمزور سمجھ کر کسی کی مجلس میں حاضر رہ کر فیض کا طالب ہو گا ایک نہ ایک دن مخدوم یعنی قابل خدمت ہو جائے گا اور اگر خود کو خوش فہمی کی بنا پر علم والا اور فہم فراست والا تصور کرتے ہوئے خدمت و عقیدت سے اجتناب کرتا رہا تو محروم ہی رہے گا۔ یعنی اس کو کچھ حصول نہ ہو گا۔ اور اگر اپنے کامل پیر بھائیوں کی مجلس و صحبت میں کمال رجوع اور گمانی کی حالت اختیار کر کے حاضری دی تو کامیاب ہو جائے گا۔

اور اگر خود ہی مدعی بن کر خلافت کے گھمنڈ میں اپنی ذات کو ذریعہ فیض تصور کرنے لگے تو پھر دوسروں سے کیا اخذ کرے گا۔ جس گداگر کا کاسہ بھیک انسانیت کے دانوں سے بھرا پڑا ہو تو اس کا سہ میں عجز و انکساری کے فیض و انوار کا آنا کیسے سہا سکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ آج اس دولت عظمیٰ کا حصول اسی بلند طبقہ حضرات نقشبندیہ کے ساتھ کامل اخلاص اور اسکی طرف توجہ اور رجوع کے ساتھ وابستہ ہے۔ تم پر ان اکابرین کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا لازم ہے۔ کیونکہ اسی محبت پر معاملہ کا دار و مدار ہے۔ (دفتر اذیل ص ۹۲ مکتوبات مجددیہ)

پس طالب راہ خدا کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر ہر حرکات و سکنات پر نظر رکھے اور اپنے کامل پیر بھائیوں کی صحبت و مجلس اور حلقہ ذکر و فکر میں اپنے آپ کو طلب گار تصور کرتے ہوئے طلب کی غرض سے خاموشی کے ساتھ گم ہو کر بیٹھے اور مدعی ہو کر نہ بیٹھے۔ نیز طلب و محبت کا کاسہ بھیک خالی کر کے دربار خداوندی میں پھیلا کر اور طلب کا دامن کھول کر بیٹھے۔ اور اس کے خزانہ معرفت سے نور معرفت کی بھیک بڑی طلب اور عجز و انکساری کے ساتھ مانگے اور اپنے دل ہی دل میں ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگے جن الفاظ کے ساتھ حضرت خواجہ بہاء

الدین نقشبندؒ نے دربار عالی میں التجا فرماتے ہوئے عاجزی و زاری فرمائی اور ندامت کے آنسو بہائے۔

چشمِ رحمت بکشا موئے سفید من مگر گر چہ از شرمندگی روئے سیاہ آورده ام
چہار چیز آورده ام شاہا کہ در گنج تو نیست بے کسی و نا کسی عجز و گناہ آورده ام

ترجمہ۔ اے اللہ میں اپنے سفید بالوں کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ تو اپنی رحمت کی آنکھ کو مجھ پر نظر عنایت کے ساتھ کشادہ فرما۔ اگرچہ نہایت ندامت اور شرمندگی کے ساتھ گناہوں سے کالا کیا ہوا چہرہ لے کر تیرے حضور میں حاضر ہو چکا ہوں۔ اے اللہ میں ایسی چار چیزیں لے کر تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ جن چیزوں سے تو متبر اور پاک ہے۔ تیری ذاتِ اقدس بے کس اور نا کس بھی نہیں ہے۔ اور تیری ذاتِ اقدس عجز و انکساری اور گناہوں سے بھی پاک ہے۔ مگر مجھ میں یہ چاروں چیزیں موجود ہیں۔ میرے اللہ مجھ پر رحم و کرم کر میرے گناہوں کی معرفت فرمادے نورِ مغفرت کے گداگر پر تیری بڑی کرم نوازی ہوگی۔

ایسی عجز و انکساری اور ندامت کے آنسو بہانے سے خدا کی رحمت جوش میں آئے گی اور تیرے گناہوں کی مغفرت ہو کر تیرا قلب و سینہ نورِ معرفت سے معمور ہو جائے گا اور راہِ سلوک کی منازلِ آسانی کے ساتھ طے کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔ اور اگر ایسی ندامت نصیب نہیں تو خدشہ ہے کہ مریدین کی بہتات اور عوام الناس میں مقبولیت و مدح سرائی تجھے لے ڈوبے گی۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچنا محال ہو جائے گا۔ مریدوں کی تعداد میں اضافہ کرنا اور عوام الناس میں مقبولیت حاصل کرنا اور حصولِ مال و جاہ مقصود ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ مقصدِ حقیقی یہ ہے کہ اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہو۔ رضائے الہی اور معرفتِ الہی کا حصول ہو۔ اور حصولِ معرفت کے لئے طلب و محبت کی زیادتی خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ راہ کی منزل میں ٹھہر جانے اور اس پر اکتفا کر لینے والوں کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سخت الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

”اُس زمانے کے اکثر فقراء سیراب ہو جانے اور کفایت کے میدان میں مقیم ہو چکے ہیں ان کی مصاحبت و مجالست زہر قاتل ہے۔ ان سے اس طرح دور بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ (مکتوبات جلد اول ص ۳۱۵)

پس معلوم ہوا کہ راہ معرفت میں تھوڑے پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و وسیع طلب کرنی چاہیے۔ حضرت باقی باللہ جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مرشد ہیں فرماتے ہیں۔

در راہ خدا جملہ ادب باید بود تا جان باقیست در طلب باید بود

در یاد ریا اگر بکا مت ریزند کم باید بود لب خشک باید بود

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے کے لئے سراپا ادب کا مجسمہ ہو جانا چاہیے۔ اور جب تک زندگی باقی ہے طلب رکھنی چاہیے۔ اگر خدا تعالیٰ کی معرفت کے خزانے اور دریاؤں کے دریا بھی پینے کو مل جائیں پھر بھی ان کو کم ہی تصور کرے اور اپنے ہونٹوں کو خشک جانے۔ یعنی اکتفاء نہ کرے اور مزید درمید طلب رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی طلب و چاہت نصیب فرمائے اور اپنے خصوصی فضلوں سے ہی راہ سلوک طے کرنے کی ہمت و توفیق بخشے اور محبت خاص سے حصہ نصیب فرمائے آمین یا رب العالمین۔

طریقہ بیعت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

پیر طریقت اہل مجاز کے پاس جس وقت کوئی شخص بارادت صادق اپنے گناہوں پر نادم ہو کر طلب خدا کی خواہش لے کر حاضر ہو کر بیعت کے لئے متوجہ ہو تو اہل مجاز پیر طریقت اس کو اپنے سامنے دو زانو بٹھا کر اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر کمال اخلاص و محبت اور خدا تعالیٰ کے قریب کرنے کی غرض سے اس کو صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے توبہ پڑھاتا

ہے۔ اور شیخ طریقت وہ سلسلہ جو بزرگانِ خدا کے ذریعے سینہ بسینہ اس شیخ تک پہنچا ہے اس سلسلہ کو سلسلہ وار تکرار کے ساتھ پڑھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سندا ملا کر مرید کو قبول کراتا ہے اور مرید اقرار کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

مرید بوقتِ بیعت کمال ادب و احترام اور طلب و چاہت رکھتے ہوئے خاموش مگر آنکھیں بند اور دونوں ہونٹوں کو بند رکھے ہوتا ہے۔ اور سانس کی آمد و رفت ناک کے راستے ہوتی ہے۔ اور زبان خاموش و بے حرکت تالو سے چپکا کر لطیفہٴ قلب کی جانب گردن قدرے جھکا کر اسم ذات لفظ اللہ کا تصور کرتا ہے۔ دنیاوی خیالات کو ترک کر کے خدا کی جانب یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو کر اپنے آپ کو کالعدم تصور کرتا ہے۔ اور شیخ کی جانب سے فیض و انوار کی ترسیل اپنے قلب میں براہِ راست آتی ہوئی یقین کے ساتھ تصور کرتا ہے۔ شیخ طریقت اپنی خداداد استعداد سے لفظ اللہ کے نقش کو اُس کے دل پر باندھتا ہے۔ اور اللہ کے نام کے انوار کی عکس ریزی اُس کے دل پر مرکوز کرتا ہے جو کہ انوار الہی ہمہ وقت شیخ کے قلب پر من جانب اللہ تعالیٰ رُو د ہوتے ہیں ان کا عکس مرید کے مردہ دل پر منعکس کرتا ہے۔

چنانچہ اپنی اپنی بساط اور عشق و جذبہ نیز صدق و اخلاص کے مطابق طالب حق پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کسی کا لطیفہٴ قلب اُس وقت ذکر الہی سے بیدار ہو کر ذکر ہو جاتا ہے۔ یا پانچوں لطائفِ قلب روح سیر خفی انہی تمام کے تمام ذکر ہو کر بقعہٴ انوار بن جاتے ہیں۔ طالب لطف و سرور سے معمور ہو کر اس پر کیف بے خودی طاری ہو جاتی ہے۔ مگر کسی کو کچھ عرصہ بعد شیخ کے بتائے ہوئے عمل پر تواتر رکھنے سے اور ذوق و شوق کے ساتھ مراقبہ کرنے سے ہی وجدانی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور پھر شیخ کی صحبت و مجلس حاصل کرنے کے لئے حاضری دینے اور ضروری قواعد و ضوابط کی پابندی سے مزید ترقی ہوتی رہتی ہے۔ دنیا سے سرد مہری اور بے رغبتی اور خدا کی محبت و چاہت پیدا ہو جاتی ہے۔ مستورات کو بھی سنت طریقہ پر پردہ کے پیچھے بٹھا کر بیعت کیا جاتا ہے اور انکی کیفیت کا بھی یہی حال جو ذکر کیا گیا ہے اسی

طرح ہوتا ہے۔ چونکہ نقشبندی سلسلہ میں دل پر اللہ تعالیٰ کے نام کا نقش باندھا جاتا ہے اور دل اللہ کے نام سے زندہ ہو کر متحرک یعنی اللہ اللہ بیداری و حقیقی میں برابر جاری رہتا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ کو نقشبند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ ہر نام نہاد نقشبندی کو یہ قوت ربانی حاصل نہیں ہوتی اور نہ اس کی مجلس میں دل زندہ ہوگا کیونکہ نام نہاد کا اپنا قلب بھی زندہ نہیں ہوتا پھر دوسرے کا کیسے زندہ ہو سکتا ہے۔

اس لئے سوچ سمجھ کر بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے جائیں اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سمجھ اور نعمت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اندراج انہایت فی البدایت کی مختصر تشریح

(از تعلیمات و ملفوظات حضرت مجدد الف ثانی)

وخواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ ماخوذ عمدۃ سلوک)

جاننا چاہیے کہ یہ (سیر الی اللہ) بہت دور دراز کی سیر ہے جس کے طے کرنے کے لئے بڑی بڑی مشکلات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور اسی کو طے کرنے کے لئے عمر نوخ درکار ہے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک اس منزل کو طے کئے بغیر راہ پر عمر ختم کر بیٹھتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے قرب و وصل کی منزل ادھوری رہ جاتی ہے۔ اور پیاس معرفت کا پیاسا ہی ملک عدم کا راہی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ رب العزت نے اپنی کمال مہربانی اور خصوصی فضل سے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کو سلوک یعنی سیر آفاقی پر جذب یعنی سیر انفسی کو مقدم کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ پس اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں (بمقابلہ دوسرے سلاسل کے) سالک کو پہلے عالم امر کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ بعد میں عالم خلق کی سیر طے کراتے ہیں یعنی سالک کو ابتداء عالم امر کے

لطائف میں توجہ فیض القاء فرماتے ہیں تاکہ قلب، روح، ہر، نھی، اخفاء اپنے اصولوں میں
ثانی اور مسجد ملک ہو جائیں۔ اس سیر کو سیر النفسی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(اور سیر النفسی میں سالک راستہ اپنے نفس و جان سے متعین کرتا ہے اور اپنے غورو
فکر اور تفکرات کو اپنے قلب پر مرکوز کرتے ہوئے روزِ دل سے صفات باری تعالیٰ کی جانب
متوجہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکم و فرمان بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ اور بیچ اپنے نفوس کے پس کیوں نہیں دیکھتے۔

یعنی کارخانہ قدرت تمہارے اندر قدرت نے مزین کر رکھا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
فرمان تَفَكَّرُوا فِي صِفَاتِهِ وَلَا تَتَفَكَّرُوا فِي ذَاتِهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور
کر و مگر اُس کی ذات میں غور و فکر کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ
مَنْ عِلْمِهِ کوئی چیز اُس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی وہ وراء الوراۃ ذاتِ اقدس ہے اُس کے
لئے جہت ہے نہ طرف نہ رنگ ہے نہ کیف نہ چون ہے نہ چگون وہ بے کیف اور بے چون و بے
چگون ذات ہے۔ اور وہ ہر جگہ ہر مقام ہر جہت اور ہر طرف پر حاوی ہے وہ ہر جگہ موجود ہے
لیکن اپنی شان اپنی عظمت اور اپنی الوہیت کے ساتھ قائم و دائم ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِأَكْبَلِ شَيْءٍ عَلِيمٌ

چہ نسبت بندہ خاک را بعام پاک

مگر پھر بھی اُس ذات رحیم و کریم کی کرم نوازی کہ اپنے بندے حقیر پر تقصیر کو نواز کر
اپنے قرب کا راہ دکھاتا ہے اور اپنی معرفت حقیقی سے نواز دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی کمال مہربانی ہے کہ اپنے بندے کو اپنی معرفت و قرب کے راستے
طے کرنے کے ہدایات و اشارات دے کر اپنی رضا و رغبت کا اظہار فرماتا ہے۔ اپنی رحمت و
بخشش اور انعام و اکرام کا وعدہ فرماتا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارجعي إلى ربك مرضيةً
اے جان آرام پکڑنے والی پھر جا طرف مرضیۃً فادخلی فی
داخل ہونچ بندوں میرے کے اور داخل ہونچ عبادی فادخلی جنتی
بہشت میری کے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اعلان فرماتے ہیں۔ اے پاکیزہ نفوس کے رکھنے والو جن کے نفس ہر الائنش دنیاوی سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے لئے اُس کی رضا جوئی میں مطیع ہو چکے ہیں ان پاک نفوس والوں کو حکم ہے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو کہ تم اللہ کی رضا چاہنے والے ہو اور اللہ تم سے راضی ہو چکا ہے اور آگے صاف حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا راز اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ رفاقت اور ان کے ساتھ شامل ہو کر ان کے نقش قدم پر رہنا اور ان سے انس و محبت رکھنا ہے جس کا صلہ اور ثمرہ رحمت کی جگہ میری جنت ہے۔ جو میری رضا کا مقام ہے اس حکم میں دو سبق حاصل ہوئے کہ اپنے نفس کو دنیاوی الائنشوں سے پاک رکھتے ہوئے متوجہ الی اللہ رہنا ہے اور دوسرا نقطہ یہ ملا کہ نفوس کی پاکیزگی کے لئے اور رجوع الی اللہ قائم ہونے کے لئے بندہ گان خدا کی رفاقت و مجلس کی ضرورت ہے اور پھر اس کا صلہ خدا کا انعام و اکرام اور رضا کی جگہ جنت کا قیام حاصل ہونا ہے۔ اور پاکیزگی کے لئے بندہ گان خدا نے سیر النفس کی راہ متعین کر کر غور و فکر کرنے کا مطالبہ رکھا ہے۔ اور یہ فکر سالک کا اپنے اندر روزن قلب سے جھانک کر کرنا اور متوجہ الی اللہ ہونا ہے بلکہ اپنی ہستی کو بھی درمیان سے ہٹا کر ایک ذات کو موجود تصور کرنا ہے۔ جب دنیا و فانیہا بشمول اپنی ذات کی بھی نفی ہو گئی تو پھر ایک ہی ذات اپنی شان اور الوہیت و عظمت کے ساتھ موجود ہوگی اور خدا کی معرفت کی جانب قدم بڑھانے کا راز اسی طریق پر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔

يَا وَلَدِي فَكِّرْكَ فَيَكِّرْكَ يَكْفِيكَ . اے بیٹے تیرا غور و فکر تیری اپنی جان

کے اندر (تیرے راہ پانے کے لئے) تیرے لئے کافی ہے۔ پس یہی میرا سیرِ انفسی ہے جس کا عنوان میں نے شروع کر رکھا ہے)۔ اور اسی سیر کے ضمن میں بعض اوقات سیرِ آفاقی (سلوک) بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے لطائفِ عالمِ امر سے تمام ظلمتیں اور کدورتیں کا فور ہو جاتی ہیں۔ اور قرب بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اس تصفیہِ قلب کے بعد نفس و قالب کے ترکیہ کے لئے نفلی عبادت و ریاضت کا حکم بھی دیتے ہیں۔ تو سالک کو عبادت و ریاضت اور شیخ کی توجہ سے نفس اور عنانِ صرارِ بجا کا ترکیہ بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ پس ایسے سالک کو مجذوبِ سالک کہتے ہیں اور اس سیر کو اندراجِ انہایت فی البدایت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جذب جو دیگر سلاسل میں سب سے آخر میں میسر آتا ہے۔ اس سلسلہِ نقشبندیہ میں ابتداء نصیب ہو جاتا ہے۔ نیز حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان (طریقہِ نقشبندیہ) کا ملین کے طریقہ میں انتہا ابتداء میں درج ہے۔ اور اس معاملہ میں ان کی افتدائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی صحبت میں وہ کچھ پاگئے جو دوسروں کو نہایت میں جا کر میسر آتا ہے۔ اور یہ نہایت کے بدایت میں درج ہونے سے ہوتا ہے۔ تو جس طرح محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایتوں سے فائق اور اعلیٰ ہے اسی طرح ان اکابر کی ولایت تمام اولیائے قدس اللہ اسرارہم (جو دوسرے سلاسل سے منسلک ہیں) کی ولایتوں سے فائق و اعلیٰ ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ حالانکہ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کی ولایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ ہاں دوسرے سلاسل کے بعض اکابر کا ملین کو بھی یہ نسبت نصیب ہوتی ہے۔ لیکن وہ بھی حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت سے اخذ کر کے ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس نسبت کے دوامِ حصول کی خبر دی ہے کیونکہ اسی شیخ موصوف کو حضرت صدیق اکبرؓ کا جبہ شریف پہنچا تھا۔ (مکتوب نمبر ۲۱۲ جلد اول ص ۸۱) نیز اسی طریقہ

نقشبندیہ میں اس سفر کی چاشنی ابتداء ہی میں میسر آ جاتی ہے اور نہایت کے ہدایت میں درج ہونے کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ کارکنانِ قضاء قدر اگر چاہتے ہیں تو اس گروہ کی ایک جماعت کو مجذوب سالک بناتے ہیں۔ اور بیرونی سیر (آفاقی) ڈال دیتے ہیں۔ اس سیر کی آفاقی کے مکمل ہونے کے بعد سیر انفسی میں جو سفر در وطن سے عبارت ہے۔ آرام عطا کرتے ہیں۔ اس نعمتِ عظمیٰ تک وصول سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے۔ بندہ جب تک آپ کو پوری طور پر شریعت میں گم نہ کر دے اور اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے رکنے کے ساتھ مزین و آراستہ نہ کر دے۔ اس دولت و نعمت کی خوشبو بندے کی روح سونگھ نہیں سکتی۔ شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہوا اگر احوال و مواجید حاصل ہوں تو وہ استدراج میں داخل ہیں آخر اُسے رسوا اور ذلیل کریں گے (از مکتوبات جلد اول نمبر ۷۸، ص ۲۴۲)۔

مندرجہ بالا دو عدد خطوط کی عبادت سے واضح ہو گیا ہے کہ اس سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی نسبت فائق و اعلیٰ ہے (مگر یہ نسبت ہر نام نہاد گدی نشین و مجاز پر صادق ہرگز نہیں آئے گی اگرچہ نقشبندی ہی کیوں نہ ہو۔) حقیقی صاحبِ مجاز جو اہل مجاز بھی ہے۔ شریعت کے دائرہ کے اندر رہ کر تصوف و سلوک کی منزل طے کرنے میں ابتدا و ہی کمال حاصل ہو جاتا ہے اور خلاف شریعت جو عمل بھی کیا جائے ناکافی و محرومی کا سبب ہے۔ مگر اتباع شریعت میں عمدہ ثمرات کی خوشخبری دی گئی ہے اور ان اکابر کے ساتھ نسبت رکھنے والے اگر کام ہونے سے پہلے راہی ملک عدم جائیں تو بھی محروم مطلق نہ رہیں گے۔ اس لئے کہ ذکر قلب تو پہلے ہی نصیب ہو چکا ہے۔ جو کہ دوسرے سلاسل میں بڑی محنت اور کافی مدت کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکابر بن نقشبندیہ کا جو کہ حقیقی صاحبِ نسبت ہیں کامل فیض نصیب فرمائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور محبت نصیب فرما کر دار فانی سے خاتمہ بالخیر کے ساتھ لے جائے آمین۔

ایک فہمہ کا ازالہ سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے

اندر اراج انہایت فی البدایت کی گزشتہ عنوان میں جو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ اور مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات و بیانات کے پیش نظر تشریح ہوئی ہے۔ اور یہ کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ "ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں"۔ جس پر بعض کم ظرف و کم یافت اور کوتاہ نظر والوں نے یہ اعتراض کیا کہ جب اور سلسلوں کی انتہا اس سلسلہ نقشبندیہ کی ابتدا ہے۔ تو پھر جبکہ باقی سلاسل کی انتہا وصول الی اللہ ہے تو پھر ان حضرات نقشبندیہ کی انتہا کیا ہوگی؟ یعنی باقی سلاسل کی انتہا جو ہوگی تو پھر اس انتہا کے بعد ان حضرات کی آگے ترقی کس ضمن میں تصور ہوگی؟

۱۔ مندرجہ بالا اعتراض کا ایک جواب جو لازمی ہے یہ دیا گیا ہے کہ بیشک انتہا۔ ب حضرات بشمول جملہ سلاسل وصول الی اللہ ہی ہے۔ مگر ہر شخص کے درجات اور وصولی کی کیفیت جدا گانہ ہے۔ چنانچہ انبیاء اور اولیاء کے درجات اور اصول میں اور اسی طرح اولیائے اکرام اور عام مومنین کے درجات وصول الی اللہ میں بھی اپنے اپنے درجات ہیں۔ حتیٰ کہ نبی و رسل کے درجات وصول الی اللہ میں فرق ثابت ہے۔ جبکہ سب کو انتہا وصول الی اللہ نصیب ہے تو پھر ان حضرات نقشبندیہ اور دوسروں کے حصول الی اللہ میں کیوں فرق ناممکن ہے۔ قولہ تعالیٰ۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا
بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ
مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ
دَرَجَاتٍ
یہ ہیں رسول فضیلت دی ہم نے بعض کو
اوپر بعض کے، اُن میں سے بعض وہ
ہیں کہ کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کئے
بعضوں میں اُن کے درجے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ربی ہے۔

نَرْفَعُ دَرَجَتَ مَنْ اَنْشَاءُ ط ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے

چاہتے ہیں

اور اس میں اشکال ہی کیا ہے وہ خالق مالک ہے جس کے چاہے درجے بلند فرمائے اور جس پر چاہے اپنے خاص فضل فرمائے۔ قولہ تعالیٰ

ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ اللَّهُ كَافُضْلِهِ دِيْنًا ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

ایشاء

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ اِيْشَاءُ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کو جس پر چاہتا

ہے۔

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اور وہ اللہ صاحب فضل بڑے کا ہے۔

جس کو دینا چاہے کون روک سکتا ہے

جس کو نہ دے کون ٹوک سکتا ہے

جس کو آرام دے کون بے آرام کر سکتا ہے

جس کو بے آرام کر دے کون با آرام کر سکتا ہے

قولہ تعالیٰ :-

وَتَعَذُّبُ مَنْ اَتَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ جس کو چاہے عزت بخشے اور جس کو

چاہے ذلت دے اے اللہ تیرے ہی

دستِ قدرت میں بھلائی ہے اور وہ ہر

شیءِ قدیر

چیز پر قادر ہے۔

۲۔ شے کے ازالہ کے لئے دوسرا جواب جو تحقیقی و حقیقی اور روحانی ہے نہ جذباتی نہ خیالی

نہ کرامتی و شیعونانی ہے۔ بلکہ حقیقت پر مبنی اثباتی ہے وہ یہ کہ وہ جذب و محبت جو دوسرے

طریقوں کے منجہوں کو نہایت میں میسر ہوتی ہے۔ اس طریق کے مبتدیوں کو اس کی چاشنی یعنی اثرات و انوارات اور سرور و لذات ابتداء میں ہی چکھادیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کی حقیقت تو ان کو بھی انتہا ہی میں حاصل ہوگی لیکن اگر وہ ابتداء ہی میں راہی ملکِ عدم ہو جائیں تو اس دولت و نعمت سے یہ بے بہرہ و محروم نہیں جائیں گے۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

یعنی میرے باغ کی خوبصورتی ہی سے میری بہار کا اندازہ کر لیا کرو اگرچہ یہ مطلب دوسرے سلسلوں میں بھی حاصل و ثبت ہے مگر اس سلسلہ کے اکابر و کاملین نے اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ایک طریقہ اخذ کیا ہے۔ یعنی اس سیر کو لطائفِ عالمِ امر سے شروع کر کے تصفیہٴ قلب حاصل کیا ہے۔ اور روح کو اپنے مقصود حقیقی کی طرف متوجہ کر کے تزکیہٴ لطائف اور عالمِ خلق میں مشغول ہوئے ہیں اس لئے ان کے مقام جذبہ میں ایک خاص شان ہے اور ان حضرات نے سلوک پر جذب کو مقدم رکھا ہے اور عالمِ خلق سے پہلے عالمِ امر کو اختیار کیا ہے۔ جو اوروں کو اتفاقی طور پر شاز و نادر حاصل ہوتی ہے۔

پس اس لحاظ سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اس طریقہٴ عالیہ نقشبندیہ میں ہدایت میں نہایت درج ہے۔ یعنی نہایت کی صورت و چاشنی درج ہے۔ نہ کہ نہایت کی حقیقت درج ہونے کی دعویٰ ہے۔ کیونکہ نہایت کی حقیقت ہدایت میں درج ہونا محال ہے۔ اور مبتدی کا جذب منتہی کے جذب کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور بھروسہ کے لائق بھی نہیں ہے۔ جیسے جھیل کی لہریں سمندر کی لہروں کے مقابلہ میں بیچ اور بے حقیقت ہیں مگر صرف مماثلت و مشابہت ہوتی ہے۔ البتہ ایک اچھی علامت ضرور ہے۔ اور وہ جذب جو اس راستہ کی ضروریات میں سے ہے وہ جذب ثانی جو کہ کامل جذب ہے وہ جذب منتہی ہی ہے۔

حاشا و کتلا۔ جو اس سلسلہ کے بزرگوں کا مطلب یہ ہو کہ اس سلسلہٴ نقشبندیہ کا

مبتدی دوسرے سلسلے کے منتہی کے برابر ہے۔ یہ مطلب بزرگ نہیں اگر کوئی یہ سمجھ کر یقین کرے تو

یہ محض سمجھ کا دھوکہ ہے اور خوش فہمی ہے۔ اسی نیت اور سوچ سے دور رہنا چاہیے۔ پس خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسائل سلوک و تصوف باریک ہیں اور علم والوں کے لئے خاص ہیں نہ کہ عوام الناس کے لئے، عوام الناس تو ان مسائل سلوک و تصوف کو جاننے اور سمجھنے سے معذور و قاصر ہیں۔

پس عوام کے لئے ضروری امر یہ ہے کہ سب سلاسل کے بزرگوں کو اپنا پیشوا اور رہنما تصور کریں اور ان کے مراتب و درجات میں بحث کرنے سے اجتناب کریں۔ اور جس سلسلہ کے ساتھ منسلک ہیں اُس کے مطابق محنت و مجاہدہ کرتے ہوئے اور ادو وظائف میں دلجمعی کے ساتھ اور محبت کے ساتھ مشغول رہیں۔ جس کا حصہ جس بزرگ کی صحبت میں رہ کر ملنا نوشہہ تقدیر میں ہے مل کر رہے گا۔ مگر تمام اکابرین جو جس سلسلہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔ ان کی محبت و احترام سب پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی صحبت نصیب فرمائے۔ آمین ثمرہ آمین۔

ترغیب بیعت

ترغیب بیعت درمی بیعت اور اس کے نتائج

طالب راہِ حق جب اللہ تعالیٰ کا قرب اور معرفت الہی حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور فصل و جدائی سے نجات حاصل کر کے وصل و قرب کی تمنا کرتا ہے تو اُسے شریعت کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو پانے یعنی اُس کے عرفان کے لئے راہِ مستقیم تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو وہ کسی خدا رسیدہ بندہ خدا کے قریب ہوتا ہے اور اس کی مجلس میں استفادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہی خدا کا نیک و پارسا انسان راہِ حق کے متلاشی کو خدا کے قریب کرنے کا واسطہ ہوتا ہے۔ ارشادِ ربی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ۖ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے
اور ڈھونڈو طرف اُس کے وسیلہ۔

(المائدہ رکوع ۶)

پس اللہ تعالیٰ کے متلاشی کو وسیلہ ضرور تلاش کرنا چاہیے۔ اور ایسے شخص کو وسیلہ بنائے جو اس کے قابل و اہل بھی ہو۔ اور ایک جماعت علم ظاہری و باطنی رکھنے والی اور متقی پرہیزگار بھی اس شخص کو قائد و مرشد تسلیم کرتی ہو۔ تو پھر ایسے شخص کی مجلس میں حاضر ہو کر اس سے بیعت ہو کر پوری محنت اور کوشش سے اور کمال اتباعِ شیخ اور حدودِ قرآن و سنت کے اندر رہتے ہوئے نیز تو ارتداد و اذکار اور غلبہٴ عشق و محبت سے یہ انسان حصولِ مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔

یہی بیعت اور اُس کے نتائج:

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو بیعت کی حقیقت و ماہیت سے واقف نہیں

ہوتے مگر کسی بندہ خدا سے بیعت ہو کر گھر آ جاتے ہیں اور اپنے دل میں خیال رکھتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ حاصل کرنا تھا کر لیا ہے۔ اُن کے بیعت ہونے کا صرف مقصد ہوتا ہے۔ کہ دغگیری کے لئے کسی بندہ خدا کے ساتھ تعلق جوڑ کر نسبت قائم کر دی جائے۔ تاکہ پیر و مرشد مشکل وقت میں دغگیری کرے۔ آگے اپنی اصلاح نفس کی کوئی فکر اور سوچ نہیں ہوتی۔ اور نہ کبھی اس طرف توجہ دی جاتی ہے۔ اور نہ کبھی شیخ کی مجلس میں حاضر ہو کر استفادہ کر کے باطنی امراض دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور نہ ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ باطنی امراض کا کیا بندوبست کیا جائے۔ جب کبھی شیخ و مرشد سے ملاقات ہو گئی تو جی حضور کر کے فقط جھک جانے یا ہاتھ ملا کر ہاتھ چوم لینے کو کافی کام سمجھ لیتے ہیں۔ اگر دل میں ذرا سی محبت آگئی تو تعویذ کی فرمائش کر کے استفادہ کرنے کی کوشش ہوتی ہے اگرچہ تعویذ کی ضروری نہ بھی ہو۔ مگر یہ فرمائش اُن کے نزدیک استفادہ شیخ میں سے ہوتی ہے۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ غلبہ محبت ہو گیا۔ تو اپنے اوپر دم پھونکوانے اور تھپکی مار دینے کی خواہش ظاہر کر کے اپنے اوپر تھپکی دلا کر دل کو تسلی دے دیتے ہیں۔ یاد دعا کی استدعا لیتے ہیں۔

ایسے تعلقات و روابط سے مرید کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اس کی مثال صرف اتنی سی ہو سکتی ہے۔ کہ مریض تو دوائی خرید لائے مگر استعمال نہ کرے۔ ایسے مریض کو دوا کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ ہاں صرف یہ تسلی اور امید رہتی ہے کہ گھر میں دوائی موجود ہے۔ مگر استعمال کی ترکیب مفقود ہی ہے۔ اس طرح اگر کوئی مرید شیخ و مرشد کے بتائے ہوئے طریقہ و عمل پر عمل پیرا نہ ہو۔ تو وہ بھی دینی و روحانی فائدہ سے محروم رہ جائے گا۔ اور دل میں اس بات پر خوش ہو گا کہ وہ کسی شیخ و مرشد سے بیوستہ ہے اور اس کا پیر و مرشد موجود ہے۔ اور اس کی خوش فہمی اس کے لئے بے سود اور راہ حق سے دوری کا باعث ہوگی۔ بعض لوگ شیخ و مرشد اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ دنیاوی کام بن جائیں اور ان کا خیال پختہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا کاروبار اور عزت و مال میں ترقی نصیب ہو۔ اور چلتا ہوا کاروبار نہ رکھنے پائے۔ اور اس امر کی ایک زندہ مثال میرے پاس

موجود ہے۔ ایک دفعہ میں گھر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سفید ریش آدمی آیا اور آتے ہی مجھ سے میرے شیخ گیر وال والوں کا دریافت کیا۔ میں نے پوچھا کہ باباجی آپ کا اُن سے کیا کام ہے اس نے کہا کہ میں بیعت طریقت کرتا ہوں۔ میں نے اُس کو پوچھا باباجی بیعت ہونے کا شوق کیسے پیدا ہوا۔

اُس نے مجھ سے کہا کہ میں ان دنوں کچھ لاچار اور غریب ہو گیا ہوں میں نے چاہا کہ بیعت ہو جاؤں تاکہ لاچاری اور غربت ختم ہو جائے۔ میں نے کہا بابا حضرت کراچی گئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مانسہرہ کا ایک دوکاندار آکر بیعت ہو گیا اور وہ دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ایک دو ماہ تک آیا اور پھر نہ آیا اُس کو ایک بار ساتھی نے کہا کہ آؤ گیر وال چلیں وہ کہنے لگا جاؤ میں نہیں جاتا ساتھی نے نہ جانے کی وجہ دریافت کی تو بولا چھوڑ دیا کیسے جاؤں جب سے بیعت ہوا ہوں میرے کاروبار میں ذرا بھرتی نہیں ہوئی۔ یہ ہے جہلا کی بیعت اور بیعت ہونے کا مقصد و مدعا پھر ایسے لوگوں کو روحانی فائدہ خاک حاصل ہوگا۔ جن کو بیعت ہونے کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہے۔ پس ایسے لوگ بیعت ہونے میں کوئی جائزہ نہیں لیتے اور کسی قواعد و ضوابط کے پابند نہیں ہوتے جو بھی ہو چاہے بدعتی ہو یا شریعت کا پابند ہو یا نہ ہو۔ مگر لوگوں میں پیر جی، سائیں جی، باباجی، ملنگ جی یا کاں والی سرکار، بلیاں والی سرکار وغیرہ ناموں سے مشہور ہوں تو پھر جیالے ان کے قدموں میں گرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خوب شہل سیوہ کر کے ان پر روپوں کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔

ایسے افراد چاہے پیر ہیں یا مرید حقیقت کی راہ سے بہت دور ہوتے ہیں کیونکہ جس چیز کے وہ خواہش مند ہوتے ہیں وہی چیز ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جس و بھنگ کے سونے لگا کر مستی کا مظاہرہ کرتے ہیں یہی ایک چیز ہے جو راہ خدا میں حائل ہے۔ کیونکہ خدا اور بندے کے درمیان اگر قرب و معرفت کے حصول کے لئے پردہ ہے تو بے دینی اور محبت جاہ و مال اور دنیا کی محبت کا ہی پردہ ہے۔ پس ایسے لوگوں کا بیعت ہونا یا بیعت نہ ہونا برابر ہے۔ اور

اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ میری ایک بات یاد رکھیں کہ بدعتی پیر چاہے کتنا ہی مشہور کیوں نہ ہو جائے طریقت کے انوارِ حقیقت معرفت سے محروم رہے گا۔

بعض لوگ تو بیعت کا مقصد اور مدعا تلاش نہیں کرتے صرف دیکھا دیکھی بیعت ہو جاتے ہیں۔ اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم تو نقشبندی ہیں کوئی کہتا ہے ہم قادری ہیں اور اکثر حضرات چشتیہ اور سہروردیہ ہونے کے دعویٰ گیر ہوتے ہیں۔ اور بڑے فخر و ناز کے ساتھ نقشبندی یا چشتی اور قادری یا سہروردی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر حقیقت کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جائے تو سلاسلِ اربعہ سے ان کو دور کا واسطہ بھی نصیب نہیں ہوتا صرف نام کے ساتھ لقب کا انتخاب ان کو مزہ دیتا ہے۔ اور بعض حضرات اپنے ناموں کے ساتھ نسبتی نام چسپاں کر کے اپنی دنیاوی ترقی و فروغ کی خاطر بورڈ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو صوفی صاحب، مفتی صاحب اور نقشبندی یا قادری وغیرہ لکھ کر ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ صوفی نقشبندی وغیرہ تو گمنامی کا نام ہے۔ جب تک پورا کام نہ کیا جائے تو یہ صرف نام کی نسبتیں مطلق فائدہ مند نہ ہونگی۔ نسبتوں کی ضرورت نہیں اگر جس کے اندر جوہر اور صلاحیت موجود ہے تو چھپ نہیں سکتی کیونکہ ہیرا رکھ میں نہیں چھپ سکتا، جس کے اندر جوہر ہوگا خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ سچا صوفی اگر چہ گم ہو کر بھی زندگی گزارے گا مگر کسی نہ کسی طرح ظاہر ضرور ہوگا اور لوگوں کے لئے ذریعہ فیض بنے گا۔

شہزادہ دانیال کی بیوہ جو کہ حافظہ قرآن ہونے کے ساتھ عالمہ اور مفسرہ قرآن بھی تھیں اور صوفیہ اور شاعرہ بھی تھیں۔ خدا اور بندے کے درمیان جو عشق و محبت ہے اس راز کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتی ہیں۔

عاشق ز غلقِ عشق تو پنہاں چھاں کند پیدا است از دو چشمِ ترش خوں گرہ بستن

ترجمہ۔ اے اللہ تیرا عاشق تیری محبت کو لوگوں سے کیسے پوشیدہ رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ

عاشق کی دو آنکھوں سے جو آنسو بہتے ہیں۔ یہ بظاہر آنسو نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں یہ خون

کے قطرے ہوتے ہیں اور خون کے قطرے ہر کسی کو نظر آ جاتے ہیں۔ پس خدا کا عاشق و محبت اور سچا صوفی مخلوق سے ہزار چھپنے کو کوشش کرے مگر ظاہر ہو کر رہے گا اور کوئی صوفی نہیں ہے۔ جو اپنے آپ کو صوفی کہلاتا ہے۔ تو یہ گویا اپنے آپ سے مذاق کر رہا ہے۔ اسی طرح کوئی مفتی حقیقی نہیں ہے تو یہ خود کو مفتی کہلوانے پر مشہور کر رہا ہے تو یہ بھی اپنے آپ سے مذاق کرانے کے مترادف ہوگا۔ اسی معنی میں دیگر القاب سے خود کو مشہور کرانا اپنے آپ سے مذاق ہی ہوگا۔ ہاں تو بات صوفی حقیقی کی ہو رہی تھی۔ صوفی حقیقی وہ ہے جس کا دل صاف ہو۔ اور صاف دل کہلوانے کا حقدار وہ ہے جو ماسوا اللہ سے پاک ہو چکا ہو۔ اس لئے بیعت ہونے سے قبل بیعت کرنی اصل حقیقت سمجھ کر بیعت ہونا ضروری ہے۔ تاکہ راہِ خدا کی محبت اور طلب روز بروز زیادہ ہوتی رہے۔ اور طلب گارِ حق بن کر شیخ کی مجلس میں حاضری دیتا رہے۔ اور اپنے نفس کا تزکیہ کرا کر خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور معرفتِ حقیقی نصیب ہو جانے کی خواہش کرے۔ ایسا نہ ہو کہ پس پیر پکڑ لیا اور پیر جانے جو چاہے کرے۔ مرید کو کوئی فکر نہ ہو۔ یہ سب جہلاء پیروں اور مریدوں کے بناؤنی نگو سلعے ہیں ان میں حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی مسلمان کو حقیقت سے روشناس فرمائے۔ آمین۔

بیعت کی حقیقت و ماہیت

دورِ حاضر میں عام طور پر بیعت و طریقت کا چرچا تو عوام و خواص میں پایا جاتا ہے۔ مگر ایسے انسان بہت کم پائے جاتے ہیں جو اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول کر کے اصل حقیقت سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی اصلاح اور تزکیہٴ نفس کی کوشش میں فکر مند ہیں اور بیعت کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش کرنے والے ہوں عام طور پر بیعت اور طریقت جس کو فقیری و درویشی کا نام بھی دیا گیا ہے مختلف طریقے اختیار کر کے مختلف صورتوں اور شکلوں میں رونما ہو چکی ہے۔ ان صورتوں اور شکلوں کی نشاندہی کر کے ان صورتوں کے بارے میں مختصر اور نمبر وار چند الفاظ تعارفی پیش خدمت ہیں۔

۱۔ لفظ بیعت: اس بیعت کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ کوئی قاعدہ و طریقہ ہے۔ اور نہ ہی دینی فائدہ ہے بلکہ سراسر دین سے اُمتِ مسلمہ کو دور رکھنا ہے۔ اور بزرگانِ دین کی جانب منسوب کرتے ہوئے اپنی خواہش کے مطابق بیعت و طریق کا نام دیا گیا ہے اور چند نفس پرست اور مال و زر کی ہوس رکھنے والے اشخاص فقیری و درویشی کی آڑ میں لوگوں کے عقیدے اور اعمال برباد کر کے اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں اور طرح طرح کی بناؤنی باتوں میں پھنسا کر قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سادہ لوح انسانوں کو بہکانے کے لئے ایسی ایسی باتیں تراشی جاتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کچھ آدمی اپنے بزرگوں کے من گھڑت قصے سنا کر کہ ہمارے بزرگ حکم دیتے تھے تو دیواریں چل پڑتی تھیں اس قسم کے خشک دعوے کر کے اپنی بزرگی و فقیری کو ظاہر کرتے اور چمکاتے ہیں۔ کوئی فقیرانہ لباس پہن کر فقیری ظاہر کرتا ہے تو کوئی بھنگ چرس کو فقیر کی بوٹی بتا کر لوگوں کی عقل و دانش پر پردہ ڈالتا ہے۔ اور بعض ملنگ یا فقیری لباس میں ملبوس بناوٹی پیرا اپنے عقیدت مندوں کو نماز کی چھٹی دے دیتے ہیں۔ لوگوں کو

قادر رکھنے اور خوش کرنے کے لئے محفلِ قوالی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ اور بوقتِ قوالی خوب جھوم جھوم کر بے ہوشی و مستی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور ایک جگہ جمع ہو کر ملنگ حق قلندر حق قلندر حق کا بھنگڑہ ڈال کر اپنے چیلوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بار ہمارے طریقہ کے ساتھی صوفی علی رحمٰن سکنہ جبرئی علاقہ تنول جو کہ حضرت جشید لالہ جی کے خلیفہ مجاز ہیں کسی کام کے لئے لاہور گئے وہاں ایک جگہ اسی قسم کے ملنگ جمع ہو کر بھنگڑہ ڈال رہے تھے اور حق قلندر حق کا شور و غل مچا رہے تھے۔ صوفی صاحب ان میں جا کر کھڑے ہو گئے اور زور سے نعرہ مارا کہ "خاموش قلندر تو میرا باپ ہے آپ کا باپ نہیں ہے" بس پھر کیا تھا سب خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے اور مرجھا گئے انہوں نے خیال کیا کہ یہ قلندر کی اولاد میں سے کوئی بزرگ آچکا ہے۔ حالانکہ صوفی صاحب نے مجھے ہنس کر بتایا کہ واقعی میرے باپ کا نام ہی قلندر تھا اس لئے ان کو چپ کرانے کے لئے یہ بات کہی تھی اور جھوٹ بھی نہ تھا کیونکہ وہاں میں نے اپنے والد محترم قلندر کا نام لیا تھا۔ غرضیکہ اس طرح کے حیلہ بہانوں سے ملنگ اپنے چیلوں کو متاثر کر کے ان کو لونٹے اور کھاتے پیتے ہیں۔

بعض مال دزرا کھٹا کرنے کی غرض سے محفلِ سماع اور عرس کی محفلیں مناتے ہیں اور خوب دولت کمائی جاتی ہے۔ عرس میں شامل ہونے والے اکثر بہت کچھ لاتے ہیں۔ جن میں سے کچھ خرچ ہو جاتا ہے اور زیادہ کچھ بیچ جاتا ہے۔ ان کا کیا بگڑتا ہے فقیری بھی چمک جاتی ہے اور مال و دولت بھی فراہم ہو جاتی ہے۔ ان کی بیعت کا کوئی خاص طریقہ نہیں جو بیان کیا جائے۔ ہاں جو کوئی ان کے پاس عقیدت سے حاضر ہوتا ہے اُسے کہتے ہیں جاؤ تم ہمارے بالکے ہو گئے ہو۔ بس صرف لفظی بیعت ہوتی ہے۔ خود بھی حقیقت سے بے خبر اور مرید بھی بے خبر صرف زبانی جمع خرچ کے پیرو مرید ہوتے ہیں۔ نہ کوئی سند اور نہ حقیقت ہوتی ہے۔

بعض پیرو کسی کو ایک ڈنڈا یا خاص قسم کے چھڑی یا کوئی اور چیز گھر میں رکھنے کو دے دیتے ہیں۔ اور جب سال کے بعد دورہ پر آتے ہیں تو اپنی وہ رکھی ہوئی امانت دیکھ کر پھر واپس

کر دیتے ہیں گویا یہ ان کی بیعت کی ضمانت ہوتی ہے۔ اور کوئی اپنے مرید کے ہاتھ پر کانچیا لوہے کا کڑا پہنا کر مرید کر لیتا ہے۔ غرضیکہ طرح طرح کے حیلے اور طریقے وضع کر کے مریدین کو جھانسنہ بزرگی دیا جاتا ہے۔ بعض تو چپ کا جھانسنہ دے کر لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار میرے شیخ پیر عبدالحی مدظلہ العالی کی خدمت میں ایک پیر اور ساتھ مرید بھی تھا آیا۔ پیر اشاروں سے اپنا مطلب سمجھانے لگا پیر صاحب گیر وال والوں نے سمجھا کہ کوئی گونگا ہے۔ مگر اُس کے مرید نے کہا نہیں حضرت یہ میرے پیر صاحب گونگے نہیں بلکہ بارہ سال کا چپ رہنے کا چلہ کاٹ رہے ہیں صرف اشاروں سے بات سمجھانے کی اجازت ہے۔ پیر صاحب ان کے لئے چائے لانے کے لئے اندر گھر چلے گئے تو اچانک اس بیٹھک میں احقر بھی آگیا میں نے حال دریافت کیا تو میرے ساتھ بھی اشارے شروع ہو گئے اور مرید نے وہی ترجمانی کی جو حضرت پیر صاحب گیر وال والوں کے ساتھ کی تھی۔ میں نے کہا یہ کیا فقیری اور درویشی ہے جو کہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ایسا کیا اور نہ کرنے کا حکم دیا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظامؓ میں سے کسی نے کیا ہے یہ فریب کیا ہے اور کہاں سے اخذ کیا ہے۔ یہ فقیری نہیں شیطانیت ہے۔ بس پھر کیا تھا دو منٹ اشاروں سے ہی نوک جھونک ہوئی اور پھر کھل کر باتیں شروع کر دیں اور میں نے اُس کے جملہ فریب اور فقری کو یک لخت مسترد کر دیا پیر صاحب جب واپس آئے تو ہم باتوں کے ساتھ بحث و تکرار میں مصروف تھے وہ حیران تھے کہ اس سے قبل پندرہ بیس منٹ اشارات تھے اب تو کھل کر باتیں ہو رہی ہیں مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے حبیب الرحمنؑ آپ کا بھلا ہو کہ آپ نے اس فقیر بناؤنی کا چپ کا دروازہ کھول دیا پھر بارہ سال کی خاموشی کدھر گئی حالانکہ یہ چپ کی چلی کشی بقول ان کے ابھی سال سے شروع ہوئی تھی۔ آخر کار بناؤنی فقیر اٹھا اور فوراً بھاگ نکلا۔ یہ ہے بعض فریب کاروں کی فریب کاری اور بناؤنی درویشی جس کا اسلام اور شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ کام جائز ہے۔

اسی طرح بعض خود ساختہ درویشوں میں شریعت کا نام و نشان نہیں ہوتا بلکہ مریدوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ شریعت اور فقیری کا آپس میں کوئی تعلق نہیں فقیری اور شے ہے شریعت اور چیز ہے حالانکہ فقیری اور شریعت آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اس قسم کی من گھڑت باتوں سے امت مسلمہ کے سادہ اور ان پڑھ مسلمانوں کو شریعت والے نیک و پارسا انسانوں سے دور رکھ کر حقیقت اسلام سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

قارئین کرام! لفظی بیعت پر اتنا عرض کر دینا کافی ہے کیونکہ عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

خداوند اتیرے یہ سادہ لوح بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری پس سادہ لوح انسانوں کو صاحب شریعت اور نیک و پارسا عالم با عمل جس کا علم دنیا کے لئے نہیں بلکہ علم برائے معرفت الہی ہو۔ ایسے عالم کی تلاش کر کے اس کی خدمت میں بیٹھ کر دین کی باتیں سیکھنی چاہیں۔ اور حقیقی درویشوں کی صفت ان سے معلوم کر کے ان کی مجلس و محفل اختیار کرنی چاہیے۔

۲۔ رسم بیعت: اس بیعت کا مختصر تعارف گذشتہ اوراق میں کر دیا ہے۔ یہاں صرف اتنی گزارش ہے کہ یہ بیعت عوام الناس کی بیعت ہوتی ہے۔ جس کسی پیر صاحب کا پتہ چلا کر فلاں بزرگ بہت پہنچا ہوا ہے بس وہاں پہنچ کر بیعت کر لی جاتی ہے۔ اور پھر بھول کر بھی اُس کی طرف جانے کا خیال نہیں ہوتا اور نہ ہی بیعت کی نگرانی و پاسبانی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو برے کام یا غیر شرع رسومات پہلے کرتے تھے ان کاموں کی مشغولی بدستور رہتی ہے۔ شریعت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور نہ جائز و ناجائز میں تمیز کی جاتی ہے۔ اور اپنے آپ کو صرف مرید کہلا کر دل کو حوصلہ دے دیتے ہیں کہ ہمارا پیر کامل ہے۔ اور اس بات پر دل میں یقین پختہ کر دیا جاتا ہے کہ چلو پیر صاحب کل قیامت کے دن دھنگیری کر لیں گے۔ یہاں اگر میں نے کچھ عمل نہ بھی کیا تو کیا پرواہ ہے۔ کیونکہ میرا پیر کامل ہے۔

تِلْكَ اَمَّا نَبِيُهُمْ یعنی یہ ان کی اپنی خواہش ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اس بارے میں نجات کا وعدہ بالکل نہیں ہے۔ اور نہ ہی صحیح پیر جو کہ شریعت و سنت کا پابند ہے یہ وعدہ کرنے کا مجاز ہے کہ میں ہر صورت میں چاہے تم جیسی زندگی گزارو میں دنگیری کروں گا۔ اور تم نیک اعمال سے چھٹی کر لو اور دنگیری پر ہی بھروسہ رکھ کر من مانی کرتے پھرو۔ اس قسم کی بیعت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگرچہ پیر کامل ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کی بیعت ایک رسم بیعت تو ہو سکتی ہے مگر حقیقت ہر گز نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ایسی بیعت کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پیر صاحب دنگیری فرمائیں گے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۳۔ نفس بیعت: اس قسم کی بیعت میں عوام و خواص دونوں ہی شامل و موجود ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بیعت اس وجہ سے تو نہیں کرتے کہ کل قیامت میں دنگیری نصیب ہوگی۔ مگر بیعت کی بھی حقیقت و ماہیت معلوم نہیں ہوتی اور نہ ہی طلب خدا کی کوئی جستجو ہوتی ہے۔ دل پر کبھی بات آگئی تو وظیفہ کر دیا اور کبھی خیال پیدا ہوا تو پیر صاحب کی ملاقات کو بھی چلے گئے۔ مگر اپنی اصلاح اور تزکیہ نفس کا خیال تک نہیں ہوتا۔ دینی نفع و نقصان کی کوئی تمیز نہیں ہوتی کہ کس عمل سے روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے اور کون سے عمل سے روحانیت بگڑتی ہے۔

اس امر کی جانب بالکل توجہ نہیں ہوتی بس پیر صاحب سے ایک نسبت ہی قائم کرنی ہوتی ہے۔ جو قائم ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اپنے نام کے ساتھ نقشبندی، قادری، سہروردی اور چشتی وغیرہ لکھ کر اس نسبت کو تازہ کر لیا جاتا ہے اور دل میں خوش فہمی ہوتی ہے کہ ہم فلاں بزرگ سے بیعت ہیں۔ مگر بیعت کے بعد کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہمیں بیعت ہو کر کرنا کیا ہے۔ اور مقصد بیعت کیا ہے؟

کیا ہم بیعت کے اس وعدے پر جو کہ بوقت بیعت ہم نے اپنے شیخ و راہبر سے کیا تھا بدستور قائم ہیں۔ اور جو طریقہ ذکر بتایا تھا اس پر مداومت کرنا نصیب ہے۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے ذکر و فکر اور مراقبہ نیز دیگر اوراد، اور وظائف کی جانب بہت کم اور نہ ہونے کی

برابر توجہ دی جاتی ہے۔ اور اگر کبھی یاد آنے پر وظیفہ کر بھی لیا تو پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ کوئی نہیں کرتا سرسری طور پر وظیفہ کر کے دل کو تسلی دی جاتی ہے اور کوئی کسی وقت تسبیح نکال کر اس کے دانے ٹٹول کر جیب میں ڈال دیتا ہے اور اس کے نزدیک یہی بیعت کا آخری مدعا اور پنچوڑ ہوتا ہے۔

نہ دل کے ذکر ہونے کی کوئی خبر ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی محنت و کوشش اور دلی روگ ہوتا ہے۔ کہ کسی طرح دل ذکر ہو جائے اور اگر دل ذکر نہیں ہے تو وجہ کیا ہے کہ اس کے لئے محنت و کوشش کس قدر کرنی لازمی ہے۔ اور کس کے پاس اور کس کی مجلس میں بیٹھ کر یہ نعمتِ عظمیٰ حاصل کرنی ہے۔ اور نہ اخلاقی حمیدہ پیدا ہونے اور اخلاقی رذیلہ دور ہونے کی تمنا و کوشش ہوتی ہے۔ اور ایسی بیعت بھی صرف وجود بیعت یعنی نفس بیعت ہی رہ جاتی ہے اور حقیقت نہیں بن سکتی۔

۴۔ حقیقت بیعت: بیعت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ شیخ و رہبر کی ہدایت و رہبری کو عملی جامہ پہنا کر اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور قرآن و سنت کی پابندی کرتے ہوئے۔ معرفتِ الہی حاصل کی جائے دنیا سے میلان و محبت نہ رہے۔ اور یہ محبت براہِ راست اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو جائے۔ رہبر و شیخ کے حصول و ضوابط پر عمل کر کے تزکیہ نفس کیا جائے۔ اور اصلاحِ اعمال کر کے ان میں اخلاصِ کامل پیدا کیا جائے۔ نفس کی صفاتِ رذیلہ دور ہو جائیں اور صفاتِ حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ شریعتِ مطہرہ علی صاحبہ الصلوٰۃ و التسلیات کی کمال پابندی نصیب ہو جائے اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انس و محبت پیدا ہو جائے۔ حقوقِ العباد اور حقوقِ اللہ کی ادائیگی نصیب ہو جائے۔ اس کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہو جائے اور ہر کام میں اخلاصِ نیت جزوِ عمل بن جائے۔ اور خدا تعالیٰ کی معرفت مدعا و مقصد بن جائے۔ مردہ اور بے نور دل یادِ الہی سے زندہ ہو کر صاحبِ حال و اہل دل ہونے کی صفت اختیار کرے۔ اور اہل دل ہونے کی صفت حضرت باقی اللہ نے مکتوباتِ باقی باللہ ص ۱۳۹ نمبر ۳۹

میں یوں بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اہل دل وہ آدمی ہے جو مرتبہ عین تک پہنچا ہے یعنی مشاہدہ نصیب ہے اور اہل دل کی یہ صفت بھی مُستلم ہے کہ یہ ذکر دائمی میں راسخ ہو چکا ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور ذکر دوام نصیب ہوتا ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار رہتے ہوئے اس قدر محویت پیدا کرے کہ وہ اس کو اپنا محبوب بنالے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت و رضاء کے بغیر اس کا کوئی سانس خارج نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت میں مست و المست رہتے ہوئے فنائے اتم نصیب ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا خالص بندہ غُبُذہ بننے کی صفت نصیب ہو جائے۔

کیونکہ بندہ اور خاص بندہ کی صفت میں مدارج کے لحاظ سے بہت فرق ہے۔

۔ عبد دیگر عبدہ چیز سے دیگر

یعنی عبد اور ہے اور عبدہ اور چیز ہے عبد تو عام بندہ خدا ہے۔ مگر عبدہ اُس کا خاص بندہ ہوتا ہے۔ جو کہ بندگی کا پورا پورا حق ادا کر کے اُس کی معرفت خاص حاصل کر لیتا ہے اور پھر بھی اپنے بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ماس عبدناك حق عبادتك کہ ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا جیسا کہ عبادت کرنے کا حق ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق کما حقہ ادا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے وہ ذات اعلیٰ و ارفع بے مثل اور بے مثال وراء الراء ہے۔ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہی ہے۔ اور ہمیں بندہ ہونے پر شکر حق ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے ہمیں بندگی کی صفت سے نوازا ہے اور اپنی بندگی میں قبولیت کا شرف بھی نصیب فرمائے تو ہماری خوش نصیبی ہوگی۔ ورنہ

۔ چہ نسبت عالم خاک را بعالم پاک

معرفت الہی کی حصول کے لئے بیعت حقیقت پہلا قدم ہے۔ اور ابتدائی نسبت و تعلق ہے۔ جو آداب شرعیہ کی بجا آوری اور عشق و محبت کی رسی و تعلق کو پکڑ اور جوڑ کر متواتر تسلسل کے ساتھ اور کمال عجز و انکساری اور عقیدت کے ساتھ بزرگان دین کے بتائے ہوئے

اعمال و ضوابط پر کار بند رہ کر قرب و معرفتِ الہی کی جانب بتدریج بڑھنا ہے۔ اور وہ شیخ و رہبر کامل جو خود بھی اس منزل کے زینہ پر قدم رکھ کر رواں دواں ہے۔ اور منزلِ معرفتِ الہی حاصل کر چکا ہے۔ ایسے شخص کی کمال پیروی اور محبت اس راہ کی ترقی کا ذریعہ اور واسطہ ہے۔ صرف نام کا صوفی یا نقشبندی قادری چشتی اور سہروردی وغیرہ کی القابی نسبت نام کے ساتھ لگا دینا بیعت کا مدعا و مقصد نہیں ہے۔ بلکہ مندرجہ بالا چند سطور کا متن بیعت کی حقیقت اور مدعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بیعت کی حقیقت کی سمجھ نصیب فرمائے۔ اور نورِ معرفت کی دولتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائے۔ لفظ بیعت رسم بیعت اور نفس بیعت کی زبانی رٹ سے بچا کر حقیقتِ بیعت سے حصہ نصیب فرمائے۔ اور ہمارے قال کو حال بنادے۔

آمین یا رب العالمین!

نفسانیت و انانیت

راہِ سلوک و تصوف میں سب سے خطرناک آفت جس کا تزکیہ و ازالہ ضروری ہے۔ یہی نفسانیت و انانیت ہے۔ پس تزکیہ نفس ہی انانیت کو ختم کرنے کا علاج ہے۔ جس سے اپنی طبیعت میں عجز و انکساری کا مادہ پیدا کر کے راہِ حق میں قدم رکھ کر محبت و کوشش کی جاتی ہے۔ نفس کا جو برائی کی جانب راغب ہونا ہے۔ اسی مرضِ مہلک انانیت کے طفیل ہے۔ انانیت نفسِ امارہ کا خاصہ ہے۔ اور جب تک نفس کا تزکیہ ہو کر نفسِ لواہمہ نفسِ مطمئنہ اور نفسِ ملہمہ نصیب نہیں ہو جاتا۔ اُس وقت تک انانیت کا غلبہ رہتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ اپنی کتاب سراج العالمین، کشف مانی دارین (المقلب سرالمنون) ص ۱۲۲ پر لکھتے ہیں۔

”حدیث صحیح میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب نفس کو پیدا کیا تو فرمایا میں کون ہوں؟ نفس کہنے لگا اور میں کون ہوں؟ پس اللہ تعالیٰ نے اس نفس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے اس سے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے یہی کہا کہ میں کون ہوں؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نفس کو بھوک کے عذاب میں مبتلا کیا پھر پوچھا میں کون ہوں تب اس نے کہا تو وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

پس معلوم ہوا کہ نفس بھوک کے عذاب سے ڈرتا ہے اسی لئے اپنے خاص پرستاروں کو باوجود سب کچھ کافی ہونے کے دنیا کے پیچھے رات دن دوڑاتے پھرتا ہے۔ اور ذرا بھر قناعت نصیب نہیں ہوتی۔ اور طمع لالچ کے میدان میں دوڑ لگانے میں مصروف رکھتا ہے۔ اپنی بڑائی اور برتری کی فکر اور دنیا کے جاہ و مال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر لاحق رکھتا ہے۔ اور غربت و مسکینی سے ہر وقت ڈرائے رکھتا ہے۔ اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے دور رہنے کے سامان مہیا کرتا ہے۔ یہ ایک کیفیتِ نامراد ہے جو کہ انسانی قالب میں پوشیدہ رہتی ہوئی

افرمانی پر اسقامتی اور دلالت کرتی ہے۔ نفس کی خوراک دنیا کے ساتھ تعلق اور محبت قائم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ دنیا سے لاتعلق رہ کر نفس کی مخالفت ہو سکے گی۔ دنیا سے لاتعلقی دراصل نفس سے لاتعلقی ہے اور دنیا کی رغبت اور زیادتی کی خواہش دراصل نفس کی رفاقت ہے۔ صرف ضرورت کے مطابق ہی دنیا سے تعلق رکھا جائے اور تعلق بھی ایسا ہو کہ بندہ کا دل دنیا کی گرفتاری سے باہر ہو۔ دل اللہ کی محبت میں گرفتار ہو اور عارضی تعلق دنیا سے ہو۔
دست درکار دل بایار کا مصداق ہو۔

اسی لئے خواجہ شمس الدین سید پوریؒ اپنے عقیدت مندوں کو بطور نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ دوستو! گزارے کے یار بنو۔ یعنی گزراوقات پر اکتفا کرو زیادتی مال کی خواہش نہ کرو۔ نیز فرماتے تھے جہاں حضور ہے وہاں سور نہیں۔ یعنی خدا کی طلب و چاہت ہے اور سور بمعنی دنیا کی چاہت ہے۔ الدُّنْيَا جِنْفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ یعنی دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ گویا سور بھی مردار ہے اس لئے دنیا کو سور کی تشبیح دی گئی ہے۔ یعنی مردار بھی وہ مردار جو پرلے درجہ کا پلید و نجس ہو۔ اسی لئے خدا کو چاہنے والا دنیا سے ہمیشہ بے رغبت رہتا ہے اور جو دنیا سے میلان، رغبت اور محبت رکھتا ہے۔ وہ اللہ والا ہرگز نہیں ہو سکتا وہ تو دنیا دار ہے چاہے اس کے مال و دولت ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں دنیا دار کہلائے گا۔ اور جو دنیا کا ساز و سامان اور وسعت مال رکھنے کے باوجود اس دنیا سے دلی میلان نہ رکھتا ہو اور طلب خدا میں ہمتن سرگردان و پریشان ہو یہ دنیا دار ہرگز نہ ہوگا۔ یہ اللہ والا کہلائے گا۔

اور نفس کی مخالفت کرنے والا ہی ہوگا۔ کیونکہ نفس کی خصلت ہے کہ دنیا کی محبت میں پریشانی اور طلب گار رکھے۔ اور ہمیشہ طمع دلائے۔ نفس کے بارے میں امام غزالیؒ کا فرمان ہے کہ نفس زنجی خصلت ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو یہ طمع کرتا ہے۔ اور افرمانی کر کے رقص کرتا ہے۔ یہی بلاؤں میں پھنسانے والا ہے اور کامل برائیوں کا مخزن ہے۔ اس کو ایک نہایت مکار بھیڑ یا اور سخت دشمن سمجھو۔ اس کی دوا قلیل اور مرض کثیر ہے۔

اِذَا طَا لَبَتَكَ اَنْفُسُ يَوْمًا بِشَهْوَةٍ
وَكَانَ عَلَيْهَا لَهْوًا طَرِيقُ

فَخَالَفَ هَوَاهَا مَا اسْتَطَاعَتْ فَاِنَا

هَوَاهَا عَدُوٌّ وَالْخِلَافُ صَدِيقُ

یعنی جب کسی روز نفس تجھ سے خواہش کرے اور نفس پر خواہش کا طریق بمعنی نفس پر خواہش حاوی ہو جائے پس تو اُس کی جہاں تک ہو سکے مخالفت کر کیونکہ نفس کی خواہش تیری دشمن اور اس کی مخالفت تیرا ساتھی اور دوست ہے۔

پس نفس کی مخالفت لازمی امر ہے۔ جس طرح نفس لطیف ہے اسی طرح اس کی خواہشات بھی باریک ہیں۔ ان کو بھانپنا اور سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ اور دقیق معاملہ ہے۔ نفس اپنی دولت و رسوائی اور گمنامی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اس پر اس کی ذلت و موت ہے۔ نفس کی پسندیدہ چیز اس کی تعریف، عزت و احترام اور اس کی مرضی و منشاء کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ اور یہی اس کی خوراک ہے۔ جو اس کو قوی و مضبوط کرتی ہے۔ اور روحانیت کے لئے رکاوٹ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اور شیطان اس پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کر کے اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ اور خدا کی یاد و عبادت سے ہٹا کر غافل بنا دیتا ہے۔ مگر کوئی نفس و شیطان کی چال و فریب کو سمجھ بھی نہیں سکتا اور خود کو ہدایت یافتہ ہی تصور کرتا رہتا ہے۔
قولہ تعالیٰ۔

جو شب کوری (اعراض) کرے اللہ تعالیٰ
کے ذکر (یاد) سے مقرر کرتے ہیں واسطے اُس
س کے شیطان پس وہ (شیطان) واسطے
اس کے ہم نشین ہوتا ہے۔ اور تحقیق روکتے
ہیں اُن کو (اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ہونے

وَمَنْ يُعْشِ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ
نَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ
قَرِينٌ * وَانَّهُمْ لِيُضِلُّوْنَ هُمْ
عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
مُهْتَدُوْنَ (الذخرف ع ۴)

والی) راہ سے اور وہ (آدمی جن کے ساتھ
شیطان ہم نشین ہوتا ہے) گمان کرتے ہیں
اس بات کا کہ وہ (ابھی) ہدایت پر ہیں۔

یہ سارا چکر نفس کی بگاڑ کے عوض ہوتا ہے نفسانیت کا یہ تقاضا ہے۔ اور اس کی فطرتی
خاصیت ہے کہ سیدھی راہ سے بہکا کر غفلت میں مبتلا کر دے۔ اور روحانیت کی آنکھوں پر حرص
وہوس، بخل و کینہ اور شہوتِ بے میہ کا غلبہ پیدا کر کے شہرت و اتانیت کے پردے ڈال کر راہِ حق پر
چلنے سے روک دے۔ انسان کو انسانیت کے مقام سے گرا کر نیچے چوپایوں بلکہ ان سے بھی بدتر
مقام پر لا کھڑا کرے۔

مگر جس پر خدا تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہوتا ہے۔ وہ نفس کی شرارت کو بھانپ کر
اس کی پیروی کرنا ترک کر دیتا ہے تو وہ نجات حاصل کر لیتا ہے اور اپنے خالق و مالک کو پہچان
کر اس کے احکام پر چلنے کی سعی کرتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ جس
نے اپنے نفس کو پہچان لیا پس اس نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچان لیا۔ جب تک نفس کی شناخت
نہیں ہو سکتی اپنے رب کا عرفان مشکل امر ہے۔ کیونکہ نفس کو پہچان کر اس کی شرارتوں اور
برائیوں سے واقف ہو کر ان کو ترک کرے گا۔ تو حق بات ذہن نشین ہوگی۔

نفس ہر دروازے سے جھانک کر گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر جتنا شہرت کے
دروازہ سے حملہ کرتا ہے اور بندہ کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ اتنا اور کسی طریق سے اپنا اثر
ظاہر نہیں کر سکتا۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؑ نے شہرت کو آفت بتایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں
ہمارا طریق (طریقۃ عالیہ نقشبندیہ) صحبت اور مجلس (پر مبنی) ہے نہ کہ شہرت (پر مبنی) ہے۔
شہرت آفت ہے۔ شہرت سے انسان بگڑ کر اپنی خاصیت کو بھول کر کہاں سے کہاں جا پڑتا ہے۔
فرعون کو طاقتِ مالی و سرداری ملی اور خوب شہرت ہو کر حکومت ملی تو ایسا بگڑا کہ اِنْسَارُ بُسْکُمْ
وَالْاَغْلٰی کا دعویٰ کر بیٹھا۔ کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ اگر اُس کو شہرت و عزت اور مالی

وسعت نہ حاصل ہوتی تو وہ کب یہ دعویٰ کر سکتا تھا اور اس کو کون تسلیم کر کے تابع ہو سکتا تھا۔ باقی حالات بھی اسی شہرت و طاقت مالی پر رونما ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ جو ہر کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں ہر انسان ایسے مغز پھروں سے واقف رہے۔

اسی لئے اولیائے عظام اور بندہ گان خدا شہرت سے گریز کرتے ہیں۔ اپنی ہستی کو مٹا کر عاجزی اختیار کر کے عبادت الہی میں مصروف رہتے ہیں۔ اور شہرت والے اسباب سے اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت بایزید بوسلطا کی عوام و خواص میں شہرت ہو گئی تھی تو انہوں نے خود اپنی شہرت کو ختم کرنے کا سامان پیدا کر کے شہرت کو ختم کر دیا تھا۔ ایک رات ذکر و مراقبہ میں بیٹھے اپنے پروردگار سے متوجہ ہو کر عرض کرتے ہوئے یہ استدعا فرمائی "رَبِّ ذَلِّبْنِي أَقْرَابَ الطَّرِيقِ الْيَنَكِ" فرمایا میرے رب! اپنی طرف آنے کا قریب تر راستہ بتلا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہاتھی آواز آئی۔ یا اَبَا يَزِيدُ! ذَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالِ۔ یعنی اے بایزید! اپنے نفس کو چھوڑ کر آ جا۔ یعنی نفس کی خواہشات و مرضی کو ترک کر کے قریب ہو جا میری قربت کا نزدیک تر راہ نفس کی مخالفت ہی ہے۔ اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نفس کی اتباع کرنے والے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

رَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ الْهَوَاہُ۔ کیا دیکھا تو نے (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اُس شخص کی طرف جس سے پکڑ لیا اپنا معبود اپنے نفس کو۔ یعنی ہر بات میں نفس کی اتباع کرتا ہے جیسے یہ نفس اُس کا معبود ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی کو چھوڑ کر نفس کی مرضی پوری کرتا رہے۔ رب چاہی زندگی گزارنے کی بجائے من چاہی زندگی گزارنا نفس کی پیروی کرنے کی معنی ہی ہیں۔ اور آج کل انسان اکثر طور پر ہر کام میں اپنی مرضی ٹھونکتا ہے۔ بیاہ شادیوں میں نظر دوڑالیں اموات اور دیگر رسم و رواج کو دیکھیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بجائے ذاتی رائے و مشورہ پر زور دیا جاتا ہے اگرچہ یہ کام شریعت کے منافی کیوں نہ ہو۔ مگر برداری میں اپنی انا کو قائم رکھنے کے لئے اسلام سے ہٹ کر رسم و رواج سرانجام دیئے جاتے ہیں اور ان رسم و رواج کو

چھوڑنا ناک کاٹنے کے مترادف تصور ہوتا ہے۔ یہی نفس کی شرارت اور اس کی اتباع ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و معرفت حاصل کرنے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے میں انسان اس شعر کا مصداق ہو۔

هـ وَقَلْبُكَ مُجْرُوخٌ وَسَوْفَكَ كَاسِدٌ
وَفَضْلُكَ مَذْفُونٌ وَطَعْنُكَ شَانِعٌ

ترجمہ: اور تمہارا دل عشق الہی میں زخمی ہو۔ تمہاری شہرت کا بازار بے رونق ہو۔ تمہارے کمالات دینی و دنیاوی مدفون (پوشیدہ) ہوں اور تمہارے متعلق طعن و تشنیع عام ہو) یعنی طعن و تشنیع والے امور کا ارتکاب نہ ہو۔ مگر لوگ از روئے ناواقفی تمہارے بارے میں مخلص نہ ہوں اور تم خدا کے نزدیک صاف اور مخلص ہی ہو) یہ صفت جب تک حاصل نہ ہوگی نفس سوار ہی رہے گا۔ نفسانیت و انانیت دینے کمالات و اوصاف، بکھیرنے اور شہرت حاصل کرنے سے ترقی پکڑتی ہے اور گمنامی اور عجز و انکساری میں کمزور ہو کر انانیت دور ہوتی ہے۔ اور معرفت الہی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرشد بھی ہیں عارف و کامل ہونے کے باوجود کامل عجز و انکساری سے اپنے ایک مرید کی طرف لکھتے ہیں۔

”کام سے گیا گزرا بے حاصل محمد باقیؒ عرض کرتا ہے کہ اپنے پریشان دل کو اس جناب کا منتظر جان کر حق تعالیٰ سے جناب کی حقیقی ترقی و صحت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ امید ہے آپ بھی اس عاجز کے لئے ایسی دعائیں مانگیں گے“ (ماخوذ از مکتوبات باقی باللہؒ رقعہ نمبر ۳۷ ص ۱۲۳) یہ ہے عجز و انکساری اور اپنے آپ کو بیچ ہی تصور کرنا مگر آج کل جو کہ حقیقی بے حاصل ہیں خود کو کیا کیا القاب دے کر خوش فہمی میں مبتلا جنید و بابرید بنے پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی باطنی آنکھیں کھول دے تاکہ حقیقت کو پا سکیں۔ اور نفس کی باریکی کو بھانپ سکیں۔

حضرت محمد الرسول اللہ صلی علیہ وسلم جو کہ محبوب رب تعالیٰ اور صاحب لولاک ہیں مگر کمال عجز و انکساری سے فرماتے ہیں۔ ”مَسَاغِرُ فَنَّا كَ حَقٌّ مَعْرِفَتِكَ یعنی ہم تجھے (اللہ تعالیٰ کو)

ایسا نہ پہچان سکے جیسا کہ تجھے پہنچانے کا حق ہے“ اسی طرح امت محمدیہ صلی اللہ صلی علیہ وسلم کے اولیائے کرام جو آپ کی نبوت کے انوار کے مظہر حقیقی ہوتے ہیں۔ مقام ولایت و معرفت کے کمالات حاصل کرنے کے بعد بھی عاجزی مسکینی کے دامن کو نہیں چھوڑا اور کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے۔ چنانچہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کمال عجز و انکساری سے فرماتے ہیں۔

سچہار چیز آوردہ ام شہابا کہ در گنج تو نیست
بے کسی و نا کسی عجز و گناہ آوردہ ام!

ترجمہ۔ اے اللہ تعالیٰ میں تیرے پاس چار ایسی چیزیں لے کر آیا ہوں جن سے تیری ذات مبرا اور پاک ہے یعنی بے کسی و نا کسی اور عاجزی و گناہ جو لے کر آیا ہوں ان سے تیری ذات پاک اور مبرا ہے۔ پس اگر ان بزرگوں نے اپنی کمزوری و انکساری کا اعتراف کرتے ہوئے۔ اپنے تمام کمالات کی نفی کی ہے۔ تو اور کون ہے جو اپنے کمالات ظاہر کر کے اس بات پر فخر کرے کہ

ہمچوں ما دیگرے نیست۔ یہ میری طرح تصوف کی باریکیوں کو جاننے والا دوسرا کون ہے۔ تصوف کے بارے میں جو دریافت کرنا ہے۔ مجھ سے کیا جائے العیاذ باللہ! یہ سب دعوے ہیں۔ انسان کمزور ہے۔ اور کمزوری و نحلی کا یقین رکھتے ہوئے خدا کی یاد میں مبتلا رہنا سودمند ہے۔ دعویٰ اور خوش فہمی نفس کی امراض کی علامات کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے نفس کی مداخلت کو یک سر چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھنا ضروری ہے۔

تیرے فضلوں کے سہارے تجھ تک آتا ہے زیب

پر بزرگی کا سہارا ہے سر اسر پد فریب (مولف حبیب)

یاد رہے کہ اگر کسی کو مدح و ذم کا احساس باقی ہے تو وہ ابھی تک راہ حق کی محنت اور حق تک رسائی میں ادھور اور نامکمل ہے۔ حضرت باقی باللہ اپنے شیخ حضرت خواجہ ملکنیؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ میرے شیخ و مخدومی حضرت خواجہ ملکنیؒ فنائے اتم کے بارے میں فرماتے تھے ”مدح و ذم کی تاثیر اس توجہ اور شکستگی جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ مزاحم نہ ہو۔ اُس

وقت فنائے اتم حاصل ہوتی ہے۔ اور اس بارے میں یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔ جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:- مدح و ذم کا تجھ پر اگر کچھ اثر ہے تو یہ ابھی تک تیری نفس پرستی ہے، یعنی نفسانیت کو ابھی تک ختم کر کے فنائے اتم حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ فنائے اتم کے نصیب ہونے کی علامت ہی یہی ہے کہ مدح و ذم اس کے لئے برابر ہو جائیں۔ تب نفس امارہ نفس مطمئنہ کی خاصیت پر آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی شرارتوں سے آگاہ فرما کر بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور بندگانِ خدا کی محبت و مجلس سے مستفید فرمائے اور ہر قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی بجائے حق بات کی فضیلت سے روشناس فرمائے آمین۔

طالب حق کی ابتدائی سعی و کوشش

جب کوئی انسان طالب حق بن کر راہِ تصوف و سلوک اختیار کرتا ہے تو وہ کسی بندہٴ خدا کو جو کہ شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبوی صلی اللہ صلی علیہ وسلم کا پابند ہو اور کسی طریقہ و سلسلہ عالیہ قادری سہروردی، چشتی اور نقشبند سے منسلک بزرگ جس کی دینی خدمات اور مقتداء ہونے کی گواہی احبابِ شریعت علماء اور صاحبِ تصوف و سلوک جو خود بھی استفادہ حاصل کرتے ہوں یا کر چکے ہوں پیش کریں۔ ایسے شیخ کو تلاش کر کے اپنا تعلق و نسبت قائم کر لیا جائے۔ تعلق و نسبت قائم کرنے کے لئے اول میں بزرگ جو کہ رہبر و شیخ ہوتا ہے اس کو تمام گناہوں سے توبہ پڑھوا کر اپنے طریقہ و سلسلہ عالیہ میں داخل فرما لیتا ہے۔

ذکر و اذکار اور اوراد و وظائف اپنے طریقہ عالیہ کے موافق تلقین فرماتا ہے جب مرید صادق اپنے شیخ و مقتداء کے بتائے ہوئے طریقہ پر ذکر و فکر اور اوراد و وظائف کرتا ہے۔ اور تمام منہیات سے جان بچا کر یادِ حق میں مشغول رہتا ہے۔ اور اپنے مجوزہ اسباق و

وظائف کے ادا کرنے میں توقف و سستی نہیں کرتا بلکہ اپنی پوری توجہ اس جانب مرکوز کر کے صبح و شام خدا کی طلب و محبت کی آگ سلگاتا رہتا ہے۔ اور خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت کر کے خدا کی رضا کے تابع ہو جاتا ہے۔ تو پھر اپنے قلب میں ایک سکون و اطمینان دیکھتا ہے۔ نیز ذکرِ الہی کے انوارات کی بارش بوقتِ ذکرِ الہی برستی محسوس ہوتی ہے۔ اور اس میں لذت و سرور حاصل کرتا ہے۔ اسی کا نام فیضانِ الہی ہے۔ جو بندہ خدا پر اس کے حسبِ استعداد اور محبت و ظرف کے مطابق نزول کرتا ہے۔

مگر اس فیضانِ الہی کا تعلق مجبئی اور صاف و شفاف دل جو ذکرِ الہی کے انوارات کے ساتھ روشن ہو کر شیشہ کے مانند صاف ہو گیا ہو۔ ایسے ہی پاک و صاف دل سے وابستہ ہے۔ غافل و تاریک دل پر انوارِ الہیہ کی عکس ریزی ناممکن امر ہے۔ جیسے شیشہ پر سورج کی روشنی کی شعاعیں پڑتی ہیں تو وہ بھی روشن ہو کر شعاعوں کو منعکس کرتا ہے۔ مگر پتھر کے کھر درے ٹکڑے یا لکڑی پر جب اسی سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو بوجہ صاف و شفاف ہونے کے یہ پتھر لکڑی کی ٹکڑے شعاعوں کو منعکس نہیں کر سکتے۔ اسی طرح تاریک و کمدر دل جو کہ غفلت و نافرمانی کی وجہ سے سیاہ اور میلا ہوتا ہے فیضانِ الہی کو قبول نہیں کرتا اور انوارات سے محروم ہوتا ہے۔ اس میں سوائے ظلمت و اندھیرے کے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشادِ ربی ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ • (الفیف ع ۱) اُن کے پر اس چیز کے تھے وہ کسب کرتے۔

یعنی وہ اگر نیک اعمال کریں گے تو ان کے دل صاف رہیں گے۔ اور اگر بد اعمالیوں اور نافرمانیوں میں پھنس کر خدا کی طلب و محبت سے بے بہرہ ہیں۔ اور ان کے دل حبِ دنیا میں مصروف اور خدا کی یاد سے غافل ہیں تو وہ سیاہ و تاریک دل کے مالک ہونگے ایسے

تاریک دلوں پر انوارِ الہیہ کا نزول ہرگز نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے اعمال و اخلاق بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق درست نہ کر لیں اور اپنے قلوب کو ذکرِ الہی کی کثرت کے انوار کے ساتھ دھو کر صاف نہ کر دیں۔

۱۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ بخدا میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ مردہ کو جنازہ پر رکھنے سے تا بلب گور (قبر) لے جانے تک حق تعالیٰ شانہ آپ ہی آپ اس سے چالیس سوالات کرتا ہے۔ جن سوالات میں سے ایک سوال یہ ہے کہ غَبْدِي قَدْ طَهَّرْتُ لِمَنْظَرِ الْخَلْقِ سَنَيْنَ فَهَلْ طَهَّرْتُ لِمَنْظَرِي۔

ترجمہ۔ اے میرے بندے تو لوگوں کو دکھانے کو تو برسوں نہایت صاف ستھرا بنا رہا۔ کبھی تو میرے لئے بھی صاف ستھرا بنا تھا۔ اور یہ بات حقیقت ہے کہ ہم ظاہری طور پر لباس و پوشاک کے ساتھ صاف ستھرا اور اُچلے رہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے جسم و لباس پر کوئی داغ دھبہ تو نہیں لگا ہوا کہ جس کو لوگ دیکھ کر بُرا جانیں گے۔ اور ہماری عزت میں فرق آئے گا۔ اس بات کا ہر کسی کو پورا پورا خیال ہوتا ہے۔ مگر خدا کے لئے ایک وقت بھی صاف ہو کر نہیں رہتے۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں صاف رہنے کے لیے صرف صاف کپڑوں اور صاف بدن کو صاف رکھنا مقصود نہیں ہے بلکہ پاک و صاف لباس کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق، قرآن و سنت پر عمل اور حق و باطل میں تمیز رکھتے ہوئے زندگی خدا کی مرضی پر گزارنی ہے۔ اور خدا کے لئے صاف رہنے سے مراد یہی طرزِ عمل ہے۔ نیز خدا تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لئے طلبِ خدا کی تمنا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق و محبت اور یکسوئی و حضوری کا قائم رکھنا ہے۔ خدا کے حکم کے مطابق عمل اور عدل و انصاف قائم رکھنے اور زندگی کے ہر (نمبر۔) ماخوذ از اہم مکتوبات ص ۱۱ تالیف محمد عبد الحکیم قاسمی بہتم مدرسہ قاسمیہ لاہور) شعبے میں خدا کے حکم کی پابندی کرنے سے دل کو سکون و فرحت اور یقین نصیب ہوتا ہے۔ اور خدا کی یاد سے بندے پر خدا کی رحمت اترتی ہے۔ اور قلب میں صفائی پیدا ہو کر ذکرِ الہی کے انوار پیدا ہوتے ہیں۔ مگر یادِ الہی سرسری یاد کر لینے کا نام نہیں ہے کہ کسی وقت جیب سے تسبیح نکال کر اس کے دانے پکادے جائیں اور دل

میں خوش فہمی ہو کہ میں بھی ذاکر ہوں یا کبھی کسی وقت کوئی ذکر کا مجمعہ لگا ہوا مل جائے تو چند منٹ بیٹھ کر ذکر میں شامل ہو جائے۔ اور پھر چھٹی ہو جائے بھول کر بھی خیال نہ ہو کہ میں نے خدا کا ذکر کرنا ہے ذکر کے لئے تو ایک پروگرام اور ضابطہ حیات ہونا ضروری ہے کہ چوبیس گھنٹے ذکر الہی میں رہے اور اکثر ذکر و مراقبہ کی حالت میں زندگی بسر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے کہ بندہ ہر لمحہ یاد الہی میں رہے تاکہ معرفت الہی نصیب ہو جائے۔ ارشاد ربی ہے۔

وَذَكِّرْ رَبِّكَ كَثِيرًا وَ سَبِّحْ بِا
الْعَشِيِّ وَالْآبَكَارِ (اسکی) شام و صبح کو

(سورۃ ال عمران)

یعنی خدا کی یاد صبح و شام بمعنی دن اور رات ہر گھڑی کی جائے اور کوئی وقت غفلت میں نہ گزرے۔ بلکہ ہر سانس کے ساتھ لفظ اللہ یاد کیا جائے اور یہ نعمت دل کے ذاکر ہو جانے پر نصیب ہو جاتی ہے اس لئے کوشش کی جائے کہ بے حس دل خدا کی یاد سے متحرک و ذاکر ہو جائے۔ اور یہ کیفیت خدا کی جانب محبت و چاہت کے ساتھ متوجہ ہونے اور بار بار ذکر الہی میں کوشش و انہماک کرنے سے حاصل ہو جائے گی۔ قولہ تعالیٰ۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ
اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (کوشش) کی بیچ راہ ہماری کے البتہ دکھادیں گے ہم
اُن کو اپنی طرف آنے کے راستے اور تحقیق اللہ تعالیٰ
احسان (نیکی) کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الکہف ع ۸)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر اُس کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی رہنمائی فرما کر اپنے طرف قریب ہونے کے راستے کھول دیتا ہے۔ اور اُن کے نیک عمل میں اُن کے ساتھ مدد فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کے ذکر و عبادت اسکی قربت و معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔ عبادت الہیہ جو خلوص کے ساتھ کی جائے۔ بندہ کو عبدیت کے مقام پر فائز کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر جو محبت و طلب کے ساتھ ہو قلب

میں صفائی اور اخلاص پیدا کرتا ہے اور اخلاق میں شستگی پیدا ہوتی ہے۔ ذکرِ الہی معرفت کی کنجی ہے اور ابلیس کو تنگ کرنے اور بھگانے کا علاج ہے۔ کیونکہ شیطان جتنا ذکرِ الہی سے ڈرتا اور گھبراتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ ذکرِ الہی ہی نفوس کی پاکیزگی اور نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ کی طرف تبدیل کرنے کا ذریعہ ہے۔

ذکرِ الہی نیکوں کو بڑھانے اور برائیوں کو دور کرنے کا سبب ہے بلکہ برائیوں کو نیکوں میں تبدیل کرنے والا ہے۔ قولہ تعالیٰ:-

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ
السَّيِّئَاتِ ذَالِكَ ذِكْرِي
لَذَاكِرُنَّ

تحقیق نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو یہ
نصیحت ہے واسطے ذکر کرنے والوں کے

یعنی ذکرِ الہی میں مشغول ہونا ایسی نیکی ہے جو برائی کو ختم کر دیتی ہے بلکہ برائی کو نیکی میں بدل دیتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایاتِ خاص ہے۔ جب ذکرِ الہی سے برائیاں معاف ہو جاتی ہیں تو انسان جو کہ ذکر کرنے والا ہے۔ برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے اور یہی پاکیزہ انسان خدا کا دوست اور فلاح پانے والا ہے۔ قولہ تعالیٰ:-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَذَكَّرَ

تحقیق کامیاب ہوا جو پاک ہوا۔

اور نجات پانا ہی اصل کامیابی ہے قولہ تعالیٰ:-

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ
أَدْخَلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ أَفْلَحَ

پس جو شخص آگ دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہو گیا پس وہی کامیاب ہوا۔

پس اپنی کامیابی و نجات کے لئے اور معرفتِ الہی کے حصول کی خاطر ذکرِ الہی میں صبح و شام مستغرق رہنا ضروری ہے۔ اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ذکر کا پابند بنا کر دنیا سے ذاکرین کے فہرست میں شامل کر کے لے جائے آمین۔

اقسام ولایت و انوار لطائف

(ماخوذ از ”یادگارِ اعظم“ مؤلف حاجی محمد اعظم خلیفہ مجاز حضرت سید پوری)

طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں طالبِ حق کو سلسلہ مذکورہ میں داخل کر کے اسم ذات لفظ ”اللہ“ تصور کے ساتھ دل میں مسلسل تکرار اور پورے اہتمام کے ساتھ کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ اگر پوری دلجمعی اور محبت و یقین کے ساتھ کیا جائے تو زود اثر اور پرکیف ہوتا ہے۔ اور یہ طریقہ ذکر خدا کی طرف جانے والے تمام راستوں سے قریب یعنی اقرب الطرق ہے۔ مزید صادق جب اپنے شیخ کے بتائے ہوئے طریقہ کے موافق ذکر و فکر اور مراقبہ کرتا ہے۔ تو ذکر الہی کے انوارات اس کے قلب میں سرایت کرتے ہیں۔ اور قلبی صفائی ہو کر ذکر الہی قلب میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ جسے زندہ دل ہونے کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مزید صادق کی بے پناہ محبت الہی اور تواضع سے محنت و کوشش کرنے کی وجہ سے قالب انسانی میں تمام لطائف جو خدا کی یاد کے مقامات ہیں۔ اور عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں ذکر ہو جاتے ہیں۔ اور اولیائے کرام کی تحقیق کے مطابق ذکر الہی کا جو نور ان لطائفِ خمسہ میں پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ مختلف رنگوں میں مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اور ہر لطیفہ کے نور کا رنگ مختلف مشاہدہ ہوا ہے مگر اولیائے کرام کے مشاہدہ میں بھی تفاوت ہے کسی کو قلب کا نور زرد مشاہدہ ہوا کسی کو سفید یہ اولیائے کرام کی اپنی اپنی تحقیق اور تجزیہ ہے۔ اور جو ولی اللہ ان کا مشاہدہ جس رنگ کے نور کے ساتھ کرتا ہے اسی رنگ کی شکل و صورت کا عکس پڑ کر وہ نور مشاہدہ ہوتا ہے۔ مگر اکثریت اولیائے کرام قلب کے نور کا رنگ زرد ہی بتاتے ہیں۔ بہر کیف جو رنگ بھی ہو مگر ذکر الہی سے

لطائف میں نور ضرور پیدا ہوتا ہے۔ نور کے رنگوں کے ظاہر ہونے کی ایک وجہ حضرت سید پوریؒ اور ان کے خلیفہ مجاز صاحبزادہ محمد اسحاق شنیٰ بالا والے کا مشاہداتی تجزیہ ہے۔ جو اس امر کو ظاہر کرنے والا ہے کہ رنگوں میں تفاوت کیوں ہوتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت سید پوریؒ نے فرمایا کہ تحت اثری میں ایک پتھر ہے جس کا رنگ بزر ہے جب صاحبزادہ اسحاق موصوف نے غور کیا تو فرمایا حضرت مجھے تو اس کا رنگ سرخ نظر آیا ہے۔ حضرت سید پوریؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ میں نے اُس کو نور جمالی کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے اس لئے وہ بزر نظر آیا ہے اور تم نے اُس کو نور جلالی کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے۔ اس لئے تم کو وہ سرخ نظر آیا ہے۔ دراصل بزر و سرخ ہونا ان انوار جمالی و جلالی کے ساتھ مشاہدہ کا اثر ہے۔ اسی طرح بعض اولیائے کرام لطائف کے رنگوں میں بھی اپنے اپنے مشاہداتی تجزیہ سے تفاوت بتاتے ہیں۔ بہر حال ذکر الہی سے لطائف ذاکر ہو کر ان میں انور پیدا کرتے ہیں جن کا تذکرہ اولیائے کرام کے مشاہداتی تجزیہ کے موافق آگے درج ہے۔

انورِ لطائفِ خمسہ

۱۔ لطیفہٴ قلب: اس لطیفہٴ قلب کا نور زرد بتایا گیا ہے۔ اور یہ لطیفہٴ زیرِ قدم حضرت آدم علیہ السلام ہے۔ جس شخص کو اس لطیفہ کے ذریعے سے وصولی ہوتی ہے۔ یعنی اس لطیفہ کا فیض اس پر غالب رہتا ہے۔ اس کو آدمی المشرَب کہتے ہیں۔ اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے فیض سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔

۲۔ لطیفہٴ رُوح: اس لطیفہٴ رُوح کا رنگ سرخ رنگ کا ہے۔ اور یہ لطیفہٴ زیرِ قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام ہے۔ جس کسی کو اس لطیفہ کے ذریعے وصولی ہوتی ہے۔ اس کو ابراہیمی المشرَب کہتے ہیں۔ اس کو ابراہیم علیہ السلام کے فیض سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔

۳۔ لطیفہٴ ہِز: اس لطیفہٴ ہِز کا رنگ سفید ہے۔ اور یہ لطیفہٴ زیرِ قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے۔ جس کو اس لطیفہ کے ذریعے وصولی ہوتی ہے اس کو موسوی المشرَب کہتے ہیں۔

۴۔ لطیفہٴ خفی: اس لطیفہٴ نور کا رنگ سیاہ ہے۔ یہ لطیفہٴ زیرِ قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ جس کو اس لطیفہ کے ذریعے وصولی ہوتی ہے اس کو عیسوی المشرَب کہتے ہیں۔

۵۔ لطیفہٴ اُھلی: اس لطیفہ کے نور کا رنگ سبز ہے۔ اور یہ لطیفہٴ زیرِ قدم حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ قدم ہے۔ جس کو اس لطیفہ کے ذریعے وصولی ہوتی ہے اس کو محمدی

المشرب کہتے ہیں۔ گویا، ہر ایک لطیفہ لطائف عالم کا ایک پیغمبر اولوالعزم کے زیر قدم واقع ہے۔ یعنی اس لطیفہ کا فیض اللہ و تبارک و تعالیٰ سے بواسطہ اس پیغمبر کے سالک کے قلب تک پہنچتا ہے۔

(نوٹ) بعض اولیائے کرام کے نزدیک چھٹا لطیفہ نفس ہے۔

لطیفہ نفس کا نور بعد تصفیہ و تجزیہ کے بے کیف معلوم ہوا ہے۔ جب نفس ذکر الہی سے مغلوب ہو کر زیر ہوتا ہے تو یہ بھی ذکر الہی میں متحرک ہو جاتا ہے اور نفس کے لطیفہ میں بھی ذکر الہی کا نور پیدا ہوتا ہے جو کہ بے رنگ و بے کیف ہے۔ اس کے بعد انوار پورے قلب میں سرایت کر کے گوشت و پوست بال و لوں اور ہر رگ و ریشہ کو ذرا کر بنا دیتے ہیں اسی کو سلطان ذکر کہا گیا ہے جو کہ نہایت کیف و سرور کا حامل ہوتا ہے۔ اچھل کود نہیں ہوتی فقط اتنا بت و رجوع الی اللہ میں تقویت پیدا ہوتی ہے۔ اور جی ہر طرف سے پھر کر اللہ کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

(از یادگار اعظم ص ۷۹)

طالب حق کے ابتدائی لمحات فکر کے ثمرات

طالب حق کسی باشرع پیرومرشد جو کہ مجاز و اہل ہوتا ہے اس کے بتائے ہوئے طریقہ ذکر کے مطابق ذکر الہی میں غور و فکر اور مجموعی و محبت کے ساتھ جب ذکر خدا میں مصروف ہوتا ہے اور یہ عمل روزانہ بلا ناغہ سرانجام دیتا ہے تو طالب حق کے لطائف خمسہ ذکر الہی سے جب ذکر ہو کر انوار الہیہ سے بجلی و روشن ہو جاتے ہیں تو ان لطائف خمسہ کے انوار لطیفہ نفس میں پہنچ کر ذکر الہی کی تاثیر سے لطیفہ نفس کو ذکر الہی میں متحرک و مشغول کر دیتے ہیں۔ نفس کا کام زیر ناف یا سر کی چوٹی میں ہوتا ہے۔ حریص و لالچی انسان کے نفس کا مقام زیر ناف اور متکبر و مغرور انسان کے نفس کا مقام سر کی چوٹی میں ہوتا ہے۔

جب لطائف خمسہ کے ذکر ہونے کے بعد لطائف خمسہ کے انوار نفس میں پہنچتے ہیں تو بمطابق تحریر متذکرہ بالا لطیفہ نفس میں ذکر کا اجراء ہو جاتا ہے تو سالک کو بے حد حلاوت و لذت اور لطف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ تمام قالب ذکر ہو کر سلطان ذکر کی صفت حاصل کر لیتا ہے۔ سلطان ذکر کے بارے میں گزشتہ چند سطور میں تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے قلب فناء کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد قلب بقاء اور پھر ولایت صغریٰ ہوتی ہے اور پھر ولایت کبریٰ کا مقام حاصل ہوتا ہے یعنی ولایت صغریٰ و کبریٰ کے انوار نصیب ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد سیر نفس جسے سیر انفسی سے تعبیر کرتے ہیں اس کے انوار نصیب ہوتے ہیں۔ جو کہ جذب سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کی یہ خصوصیت خاص ہے کہ انتہا ابتداء میں درج کے معنی یہی ہیں۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
 مَنَ أَيْشَاءُ ط وَاللَّهُ
 ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
 یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا
 ہے اور وہ اللہ تعالیٰ صاحب فضل یعنی فضل
 کرنے والا ہے۔

پس اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خصوصی فضلوں سے جو نواز دیئے جاتے ہیں ان کے
 بارے میں مقاماتِ ولایت بتدریج ذیل درج کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان کے
 انوار سے مستفید فرمائے۔ آمین۔

حصول مقامات ولایت اولیائے کرام

۱۔ نور حقیقت کعبہ: سیر نفس کے انوار کی وصولی کے بعد سالک کو کعبہ شریف کا نور حاصل ہوتا ہے۔ اس جگہ مستغرق دریائے ہیبت و جلال ہوتا ہے۔ اور اپنی کیفیت کو اس مرتبہ کی شان سے متصف پاتا ہے۔

۲۔ نور حقیقت قرآن: اس مقام پر بواطن کلام اللہ شریف ظاہر ہوتے ہیں۔ کلام اللہ شریف کا ہر حرف ایک دریائے ذخائر نظر آتا ہے۔ بوقت تلاوت قرآن مجید زبانی قابلِ حکم شجر موسوی پیدا کرتی ہے۔ اور باطن سالک میں ایک قسم کا ثقل (بوجھ کی طرح دباؤ) محسوس ہوتا ہے۔ جو علامتِ انکشافِ انوار قرآن مجید ہے۔ قولہ تعالیٰ اِنَّا سَنُلْقِيْكَ غُلُقًا قَوْلًا ثَقِيْلًا ترجمہ۔ تحقیق ہم البتہ ڈالیں گے اوپر تیرے بات ثقلِ آمیز، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اونٹ پر سوار ہوتے تو عین اس وقت اگر کلام پاک کا نزول شروع ہو جاتا تو آپ کو ثقل محسوس ہوتا اور اونٹ کو اتنا دباؤ لگتا کہ وہ برداشت نہ کرتے ہوئے بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اسی طرح اور کئی موقعوں پر یہی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ قرآن پاک کے انوارات کی وجہ سے ثقل محسوس فرماتے تھے۔

۳۔ نور حقیقت صلوة: یہ مقام جامعِ جمیع الکملات ہے۔ اگر نور حقیقت کعبہ ہے یا نور حقیقت قرآن ہے تو بھی جزوِ صلوة ہے۔ جس شخص کو اس مقام سے مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ وہ بروقت نماز گویا نہ دنیاوی سے خارج ہو کر نہ اخروی میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَذٰلِكَ۔ او کما قال ترجمہ۔ اپنے رب کی عبادت اس طرح کر جیسے تو اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پس اس مقام کے حصول پر غلبہٗ محبت بوجہ کمال

ظاہر ہوتا ہے۔ اور جو دولتِ اخروی کہ مخصوص با آخرت ہے اس سے حظ وافر یعنی بے حد خوشی و سکون نصیب ہوتا ہے۔ اور ایسی نماز معراج المؤمنین کا درجہ رکھتی ہے۔ الصَّلٰوۃُ مَغْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ یہی نماز ہے۔

۴۔ نور حقیقت دعوت: یہ وہ مقام ہے جہاں قرب خداوندی کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ سالک کی منزل گاہِ قدسی کی طرف راغب ہوتی ہے۔ سالک کا یہی مقام مقامِ خلافت ہے۔ اس مقام پر بغیر شیخ کی اجازت کے بھی طریقہ سکھانا جائز ہے اور نفع رسانی کی صورت موجود ہے۔ کیونکہ قدرت کی جانب سے اسے مقامِ دعوت و ارشاد پر فائز ہونے کا اشارہ ہو جاتا ہے۔

۵۔ نور حقیقت شہود: اس مقام پر سالک انوار الہی کی تجلّی پر تو انوار سے ایک سراپردہ نور بن جاتا ہے اور جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے کا پردہ نکشف ہو جاتا ہے۔

۶۔ نور حقیقت سکرو حیرت: اس مقام پر پر تو انوار الہی میں سالک محو حیرت ہو جاتا ہے۔ اپنی سدھ بندھ نہیں رہتی صبح و شام، گرمی و سردی، سایہ و دھوپ طعن و تشنیع تک محسوس نہیں کرتا۔ اور دیوانگی غالب ہوتی ہے۔ یہ ایک کھٹن منزل ہے۔ جس سے محض امدادِ ربی اور متوجہ پیرِ کامل کے کامیاب ہوتا ہے۔ اور سکرو حیرت سے نکل کر صحو اور ہوشیاری میں آ جاتا ہے۔ ورنہ اکثر اسی ورطہٴ ناپیدا کنار میں کچھ اس طرح پھنس جاتے ہیں۔ کہ مرتے دم تک ہوش باقی نہیں رہتی اور اسی حالت میں راہی ملکِ عدم ہو جاتے ہیں۔ جیسے شاہ منصور حلاجؒ اور حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ کے ایک مُرید صادق حضرت اخوندزادہ محمد صادقؒ سکندہ دلاکِ داخلی ڈھوڈیال مانسہرہ اسی کیفیت میں آخر دم تک رہے ہیں۔

۷۔ نور حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم): اس مقام کے حصول سے اتباعِ سنتِ نبویؐ و تبلیغِ امت کا چکا پیدا ہوتا ہے۔ طالبِ حق کو اپنے خالق و مالک اور معبودِ حقیقی کے ساتھ ملانے کے لئے جو تبلیغ ہوتا ہے۔ محبوبیت کے انوار کی عکس ریزی ہوتی ہے۔ اور ایک گونا گونا فرحت اور سرور

سے معمور ہوتا ہے۔

۸۔ نور حقیقت احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم): یہ مقام (مقامات سالک سے) وصل میں قریب تر ہے۔ اور لحاتِ انوار قرب خداوندی سے وہ سرور و کیف نصیب ہوتا ہے۔ جس کو زبان بیان نہیں کر سکتی اور نہ ہی احاطہ تحریر میں آ سکتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ، فَكَلاَّ لِبَسَانِهِ کے حقیقی معنوں کی عکس ریزی ہوتی ہے۔

۹۔ نور حقیقت صفات: مقامات (۱) فناء فی اللہ (۲) بقاء باللہ (۳) ہمہ اوست (۴) ہمہ ازوست کے انوار کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور بحفاظت ربانی حقیقتِ لامکانی منکشف ہوتی ہے۔

۱۰۔ نور حقیقت معرفت ذات: منازل۔ (۱) ناسوت (۲) فضلی ناسوت (۳) ملکوت (۴) جبروت (۵) لاہوت (۶) ہاہوت (۷) بابہوت۔ یہ منتہی کے سیر مقامات ہیں۔ اور ان مقامات کے انوار سے مستفید ہوتا ہے۔ (تحت الثریٰ سے سطح زمین تک ناسوت اور سطح زمین سے اوپر آسمان اول تک فضلی ناسوت ہوتا ہے۔ اس کے بعد عوالمِ جنت جو کہ عالم ملکوت کے اندر واقع ہوتے ہیں سیر ہوتی ہے۔ اس سے آگے ترقی ہو کر عالم جبروت کے جنتوں کی سیر اور پھر عالم لاہوت کے جنتوں کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ اور بعض خوش بخت کے اگلے عوالم کے جنتوں کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ مگر سب معاملہ فضل اور مشیت ایزدی کے تحت ہی نصیب ہوتا ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ یعنی یہ سب معاملہ فضلوں پر منحصر ہے جس پر اللہ فضل کر دے وہ عنایت کرتا ہے جس کو دینا چاہتا ہے۔ وہی صاحب فضل اور صاحب عظمت ہے (یہ صرف مفہوم بیان کیا ہے آیت شریفہ کا ترجمہ گزشتہ مضامین میں گزر چکا ہے) مقامات مندرجہ بالا کی حقیقت کا انکشاف حیطۂ ادراک انسان سے باہر ہے۔ جس دل پر ان کے انوار کی عکس ریزی ہوتی ہے۔ اور رضائے الہی کے ساتھ لطفِ خداوندی شامل حال ہوتا ہے۔ تو وہی خوش نصیب محسوس کر سکتا

ہے۔ مگر اس کی حقیقت کو الفاظ و بیان میں لانا مشکل امر ہے کیونکہ دنیا میں اس کی مشابہت نہیں ملتی جس کی تمثیل سے اس کی وضاحت کی جائے۔ اور نہ ہی اس کے سرور کی کیفیت جیٹہ تحریر میں آنی ممکن ہے۔ بس انسان کو صرف تمنا ہی کرنی کافی ہے۔ اور تمنا بھی حظ نفس کے لئے نہ کی جائے کہ عجائبات مغیبیہ کا مشاہدہ ہو بلکہ اس میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی حقیقت مضمر ہے اس رضا جوئی کے لئے تمنا کرنی ضروری ہے۔ ہر حال میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی طلب اور تمنا کرنا لازمی امر ہے۔ مگر اس میں بھی وہی فضل والی بات ہوگی۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (استفادہ از کتاب یادگار اعظم ص ۸۱ - ۸۰) (مصنفہ حاجی محمد اعظم خلیفہ اجل حضرت سید پوریؒ)

اور اپنے پیر خواجہ فقیر محمد ہشتنگریؒ کے بتائے ہوئے نقشبندی سلسلہ کے وظائف کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ کا ورد و وظیفہ کر رہا تھا کہ مجھ پر ہاتھی آواز ہوئی۔ ”مٹس الدین ابیہ راہ خدا دے ملنے دانیں“ یہی آواز پھر پھر کانوں میں پڑی۔ اس کے بعد میں نے دوسرے وظائف ترک کر کے نقشبندیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف خوب محبت و عشق کے ساتھ محنت شروع کر دی۔ تو خدا تعالیٰ کے فضلوں کا دروازہ کھل گیا۔

۲۔ ایک بزرگ کی ملاقات: آپ نے فرمایا ایک بار میں ایک بزرگ جس کا تکیہ کلام مٹھا تھا۔ ہر کسی کو مٹھا کہہ کر پکارتے تھے۔ اس لئے یہ بزرگ عوام و خواص میں میاں مٹھا کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت میاں مٹھا کو کشف معنوی تھا۔ میرے ساتھ گئے ہوئے دوسرے ساتھی نے ان سے دعا کی درخواست کی اور اس کے لئے دعا فرمائی۔ جب میں نے کہا کہ حضرت میرے حق میں بھی دعا فرمادیں۔ تو چار پارٹی پر لیٹے ہوئے کپڑے سے چہرہ مبارک باہر کر کے میری جانب مخاطب ہو کر بولے کہ تم میرے لئے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت کچھ دیا ہوا ہے۔

۳۔ ایک مزار پر حاضری: ”ایک بار جب آپؒ اپنے علاقہ سید پور سے علاقہ پکھلی مانسہرہ تشریف لائے تو آپؒ نے بھگلی باغ میں حضرت دیوان راجا باباؒ کے مزار پر حاضری دی اور مراقب ہوئے بعد دعا کے فرمایا کہ یہ شخص بالکل روح ہو کر دنیا سے رخصت ہوا ہے ناسوت کو ہمراہ نہیں لے کر گیا یعنی دنیا کی محبت کا ایک ذرہ بھی ساتھ لے کر نہیں گیا ہے۔“ صرف ایک اللہ کی چاہت و طلب ہی لے کر گیا ہے۔ جس کا اندازہ ان بزرگ موصوف کے اس شعر سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ان کے پاس دنیا کی آسائش تو کیا دستار تک کچھ نہ تھا اور نہ ہی کچھ اس پر غم و اندوہ تھا کہ کیوں یہ سہولیات میسر نہیں ہیں۔

۔ مایچ نہ داریم غم بیچ نہ داریم دستار نہ داریم غم بیچ نہ داریم

ترجمہ۔ ہم دنیا کے سامان میں سے کچھ بھی نہیں رکھتے اس لئے اس کا غم بھی نہیں

رکھتے۔ ہم دستار یعنی پگڑی نہیں رکھتے اس لئے پگڑی باندھنے کا غم بھی نہیں رکھتے۔ کہ کس طرح باندی جائے۔ ہاں اگر رکھتا ہوں تو سوائے اس امر کے کچھ نہیں رکھتا۔

از غیر خود شکستہ کون و مکاں گزشتہم در لامکاں نشتم مست و المست ہستم

ترجمہ۔ میں نے ماسوائے اللہ یعنی غیریت کو توڑ دیا ہے بمعنی اپنے نفس کو بھی چھوڑ دیا ہے اور کون و مکاں سے گزر گیا ہوں۔ اور لامکاں میں جا کر ڈیرہ ڈال دیا ہے۔ میں مست و المست ہو گیا ہوں۔

یہ تھے دیوان راجا بابا گلی باغ والے جن کے بارے میں حضرت سید پوریؒ نے انکشاف فرمایا ہے۔

۳۔ طبائع انسانی: عارفین و بزرگ فرماتے تھے کہ انسان کے دو طبائع ہیں۔

(۱) طبع خلقی (۲) طبع امری طبع خلقی عالم خلق سے ہے اور طبع امری عالم امر سے ہے۔

(۱) طبع خلقی: نفس، باد، آب، آتش، خاک

ایک نفس کے اندر ان چار عناصر کا موجود ہونا اور اعتدال کے اندر ہونا۔ صحت انسانی

کی بقاء کا ضامن ہے اور ایک کا اعتدال سے اوپر یا نیچے ہونا صحت کی خرابی کا باعث ہے۔

(۲) طبع امری لطیفہ نفس، لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سیر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی

ان ہی طبائع میں شیطانی و نفسانی اثرات کا اگر غلبہ ہو تو انسان خدا تعالیٰ سے دور اور

نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اگر ان کا تزکیہ ہو کر روحانی اثرات کا غلبہ ہو تو انسان خدا کا

قرب حاصل کر کے معرفت الہی کے حصول سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور اولیائے کرام ان ہی کی

صفائی اور ان کے اندر نورانیت پیدا کرنے کے لئے ذرائع بذریعہ ذکر الہی سیکھانے کا موقع

فراہم کرتے ہیں۔

مرنے کے بعد طبائع خلقی گل سر کرمی ہو جاتے ہیں۔ اور جسد کا لعدم ہو جاتا ہے۔

مگر طبائع امری موجود ہوتے ہیں۔ اور مردہ جو کچھ دیکھتا ہے طبائع امری سے ہی دیکھتا ہے۔

۵۔ پیدائش اور لطائف خمسہ: عارفین کا مشاہدہ ہے کہ

- ۱۔ لطیفہ قلب کا نور عرش کے نور سے ہے۔ ۲۔ لطیفہ رُوح کا نور جنت کے نور سے ہے۔
- ۳۔ لطیفہ سیری کا نور کرسی کے نور سے ہے۔ ۴۔ لطیفہ خفی کا نور قلم تقدیر کے نور سے ہے۔
- ۵۔ لطیفہ انہی کا نور لوح محفوظ کے نور سے ہے۔

۶۔ قلب پر ذکر اللہ کا اثر: قلب کے دومنہ ہیں یعنی دودروازے ہیں۔ ایک اوپر کی جانب ہے اور دوسرا نیچے کی جانب ہے۔ اوپر والا دروازہ یا منہ ذکرِ جبر سے کھلتا ہے۔ اور نیچے والا دروازہ یا منہ ذکرِ خفی سے کھلتا ہے۔ بشرطیکہ ہر دو صورتوں جبر اور ذکرِ خفی میں فکر کو لازم قرار دیا گیا ہو۔ فکر کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص پودا لگائے اور اس پودے پر وقت اور ضرورت کے مطابق آبیاری کرے تو پودا بڑھتا پھلتا پھولتا رہے گا۔ اور آخر کار مکمل درخت ہو کر پھل لائے گا۔ مگر بروقت پانی نہ دیا جائے صرف پودا ہی لگا دیا جائے تو پودا کامیاب ہرگز نہ ہوگا۔ جب تک کہ پودے کو نمی و خوراک نہ پہنچے گی ذکرِ الہی میں فکر کی مثال اسی نمی و خوراک کی سی ہے۔ بغیر فکر کے ذکر اپنا اثر ظاہر نہیں کرے گا۔ پس ذکرِ الہی کے ساتھ فکر و محبت لازمی امر ہے۔ ذکر و جبر ہو یا کہ ذکرِ خفی ہر دو صورتوں میں فکر لازمی جُو ہے ذکرِ خفی کو ذکرِ قلبی بھی کہتے ہیں۔ مراقبہ ذکرِ خفی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کے اخلاق رذیلہ بہت جلد اخلاق حمیدہ میں تبدیل ہونے لگتے ہیں اور اگر یہ عمل متواتر جاری رہے تو صفات حمیدہ کا غلبہ ہو کر انسان اعلیٰ مرتبہ کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور قلب انوارِ ذکر سے روشن و منور ہو جاتا ہے۔ اور اجرائے قلبی ہو جاتا ہے۔

نوٹ: اقسام ذکر کے بارے میں اپنی دوسری کتب مجالس الاذکار فکرِ آخرت اور گلدستہ مکتوبات و اسم اللہ دل کا چراغ ہے۔ میں نے بھی تذکرہ کرنا ضروری سمجھا ہے اور جہاں ضرورت پڑی اقسام ذکر کے بارے میں تذکرہ کیا گیا خیال تھا کہ اس دوسرے ایڈیشن میں یہ تذکرہ متروک کر دیا جائے مگر بعض کو کوئی کتاب اور کسی کو کوئی کتاب دیکھنے کا موقع ملے گا اس

لئے دوسرے ایڈیشن میں بھی اقسام ذکر کا تذکرہ بدستور رکھا گیا ہے۔ تاکہ قارئین کرام ہر مقام پر ذکر سے روشناس ہو سکیں۔ لہذا اقسام ذکر درج ذیل ہیں:-

۱۔ ذکر لسانی اول:- یہ ذکر صرف زبان پر ہوتا ہے مگر دل اس سے غافل و بے خبر ہوتا ہے۔ ایسا ذکر زبانی عادی کہلاتا ہے۔

۔ زبان پر ذکر دل گرے بے خبر ہے یہ ذکر ہے مگر بے اثر ہے (حبیب)

۔ زبان پر ذکر دل گرے بے خبر ہے بز و سالکان بس ناروا ہے۔ (محمد اعظم)

۔ بز زبان تسبیح در دل گاؤں و آخر این چنین تسبیح کے دارد اثر (مولانا روم)

ترجمہ: زبان سے تو تسبیح حمد اور ذکر الہی کر رہا ہے مگر دل میں گائے اور گدھوں کی فکر پھر رہی ہے۔ تو ایسے ذکر سے دل میں کب ذکر کے انوار و اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس ایسا ذکر لسانی اول کا درجہ رکھتا ہے۔

۲۔ ذکر لسانی دوم: یہ ذکر زبان پر بھی ہوتا ہے اور دل بھی حاضر رہتا ہے۔ یہ ذکر طلبِ ثواب اور اثرات کا بھی حامل ہوتا ہے۔

۳۔ ذکر قلبی: اس ذکر میں دل ذکر اور زبان خاموش رہتی ہے۔

سلطان باہو اسی ذکر و فکر کے بارے میں فرماتے ہیں۔

منہ داکلمہ ہر کوئی پڑھ داتے دل دا پڑھ دا کوئی ہو

جتنے کلمہ دل دا پڑھئے اوتھے زبان نہ ہلدی کوئی ہو

اور ذکر قلبی بغیر پیر کامل کی تلقین کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ عکسی اور وہی نعمت

ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کامل کی نسبت و تعلق کی وجہ سے افراد کے قلوب تک پہنچ

کر قلب کو ذکر الہی میں متحرک کرتی ہے۔ اور یہ نورانی کیفیت سینہ بسینہ چلتی ہے۔ جس شیخ میں

روحانی نقص پیدا ہو گا وہاں یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا آگے یہ برکات و اثرات نہ چل سکیں گے

اور سلسلہ فقط رسم بن کر رہ جائے گا۔ جیسے بعض خائفانہوں کا حال ہے۔ شورغل ہے۔ ہجوم ہے

تھکی ہے تعویز گنڈا ہے پھونک جھاڑ اور دم ہے مگر حقیقت مفقود کم ہے۔

یہ نعمتِ عظیم جو کہ نورانی و عکس ریزی کے ذریعے ایک دل سے دوسرے دل تک یہ نور پہنچتا ہے اس کے لئے مرشدِ کامل کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ اللہ اللہ لا الہ کیا نفی یہ سبق مرشد سوامتا نہیں (حاجی محمد اعظم)

حضرت عبداللہؒ جو کہ حضرت ابوالحسن خرقائیؒ سے فیض یافتہ ہیں فرماتے ہیں:-

”مخ بؤ دم نہانی کلید آں دردِ خرقائی۔ چوں رسیدم برآں چشمہ زندگانی چنداں بخور و من نہ ماندم نہ خرقائی ترجمہ:- میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جس کی کنجیاں حضرت ابوالحسن خرقائیؒ کے ہاتھ میں تھیں یعنی میرا فیض کا حصہ ان کے پاس تھا۔ جب میں اس چشمہ آبِ حیات کے پاس پہنچا اور وہاں سے کچھ فیض حاصل کیا تو پھر کیا تھا نہ میں تھا اور نہ ہی خرقائیؒ تھے بس ایک ذاتِ باری تعالیٰ ہی اپنی شان و عظمت اور الوہیت کے ساتھ موجود تھی باقی ہر چیز کا لحد تھی۔ یہ تھا پیرِ کامل اور مریدِ صادق اور ذکرِ الہی کا اثر کہ ایک ہی نگاہ میں سب کچھ گم ہو کر ایک ذاتِ باری تعالیٰ کی عظمت اور الوہیتِ دل میں باقی رہ گئی۔

نیز عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ ذکرِ زبانِ عادت است۔ و ذکرِ دل (قلبی ذکر)

عبادت است۔ و ذکرِ جاں سعادت است۔ اگر واری طرب کن و گر نہ واری طلب کن یا رباش بارمباش گل باش خارمباش۔

لفظی ترجمہ و تشریح ہے۔ زبانی ذکر ایک عادت ہے۔ اور دل کا ذکر عبادت ہے۔ اور روح کا ذکر سعادت مند ہے۔ اگر یہ اوصاف حاصل ہیں تو پھر خوشی منایا کر یعنی شکر یہ خداوندی کیا کر اور اگر یہ وصف حاصل نہیں ہے تو پھر اس امر کی طلب ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ یعنی دوست بن جا۔ اور بوجہ نہ بن یعنی دوستی کا اہل نہ ہو تو خوش فہمی میں خود کو اہل تصور نہ کر جس طرح سجادہ نشینی کے اہل نہیں ہوتے مگر از خود اپنی خوش فہمی میں سجادہ نشینی کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے اگر کسی مجلس میں داخل ہوتے ہوئے کوئی اشارہ کرے کہ حضرت صاحبِ جانشین

تشریف لا رہے ہیں تو اپنی یہ مدح و تعریف سن کر خوب جھومتے ہیں ایسی صورت کو بوجھ بننے کے مترادف کہا ہے۔ پھول بن یعنی ہر کسی پر مہربان ہو اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتا کہ خداوند راضی ہو۔ اور کاٹنا نہ بن یعنی ہر کسی کو جھاڑنے اور اپنا رعب ان پر ڈالنے کی کوشش نہ کر بلکہ عجز و انکساری سے کام لیتے ہوئے خود کو حقیر تصور کرتا کہ خدا کے قرب کا مقام حاصل ہو۔

۴۔ **حقیقی ذکرِ قلبی:** ذکرِ قلبی حقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور و شہود حاصل ہو۔ جب یہ بات آپ کو حاصل ہو جائے گی۔ تو آپ کے دل سے سب غیر خطرے نکل جائیں گے۔ اگر کچھ سستی و فتور آجائے تو پھر ذکر کریں۔ حتیٰ کہ یہ حالت دائمی طور پر حاصل ہو جائے۔ (ماخوذ از مکتوبات باقی باللہ رقعہ نمبر ۲۵ ص ۱۱۳-۱۱۴)

۵۔ **ذکرِ لکھی:** بعض لوگوں کو ذکر کی تاثیر ان کے جسم کے حصہ گوشت میں ہوتی ہے۔ اور وہ بوقتِ لکھی اور تھر تھراہٹ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یا بے حال ہو کر وقتی طور پر گر جاتے ہیں جزع فزع کرنے لگتے ہیں اور حق ہو کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اور تڑپتے ہوئے بعض دفعہ جسم میں چوٹ بھی آ جاتی ہے۔ پکڑنے اور ہوش دلاتے وقت کچھ حالتِ تھم کر بہتر ہو جاتی ہے۔ ایسا ذکر ذکرِ لکھی کہلاتا ہے۔ ایسے ذکر سے ذکر کو راہِ سلوک میں کچھ ترقی حاصل نہیں ہوتی اور نہ قلب جاری ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کے اندر اوصافِ حمیدہ پیدا ہو سکتے ہیں جوں کا توں اپنی حالت اور اپنے سابقہ اوصاف پر قائم ہوتا ہے۔ اور اپنے جی میں اس بات پر خوش اور ذکر کے لگنے کی خوش فہمی میں خود کو ذکر تصور کرتا ہے۔ مگر وہ حقیقت میں ذکرِ قلبی سے محروم رہتا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ ایسے ذکر کو ذکر کے تپ سے تعبیر کرتے ہیں کہ ذکر کی گرمی سے جسم پھدک جاتا ہے۔ ایسے انسان کو اپنی ذات پر قابو رکھ کر ذکر اللہ کو دل کے اندر اتارنے اور اچھل کود سے ضبط اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ذکر کا اثر دل میں اتر کر دل ذکر الہی سے متحرک اور زندہ ہو جائے۔

۸۔ **اقسامِ سالک:** ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نفی اثبات سے سلوک پیدا ہوتا ہے کہ اور ارم

ذات سے جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض سالکین کی طبیعت میں سلوک زیادہ ہوتا ہے اور بعض کی طبیعت میں جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔ جس کے اندر سلوک کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس کو نفی اثبات (لا الہ الا اللہ) سے فائدہ زیادہ ہوگا۔ اور جس کے اندر جذب کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس کو اسم ذات (اللہ) سے فائدہ زیادہ ہوگا۔ اس لئے شیخ کو چاہیے کہ مرید کی طبع کا جائزہ لے کر ذکر سکھایا جائے اور جس طبع پر زیادہ مائل ہو وہی ذکر زیادہ فائدہ دے گا۔

۹۔ اقسام اولیاء اللہ: ۱۔ مجذوب سالک ۲۔ سالک مجذوب

(۱) مجذوب سالک: مجذوب سالک سب سے بہتر ہوتا ہے کیونکہ اس کو محبوبیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اسی کو مراد بھی کہا گیا ہے۔ اور یہی محبوب کے درجہ پر بھی فائز ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوتا ہے۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ اِيْشَاءُ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے۔ اسی مراد کو محبوب کی شان میں بیان ہے۔

(۲) سالک مجذوب: اس کو محبت و کوشش سے جذبہ حاصل ہوگا یہ کئی سال کی محنت سے قابل جذبہ ہوتا ہے۔ اس کو محبت کہتے ہیں اور یہی مرید صادق ہوتا ہے۔ يَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ترجمہ۔ ہدایت کا راستہ بتلاتا ہے اُس کو جو اُس کی طرف رجوع اور کوشش کرتا ہے اسی کی صفت میں بیان ہے۔ اور اسی طرح وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فَاِنَّا لَنَنْفُذُ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی البتہ ہم راہ دکھائیں گے اُن کو اپنی طرف آنے کے راستوں کا اور تحقیق اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے مندرجہ بالا آیت شریفہ بھی اس قسم کے اوصاف رکھنے والوں کو متعلق خوشخبری ہے۔

(۳) مجذوب مطلق: یہ نور حق میں غرق رہتا ہے اس کی عقل و روغیبیہ کے غلبہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس پر حیرت و سکر کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے۔ شاہ منصورؒ حلاج اسی قسم کے بزرگ تھے۔

(۴) بے جذب سالک: یہ عقل سے طلب کرتا ہے۔ اس میں محبت نہیں ہوتی اور کوشش و محنت بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اس لئے یہ واصل باللہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی نایافت پر اسے کچھ غم و اندوہ ہوتا ہے فقط شیخ کے پاس آنا جانا ہوتا ہے اور وہ بھی بے مقصد تقویٰ پر ہیز گاری کی جانب بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ ہر مجلس کی زینت بنارہتا ہے۔ ان اوصاف کے مالک آپ کو کثرت سے ملیں گے۔

(۵) مجنون: مجنون وہ ہے جس کی عقل اخلاطِ فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور یہ فاترالعقل ہوتا ہے ایسے شخص کو بزرگ تسلیم کرنا حماقت ہے۔

(۶) قلندر: قلندر اصطلاحِ صوفیہ میں اس نام پر یاد ہوتی ہے جو اعمالِ قلبیہ یعنی ظاہری اعمال تو کم کرتے ہیں مگر اعمالِ قلبیہ ان کے بہت زیادہ اور اخلاص پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور اعمالِ قلبیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے قلب کی نگہداشت رکھی جائے کہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے بلکہ اکثر اوقات دل کو ذکر میں مشغول رکھا جائے یعنی ذکر میں دوام حاصل ہو۔ نیز کسی مسلمان کی طرف قلب و دل میں غل و ہمد اور بدینتی نہ ہو۔ سب کے ساتھ خیر خواہی ہو۔ نیز حقوقِ وقت ادا کئے جائیں۔ کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جائے۔

نیز خوشی و غمی کے حقوق ادا کئے جائیں۔ نعمت پر شکر ادا کرنے اور غم و حزن کی صورت پیدا ہونے پر خدا تعالیٰ سے راضی رہے۔ کسی شکوہ کی صورت پیدا نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اعمالِ قلبیہ ہیں۔ جو یہ ہیں کہ طریق قلندر کے دو جز ہیں۔ ایک طریقِ عمل ہے جو کہ حقیقتِ طریقِ پارسائی ہے۔ اور دوسرا طریقِ محبت ہے۔ پس طریقِ قلندر ان دونوں طریق کے مجموعہ کا نام ہے۔

اصطلاحِ مستعدین کے اعتبار سے راہِ قلندر میں یہ بھی قید ہے کہ جس میں اعمالِ ظاہرہ مستحبہ کی تقلیل ہو۔ بہت نفلیں اور وظائف نہ ہوں۔ بلکہ محبت کی خاص رعایت ہو۔ یعنی

تفکر و مراقبہ کی کثرت ہو، قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم کی پرواہ نہیں ہوتی نہ مصالح پر نظر ہوتی ہے۔ اس کا دل صاف اور سادہ ہوتا ہے۔ اور اس کی اہم اور بڑی مصلحت یہ ہوتی ہے۔ کہ ایک کو لے کر سب کو ترک کر دو۔ یعنی منجائے نکتہ نظر یہ ہوتا ہے۔

اللہ بس باقی ہو

قلندر تو باوجود یافت کے خود کو نایافت کے غم و حزن سے باہر نہیں رکھتا۔ اور ایک اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت میں دگر مندر رہتا ہے۔

عاشق بدنام کو پروائے تنگ و نام کیا
اور جو خود نا کام ہو اُس کو کسی سے کام

کیا

یہ تو آستانہ ربی پہ جتنی جتنی حالت میں ایسا محو ہوتا ہے کہ کسی طرف اس کا التفات نہیں ہوتا۔ اور ایک اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتا ہے اس کیفیت سے الگ ہونے کو اس کا جی نہیں پسند رکھتا۔ اور اس کی کیفیت اور دل و ضمیر کی آواز یہ ہوتی ہے۔

نہ چھیڑو مجھے تم میرا آرام یہی ہے بے نام و نشان رہنے دو بس نام یہی ہے
بے نام مجھے رہنے دو بس نام یہی ہے بے کام مجھے رہنے دو بس کام یہی ہے
بے کار و معطل پڑا ہوں میں کارِ جہاں سے ارے فہمید میری میں تو بڑا کام یہی ہے

(کلام محمد نیاز از دیوان نیاز)

۱۰۔ لامتی باگنامی: سلامتی وہ ہے جو اعمال میں تکثیر ہو۔ مگر ان اعمالِ حسنہ کا

اخفاء (پوشیدہ) ہو۔ جس سے عام لوگ یہ سمجھیں کہ یہ دوسروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ اپنے اعمالِ حسنہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور رندوں کی سی وضع بنائے رہتے ہیں۔ کیونکہ ہجومِ عوام سے ان کے معمولات میں خلل پڑتا ہے۔ اس لئے عوام کو قریب ہونے کا موقع فراہم نہیں ہونے دیتے۔ اور اپنی اس گمنامی کو زندگی کا مقصد تصور کرتے ہوئے نیستی اختیار کئے ہوئے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ نیستی ہی اصل ہستی ہوتی ہے۔ اور یہی مست و اُلت ہونے کی

علامت ہے۔

نہستی، ہستی ہے یا دواور ہستی کچھ نہیں بے خودی مستی ہے یا دواور مستی کچھ نہیں کچھ نہیں بھی کچھ ہے یا دواور سب کچھ کچھ نہیں کچھ نہ ہونے کے سوا پھر اور سب کچھ کچھ نہیں لامکاں کی منزلت پاتا ہے کب کون و مکاں ھو کے ویرانے کے آگے ہے کی بستی کچھ نہیں (خواجہ محمد نیاز) (استفادہ از شریعت و طریقت ص ۴۰۰ از افادات اشرفیہ)

۱۱۔ اقسام ولایت: حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اقسام اولیاء اللہ دو ہیں۔

۱۔ مرجوع ۲۔ غیر مرجوع

(۱) مرجوع: جو مرجوع ہوتا ہے اس کا تعلق خلقت کو فیض پہنچانے کی طرف ہوتا ہے۔ اس کی توجہ اور مجلس کی برکات سے ارادتمندوں کے قلوب مجلیٰ ہوتے ہیں اور خیالاتِ فاسدہ کم ہو کر صفاتِ حمیدہ پیدا ہوتی ہیں اور صفاتِ رذیلہ دور ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی صحبت اکیسر اور اس کی توجہ مفید و موثر ہوتی ہے۔ اور سالک راہِ کوراہِ خدا پر چلانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲) غیر مرجوع: جو غیر مرجوع ہوتا ہے اس کا تعلق خلقت کے ساتھ بہت کم ہوتا ہے۔ سوائے خدا کے کسی کی طرف التفات نہیں رکھتا اور مرجوع الی اللہ ہر وقت ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا حال چہارم آسمان سے نیچے واپس نہیں آتا۔ حال ہمیشہ فوقیت پر رہتا ہے۔ ایسے ولی اللہ کی توجہ کے بجائے اس کی دعا ہی فائدہ مند ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۱۲۔ صدیقین امت: حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری

امت کے صدیقوں کو انبیاء بنی اسرائیل کا درجہ حاصل ہے۔ یعنی وہ بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح خلقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور انوارِ نبوت کے مظہر ہوتے ہیں۔ صالحین امت اور شہداء امت سے اعلیٰ مقام اور انبیائے کرام کے بعد ان کا ہی درجہ و مقام ہوتا ہے۔ یعنی صدیقیت نبوت کے قریب قریب کا مقام ہے۔ اور صدیقیت ولایت کا اعلیٰ مقام و درجہ

ہے۔ جو کہ اُمتِ محمدیہ میں خصوصی فضل سے نصیب ہوتا ہے۔ اولیائے کرامؑ اور نیک و پارسا علمائے کرام بھی اسی طرح خلق کو خدا کی طرف بلاتے ہیں مگر خلوص اور ایمان باللہ میں انبیاء اور صدیقین کا خاص مقام ہوتا ہے۔ مقام و درجہ ایمان باللہ کے موافق مرتب ہوتا ہے۔

حضرت خولجہ بایزید بوسلطانی فرماتے ہیں۔ صدیقوں کے احوال کی انتہا انبیاء کے احوال کی ابتداء ہے۔ اور اولیاء اللہ کے مقام کی انتہا، شہیدوں کے مقام کی ابتداء ہے۔ انبیاء کے مقام کی انتہا رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے۔ اور رسولوں کے مقام کی انتہا، اولو العزم انبیاء کے مقام کی ابتداء ہے۔ اور اولو العزم انبیاء کی انتہا حضرت محمد الرسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے مقام کی ابتداء ہے۔ اور حضرت محمد الرسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے مقام کی انتہا بس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (سعدیؒ)

پھر ایسے نبیؐ کے اسوہ حسنہ کو نظر انداز کرنا اور اپنی زندگی میں کوشش کے ساتھ لاگو نہ کرنا بد بختی ہے۔

۱۳۔ اقسام انسان: عام طور پر انسان صرف تین اقسام پر مشتمل ہے۔

۱۔ فضلی انسان۔ ۲۔ عدلی انسان۔ ۳۔ غرضی انسان

اور ان میں بھی اپنے اپنے عمل و فعل پر درجات ہیں کوئی اپنی قسم میں زیادہ احوال کا متحمل ہے اور کوئی کم ہے۔ مگر ان تین اقسام کی تشریح سرسری ذیل ہے۔

۱۔ فضلی انسان: فضلی وہ ہیں جو بلا حساب جنت میں داخل ہو گئے۔ گویا ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوگا۔ (سبحان اللہ)

۲۔ عدلی: عدلی انسان وہ ہیں جو حساب دے کر جنت میں جائیں گے اور یہ معاملہ بھی سخت ہے۔ کیونکہ جس کا حساب لگ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ اس لئے کہ حساب و کتاب بہت مشکل امر ہے۔

۳۔ غصی: غصی انسان وہ ہیں جو ہر وقت غضب کے دائرہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کو غصی نزول میں رکھا گیا ہے کیونکہ ان کے اعمال بدن کو غصی نزول سے اوپر نہیں آنے دیتے اور نہ ہی اپنی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔ اگر اسی حال میں سوئے عدم ہو گئے تو پھر سخت خطرہ میں ہو گئے۔ (استغفر اللہ)

اللہ تعالیٰ ہمارا حشر پہلی قسم کے انسان جو کہ فضلی ہیں ان میں فرمائے آمین۔

۱۴۔ اللہ اور بندے کے مابین حائل پردہ: اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان اصل حجاب اس کا نفس ہے۔ جب تک نفس کی مخالفت نہ ہوگی۔ یعنی نفس کی مرضی و خواہش کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی مرضی و خواہش یعنی اس کی رضا مندی اختیار نہ کی جائے گی تو اُس وقت تک بندہ خدا تعالیٰ کے قرب کا مستحق ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بے شمار اور حجاب بھی حائل ہیں۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر انسان کے سامنے ستر ہزار پردوں کے حجابات ہیں۔ جن میں سے پینتیس (35) ہزار حجابات ظلماتی اور پینتیس (35) ہزار حجابات نورانی ہیں۔ (اور ان حجابات کے اٹھنے اور دور ہونے کے لئے اپنی کوشش کا رگر ہرگز نہ ہوگی بلکہ بندگانِ خدا کی مجلس کی برکات سے جب لطائفِ منسہ جو کہ اللہ کی یاد کے مقامات انسانی قالب کے اندر ہیں متحرک بذکر اللہ ہو گئے تو یہ پردے دور ہو گئے) فرمایا حضرت نقشبندؒ نے کہ

- ۱۔ جب لطیفہٴ قلب کا اجراء ہوتا ہے۔ تو دس ہزار پردے زائل ہوتے ہیں۔
- ۲۔ جب لطیفہٴ روح کا اجراء ہوتا ہے۔ تو دس ہزار پردے زائل ہوتے ہیں۔
- ۳۔ جب لطیفہٴ بصری کا اجراء ہوتا ہے۔ تو دس ہزار پردے زائل ہوتے ہیں۔
- ۴۔ جب لطیفہٴ خفی کا اجراء ہوتا ہے۔ تو دس ہزار پردے زائل ہوتے ہیں۔
- ۵۔ جب لطیفہٴ اُھلی کا اجراء ہوتا ہے۔ تو دس ہزار پردے زائل ہوتے ہیں۔

اور باقی ماندہ پردے باقی مقامات و منازل میں زائل ہوتے ہیں۔ جب یہ پردے اٹھ جاتے ہیں تو سالک انوارِ لطائف کا مشاہدہ کرتا ہے یعنی طالبِ حق کو لطائف کے انوار نظر آنے لگتے ہیں۔ اور انوارِ لطائف کا نظر آنا ظاہری آنکھوں سے نہیں بلکہ باطنی آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔

جب اندھیرا سیاہ ہوتا ہے جس میں کچھ نظر نہ آئے یا آنکھیں بند ہوتی ہیں تو لطائف کے انوارات دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہ عجب نعمتِ غیر مترقبہ ہے کہ جس کو نصیب ہو جائے اور پھر اس کی محافظت کرتے ہوئے دنیا سے چلا جائے تو بھی یہ نعمت ساتھ رہتی ہے۔ اور قبر میں بھی ساتھ اور حشر میں بھی ساتھ اور پلِ صراط پر بھی ساتھ ہوگی۔ جبکہ پلِ صراط پر سخت اندھیرا ہوگا تو یہ نور آگے آگے اور دائیں جانب دوڑتا ہوا چلے گا۔ قولِ تعالیٰ:-

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ	اُس دن کہ دیکھے گا تو ایمان والوں کو اور ایمان
وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ	والیوں کو دوڑتا ہوگا نور اُن کا آگے ان کے اور
بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ	دہنی طرف اُن کے۔ واسطے تمہارے خوشخبری
بُشْرَ الْكُفْرِ الْيَوْمَ جَنَّتْ	ہے آج کے دن جنتوں کی (ایسے جنت) کہ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ	چلتی ہیں نیچے اُن (جنتوں) کے نہریں (اور)
خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں بیچ اُس کے یہ ہی بڑی
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	کامیابی ہے۔

جنتِ دنیا و دینیہ۔۔۔ رضی میں اصل کامیابی آخرت میں ہے کہ جو عذابِ الہی سے بچ کر جنت میں داخل ہو گیا۔ پس یہی کامیاب ہے۔ قولِ تعالیٰ:-

فَمَنْ رُحِذَ عَنِ النَّارِ
وَالدُّخْلُ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔

پس جو کوئی آگ دوزخ سے بچ گیا اور داخل ہو گیا
جنت میں پس تحقیق وہ حقیقی طور پر کامیاب ہو گیا۔

لوگ تو دنیا کی کامیابی کو زندگی کا مقصد تصور کرتے ہیں۔ اور دنیا میں جاہ و مال اور

جائیداد کو اپنے لئے کامیابی کا ذریعہ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ کامیاب ہرگز نہیں جتنی سہولتیں اور فراخی مال ہوگی اسی قدر مرنے کے بعد حساب و کتاب ہوگا۔ اور جو جس قدر مال و متاع کی محبت میں پھنس کر دنیا سے چلا گیا اُسی قدر اس کو رسوائی ہوگی۔ تو پھر دنیا میں مال و متاع کے حصول کی کیا کامیابی ہوئی۔ اصل کامیابی تو خدا تعالیٰ کی مرضی اور اُس کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے زندگی گزارنا ہے۔ اور اُس کی راضی کر کے دنیا سے جانا ہے۔ اگر کسی کو یہ نعمت نصیب ہے تو وہ کامیاب ہے۔ اسی پر آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔

میں نے گذشتہ سطور میں ذکر کیا کہ جو دنیا سے اپنے قلب روح سرخی اٹھلی کو ذکرِ الہی میں متحرک و متجلی لے کر چلا گیا ان کا نور قبر و حشر بلکہ پل صراط پر بھی ساتھ ہوگا۔ اور ان کے نور سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے منافقین جو دنیا میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ وہاں ان سے نور کی روشنی اپنے لئے بھی طلب کرنے کی خواہش کریں گے مگر ان کو جواب ہوگا کہ تم اپنی روشنی پیچھے (دنیا) میں چھوڑ آئے ہو۔ یہاں طلب کرنا بے بنیاد ہے۔ قولہ تعالیٰ:-

انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ
نُورِكُمْ قَلِيلَ اَرْجِعُوا
وَرَاآءَكُمْ فَاَلْتَمِسُوْا
اَنْوَرًا فَضْرِبَ
بَيْنَهُمْ بِسُوْرَةٍۢ بِاَبْ
بَاطِنِهٖۤ فِيْهِ الرَّحْمَةُ
وَضَآهْرُهٗۤ مِنْ قَبْلِهٖ
الْعَذَابُۙ يٰۤاٰدُوْنَهُمۡ اَلَمْ
نَكُنْ مَّعَكُمْ ط قَالُوْا

(جبکہ پل صراط پر ہونگے) انتظار کرو ہمارے لئے
کہ ہم بھی روشنی حاصل کریں۔ تمہارے نور سے،
کہا جائے گا واپس پھر جاؤ پیچھے اپنے۔ پس
ڈھونڈ لاؤ نور اپنا۔ پس ماردی جائے گی درمیان اُن
کے دیوار کہ واسطے اُس کے دروازہ ہے۔ اندر کی
طرف اس (دیوار) کے جو بیچ اُس کے رحمت
ہے۔ اور باہر کی طرف جو اس (دیوار) کا ہے
عذاب ہے پکاریں گے (منافقین) اُن مومن کو کیا
نہ تھے (رہتے دنیا سے) تمہارے ساتھ

یَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ
وَالْمُنْفِقَتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا
بَلَىٰ وَلَكِنْكُمْ فِتْنَتُمْ
أَنفُسَكُمْ وَتَرَبُّصْتُمْ
وَأَرْتَبْتُمْ وَغَرُّتُمْ
الْأَمَانِي حَتَّىٰ جَاءَ
أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ
الْعُرُوزُ فَأَلْيَوْمَ لَا يُؤْذَنُ
مِنْكُمْ فَدِيَّةٌ وَلَا مِنَ
الَّذِينَ كَفَرُوا ط مَأْوٍ
لَكُمْ النَّارُ ط هِيَ مَوْلَكُمْ
ط وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

اُس دن کہ کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں
واسطے اُن لوگوں کے کہ ایمان والے ہیں۔
کہیں گے (مومنین) ہاں (ضرور رہتے تھے)
اور لیکن فتنے میں ڈالنا تم نے اپنے آپ کو اور منتظر
تھے تم (یعنی واسطے) برائی ہماری کے۔ اور شک
میں تھے تم کہ فریب دیا تم کو آرزوؤں تمہاریوں
نے یہاں تک کہ آیا حکم خدا کا اور فریب دیا تم کو
ساتھ اللہ کے فریب دینے والے۔ پس آج کے
دن نہ قبول کیا جائے گا تم سے (تمہاری سزا کے
بدلے) فدیہ اور نہ ہی کافروں سے (فدیہ)
قبول ہوگا۔ اور آگ دوزخ ہے جگہ تمہاری پھر
جانے کی۔ یہی (آگ دوزخ) تمہاری رفیق
ہے۔ (یعنی تمہارے ساتھ رہنے والی ہے) اور
بری ہے جگہ پھر جانے کی۔ ترجمہ (شاہ رفیع)

قیامت کے روز حساب و کتاب کے بعد جب مومنوں کے لئے جنت کا حکم ہوگا اور
منافقین و کافر کے لئے جہنم کی سزا مقرر ہو جائے گی تو پل صراط پر ان کا گزر ہوگا کافر تو اپنے
کیف کردار کو پہنچ چکے ہونگے اور پل صراط سے جہنم میں جلد گرا دیئے جائیں گے۔ مگر مسلمانوں
میں جو منافقین ہونگے ابھی مومنوں کے پیچھے گرتے پڑتے تاریک و سیاہ اندھیرے میں پل
صراط پر اپنی جگہ مقررہ پر گرانے کے لئے ابھی چلتے ہوئے۔ اُن کے آگے آگے مومنین اپنے نور
کی روشنی میں چلتے ہوئے اور یہ پیچھے سے پہچان کر آواز دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی

سے فائدہ اٹھائیں۔ مومن کہیں گے کہ تم اپنے نور و روشنی کو پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے ہو۔ پیچھے چلے جاؤ جب یہ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے تو ان کے درمیان دیوار کا پردہ حائل ہو جائے گا جس میں دروازہ ہوگا۔ دیوار کا مومنین والا حصہ سراسر رحمت والا ہوگا اور منافقین والا حصہ عذاب نما ہوگا۔ یہ مومنوں کو جتائیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے اس لئے ہمارا خیال بھی رکھو مگر مومنین کہیں گے کہ ہاں ضرور ساتھ تھے مگر تم کو تمہاری بد بختی نے گھیر کر خدا سے دور کیا ہوا تھا اور دنیا میں تم ہمارے بارے میں بھی مخلص نہ تھے بلکہ ہماری برائی اور نقصان کے حق میں انتظار کیا کرتے تھے سو تم اپنے کیف کردار کر پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ آج کے دن اگر یہ منافقین اپنی سزا کو رفع کرانے کے لئے فدیہ بھی دیں تو ان سے اور کافروں سے فدیہ بھی قبول نہ ہوگا۔ اور ان کی رفیق و ساتھی جو ان کے ساتھ لگی رہے گی دوزخ کی آگ ہوگی جو بری جگہ اور برا ٹھکانا ہے۔

اعتماد:- قرآن پاک کے احکامات و حالات میں جہاں کفار اور منافقین کا تذکرہ اور ان کے لئے عتاب و عذاب کے بارے میں ذکر ہوتا ہے تو ہر انسان کلمہ گو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم تو اس امر سے بری الذمہ ہیں۔ یہ عذاب و عتاب تو منافقین کے لئے مختص ہے۔ مگر یہ بات کبھی نہیں سوچی کہ کہیں ہم میں منافقین والی عادات و صفات تو نہیں پائی جاتیں۔ کیا ان جیسے خیالات اور اخلاق کے مرتکب ہم بھی تو نہیں اگر کسی ایسی حرکات میں ملوث ہم بھی ہیں تو پھر خطرہ ہمارے لئے بھی ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو خالص و مخلص اور اسلامی طرز و طریق کے مطابق بنانا ہوگا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ اور اپنی زندگیوں پر نظر دوڑانی ہوگی کہ کیا ہم منافقین کے اوصاف کی پاسداری تو نہیں کر رہے اگر کوئی وصف ہم میں بھی منافقین والا موجود ہے تو پھر خود کو بھی بری الذمہ تصور کرنا حماقت ہوگا۔

اسی طرح جب قرآنی احکام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کے حق میں کوئی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو لامحالہ ہماری نظریں اپنی طرف پھر جاتی ہیں۔ اور خوش فہمی میں مبتلا ہو

کر ان انعامات و نعیم کو اپنا حق تصور کرتے ہوئے دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کہ مومنوں کے لئے کیا کیا تیار رکھا ہے۔ مگر کبھی یہ نہیں سوچا کہ واقعی ہم بھی اُن مومنو جیسے کردار و اخلاق کے مالک ہیں۔ اور اُن جیسا تقویٰ پر ہیز گاری اور خلوص و محبت اور خدا ترسی و خدا طلبی موجود ہے۔ اور زندگی کے چوبیس گھنٹے یا دالہی میں گزرتے ہوئے تعلق مع اللہ نصیب ہے۔ اور مومنوں والی صفات جو قرآن پاک میں موجود ہیں کیا ہم میں بھی وہ صفات موجود ہیں اگر ایسا ہے تو پھر ہماری خوش فہمی حق بجانب ہے۔ اور اگر ہمارے کام اپنی مرضی پر سرانجام پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے منافی ہیں اور قرآن و سنت کی کوئی پاسداری نہیں کرتے جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں فقط عقیدہ میں مسلمان ہیں تو پھر ہم کو بھی اپنے حالات پر نظر ثانی کرنی ہوگی اور حقیقی طور مومنین والی صفات اپنے اندر پیدا کرنی ہوگی۔ تب مومنین سے جو وعدے انعام و اکرام کے ملنے کے ہیں ہم ان کے حق دار ہونگے ورنہ ہماری فقط خوش فہمی ہی ہوگی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:-

کام دوزخ کے کریں اور جنت کے ہوں امیدوار قصر جنت تو بنا ہے پار سا کے واسطے
یہ تھ جائزہ ایمان و یقین کا جو چند سطور میں ذکر ہوا اور اس کی ضرورت بھی تھی تاکہ ہر کوئی خوش فہمی سے بچ کر حقیقت کی طرف میلان کرتے ہوئے اپنی زندگی کو سہارا دے کر اللہ تعالیٰ کی مرضی پر گامزن رہے۔ تو بحث چل رہی تھی انوار و لطائف کے نور کی جو کہ قبر اور حشر و پل صراط پر نظر آئیں گے اور ان کی روشنی پر پل صراط پر جبکہ کالی اور نہایت سیاہ اندھیری ہوگی اور کسی طرف اور کسی چیز کی روشنی بجز نور ایمان کے نہ ہوگی۔ اس اندھیری و تاریکی میں اپنے اپنے نور ایمانی کی روشنی میں چلیں گے۔ تو وہی روشنی اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل سے طالب حق کے لطائف کو عطا فرما کر انہیں روشن و منور فرما دیتا ہے۔ اور زندگی و حیات دنیا میں اس کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ بلکہ بعض خوش نصیبوں کو جو جنت میں دکھایا جائے گا اور وہاں کی خوشیوں کے مناظر دیکھیں گے۔ دنیا میں بھی چشم باطن سے مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے۔

اور نور ایمان جن کو نصیب ہے اُن کو تو قبر سے ہی یہ روشنی عطا کر دی جائے گی اور دنیا میں بھی جب آنکھیں بند ہوتی ہیں تو چشم باطنی سے یہ انوارات دکھائی دیتے ہیں اور پھر قبر میں بھی ان کی روشنی ہوتی ہے۔

۔ قبر میں اک عجیب گوشہ تنہائی ہے آنکھیں جو ہیں بند تو عین بینائی ہے

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ ”اہل کشف نے فرمایا ہے کہ ہر ہر لطیفہ پردس دس ہزار پردے ظلماتی اور نورانی ہیں اور (اس طرح) لطیفہ قالبیہ کو ملا کر سات لطیفے ہوئے (یعنی لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سیری، لطیفہ خفی، لطیفہ انہی، پانچ ہیں اور دو مزید لطائف لطیفہ نفس اور لطیفہ قالبیہ کل ساتھ لطیفے ہوئے) تو ستر ہزار حجابات ہوئے۔ ذکر الہی سے ظلمت دفع ہو جاتی ہے۔ اور لطیفہ کا نور سالک کو نظر آنے لگتا ہے۔ یہ علامت ان حجابات کے اٹھ جانے کی ہے“ (جب حجابات اٹھ جاتے ہیں اور قلب میں حد درجہ کی صفائی پیدا ہو جاتی ہے تو حال عروج ہونے لگتا ہے یعنی لطائف سے انوار اُپر چڑھتے ہوئے مشاہدہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کی رضا و رحمت کے انوار اترتے نظر آتے ہیں گویا یہ عروج و نزول ہے)۔ نیز فرمایا ”سالک کے قلب پر جو کیفیت غیب سے نازل ہو۔ اور جس میں اس کا کچھ اختیار نہیں ہوتا اس کو حال کہتے ہیں“۔

(ماخوذ از ملفوظات اشرف علی تھانویؒ شریعت و طریقت ص ۴۱۷)

۱۵۔ عروج و نزول: اصلاح صوفیہ میں عروج و نزول ایک خاص اور اہم علامت

ہے جو کہ لطائف خمسہ کے ذاکر ہو جانے کے بعد سالک طالب حق کی چشم بصیرت روشن ہو کر ایک کیفیت لطیف منکشف ہو جاتی ہے۔ نیز سالک کے لئے اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کے لئے ایک علامت اور کسوٹی کا کام دیتی ہے۔ اسی کیفیت کو حال کا نام بھی دیا گیا ہے۔ جس کے بارے میں اشرف علی تھانویؒ نے بھی گذشتہ سطور میں نشاندہی کی ہے اور اس کی علامت ظاہر کی ہے۔

گویا یہ کیفیت خدا تعالیٰ کی چاہت و مرضی سے سالک کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس کی بنیاد کثرتِ ذکر نفی اثبات یا اسم ذات کے تواتر سے رونما ہوتی ہے۔ اور سالک کے قلب سے یہ کیفیت نوری پیدا ہو کر اوپر عروج کرتی ہوئی اپنے اپنے جذبہ و محبت کے موافق مزید بڑھتی رہتی ہے جتنا جذبہ و محبت اور خلوص زیادہ ہوتا ہے۔ اتنی ہی اس کو بلندی نصیب ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کے بعض خوش بختوں کا حال عروج ہو کر آسمانوں کی جانب ناسوت سے نکل کر ملکوت جبروت اور لاہوت تک پہنچ کر مقام پکڑ لیتا ہے اسی مقام کو دیوان راجا بابا یوں بیان کرتے ہیں۔

پروازِ مرغِ قدسی بولا مکان نباشد ایں مرغِ لامکانی اندر مکانِ نکلجہ

ترجمہ:- اس مرغِ قدسی یعنی حال کی پرواز لامکان کے بغیر کسی دوسرے مقام و جگہ پر راہ میں نہیں ختم ہوتی۔ اور یہ لامکان کی طرف اڑنے والا پرندہ (یعنی حال) لامکان کے بغیر کسی مکان میں قیام پذیر نہیں ہوتا تو یہ ایک مثال حال کے عروج میں پیش کی ہے ایسی ہزاروں مثالیں اولیائے کرام کے کلام سے ملتی ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی سے اُس کی رحمت لے کر واپس قلب پر نزول ہوتا ہے اس کو نزول سے تعبیر کرتے ہیں۔

گویا عروج اللہ تعالیٰ کی رحمت لینے کے لئے حال کا اوپر چڑھنا ہے اور نزول اللہ تعالیٰ کی رحمت لے کر نیچے سالک کے قلب پر اترنا ہے۔ اسی کو عروج و نزول کہا گیا ہے اور یہ نزول فضلی کہلاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب سالک کے لئے مزید ترقی ہونے کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو بھی حال کی رکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ اور عروج نہیں ہوتا۔ جبکہ سالک سے کوئی شرعی غلطی اور گناہ بھی سرزد نہیں ہوتا تو بھی حال میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور سالک مجروحِ انکساری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی جانب مزید انابت اور استغفار کرنے لگتا ہے۔ اور پھر اچانک حال عروج ہو جاتا ہے مگر سابقہ حالت سے بہتر آگے ترقی حاصل ہو جاتی ہے ایسے نزول کو بھی فضلی نزول کہا جاتا ہے۔ اور یہ سالک کو آگے ترقی دینے کے لئے ہوتا ہے۔ ایسی

صورت میں جبکہ حال رکاوٹ میں ہوتا ہے۔ دل میں برابر سکون و فرحت ہوتی ہے کوئی پریشانی و غفلت محسوس نہیں ہوتی یہ اس نزول کی علامت ہے۔

خدا نخواستہ اگر سالک سے کوئی شرعی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے تو پھر حال عروج نہیں ہوتا بلکہ نزول ہو کر تحت الثریٰ کی جانب نیچے گرنے لگتا ہے ایسی حالت خطرناک ہے ایسی حالت میں نہایت انابت و استغفار کرنی ہوگی اور اس نزول کی وجہ معلوم کر کے اس سے توبہ کرنی ضروری ہے۔ اور اس نزول کو تصوف کی اصطلاح میں غضبی نزول کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے نزول سے بچائے رکھے۔ اور گناہوں سے دور رکھے۔ پس یہ تھا تصوف کی اصطلاح میں عروج و نزول جس کا مختصر تذکرہ کر دیا اصل حقیقت خدا بہتر جانتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قبض اور بسط

(۱) بسط: اصلاح صوفیہ میں قبض و بسط بھی ایک علامت پرکھ و محاسبہ اعمال ہے۔ جب بندہ خدا رحمت خداوندی سے شرابور اور کیفیت و سرور سے معمور ہوتا ہے اور بندہ خدا کو عروج نصیب ہوتا ہے۔ ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دنیا کی محبت و طلب سے سرد مہری پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت خداوندی کا غلبہ ہوتا ہے تو ایسی حالت کو بسط (کشادگی) کہتے ہیں۔

(۲) قبض: اسی بسط کے برعکس طالب حق بندہ خدا اگر بے ذوقی، بے نوری اور غفلت میں مبتلا ہو کر کیفیات و سرور محسوس نہ کرے۔ اور دل کی حالت پریشانی کے عالم میں بے ذوق ہو۔ اپنے آپ کو ایک پتھر کا پتھر محسوس کرے۔ عبادت اور ذکر و اذکار میں سستی پیدا ہو جائے۔ سر اور بدن میں ہلکا ہلکا درد اور تھکان محسوس ہوتی ہو۔ اور کسی وقت متلی سی بھی آرہی ہو۔ تو ایسی کیفیت کو قبض سے تعمیر کرتے ہیں۔ اصطلاح تصوف و سلوک میں ان دو حالتوں کا نام قبض اور بسط ہے۔

(۳) قبض و بسط پیدا کرنے کے اسباب: قبض و بسط پیدا ہونے کے ذرائع ذیل ہیں۔

قبض کی حالت صحبت و مجلس غافلین جو کہ بے ہودہ محفلیں ہوتی ہیں ان میں شرکت کرنے سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ نیز مشکوک و حرام غذا کے استعمال سے اگرچہ مشکوک و حرام غذا کی مقدار کھجور کے چھلکے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ ضرور اپنا اثر ظاہر کر کے بے نوری پیدا کر دیتی ہے۔ عام غافل عورتوں میں چلے جانے اور ان کی مجلس کرنے سے بھی دل مکدر ہو جاتا ہے۔ اور ان کی غفلت گھیر لیتی ہے۔ اس لئے عورتوں کی مجلس سے گریز کیا جائے۔ دنیا کی محبت اور مال و متاع کی طلب و چاہت اور اس کے ساتھ دلی میلان رکھنے سے بھی دل سخت ہو جاتا ہے اور انوار و کیفیات میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

اور اس کے برعکس بطل کمال محبت الہی اور طلب حق کی شدت اور عجز و انکساری صحبت صلحاء اور کثرت ذکر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے نصیب ہوتی ہے۔ بندہ گاہِ خدا کی محبت و صحبت اور اکمل حلال کو بطل پیدا ہونے میں خاص دخل ہے۔ اور بطل خدا کی محبت میں اضافہ ہونے اور معرفت الہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ سالک کو بعض دفعہ ترقی مراقب کے لئے جو قبض لاحق ہو جاتی ہے۔ اس میں سالک کی حالت بہتر رہتی ہے۔ ذوق و شوق اور سکونِ قلب نصیب ہی رہتا ہے۔ صرف احوال و واردات مفقود ہوتے ہیں۔ اور جب حالت و کیفیت میں اچانک بطل پیدا ہو جاتی ہے۔ اور فیض بلا واسطہ وارد ہوتا ہے۔ تو سالک کے مقامات میں آگے ترقی عطا کر دی جاتی ہے گویا ایسی قبض عارضی اور ترقی درجات کے لئے ہوتی ہے۔ مگر جو قبض کسی گناہ یا بے احتیاطی کی وجہ سے ہو وہ ترقی درجات کے لئے نہیں بلکہ انتباہ اور گناہوں سے استغفار کے لئے ہے اگر استغفار نہ ہوگا اور ندامت و پشیمانی نہ ہوگی تو مزید خرابی کا ذریعہ ہوگا۔ پس قبض اشارہ ہے خدا تعالیٰ سے بعد و دوری کا اور بطل علامت ہے قرب و معرفت کے اندر پیش رفت اور خوشنودی خداوندی کی اس لئے بطل پر مزید شکر و ذکر پر مداومت کی جائے اور قبض پر استغفار کی جائے۔ و یا اللہ اتوفیق

محر معرفت میں مد و جزر

مد و جزر سمندر میں پانی کی لہروں کے اتر اؤ چڑھاؤ کے عمل کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ عمل سمندر میں موسموں کے تغیر و تبدل سے جاری رہتا ہے۔ سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر اگر مد و جزر کا بغور مشاہدہ کیا جائے تو ایک عجیب سی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح محر معرفت میں بھی اتر اؤ چڑھاؤ موجود ہے۔ جس کو اہل دل استغراق معرفت الہی میں بھی محسوس کر سکتا ہے۔ تصوف و سلوک کی اصطلاح میں یہ عمل عروج و نزول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عروج و نزول کے بارے میں گذشتہ اوراق میں بھی تذکرہ موجود ہے۔ سالک کو جب عروج نصیب ہوتا ہے تو اس کی چشم بصیرت کھل جاتی ہے۔ سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ لطف و سرور محسوس ہوتا ہے۔ فیضان الہی کا نزول ہوتا ہے۔ دنیا سے میلان و محبت نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں محویت شدید ہوتی ہے۔ مگر ایسی حالت ہمیشہ نہیں رہتی۔ پھر نزول ہو کر پردہ آ جاتا ہے۔ اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ آفاق سے عالم اسباب کی جانب لوٹ آتا ہے۔ اور پہلی حالت (عروج) کی یاد دل کو بیکرار رکھتی ہے۔ اور گم و پوشیدہ سابقہ حالت پر ندامت اور پشیمانی کے ساتھ خود کو قصور وار تصور کرتا ہے۔ کہ میرے کسی قصور کی وجہ سے اصل حقیقت اوجھل ہو کر یہ حالت پیدا ہوئی ہے۔

اس امر پر ندامت و افسوس کے آنسو بہاتے ہوئے خدا کی بارگاہ میں آہ و زاری کرتا ہے اور اس کی ندامت و پشیمانی پر مزید جذبہ عشق محبت پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے مقامات سیر و سلوک میں مزید ترقی ہونے کا راز پوشیدہ ہے۔

اگر سالک بندہ خدا کو اپنی پہلی حالت عروج پر دوام نصیب ہوتا تو یہ دنیاوی امور میں بے کار اور معطل ہو کر رہ جاتا اور کاروبار اور لین دین کے قابل ہرگز نہ رہتا اس لئے اس کو عالم اسباب کی جانب بھی لوٹاتے ہیں۔ حضرت سعدی شیرازیؒ نے فرمایا ہے۔

اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم برفشانندے

ترجمہ:- اگر درویش (اللہ والا) اپنی ہی حالت پر ہمیشہ رہتا تو دونوں جہاں سے ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھ دھو بیٹھتا یعنی استغراق ہی رہتا۔ مگر وہ ایک حالت پر ہرگز نہیں رہتا۔ کبھی حالت و واقعات کا جو غیبی رُود ہوتا ہے۔ اُس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور کبھی بالکل یہ حالات اوجھل ہوتے ہیں اور یہ بے خبر رہتا ہے۔ گویا اس پر حالت اور احوال کھلتے اور پوشیدہ ہوتے رہتے ہیں۔

یعنی بحر معرفت میں حالات و واردات کا مدّ و جز ہوتا رہتا ہے۔ اور حالات و واقعات کا تغیر و تبدل رونما ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ اولیاء اللہ انوار نبوت کے مظہر ہوتے ہیں اور جو حالات و واقعات ان پر رونما ہوتے ہیں۔ یہی حالات اور احوال باطنی انبیائے کرام پر بدرجہ اولیٰ رونما ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام پر بھی ایک وقت پر حالات و مکاشفات روشن رہے۔ مگر دوسرے وقت وہ حالات بدل کر رہ گئے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک وقت میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے قریب کنعان کے کنویں میں پڑا ہوا معلوم نہ کر سکے۔ مگر ملک مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام اپنی قمیض روانہ کرتے ہیں۔ تو حضرت یعقوب کنعان میں قمیض کی خوشبو سونگھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو آ رہی ہے۔ اسی واقعہ کو حضرت شیخ سعدیؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

یکے برسید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے روشن گہر پیر خردمند
زمصرش بوئے پیر رہن شمدی چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برقی جہان است دے پیدا و دیگر دم نہان است
اگر درویش بر حالے بماندے سر دست در دو عالم برفشانندے

ترجمہ:- کسی ایک نے دریافت کیا۔ اس سے جس نے اپنا بیانا گم کر دیا تھا۔ یعنی بیانا گم ہو گیا تھا۔ کہ اے روشن ضمیر بزرگ و معظم اور صاحب عقلمند انسان کہ تو نے ملک مصر سے

قیص کی خوشبو سونگھ لی۔ اور اپنے قریب کنعان کے کنویں میں اُس کو کیوں دیکھ نہ پایا۔ اُس نے جواب میں کہا کہ ہمارے حالات بجلی کی چمک کی طرح ہوتے ہیں کہ ایک وقت تو جہان میں روشنی ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے وقت چمک غائب ہو جاتی ہے۔ جبکہ اندھیرے میں روشنی ہوتی ہے تو زمین پر پڑا ہوا ہر ذرہ اور ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے اور جب دوسرے وقت اُس کی چمک غائب ہوتی ہے۔ تو اندھیرا ہو جاتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی حال ہمارا ہے کہ کبھی ہم عرش کے کنگرے بھی دیکھ لیتے ہیں اور کبھی ہم اپنے پاؤں کی پشت پر بھی کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہی درویشی و فقر کی صفت ہے کہ نور فراست سے ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور کبھی پوشیدہ کر لیتے ہیں کیونکہ اگر درویش ایک ہی حال پر دید و بیند کی صفت رکھتا تو پھر یہ سردست دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھتا یعنی دنیاوی کاروبار کے قابل ہی نہ رہتا مگر کبھی اس کو نیچے کی جانب عالم خلق کی طرف بھی لاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ انبیاء کے ساتھ لگا رہتا ہے کہ عالم خلق کی جانب مخلوق البیہ کی رشد و ہدایت کے لئے ان کے طرف رخ پھیرا جاتا ہے۔

چونکہ اولیائے کرام بھی وارثِ انبیاء اور نورِ نبوت کے مظہر ہوتے ہیں اس لئے نبی کی ولایت سے انہیں حصہ نصیب ہوتا ہے۔ اور اسی صفت سے نوازے جاتے ہیں پس ولی اللہ کو بھی ایک حالت پر نہیں ٹھہرایا جاتا۔ قبض و بسط عروج و نزول کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ اور راہی معرفت پر یہ کیفیت طاری ہوتی رہتی ہے۔ جبکہ عروج نصیب ہوتا ہے تو بندہ خدا کو اپنے عشق و محبت اور پختگی ایمان پر خدا تعالیٰ کی جانب عطا کردہ وسعتِ ظرف کے مطابق حال و حقیقت بلندیوں میں عروج ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اور فیضانِ الہی کا نزول ہوتا ہے۔ اور بندہ اپنے خالق و مالک کے قریب ہوتا ہے۔ اور مالکِ حقیقی کی جانب سے انعام و اکرام سے نواز دیا جاتا ہے۔ اور رضائے الہی نصیب ہوتی ہے۔ گویا یہ حال و حقیقت اور یہ خداداد کیفیت بندہ اور مالکِ حقیقی کے مابین رابطہ قائم رکھنے والا ایک نورانی قاصد ہوتا ہے۔ اور اسی حال و حقیقت کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عارف باللہ بولے قلندؔر فرماتے ہیں۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن۔ از گلِ رعنا بگو با ما سخن
 مرحبا اے قاصدِ طیار ما می دی مارا خبر از یار ما
 از تو روشن گشت فانوسِ تنم از تو حاصل شد مرا وصلِ صنم
 اے کہ بودی در حریمِ لامکاں چوں جدا گشتی بگو رازِ نہاں
 ترجمہ:- اے پرانے باغ یعنی عالمِ ارواح کی بلبل تجھ کو مبارک ہو۔ اور تو
 خوبصورت پھول بارے میں مجھے پیغام پہنچا دے۔ اے میرے تیز اڑنے والے قاصد میرے
 یار کی خبر ہر وقت مجھے دیتا رہا کر۔ اے روشن قاصد تیری وجہ سے میرے جسم میں چراغِ روشن ہو
 چکا ہے۔ اور تیری وجہ سے مجھے یارِ حقیقی کا وصل نصیب ہو چکا ہے۔ جب تو لامکاں کی منزل میں
 تھا اور جب کہ تو وہاں سے واپس آیا کرتا ہے تو مجھے اُس جگہ کے پوشیدہ رازوں سے باخبر رکھا کر
 ۔ حضرت بوعلی قلندرؒ نے اپنے حال کے عروج و نزول کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اپنے خالق
 مالک کے ساتھ محبت اور ربط و تعلق کا مشاہداتی فلسفہ بیان کیا ہے۔

عروج و نزول کی یہ کیفیت فضلی ہوتی ہے کہ عروج میں سالک کی محبتِ الہی میں
 اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو مشاہدہ کا یقین نصیب ہوتا ہے اور نزول میں بیم ورجا یعنی
 خوف و امید قائم رہتی ہے۔ اور بندہ آہ و زاری کرتا ہے۔ پوری ندامت کے ساتھ استغفار کرتا
 ہے۔ تو رحمتِ خداوندی میں جوش آجاتا ہے۔ اور سالک کو مقاماتِ سلوک میں مزید ترقی
 نصیب ہوتی ہے۔ اور سالک کے قلب میں اور زیادہ محبتِ الہی پیدا ہوتی ہے۔ کسی بندہٴ خدا نے
 فرمایا۔

۔ عشق پیدا است از زاری دل نیست بیماری چو بیماری دل

ترجمہ:- دل کی آہ و زاری سے عشق الہی پیدا ہوتا ہے۔ اور جس دل میں یہ عشق الہی
 کی بیماری پیدا ہو جائے اس بیماری کے مقابلہ میں اور کوئی بیماری قابلِ تعریف نہیں ہے کیونکہ یہ
 بیماری اپنے رب کے قریب ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔ یعنی خدا کی محبت و آہ و زاری عجز

واکساری سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی بیماری پیدا ہو جائے تو یہ بے مثال بیماری ہے اور مجازی بیماریاں اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے عشق کی بیماری واصل باللہ کر دیتی ہے۔ اور مجازی بیمار یا واصل لحد کر دیتی ہیں۔

یاد رہے کہ بعض دفعہ نزول کسی گناہ کبیرہ کے صادر ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ نزول خطرناک ہے۔ چونکہ ایسا نزول خدا تعالیٰ کی ناراضگی پیدا ہو جانے سے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ غمغینی نزول ہوتا ہے۔ اگر ایسا نزول ہونے لگے تو جب تک پوری ندامت اور اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز و اکساری سے متوجہ ہو کر توبہ نہ کی جائے۔ تب تک نجات مشکل ہے۔ اس قسم کے نزول والا انسان اپنے ہی لئے خطرناک نہیں ہوتا بلکہ پوری محفل ذکر اس کے اثرات و کمزورت سے متاثر ہو کر بد مزگی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اسی لئے اللہ والے اپنی روحانیت کو برقرار رکھنے کے لئے نفس پرست اور غافل دولت مندوں کی صحبت و مجلس سے دور بھاگتے ہیں۔ اور ان کی مجلس کو روحانیت کے لئے زہر قاتل تصور کرتے ہیں۔

حضرت سید پوریؒ کے مایہ ناز خلیفہ مولانا عبدالستار عرف بزرگ استاد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر راستہ پر بھی چلتے ہوئے کوئی غافل انسان ساتھ چلے لگے تو تم اندازہ سے معلوم کیا کرو کہ اگر وہ تیز رفتار ہے تو تم اپنی رفتار سے کر کے پیچھے رہ جایا کرو۔ اگر اس کی رفتار سے ہے تو تم اپنی رفتار تیز کر کے آگے نکل جاؤ ساتھ ساتھ نہ چلو۔ اس لئے کہ اگر ساتھ ساتھ چلو گے تو اس کی حقیقت جو کہ ناسوتی ہے تمہیں یعنی تمہاری حقیقت کو کوندہ ذال کر نیچے کھینچ لے گی اور تم کو خبر ہی نہ ہوگی کہ تمہارا حال نقصان میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس لئے چلتے ہوئے یا بیٹھے ہوئے ان امور کی نگرانی کرتے ہوئے اپنی روحانیت کی حفاظت کیا کرو۔ اسی مقام پر کسی بندہ خدا نے فرمایا ہے۔

سردر سلطان مرد روئیش میں گنج قاروں گرد ہد سوئیش میں

ترجمہ:- امیر آدمی چاہے بادشاہ ہی کیوں نہ ہو اگر خواہشاتِ نفسانی میں مبتلا ہے اس کے دروازہ پر نہ جاؤ۔ اگر چہ قارون جتنا خزانہ بھی عطا کرے اُس کی جانب منہ کر کے نہ دیکھو۔ اس لئے کہ تیرے سینے میں جو انوار و معرفتِ الہی کا نور ہے اس کے پاس بیٹھنے اور اس کے دستِ خوان پر کھانا کھانے سے ضائع ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَا تُطْعَمَنَّ أَغْفَلْنَا
قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَتَبَعَ
هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطَاطًا

ایسے شخص کی مت پیروی کر جس کے دل کو ہم نے
(اُس کے فعلِ قبیح کی وجہ سے) اپنے ذکر و فکر یعنی
یاد سے غفلت میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ اپنی
خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے اور اُس کا
فعلِ حدود سے تجاوز کرنے والا ہے

پس ایسے شخص کی صحبت زہرِ قاتل ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ اس کی مجلس اور اس کے دستِ خوان کے کھانے سے یا اس کی دی ہوئی رقم سے تیری ہمتِ پرواز میں اضمحلال یعنی سستی آجائے گی۔ اور تیرے حال و حقیقت کو عروج ہونے کی بجائے پستی حاصل ہوگی۔ کیونکہ مشکوک و حرام غذا کھانے سے نورانیت گُل ہوتی ہے اور حال و حقیقت کو نقصان ہوتا ہے۔ اور بے ذوقی پیدا ہو کر عبادت میں لذت و سرور مفقود ہو جاتا ہے۔ بے نوری اور بے حضوری پیدا ہوتی ہے۔ اور دل سخت و سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسی غذا اور ایسی مجلس سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے ہیں۔ ”تمہیں جاننا چاہیے کہ دل کو اطمینان اور فراغت اور حضور تب حاصل ہوتا ہے جب بقدر حاجت پاک اور حلال کھانا کھایا جائے۔ اور بے ہودہ گوئی اور دنیا کے طالبوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا جائے۔ اگر ہزار سال ذکر کرتے رہو مگر تمہارا کھانا حلال نہیں تو تمہیں کبھی بھی مقصود حاصل نہ ہوگا۔“ (بحوالہ مکتوبات باقی باللہ رقعہ نمبر ۴، ص

اے طاہر لاهوتی اُس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
ترجمہ:- اے خدا تعالیٰ کے قرب کی جانب عالم لاہوت میں پرواز کرنے والے
پرندے (یعنی حال و حقیقت) ایسے کھانے سے بھوکا رہ کر مر جانا بہتر ہے۔ جس غذا سے تیری
ہمت پرواز ختم ہو کر رہ جائے یعنی ایسے کھانے پینے سے کیا فائدہ جس سے تیرا نفس قوت پکڑے
اور روحانیت کمزور ہو کر خدا کی محبت و طلب میں اضمحلال و سستی آجائے اور عبادت و ذکر میں
بے سروری اور بے حضوری پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کی سمجھ اور سوچ نصیب کرے تاکہ ہم مشکوک و حرام غذا سے بچنے
کی کوشش کریں اور اپنی آمدنی پر غور کریں کہ کیا ہمیں جو آمدنی ہو رہی ہے ذریعہ حلال سے ہے یا
کسی وقت اس میں ہماری سستی اور لاپرواہی سے کچھ آمدنی غیر شرعی امور کی بدولت مشکوک بھی
مل گئی تھی جو کہ اب تک اس میں چلی آ رہی ہے۔ اس کو کاٹنے اور حلال طیب بنانے کی کوشش
کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

(تمہرات)

عارفانہ کلام کی خصوصیات

احقر نے کتاب ہذا میں چند عارفین بزرگان دین کے کلام اور بیان کے اقتباسات بطور تبرک اور طالبانِ راہِ حق کے لئے تنہائیوں میں یا باہمی ذکر و فکر کی محفلوں میں شریک ہوتے ہوئے انہیں پڑھنے اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے تحریر کر دیئے ہیں۔ تاکہ اپنی مجلس میں عارفانہ کلام پڑھ کر اپنے ذوق کو بیدار کر سکیں۔ کیونکہ جس کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ اُسی انسان کے قلبی اثرات دل میں اترنے شروع ہو جاتے ہیں۔ عارف اور نیک بندے کا کلام پڑا اثر ہوتا ہے بلکہ جلتی پر تیل کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اور زاہد خشک کا کلام خشکی و بد مزگی میں اضافہ کرتا ہے۔ جبکہ غافلین و دنیا پرست کا کلام سستی و غفلت میں اضافہ کرتا ہے۔ مگر یہ اثرات معلوم کرنے کے لئے دلی کیفیات پر انحصار ہے۔ کہ سالک و ذاکر کا دل نورانیت کے اثرات کو دل میں محسوس کرنے کے قابل ہو۔ ورنہ بے ذوق دل عارف کے کلام کا اثر تو دور کنار قرآن پاک کے اثرات معلوم کرنے سے بھی قاصر ہوتا ہے۔ کسی نے اسی عنوان پر کلام کہا ہے اور دل کی کیفیت و نورانیت کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے۔

الفاظ کے پردے میں خدا بول رہا ہے

قرآن کے پڑھنے میں تلاوت میں مزا ہے

اللہ کی الفت میں عبادت میں مزا ہے

ہے عبد اگر تو تو عبادت میں مزا ہے

یعنی انسان مخلص و خالص بندہ خدا ہے تو اس کے دل میں نورانیت کی وجہ سے ہر عبادت اور نیک فعل میں اُسے لذت و سرور حاصل ہوگا۔ اور اگر دنیا کا پرستار ہے تو پھر سوائے

طلب دنیا کے اس کو کسی چیز کی لذت حاصل نہ ہوگی نہ عبادت میں لطف محسوس ہوگا نہ قرآن و حدیث کے انوار اس کے دل میں اتریں گے اور نہ ہی عارفانہ کلام و بیان اس کو متاثر کر سکے گا۔ اس لئے اول اپنے دل کی کیفیت کو درست کرنے پر محنت کی ضرورت ہے۔ تب اس امر کا مصداق ہوگا۔

عمر چیز میں مزا ہے اگر دل میں مزا ہے۔

اگر دل کی کیفیت درست اور نورانیت سے روشن ہے تو پھر عارفانہ کلام سن کر عارفین کے دل کے انوار دل میں اتر کر اسے لطف اندوز کریں گے۔ جب حضرت مائی صاحبہؒ اپنے گھر پردے میں متوجہ الی اللہ اور ذکر دوام میں ہوتیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت معرفت اللہ بھی موجود ہوتے تو احقر حضرت معرفت اللہ کے حکم ارشاد پر کچھ عارفانہ کلام پڑھتا تو حضرت مائی صاحبہؒ مائی تھیں کہ جس عارف کا کلام پڑھا گیا ہے اس کے انوار آرہے ہیں۔

حضرت خواجہ شمس الدینؒ کی مریدہ کاملہ تھیں۔ اور نور محمد عرف نانگا باباؒ کی اہلیہ تھیں حضرت معرفت اللہ اور حضرت کرامت اللہ کی والدہ تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مقام ولایت کے منازل طے کر دیئے تھے۔ دعا کی قبولیت اور ناقبولیت کا قلبی و باطنی مشاہدہ نصیب تھا۔ اور اس میں ذرا برابر مبالغہ سے کام نہیں لے رہا۔ بلکہ اس سے بھی ان کی نورانی فراست اعلیٰ مقام پر تھی۔ اور ہر عارف کے کلام کے انوار اور ان کی آفاق میں بلندی کی نوعیت کو مشاہدہ نصیب تھا۔

حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ بھی عارفانہ کلام تنہائیوں میں پڑھتے اور خوب رویا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات مجلس میں کسی درد مند ساتھی سے مثنوی مولانا رومؒ یا کسی دوسرے عارف کا کلام پڑھاتے اور سن کر خوب روتے تھے۔ اور کبھی کبھی خود رات سحری کے وقت عارفانہ کلام پڑھتے اور روتے تھے۔ اسی طرح آپؒ کے مایہ ناز خلیفہ حضرت نور محمد عرف نانگا باباؒ بھی جو کلام یاد ہوتا پڑھتے یا کسی سے سنا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ عارف کا کلام

حقیقت و حال کے لئے خوراک ہے۔ اور نورانیت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور اس سے روحانیت میں اضافہ ہو کر جذبہ محبت الہیہ بیدار ہوتا ہے۔ اور حال و حقیقت کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے مناسب سمجھا کہ کچھ عارفانہ کلام کے اقتباسات تحریر کر دوں تاکہ طالب حق اپنی مجالس یا تنہائی میں پڑھ کر فائدہ حاصل کریں۔ ان کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو اور مؤلف کے حق میں ان کے دل سے دعا نکلے۔

ان کے دل سے دعا نکلے	مؤلف کے دل کا مدعا نکلے
پورا ہو جائے مقصدِ تالیف	اس کو پڑھ کر اگر کوئی دل جلا نکلے
عشقِ الہی میں مبتلا ہو کر	گمانِ غالب ہے کوئی مردِ خدا نکلے
خدا کی محبت میں سلگتا رہے	دردِ دل کا اگر کوئی آشنا نکلے
اس کہانی کا یہی مقصد ہے حبیب	خدا کو چاہنے والا کوئی آشنا نکلے

عشقِ الہی میں رونا رحمت ہے

عشقِ الہی اور محبتِ الہی میں بے تابی سے رونا یا خوفِ خدا سے رونا رحمت کی علامت ہے۔ مگر یہ رونا اختیاری نہیں فضلی عطیہ ہے۔ اور اگر روتے ہوئے دل میں خیال گزر جائے کہ میں بندگانِ خدا سے ہو گیا ہوں اور یہ میری کمالیت کا نشان و علامت ہے۔ اور دل ہی دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو کہ کوئی مجھے روتا ہوا دیکھ لے یا میرے آنسو دیکھ لے تو پھر یہ رونا رحمت کی بجائے اس کے لئے زحمت کا ذریعہ ہو جائے گا اور ریا کاری کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ اور اس کا عمل کا لہدم اور بے سود ہوگا۔ اس لئے روتے ہوئے خالص اپنے قصور پر نظر ہو یا طلبِ حق کی شدت و تمنا دل میں غالب ہو یہ رونا رحمت اور فضلی علامت ہوگی اور اس پر درجات مرتب ہو

نگے۔ رونا کب آتا ہے جبکہ دل کسی اثر کو قبول کرے کیونکہ قلب انسانی جب کسی صدمہ لبریز اثر کو قبول کرتا ہے۔ تو نہایت رقیق و نرم ہو کر سوز و گداز میں یا خوفِ خدا میں ڈوب جاتا ہے۔ جس کی تصدیق میں آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں یا آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ گاہے گاہے نالہ و فریاد بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حالت کس امر پر پیدا ہوئی۔ اگر کسی دنیاوی نقصان یا فراق کی بنا پر یہ امر پیدا ہوا ہے۔ تو یہ رونا بے سود اور قابلِ اجر و ثواب نہیں ہے۔ اور اگر خوفِ خدا یا وصلِ الہی کی تمنا و فراق میں سوز و گداز کی بنا پر آنکھیں اشک بار ہو گئیں ہیں تو یہ رونا فضلی ہے اور اس پر اجر و ثواب بھی مرتب ہے اور رحمتِ خداوندی کی علامت ہے۔ اور ایسے صدمہ و اثر کی ہوس ہر انسان کو ہونی چاہئے۔ کہ ایسا رونا خود اپنی ذات پر اثر مرتب نہیں کرتا بلکہ دوسروں کے دل پر اپنے اثرات منعکس کر کے دوسرے دل کو تڑپا دیتا ہے۔

۔ کسی کے ایک آنسو سے ہزاروں دل تڑپتے ہیں

کسی کا عمر بھر کا رونا یونہی بے کار جاتا ہے

یعنی کسی کا رونا ایسا ہوتا ہے کہ اس کی آتشِ سوز سے کئی دلوں کو جلا و نور پہنچ جاتا ہے اور خدا کی محبت میں تڑپ جاتے ہیں اور کسی کا رونا دنیا اور مکر و فریب سے لبریز ہوتا ہے۔ ایسا رونا اگر عمر بھر ہی کیوں نہ ہو بے سود و بے کار ہوتا ہے۔ محرم میں شیعہ حضرات تڑپ تڑپ کر روتے اور چیختے رہتے ہیں۔ مگر دل پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔

مجھے رونے پر ایک قصہ یاد آگیا۔ ایک جگہ ایک خان صاحب بڑے نمازی اور وظیفہ کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر بڑی دیر تک مسجد میں وظیفہ کرتے اور کچھ پڑھ کر روتے ایک روز پنجابی کا ایک شعر ان کی زبان پر تھا اور اسے بار بار پڑھتے اور روتے جاتے تھے۔ وہ شعر یہ تھا۔

سے جندے میرے خاکو دیئے ڈھیرے خاکو نال زل جانہراں ای

اور اس کو بار بار پڑھ کر روتے جاتے تھے کہ اچانک ایک مسافر قوم گوجر سر پر مٹی کے دانے تھیلے میں من برابر اٹھائے ہوئے آنکلا اور سخت بارش لگی ہوئی تھی سردی کا موسم تھا وہ مٹی پکھل سے خرید کر اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا کہ راستے میں اندھیرا ہو گیا اور رات دس بجے مسجد پہنچا اُس زمانے میں نہ کوئی ہوٹل ہوتا تھا نہ کوئی سرائے پیارے مسافر مسجد میں رات گزار کر صبح گھر کا رخ کرتے تھے۔ اب یہ مسافر بھی سخت سردی اور بارش میں مسجد میں پناہ لے کر آ گیا کسی سے کھانے کا مطالبہ بھی نہ کیا کیونکہ نمازی نمازیں ادا کر کے گھر چلے گئے تھے اور صرف ایک مذکورہ خان صاحب اپنے شعر پڑھنے کے سرور میں مصروف تھے۔

جب خان صاحب کی نظر مسافر پر پڑی تو شعر بھول گیا اور نفسانی فطرت بیدار ہو گئی اور فی الفور مسافر سے کہا کہ تمہارے باپ کی مسجد نہیں ہے یہ ہماری مسجد ہے تم گوجر لوگ زمینوں کے مالک بن گئے ہو جاؤ جس حاکم نے تمہیں مالک بنانے کا قانون بنایا ہے اُس کے پاس رہو۔ اور اٹھ کر دھکے مار کر اُس کو اُس بارش میں باہر نکال دیا خدا جانے وہ رات کو بارش میں اور سردی میں کس طرف گیا ہو گا۔ جبکہ اندھیرا تھا اور بے چارہ مسافر کہاں دھکے کھاتا رہا ہو گا۔ نمازی کی شعر گوئی اور پڑھ کر رونا کس کام کا جبکہ اُس کا نفس سرکش کا سرکش ہی رہا۔ اور اُس نے نہ سوچا کہ میں خدا کے گھر سے مسافر کو اس اندھیرے اور بارش میں کیوں نکال رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے رونے سے بچائے جو بے جان ہو۔ اور ایمان کو قوت نہ پہنچا سکے۔

جور و نا حقیقت شناسی پر ہوتا ہے اور ایمان باللہ میں اضافہ ہوتا ہے وہ رونا اگر نصیب ہو تو انسان کے دل کی دنیا بدل سکتی ہے۔ جس طرح حبشہ کا بادشاہ نجاشی جب حقیقت سے آگاہ ہوا تو ایسا رویا کہ اُس کا رونا اللہ تعالیٰ کو بھی پسند آیا اور جس کا ذکر قرآن پاک پارہ نمبر ۷ کی ابتدا

میں یوں آیا ہے۔ قولہ تعالیٰ:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْذِلَ إِلَى
الرُّسُولِ تَرَىٰ أُغْيِنُهُمْ تَفِيضُ
مِنَ الدُّمُوعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ
الْحَقِّ ط يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَا
كُتِّبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ

اور جب سنتے ہیں وہ جو اتارا طرف رسول
کے دیکھتا ہے تو آنکھوں اُن کی کوکہ بہتی ہیں
آنسوؤں سے اس بات سے کہ پہچانا حق کو
کہتے ہیں اے رب ہمارے ایمان لائے ہم
پس لکھ ہم کو گواہوں سے

بات یوں ہوئی کہ مسلمان ہجرت کر کے نجاشی حکومت میں پناہ لینے گئے جن کی
قیادت حضرت علیؓ کے بھائی جعفر طیارؓ کر رہے تھے۔ کفار بھی ان کے تعاقب میں نجاشی کے
پاس پہنچ گئے اور انہیں واپس کرنے کی درخواست کی اور کان بھی بھرے کہ یہ عیسیٰؑ کو بھی خدا تسلیم
نہیں کرتے اور طرح طرح کے الزام ٹھہرائے۔ نجاشی اُس وقت تک عیسائی تھا اُس نے
مسلمانوں کو بھی دربار میں بلایا اور اُن سے استفسار کیا اس مجلس میں کفار بھی موجود تھے جعفر طیارؓ
نے نجاشی بادشاہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب اور اسلام کے بارے حقائق بیان
کئے نجاشی بادشاہ نے جب یہ حقائق اور سورۃ مریم کی چند آیات حضرت جعفر طیارؓ کی زبان
مبارک سے سنیں تو اصل حقیقت سے آگاہی پا کر دل ہی دل میں مسلمان ہو گیا نجاشی بادشاہ کی
آنکھوں سے آنسو پک پک کر رخساروں پر بہہ رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور رحمت
خصوصی نجاشی بادشاہ کے قلب پر ایسا اثر کر گئی کہ وہ بھری مجلس میں زار و قطار رو رہا تھا۔ اور اسلام
کی حقانیت اُس کے قلب میں روشن ہو رہی تھی۔ اُس نے کفار کو صاف جواب دے دیا کہ تم جاؤ
یہ میرے ملک میں رہیں گے اور جب نجاشی بادشاہ دنیا سے رخصت ہوا تو ان کی نماز جنازہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ ادا کی۔ یہ تھا اخلاص کا رونا جس نے بادشاہ کے دل کی دنیا
بدل کر رکھ دی۔

حقیقت شناس کے بعد اپنی کوتاہیوں پر رونا ایسی رحمت ہے کہ اس رونے کی اصل

فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنِهِ دُمُوعٌ وَإِنْ كَانَ رَأَى سَاءَ رَأَى مِنَ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ثُمَّ يُصِيبُ شَيْئًا مِنْ حَرِّ وَجْهِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ (او کما قال مشکوٰۃ رواہ ابن ماجہ)

یعنی کوئی ایسا مومن نہیں کہ جس کی آنکھوں سے آنسو نکلیں اگرچہ کبھی کے سر کے برابر چھوئے چھوئے قطرے بن کیوں نہ ہوں اور بہہ کر اس کے رخساروں پر پہنچ جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دو قطرے بہت محبوب ہیں۔

قطرة الدُّمُوعِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَقَطْرَةُ الدِّمَاءِ تَهْرَقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (از ریاض الصالحین)

یعنی ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نکلے۔ اور ایک خون کا قطرہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف اور اُس کے وصل کے لئے سوز و گداز سے رونا آخر تک لاتا ہے۔ کیونکہ ہر خوشی کے بعد غمی اور ہر غمی کے بعد خوشی ہوتی ہے۔ قولہ تعالیٰ:

فَلَنْ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنْ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (پس ساتھ تنگی کے آسانی ہے۔ بے شک ساتھ تنگی کے آسانی ہے۔)

جب انسان دنیا میں بے خوف و خطر رہ کر خواہشات کے تابع رہتا ہے۔ اور دنیا کی خوشیوں میں خوش رہتا ہے۔ تو آخر قیامت کی مصیبتوں کو دیکھ کر رونا پڑے گا۔ مگر پھر بے سود ہو گا۔ اور اگر خوفِ خدا اور طلبِ حق کے لئے دنیا میں روتا پھرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی

فضلوں سے قیامت کے دن راضی ہو کر اپنی خاص نعمتوں سے نواز کر خوش کرے گا جو خوشی دائمی ہوگی۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

از ہر گر یہ آفر خندہ ایست مرد آخر ہیں مبارک بندہ ایست

ترجمہ:- ہر آہ و بکا یعنی رونے کا انجام بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و طلب اور اس کے خوف سے ہو۔ درحقیقت یہ رونا نہیں بلکہ خندہ اور ہنسی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا انجام خوشی و ہنسی ہے۔ اور انجام کار آخرت کی فکر کرنے والا مبارک بندہ ہے۔ جو کل کی بہتری کے لئے آج کی تکلیف کو گوارا کرے۔ جس نے کچھ پایا اخلاص و محبت کے رونے دھونے سے ہی پایا۔ اور اپنے رب کو آہ و زاری اور عجز و انکساری سے راضی رکھا۔ کیونکہ جو خود میں ہوتا ہے محروم ہوتا ہے۔ مولانا روم پھر فرماتے ہیں۔

ہر کجا آب رواں سبزہ بود ہر کجا اشک رواں رحمت شود

یعنی جہاں پانی چلتا اور بہتا ہے اُس کے ماحول میں سبزہ اُگتا ہے۔ اور اُس پاس کا علاقہ سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔ اور ہری بھری رہتی ہے۔ اسی طرح جن آنکھوں سے آنسو خدا کی محبت و فراق میں بہتے ہیں ان پر رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے اور خدا کی نعمتیں عطا کی جاتی ہیں۔ اور رحمت خداوندی کی بہار ہوتی ہے۔ پھر فرمایا۔ (صحن)

۔ باش چوں دولا ب نالا چشم تر تا ز صحن جان تو برادید حضر

یعنی رہٹ کی طرح نالاں اور چشم تر رہتا کہ تمہارے صحن جان میں سبزہ پیدا ہو جائے۔ جس طرح رہٹ کے چلنے سے کھیتوں کو پانی پہنچتا ہے اور کھیت سرسبز ہوتے ہیں۔ اسی طرح نالہ و فریاد کے ساتھ طلب حق کرنے سے تمہاری روح انوار الہی سے بجلی و روشن ہوگی۔ حضرت حافظؒ فرماتے ہیں۔

۔ گر یہ شام و سحر شکر کہ ضائع نہ گشت قطرہ باران ماگو ہر یک دانہ شد

یعنی خدا کا شکر ہے کہ میرا شام و سحر کار و نا اور عجز و انکساری سے طلب حق کی تمنا رکھنا

ضائع نہیں ہوا۔ میری آنکھوں کی برسات کا قطرہ ایک موتی کا دانہ بن گیا یعنی معرفتِ الہی کا گوہر نصیب ہوا۔ جس طرح سمندر میں پٹی کے منہ میں بارش کا قطرہ پہنچ کر موتی بن جاتا ہے اسی طرح آہ وزاری کے ساتھ اور طلب و محبتِ الہی کی نمی و قطرہ روح کو پہنچ کر گوہر معرفت کی علامت بن جاتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ خدا کی محبت اور خوفِ خدا سے رونا خدا تعالیٰ کی رحمت و بخشش کو دعوت دیتا ہے۔ جس بندہ خدا کو سوزِ فراق سے رونا نصیب ہے۔ گویا خدا کی رحمت کی لپیٹ میں ہے۔ اور جس مجلس میں خدا کی محبت اور خوفِ الہی کی بنا پر رونے اور آہ بکا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ وہ مجلس خدا تعالیٰ کی رحمت کے دائرہ میں ہوتی ہے اور انوار و تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ چاہے نظر آئے یا نہ آئے مگر حقیقت میں رحمت کی بارش برابر برتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ رو لینے پر اپنے آپ کو اچھا تصور کر لینا یا جن کو رونا نہیں آتا اُن کو سخت دل تصور کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کی آنکھیں روتی ہیں مگر دل نہیں روتا یعنی روح میں رونے کی تاثیر جذب نہیں ہوتی جیسے گذشتہ سطور میں قصہ کے متن سے ظاہر ہے۔ حضرت معرفت اللہ کے سامنے ایک وظیفہ کرنے والا روتا ہوا وظیفہ ذکر کر رہا تھا۔ حضرت معرفت اللہ کو اس پر رشک آیا۔ اور اُس کے قلب و روح پر نظر ڈالی کہ قلب اور روح بھی آنکھوں کے ساتھ حصہ دار ہے تو دیکھا کہ صرف آنکھیں رو رہی تھیں اور قلب و روح میں رونے کی کوئی کیفیت نہ تھی۔ اس لئے اپنے رونے سے بھی ڈرنا چاہیے۔ کہ مبادا میرا رونا ظاہری ہو۔ حقیقت پر مبنی نہ ہو کیونکہ حقیقت پر مبنی رونا انسان کی باطنی کیفیت کو درست کر دیتا ہے۔ اور یہ ہر حال میں خدا کی مرضی پر چلنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اترنے پر شکریہ ادا کرنا چاہیے اور دل کی سختی اور کدورت پر نادم ہو کر خوف کرنا چاہیے۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ خدا کے خوف اور محبت میں رو لینا اپنے اختیار کی بات بھی نہیں ہے کہ جس وقت چاہے رو لے اور نہ چاہے نہ روئے۔ بلکہ خدا کی محبت میں

رونا فضلی امر ہے۔ کبھی دل سخت ہوتا ہے کبھی نرم جب خدا تعالیٰ کی رحمت سے دل نرم ہو جائے۔ تب ہی رونا آئے گا۔ اور اپنے اختیار سے ہزار منہ رونا کے لئے بنائے اور کوشش کرے تو بھی رونا نہیں آئے گا۔ البتہ رونے کی شکل بنانے سے بھی اجر و ثواب مل ہی جاتا ہے۔ اور خدا کی رحمت قریب ہو جاتی ہے۔ لہذا خدا کے خوف و محبت میں رونا بھی خدا کی فضلوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقت پر آگاہ فرما کر آہ بکا اور طلب حق کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

اقسام تجلیات

اقسام تجلیات دو قسم پر منحصر ہیں۔ (۱) تجلی ذاتی یعنی ذاتی نور سے جس قدر مشیت ایزدی میں آئے تجلی فرمانا۔ (۲) تجلی صفاتی یعنی صفاتی نور سے اللہ تعالیٰ کی مشیت میں جس قدر آئے تجلی فرمانا۔ پس معلوم ہوا کہ تجلی کے دو اقسام ٹھہرے۔ عارف باللہ خلیفہ مجاز حضرت ابوالحسن خرقانی حضرت خواجہ عبداللہ فرماتے ہیں۔

”صاحب غلبات از خود آگاہ نیست و آنچہ در مستی (غلبہ حال) کند اور آگاہ نیست۔“
چوں آتش عشق زیادت گردد و محبت بے طاقت گردد و تجلی دو گونه ہست۔ ۱۔ تجلی ذات ۲۔ تجلی صفات۔
تجلی صفات عاشق را پست کند۔ و تجلی ذات عاشق را مست کند۔“ (ماخوذ از رموز و اسرار معرفت)

ترجمہ:- جس پر غلبہ حال ہوتا ہے اُسے اپنی آگاہی نہیں ہوتی اور وہ جو کچھ غلبہ حال میں کہہ بیٹھتا ہے۔ اُس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سکر میں ہوتا ہے۔ یعنی اپنے آپ سے خبر نہیں رکھتا۔ جب عشق کی آگ زیادہ ہو جاتی ہے۔ محبت بے قابو ہو جاتی ہے۔ تجلی کی اقسام دو ہیں ایک تجلی ذات دوسری تجلی صفات۔ تجلی صفات عاشق کو پست یعنی مٹا دیتی ہے۔ اور تجلی ذات عاشق کو مست الٹ کر دیتی ہے۔

اسی مقام پر حضرت دیوان راجا بابا گلی باغ نزد ہندہ مانسمہ والے فرماتے ہیں:-
 چوں تجلی کرد جاناں بردل من ناگہاں
 ایں دلم بعد از تجلی مخزن اسرار شد
 ترجمہ:- جب میرے جاناں (دوست حقیقی) نے میرے دل پر اچانک تجلی فرمائی
 تو یہ میرا دل بھید و اسرار کا خزانہ بن گیا۔ حضرت موصوف کا پورا دیوان ہے کتاب ہذا میں ان
 کے کلام سے چند اقتباسات بطور تہر کا لکھ کر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ان کا تعارف مختصر ادرج
 ہے۔

حضرت دیوان راجا بابا (کاؤں گلی باغ نزد ہندہ مانسمہ)

حضرت دیوان راجا بابا کے صحیح حالات اور تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی بعض کی
 تحقیق کے مطابق آپ کا اصلی نام فقیر محمد عرف دیوانہ راجا بابا ہے۔ آپ خود بھی اپنے مظلوم کلام
 میں تخلص راجا استعمال فرماتے تھے اس امر کا انکشاف نہیں ہوا کہ آپ راجا عرف پر کیسے مشہور
 ہوئے مگر بعض کی تحقیق کے مطابق آپ قوم ترک سے تعلق رکھتے تھے اس لئے لوگوں میں راجا
 معروف تھے یا کسی اور وجہ سے راجا مشہور ہوئے اس کی پوری تحقیق اس لئے بھی مشکل ہے کہ
 عرصہ دراز اور صدیوں کا معاملہ ہے اور آپ کی سوانح حیات تحریری صورت میں نایاب ہے۔
 مگر علاقہ کے عوام الناس میں ہی روایت مشہور ہے کہ آپ قوم ترک سے تھے۔
 آپ کی طریقت و بیعت کے بارے میں بھی مکمل حالات معلوم نہیں ہو سکے اور نہ ہی واضح و
 مدلل دلائل مل سکتے ہیں کہ آپ کس سے بیعت تھے اور کس سلسلہ طریقت سے منسلک تھے۔
 البتہ مدت کے لحاظ سے باور کیا جاتا ہے کہ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء میں سے کسی
 سے نسبت رکھتے تھے۔ اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک ہیں۔ اور آپ کے کلام اور بعض

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ طریقہ عالیہ چشتیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

بہر حال آپؑ جس سلسلہ طریقت سے بھی تعلق رکھیں مگر آپؑ فنا فی اللہ کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پوریؒ جب آپؑ کے مزار پر حاضر ہوئے تو مراقبہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مقام ولایت میں اعلیٰ درجہ پر فائز کیا ہوا ہے۔ نیز حضرت سید پوریؒ نے فرمایا کہ حضرت دیوان راجا باباؒ دنیا سے نفسانیت کا ایک ذرہ بھی ہمراہ لے کر نہیں گئے بلکہ روح ہو کر واصل باللہ ہوئے ہیں۔ آپؑ کے اس شعر سے آپؑ کا تعلق جو دنیا سے الگ تھلگ تھا واضح ہو جاتا ہے کہ کس قدر آپؑ دنیا سے بے رغبت تھے۔

۔ من بیچ نہ درام غم بیچ نہ دارم دستار دارم غم بیچ نہ دارم

ترجمہ:- میں دنیا کی آسائش سے کچھ نہیں رکھتا اس لئے کسی چیز کا غم بھی نہیں رکھتا اور میری پگڑی ہی نہیں ہے اس لئے پگڑی باندھنے کا غم بھی نہیں ہے گویا دنیاوی آسائش و وسائل سے فارغ تھے اور اس پر خوش تھے۔ آپؑ کے مدارج و حالات اور اسرار کا انکشاف آپؑ کے کلام سے باخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ تبرکاً چند اقتباسات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔ جن میں پہلے دو قطعات سکر میں بولے گئے ہیں۔ صحو میں اپنی جانب کوئی ولی اللہ اشارہ دینا گوارہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ بلکہ نفی و ناکامی کا اعتراف کرتا ہے۔

کلام دیوان راجا باباؒ

(۱) بے کام و بے نشانیم انب نسب نسیم

بے نام و بے نشانیم انب نسب نسیم

من مرغ لا مکانم جز لا مکانم نہ دانم

بر تحت قدسی نامم انب نسب نسیم

سلطان بے وزیرم دانائے بے نظیرم

گر چہ بتن اسیرم انب نسب نسیم

در کوئی مے فروشاں عشاق بادہ نوشاں

افتادہ سینہ جوشاں انب نسب نسیم
 راجا کہ نور حق است در ذات مجو غرق است
 اندر میاں چہ فرق است انب نسب نسیم
 ایضاً

(۲) شہباز شاہ سوارم پرواز قدسی دارم
 آں جانیکار آرم مست الست ہستم
 رقتم بعرض اکبر خوردم شراب اطہر
 واصل شدم کہ اظہر مست الست ہستم
 ما یم عین وحدت آزاد ہم ز کثرت
 باشندہ بیچ ملت مست الست ہستم
 بے دوست در عذابم بے روئے اؤ خرابم
 بے وصل اؤ کبابم مست الست ہستم
 جز نام اوندہ نام است جز عشق و احرام است
 جز ایں شرف کد ام است مست الست ہستم
 از خویش تن پریدم بادوست خود رسیدم
 جز عین خود نہ دیدم مست الست ہستم
 گشتم ز خویش فانی رقتم بدو عیانی
 دیدم بے نہانی مست الست ہستم
 از غیر خود شکستم کون و مکان گز شتم
 در لامکان نشتم مست الست ہستم
 باغیر اور نہ تا زم آتش زد دل فرو شتم
 کونین را بسوزم مست الست ہستم

در روئے خوبردیاں در چشم مست غلطاں

دیدم جمال سلطان مست الست ہستم

در نور دل رسیدم عین الصیان بدیدم

سر نشان شنیدم مست الست ہستم

دلبر کیف را جادائیم تو باش ایں جا

ایما تو باش یک جا مست الست ہستم

مندرجہ بالا دو قطعات سکر و حیرت کے مقام پر پہنچ کر لکھے گئے جب اس مقام سے

آگے بڑھے ہونے تو صحو میں آگئے ہونگے۔ صحو میں جو کلام ہوتا ہے اس کی الگ نوعیت ہوتی

ہے۔ آگے والے قطعات صحو میں لکھے گئے ہیں۔

(۳) بحالت صحو لکھے ہوئے دیدار الہی کی جھلک و کیف کے متعلق دو قطعات

روئے کہ من بدیدم اندر جہاں نکلند لذت جمال آں زو اندر بیاں نکلند

آں روئے محض مطلق بیچون و بیچکوں است از دہم و فہم بیروں صورت در آن نکلند

گر کس مرا پیر سد چیزے بدہ نشانی از روئے بے نشان اندر نشان نکلند

پرواز مرغ قدسی بز لامکاں نباشد ایں مرغ لامکانی اندر مکاں نکلند

سر مست لا ابالی پروائی کس ندارد آں کس کہ کس نہ باشد اندر کساں نکلند

ہمت بلند باید عشاق مست ہے را مردے حیس ہمت در عاشقاں نکلند

بسیار زور باید درکار پہلوانی مردے ضعیف و لاغر در پہلوان نکلند

پیش قضا و کرسی علمے زحق گرفتہ ایں قیل و قال و کبسی ہرگز در آن نکلند

الوان ہر طعامی اندر زخواں در آید الا طعام بتری اندر زخواں نکلند

تیرے زدنست دلبر جانان جگر بدوزد آن تیرناگہانی اندر کماں نکلند

ایں خاک بے ادب رانہست بادچہ باشد اماچہ او نواز د کس رازیاں نکلنجد
 بلبل چوں گل بہیند دگویا بگل خپیند بے چارہ زانغ مسکیں در بلبلان نکلنجد
 دائم وصال دارم جزر ایں حرام بادا بادے وصال دائم اندر نشاں نکلنجد
 آن دم کہ وے زمانے بادوست خود بہاشم آن دم دے است باقی اندر دماں نکلنجد
 آستان شیراں رو باہ راچہ مدخل آں کس کہ نیست محرم در دوستاں نکلنجد
 اندر جمالی جاناں راجا دوام غرق است از فرقی ایں مراتب اندر جہاں نکلنجد
 ترجمہ:-

- ۱۔ وہ چہرہ دیدار جو میں نے دیکھا اس جہان کے اندر نہیں آسکتا۔ اور اُس کے جمال و خوبصورتی کی لذت بیان کے اندر نہیں آسکتی۔
- ۲۔ وہ چہرہ دیدار مطلق بے کیف اور بے مثال ہے۔ اور وہم و فہم و ادراک سے باہر ہے اور کسی نشان و صورت و اشکال میں نہیں سما سکتا۔
- ۳۔ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ دیدار الہی کی کوئی علامت و نشانی ظاہر کریں تو میرا جواب ہوگا وہ چہرہ بے کیف و بے نشان۔ کسی علامت و نشان کے اندر نہیں آسکتا۔
- ۴۔ اس پاکیزہ پرندے (روح) کی اڑان سوائے لامکاں کے ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ لامکانی پرندہ کسی کون و مکان کے اندر نہیں آسکتا۔
- ۵۔ وہ ذات صاحب قوت اور بے نیاز ہے۔ اُس کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ تو پھر ایسا آدمی جو کہ انسانیت کا اہل ہی نہیں وہ انسانوں کے زمرہ میں نہیں آسکتا۔
- ۶۔ خدا کی محبت کی شراب پینے والے عاشقوں کی ہمت بلند ہونی چاہیے وہ آدمی جو کہ حمیس ہمت ہے وہ عاشقوں کے اندر نہیں ٹھہر سکتا۔
- ۷۔ پہلوانی کے لئے بہت زور اور طاقت کی ضرورت ہے۔ ایک کمزور اور نحیف مرد پہلوانوں کے اکھاڑے میں نہیں لڑ سکتا۔

۸۔ قضاء وکری کے سامنے میں نے حق تعالیٰ سے علم حاصل کیا ہے۔ یہ دنیا کا کسی قبل و قال وہاں ہرگز نہیں آسکتا۔

۹۔ ہر ایک طعام کے رنگِ خوان کے اندر آتے ہیں مگر طعامِ دسترخوان کے اندر نہیں آسکتا۔ یعنی بھید و اسرار کا رزق جو دیا جاتا ہے خوان سے باہر ہے۔

۱۰۔ دلبرِ حقیقی کے دستِ قدرت سے ایک تیر جاناں کے جگر میں لگ گیا ہے اور وہ تیر ناگہانی کسی کمان کے اندر نہیں آسکتا۔

۱۱۔ اس بے ادبِ خاکی کو اُس پاک ذات کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ مگر جب وہ ذاتِ عالی کسی کو نوازے تو کسی دوسرے شخص کا اس میں نقصان نہیں ہے۔ اور نہ نقصان کی کچھ گنجائش ہے۔

۱۲۔ بلبل جب پھول کو دکھ لیتا ہے گویا پھول پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور بے چارہ کو اسکینِ بلبلوں میں کہاں آسکتا ہے۔ کہ پھولوں سے سرور حاصل کر سکے۔

۱۳۔ ہمیشہ وصال نصیب ہے اور وصال کے بغیر رہنا حرام ہے۔ اور اُس کے ساتھ جو ہمیشہ کا وصل حاصل ہے نشان کے اندر نہیں آسکتا۔

۱۴۔ وہ گھڑی کہ ایک عرصہ میں اپنے دوست کے ساتھ گزارنی نصیب ہوئی۔ وہ گھڑی وساعت ایک ایسی ساعت ہے جو غیر فانی ہے اور جو دوسری گھڑیوں اور ساعتوں کے ساتھ جو بغیر وصلِ دوست ہیں ان میں نہیں آسکتی۔

۱۵۔ شیروں کے آستانہ پر لومڑیوں کو آنا اور دخل دینا کہاں مناسب ہے اسی طرح وہ شخص جو کہ مجلس کا محرم نہیں ہوتا مجلسِ دوستوں میں آنے کی گنجائش اور مناسبت نہیں رکھتا۔

۱۶۔ اپنے جاناں کے جمال میں راجا ہمیشہ غرق رہتا ہے۔ اور ان مراتب کا فرق جہاں میں نہیں سما سکتا۔

ایضاً

- (۴) ۱۔ صد ہزاروں شکر واجب پیش جانا بار شد
روئے خنداں با جمال نازیں دیدار شد
- ۲۔ درد و عالم کے تواند وصل جاناں بار شد
وصل جاناں یا فتم چوں بخت من بیدار شد
- ۳۔ بہرے دیدن روئے جاناں مردہ بودم سالہا
زندہ گشتم ناگہاں دیدار و پر بار شد
- ۴۔ در جدائی مادہ بودم کردی کجا کار ساز
بعد کجا ناز نازی با صنم بسیار شد
- ۵۔ چوں بخوردم آں شراب لایزال حمد او
بعد خوردن جامہا ہم مست ہم ہوشیار شد
- ۶۔ چوں تجلی کرد جاناں بردل من ناگہاں
ایں دلم بعد از تجلی مخزن اسرار شد
- ۷۔ چوں ز فطش جان مادر سر اعظم در سید
یک بیک آن سر اعظم پیش من اظہار شد
- ۸۔ مطرباں راز و دگو تا طبل شاہی بزنند
بخت را جا گشت میموں یار دے رایا ر شد

ترجمہ:-

- ۱۔ سو ہزار بار خدا کا شکر واجب ہے کہ میری میرے دوست کے قرب میں حاضری ہو گئی۔ اور
اُس کے مسکراتے ہوئے نازنین جمال کا دیدار ہوا۔
- ۲۔ دونوں عالموں میں کیسے ہو سکتا ہے کہ دوست سے وصل نصیب ہو جائے مگر دوست کا

وصل اُس وقت پایا جب میرا نصیب بیدار ہو گیا۔

۳۔ میں اپنے دوست کا دیدار کرنے کے لئے سالہا سال مردہ رہا۔ جب اچانک مجھے حیاتی ملی اُس کا دیدار حسبِ منشا نصیب ہوا۔

۴۔ میں فراق و جدائی میں پڑا ہوا تھا۔ اُس کارساز نے مجھے وصل سے نوازدیا۔ بعد وصل کے اپنے دوست کے ناز و نیاز سے بہت ہی نوازدیا گیا۔

۵۔ جب میں نے اُس کی حمد و نعت کی لازوال شرابِ محبت پی لی تو میں اُس کی محبت کی شراب کے بہت زیادہ پیالے پینے کے بعد سکر و حیرت میں بھی آ گیا اور پھر آگے ترقی عنایت فرمائی تو صحو و بیداری و ہوشیاری بھی نصیب ہو گئی۔ یعنی جس مقام پر شاہ منصور حلاج پھنس کر رہ گیا تھا اس مقام سے قدرت نے آگے ترقی نصیب فرمادی۔

۶۔ جب میرے دوست نے میرے دل پر اچانک تجلّی فرمائی۔ تو میرا یہ دل تجلّی فرمانے کے بعد بھید و اسرار کا خزانہ بن گیا۔

۷۔ جب اُس (اللہ تعالیٰ) کے فضل سے میرا روح بڑے بھید و اسرار کی جانب پہنچ گیا۔ ایک ایک کر کے وہ بھید اسرار میرے سامنے ظاہر فرمائے گئے۔

۸۔ نقار چیوں کو جلدی کہو کہ شاہی طبل بجائیں کہ راجا پر خدا کا احسان ہو کر اُس کا بخت بیدار ہو گیا کہ اُس کا دوست اُس کا حقیقی دوست بن گیا ہے۔

(۵) ایضاً

۱۔ تائیدِ پیک جذبہ ترک دنیا کے بود

باوجود ماسوی اللہ ہوئے مولیٰ کے بود

۲۔ اے جو اس تاہر نیائی از میانِ لا الہ

صد ہزاروں جاں بازی وصلِ مولیٰ کے بود

۳۔ ترک دنیا سر عبادت حب دنیا سر خطا است

آں جمال نازنین جز ترک دنیا کے بود

- ۴۔ مرد ماں در چاہ زنداں در جہاں افتادہ اند
بے پناہ عشق اواز چاہ بالا کے بود
- ۵۔ نزد مرداں حب دنیا ز ہر قاتل آمدہ
ز ہر خوردن اے جواں جز کارا حق کے بود
- ۶۔ عاشقاں را در دو عالم جز خدا محبوب نیست
پیش مجنوں ہچکچہ جز نفس لیلی کے بود
- ۷۔ دیگر اں را زیب باشد اے جواں از حیلہا
جان مارا در جہاں جز عشق زیا کے بود
- ۸۔ صادق اں را جائے باشد کاذباں را جائے نیست
صدق باشد ورنہ عدل کا را علی کے بود
- ۹۔ تابہ تیغ دلر با مقتول نشوی در جہاں
در میان بہشت خاصاں جائے شہدا کے بود
- ۱۰۔ قلب مومن حرم خانہ دخل غیرے شد حرام
یک ز نے را بادو شو ہر عقد یک جا کے بود
- ۱۱۔ یک ولایت چوں دو سطاں بادشاہی می کنند
در ولایت دامنما جز شور و غوغا کے بود
- ۱۲۔ اے جواں با غیر مانند ظلم کردن برخود است
ظلم کردن بر تن خود کار بیجا کے بود
- ۱۳۔ ہر چہ داری جز خدا بگزار یک ایک اے رفیق
چاکری مخلوق کردن کار دانا کے بود
- ۱۴۔ بردر مخلوق رفتن غیر موزوں پیش نیست
آنکہ خواری خویش عدا کار عقلد کے بود

۱۵۔ ایں چہ بنی نقش در گئی چند روزے بیش نیست
چوں بجوئی نقش راجا آں مہیا کے بود

ترجمہ:-

۱۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت میں عشق و جذبہ نصیب نہیں ہو جاتا دنیا سے لگاؤ اور محبت نہیں چھوٹ سکتی اور جب تک ماسوا اللہ کی گرفتاری میں گرفتار ہے قرب و وصل کی خوشبو نہیں پاسکتا۔

۲۔ اے جواں جب تک لا الہ والی نفی میں کامیاب نہیں ہو سکتا سو ہزار بار بھی جان کی بازی لگا تا پھرے اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہونا دشوار ہے۔

۳۔ دنیا کی محبت سے بے رخی نصیب ہونا عبادت کا پنجوڑ و مغز ہے۔ اور دنیا کی محبت میں گرفتاری غلطی و خطا کا سرچشمہ ہے۔ اُس بے نیاز ذات اور نازنین کا وصل و جمال دنیا کی محبت سے دل اٹھائے بغیر کب حاصل ہو سکتا ہے۔

۴۔ دنیا کی محبت میں گرفتار لوگ دنیا میں نیچے گرے ہوئے قید کے کنویں میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سوائے اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق کی پناہ لئے بغیر کنویں سے اوپر کیسے آ سکتے ہیں۔ یعنی ان کے حال و حقیقت غضبی ناسوت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت و یاد کے ساتھ اوپر نکل سکے گی ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔

۵۔ اللہ والوں کے نزدیک دنیا کی محبت زہر قاتل ثابت ہوئی ہے اور زہر کھانا اے جواں مرد سوائے احمقوں کے اور کسی کا کام نہیں ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کو دونوں جہاں میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ محبوب نہیں ہے۔ جس طرح ہر مقام پر مچنوں کے لئے جان لیلیٰ کے علاوہ کچھ چیز مرغوب نہیں ہوتی۔

۷۔ اے جواں دوسروں کو حیلے بہانے زیب کرتے ہیں۔ لیکن مجھ کو جہاں میں سوائے اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق بغیر کچھ زیبا نہیں ہے۔

۸۔ صادقوں کے لئے تو جگہ ہے مگر جھوٹوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ صدق ہونا چاہیے

ورنہ عدل کے لئے اعلیٰ کارکردگی ناممکن ہے۔

۹۔ جب تک اپنے دلربا کی محبت کی تلوار سے مقتول نہ ہو جائے گا تو شہدا کی خاص بہشت میں جائے خاصاں پر نہیں ٹھہر سکے گا۔

۱۰۔ مومن کا دل حرم خانہ ہے اس میں غیر اللہ کا دخل حرام ہے جس طرح ایک عورت کیلئے دو شوہروں کا عقد کرنا غیر موزوں ہے اسی طرح ایک دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور غیر اللہ کی محبت مناسب ہرگز نہیں ہے۔ جیسے مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ خدا کو بھی چاہتا ہے اور دنیا کو بھی طلب کرتا ہے یہ تیرا وہم و خیال ہے اور نا سمجھی ہے اور جنون ہے۔ دونوں کا حصول مشکل ہے۔

۱۱۔ ایک ملک میں جس طرح دو بادشاہ حکومت کریں تو ملک میں ہمیشہ شورش و غل اور فساد کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

۱۲۔ اے جوان مرد غیر اللہ کے ساتھ محبت کرنا اپنے آپ پر ظلم کرنے کے مترادف ہے اور اپنی جان پر ظلم کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تیرے دل میں جو کچھ بسا ہوا ہے اس کو اے دوست ایک ایک کر کے رخصت کر دے۔ مخلوق کی نوکری غلامی کرنا عقلمندی کا شیوہ نہیں ہے۔

۱۴۔ مخلوق کے دروزے پہ جانا غیر موزوں ہونے کے علاوہ کچھ نہیں وہ کہ اپنی ذلت جان بوجھ کر کرائے یہ عقلمندوں کا طریقہ نہیں ہے۔

۱۵۔ یہ جو نقش و نقوش اور رنگارنگی دنیا کی دیکھتا ہے۔ چند روز سے زیادہ نہیں ہے۔ جب راجا نقش و نقوش تلاش کرے وہ مہیا ہرگز نہیں ہو سکتے۔

۱۔ کلام حضرت خواجہ شاہ نیاز احمد صاحبؒ

یہ جو ہے کون و مکاں یارو یہ ہے سب لاشینی
 جس کو کہتے ہو جہاں یارو یہ ہے سب لاشینی
 گرچہ بے نام و نشاں کا ہے یہ سب نام و نشاں
 پر یہ نام و نشاں یارو یہ ہے سب لاشینی
 نہ تصور میں حق آوے نہ بیان کر سکے عقل
 چہ تصور چہ بیاں یا رو یہ ہے سب لاشینی
 سو جتنا ہے وہی جو کچھ کہ تصور بندھ جائے
 حق جسے کہتے ہیں وہاں یارو یہ ہے سب لاشینی
 ماعر فناک کہیں صاحبؒ لولاک جہاں
 بس وہاں وہم و گماں یارو یہ ہے سب لاشینی
 نہ کچھ بولو نہ دیکھو نہ سکو مثل نیاز
 دیدہ دگوش و زباں یارو یہ ہے سب لاشینی

۲۔ (بر تعصین کلام بالا)

دم بخود ہو جاؤ گردن جھکا کر بارگاہ عالی میں
 یہ دم یہ گردن یہ جھکاؤ یارو یہ ہے سب لاشینی
 پکھل جاؤ اُس کی محبت میں جلتی موم کی مانند
 ایک محبت ہی کام آئے حبیبؒ باقی سب کچھ ہے لاشینی

حضرت مولانا رومؒ کا مختصر تذکرہ

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ عالم باعمل فارغ التحصیل عالم اجل تھے۔ نیز ولایت کانور بھی آپ کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ چنانچہ خواجہ حضرت فرید الدین عطارؒ آپ کی ملاقات کے لئے آپ کے ہاں تشریف لائے۔ اُس وقت آپ کی عمر چھ برس تھی۔ حضرت شیخ عطارؒ نے آپ کے گھر والوں کو فرمایا۔ کہ اس جوہر سے غافل نہ ہونا۔ اور اس کی احسن تربیت فرمانا۔ آپ بھید و اسرار کے خزانہ تھے۔ مگر اس خزانہ کی کنجی قدرت نے حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کے پاس رکھی تھی۔ یعنی ان کی نسبت و فیض کا حصول حضرت تبریزیؒ سے وابستہ تھا۔ حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ بابا کمال الدین خجدیؒ کی خدمت میں تزکیہ نفس اور حصول فیض کے لئے حاضر تھے۔ تو آپ کے ساتھ ایک اور پیر بھائی بھی تزکیہ نفس اور حصول فیض کے لئے موجود تھا۔ جو کہ گاہے گاہے رموز و اسرار کی باتیں جو اُس پر وارد ہوتی تھیں اپنے پیر حضرت بابا خجدیؒ کے سامنے بیان فرماتا تھا۔ مگر حضرت شمس الدین تبریزیؒ خاموش رہتے تھے حضرت بابا کمال الدین خجدیؒ نے حضرت شمس الدین تبریزیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بیٹے یہ دوسرا ساتھی اپنے حالات بیان کر رہا ہے۔ کیا تم پر اس قسم کے حالات پیش نہیں آتے۔ تو حضرت شمس الدین تبریزیؒ نے عرض کیا کہ حضرت شاید اس ساتھی سے بڑھ کر حالات پیش آتے ہیں مگر بیان کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ تو شیخ کامل حضرت بابا کمال الدین خجدیؒ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایسا رفیق عنایت فرمادے جو تیرے قلب و سینہ کے حالات کو ظاہر کر دے۔

چنانچہ قدرت نے یہ دعا حضرت مولانا رومؒ کے حق میں منظور فرمائی۔ اور حضرت تبریزیؒ سے نسبت قائم ہو کر اسی آستانہ سے ایسا فیض ملا کہ حضرت رومیؒ کا سینہ بھید و اسرار کا خزانہ بن گیا۔ جس کو حضرت مولانا رومیؒ نے استفادہ امت کے لئے مثنوی کی صورت میں ظاہر فرمایا اور اس خزانہ معرفت سے عام و خاص نے اپنی اپنی استعداد و ہمت کے مطابق فیض

حاصل کیا۔ کسی نے خوب فرمایا ہے۔

۔ مثنوی و مولوی و معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

ترجمہ:- مولانا روہی لکھی ہوئی مثنوی جو کہ حقیقت اور معنوی حالات و اثرات اور خزانہ معرفت سے پُر ہے۔ گویا پورے قرآن پاک کے احکام اور وعید و بشارت اور جملہ قوانین کو فارسی زبان میں سمودیا ہے۔ جس کے دفتر اول سے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

مثنوی دفتر اول کے چند اشعار

- ۱۔ بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہاشکایت می کند
- ۲۔ کز نیستایں تا مرا بہر یدہ اند
از تفتیرم ^{نفیسم} کمرد وزن نالیدہ اند
- ۳۔ سینہ خواہم شرح شرح از فراق
تا بگویم شرح درو اشتیاق
- ۴۔ ہر کسے کے دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش
- ۵۔ من بہرے جمعے تالاں شدم
^{صفت} بخت و خوش حالان و بد حالان شدم
- ۶۔ ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نہ جست اسرار من
- ۷۔ سر من از نالہ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آن نور نیست

۸۔ تن زجان و جاں زتن مستور نیست

لیک کس را دید جاں دستور نیست

ترجمہ:- ۱۔ بانسری سے سن کسی طرح شکایت کرتی ہے۔ یعنی کیا شکایت کر رہی ہے۔ درحقیقت وہ جدائیوں کی شکایت کر رہی ہے۔

۲۔ کہ جب سے مجھے نے یعنی بانسری بنانے کے لئے باغ و بہار کے درختوں سے کاٹ کر جدا کر دیا گیا ہے۔ میری فریاد پر میری جدائی کی وجہ سے مرد و زن رورہے ہیں۔

۳۔ میں اپنی فریاد کے سننے والوں کا ایسا سینہ چاہتی ہوں۔ جو فراق و جدائی کی وجہ سے پارہ پارہ ہو۔ تاکہ میں اُس کو اپنے درد و فریاد کا حال بیان کروں تاکہ وہ میرا ہم درد و ہم راز ہونے کی وجہ سے میری فریاد کی حقیقت کو جان سکے۔ اور میرا شریک درد ہو کر میرے ساتھ نالہ و فریاد میں شامل ہو۔

۴۔ جو شخص اپنے اصلی وطن مالوف سے دور اور جدا ہو جاتا ہے۔ وہ پھر اپنے وطن کی مراجعت کے لئے بے تاب و بے چین رہتا ہے۔

۵۔ میں ہر مجلس میں روچکی ہوں۔ اپنی فریاد و نالہ سے اثر پکڑنے والے اچھے لوگوں اور دنیا کی قید میں پھنسے ہوئے برے لوگوں میں جو کہ میری فریاد و نالہ سے اثر نہیں لے سکتے ان ہر دو قسم کے لوگوں میں رہ چکی ہوں۔

۶۔ ہر شخص اپنی سمجھ و خیال میں مجھے اپنا ہی تصور کرتا ہے۔ حالانکہ اس نے میرے دل کے بھیدوں کو نہیں جانا کہ میں صرف اور صرف اُرب الہی کی شوق میں پُر اثر طریقہ پر کسی کی نہیں میں تو وصل کی خواہش مند ہوں۔ اور ہر کوئی مجھے اپنا تصور کر رہا ہے۔ حالانکہ در باطن کسی سے تعلق نہیں رکھتی۔ مگر اپنے حسن و سلوک کی بنا پر ہر کسی کا دل رکھے ہوئے ہوں۔ جس کی وجہ ہر کئی مجھ کو اپنا ہی تصور کرتا ہے۔

۷۔ میرا بھید و اسرار میری آہ زاری سے جدا نہیں ہے۔ لیکن لوگوں کو وہ بصیرت اور پرکھنے کا

نور حاصل نہیں ہے۔ جس سے عاشق کی حالت کو دیکھ کر اور اس کے نالہ و فریاد کو سن کر حقیقت کو جان سکیں۔

۸۔ بدن جان سے اور جان بدن سے پوشیدہ نہیں مگر یہ دستور نہیں کہ کوئی جان کو دیکھ سکے یہی حال اس نالہ و فریاد کا ہے۔

درحقیقت حضرت مولانا رومؒ نے یہ واقعہ روح انسانی کے بارے میں بطور تمثیل شروع کیا کہ ہر کوئی آسانی سے ذہن نشین کر سکے۔ روح انسانی جو اپنی اصل و سرشت کے لحاظ سے ایک پاک و نورانی مخلوق ہے۔ اس کا اصلی مقام عالم ملکوت ہے جس کو عالم ارواح بھی کہتے ہیں۔ جہاں وہ ذات حق کی محبت اور ذکر و فکر کی سعادت سے بہرہ ور تھی۔ اور ان تمام روحانی مصائب اور اخلاقی رذائل سے پاک تھی۔ جن کا گھر ناسوت یعنی عالم اجسام ہے لیکن جب وہ بمشیت خداوندی جسم غضری سے متعلق ہو کر عالم اجسام میں آئی۔ تو یہ لازمی امر تھا کہ اس کی سابقہ سعادت میں کمی آجائے جو عالم ارواح میں اسے میسر تھیں۔ اور بغض و نفاق اور نزاع و فساد اور تکبر و کینہ وغیرہ رذائل غصبیہ اور حسد و طمع و ریافت و فخر بخل و خیانت وغیرہ مصائب شہویہ سے ملوث ہو جائے جو کہ عالم سفلی کے لوازم سے ہیں۔ اور یہ ایک بدترین نقصان اور خسران کی حالت ہے۔ جس کو عوام کی ارواح محسوس نہیں کرتیں۔ جو اپنے شب و روز دنیاوی کاروبار کے مشاغل اور طول اہل کی مستی میں غافل ہیں۔ لیکن جو شخص قلب بصیرت اور نفس عبرت گیر رکھتا ہے۔ یا اس نے تصوف و سلوک میں تزکیہ نفس کرنے کے اصول و ضوابط کتابوں کے مطالعہ سے سبق عبرت حاصل کیا ہے۔ یا پھر کامل کی تربیت نے اس کے دل سے حجاب غفلت اٹھا دیا ہے۔ اُس روح متنبہ ہو کر معلوم کرتی ہے کہ وہ کس اعلیٰ مقام عالم ملکوت سے نزول کر کے کس ادنیٰ عالم ناسوت میں اترتی ہے۔ اور کن کن سعادتوں سے الگ ہو کر کیسی آلودگیوں میں گھر گئی ہے۔ ایسی روح اپنے اس حرمان و خسران کو محسوس کر کے دستِ تاسف ملتی ہوئی اور اپنے وطن ازل کو یاد کرتی ہوئی جہاں سے جدا ہو کر عالم اجسام میں پھنس گئی ہے اس غم و خون میں

ہر لمحہ نالہ و فریاد کرتی اور روتی ہے۔ بقول اکبر مرحوم (استفادہ از مفتاح العلوم)
 ۱۔ کچھ نہ پوچھ اے ہمنشین میرا نشین تھا کہاں اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں
 اسی قصہ کہانی کو حضرت مولانا رومؒ نے عجیب و غریب تمثیلات سے بیان کر کے سوئی
 ہوئی بے حس انسانیت کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

کلام شیخ فرید الدین عطارؒ

- ۱۔ بادشاہا جرمِ مارا در گزار ماگنہگار ایم تو آمرزگار
 - ۲۔ تو نکو کاری و مابد کردہ ایم جرم بے اندازہ و بے حد کردہ ایم
 - ۳۔ سالہا در بند عصیاں گشتہ ایم اخراز کردہ پشیمیاں گشتہ ایم
 - ۴۔ دایما در فسق و عصیاں ماندہ ایم ہم قرینِ نفس و شیطان ماندہ ایم
 - ۵۔ روز و شب اندر معاصی بودہ ایم غافل از امرد نوی بودہ ایم
 - ۶۔ بے گناہ نگذشت برما ساعتے باحضور دل نہ کردم طاعتے
 - ۷۔ بر در آمد بندہ بگر یختہ آبروئے خودز عصیاں ریختہ
 - ۸۔ مغفرت دار د امید از لطف تو زانکہ خود فرمودہ لَا تَقْنَطُوا
 - ۹۔ بحرِ الطاف تو بے پایاں بود نا امید از رحمت شیطان بود
 - ۱۰۔ نفس و شیطان زد کریم راہ من رحمت باشد شفاعت خواہ من
 - ۱۱۔ چشم دارم کز گناہ پاکم کنی پیش از اوں کا ندر لحد خاکم کنی
 - ۱۲۔ اندر آں دم کز بدن جاتم بری از جہاں بانور ایما نم بُری
- ترجمہ: ۱۔ اے شہنشاہِ دو جہاں میرے جرم و گناہ معاف فرما۔ کیونکہ میں گنہگار ہوں اور
 تو گنہگاروں کو جو معافی کے طلب کرنے والے ہیں معاف فرمانے والا ہے۔ تیری صفت
 معافی دینا اور توبہ قبول کرنا ہے۔

۲۔ تو میرے ساتھ اچھائی سے پیش آتا رہا۔ اور شامت اعمالِ برائی کی مرتکب ہی رہا ہوں۔

اور اندازہ سے باہر جرم و گناہ کا مرتکب رہا ہوں۔ جن کی کوئی حد اور شمار نہیں ہے۔

۳۔ سالوں کے سال گنا ہوں اور نافرمانیوں کے جال میں بند رہا اور آخر کار میں ان گناہوں سے نادم و پشیمان ہو گیا ہوں۔

۴۔ میں ہمیشہ فسق و فجور اور گناہوں کا مرتکب رہ کر پڑا رہا ہوں۔ اور نفس و شیطان کا ساتھی بھی رہتا رہا ہوں۔

۵۔ دن رات گناہوں میں پھنسا رہا ہوں۔ اور احکامِ امر و نواہی سے غفلت و سستی کرتا رہا ہوں۔

۶۔ اور مجھ پر ایک لمحہ بھر گناہ کے بغیر نہیں گزرا۔ اور میں نے تیری عبادت حضورِ اور یکسوئی سے ادا نہیں کر سکی۔

۷۔ تیرے در پر بندہ انابت کے عالم میں گرا پڑا آ گیا ہے۔ جو اپنی عزت و وقار کو گناہوں کی وجہ سے گرا چکا ہے۔

۸۔ تیری جانب سے بخشش و مغفرت کی امید سے انابت کے ساتھ بخشش طلب کرتا ہے۔ کیونکہ تیرا اپنا فرمان ہے کہ میری رحمت و بخشش سے ناامید نہ ہونا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے گناہ تمام کے تمام کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جو اس سے معافی کا خواہش مند ہے۔

۹۔ تیری بخشش و مہربانی کا سمندر لا پیدا کنار ہے۔ اور تیری رحمت سے ناامید صرف شیطان ہی ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ اے میرے رحیم و کریم خالق، نفس و شیطان میرا تیری جانب آنے کا راستہ روکتے ہیں۔ مگر تیری رحمت و مہربانی میری شفاعت کی طلب گار ہے۔

۱۱۔ اے اللہ جو میں آنکھیں رکھتا ہوں ان کو بھی گناہوں سے پاک فرما دے۔ اس امر سے پہلے پہلے کہ میں قبر میں پہنچ جاؤں۔ اور خاک ہو جاؤں۔

۱۲۔ جب تو میری جان کے اندر سے میرا دم نکالے گا اور اپنی جانب اٹھائے گا تو مجھے اس دنیا

سے میرے ایمان سلامت کے ساتھ اپنی طرف لے جانا۔ آمین! اللہ تعالیٰ یہی معاملہ میرے ساتھ اور میرے ساتھیوں کی ساتھ روا فرمادے آمین یا رب العالمین!

صحیح آمیز کلمات (منظوم)

(مرتبہ حبیب الرحمن حبیب مؤلف کتاب ہذا)

- ۱۔ بشنو با گوشِ ہوش اعلانِ من از نگاہِ چشمِ دل میں جان من
- ۲۔ نفس و شیطان می کند سعی ابد رہز ناں را راہ مدہ اہل خرد
- ۳۔ برورِ سلطان مرد عاقل مدام جز خدا ہر گز مجو حاصل کلام
- ۴۔ شہرتِ تو گر شود تا ملکِ روس خاک شو بگذاوایں نام و نموس
- ۵۔ گر تو خواہی نور عرفان و یقین پیش خدمت پیر باش اے با یقین
- ۶۔ طلب کن پیر طریقت نکتہ واں بے شریعت پیر را ابلیس داں
- ۷۔ گر میسر می شود این نبض میں می شود حاصل ترا نور یقین
- ۸۔ چوں بیابی رہر و راہِ ہدئی از عکوسِ اُوپری سوئے خدا
- ۹۔ خدمت او بادل و جاں کن سدا از طفیلِ پیر باشی با خدا
- ۱۰۔ ہمت پروازِ خود را تیز کن از طعمِ المِشتبہ پرہیز کن
- ۱۱۔ تو اگر خواہی شوی حق را قبول جز شریعت نیست ممکن ذی عقول
- ۱۲۔ تو بسجدہ ریز شو در نیم شب ^{بتضرع} و آہ و زاری پیش رب ^{بتضرع}
- ۱۳۔ بغض و کینہ و از حد تو دور باش من نہ گویم صاحب شرور باش
- ۱۴۔ خود را برادر تو صاحبِ عزت میں دیگران را صاحبِ ذلت میں
- ۱۵۔ عزت و ذلت دادن کا حق است خود را صاحبِ عزت پندارن ناحق است
- ۱۶۔ ذکر اُؤکن ذکر اُؤکن صبح و شام تا کہ باشی صاحبِ ذکر دوام

۱۷۔ غافل از ذکر خداست مردہ قلب نور چشم و کور باطن بے طلب
 ۱۸۔ قلب مردہ بر سردستار کیست ہوش کن اے جانشینِ ایں کار چیست
 ۱۹۔ قلب تو بیا در حق بیدار نیست نزد خدا ایں جانشینِ حقدار نیست
 ۲۰۔ عالم شدی فاضل شدی شیخ شدی گر نہ صاحبِ دل شدی پس چہ شدی
 ۲۱۔ در، دل تو گر محبتِ خدائے ذوالجلال نیست گر چہ مبلغ و مکرر شدی کمال نیست
 ۲۲۔ غفلت از یادِ خدا شر مند کیست یادِ حق بے غرض و غایت بند کیست
 ۲۳۔ طلبِ حق داری اگر تو اے حبیبِ چوں بیابی وصلِ حق باشی قریب
 ترجمہ۔ ۱۔ کانوں کو حاضر رکھ کر ہوش کے ساتھ میرا اعلان سنو۔ اپنے دل کے اندر
 دل کی آنکھوں سے دیکھ اے میری جان۔

۲۔ نفس اور شیطان تجھے ورغلانے کی ہمیشہ کوشش کرتے ہیں۔ اے عقلِ مندانِ دونوں
 ڈاکوؤں کو حملہ کرنے کا راستہ ہرگز نہ دینا۔

۳۔ اے عقلِ مند کسی امیر کے دروازہ پر طمع کے ساتھ ہمیشہ کے لئے مت جاؤ۔ اور اللہ
 تعالیٰ کے سوا کچھ تلاش نہ رکھ حاصلِ کلام یہی ہے۔

۴۔ تیری مشہوری اگر اپنے ملک کے علاوہ دوسرے ممالکِ روس تک بھی پہنچ جائے۔
 تب بھی مٹ کر زندگی گزار یہ نام و نموس یعنی ظاہر داری کی جانب التفات نہ رکھو۔

۵۔ اگر تجھے نورِ عرفان اور نورِ یقین کی ضرورت ہے تو یقین و عقیدت کے ساتھ پیرِ کامل
 کی خدمت میں حاضری کر۔

۶۔ مگر پیرِ طلبِ جاہ و مال رکھنے والا ہرگز نہ ہو صاحبِ طریقت اور نکتہ دانِ حقیقت ہو،
 اور باشریعت ہو۔ اور جو شریعت کا پابند نہ ہو ایسے پیر کو ابلیس تصور کر۔

۷۔ اگر کوئی باشرع پیرِ صاحبِ دل جو حکیمِ حاذق کی طرح نبض دیکھ سکتا ہے۔ مل جائے تو
 پھر تجھے نورِ یقین حاصل ہو جائے گا۔

۸۔ جب تو راہ پر چلانے والا اور ہدایت کا راہ بتانے والا پالے گا تو اُس کے فیضِ صحبت سے تو خدا کی جانب قریب ہو جائے گا۔ یعنی تیری روح پاکیزہ ہو کر معرفتِ الہی کی جانب پرواز کے قابل ہو جائے گی۔

۹۔ اگر ایسا ہمہ صفت موصوف شیخِ کامل مل جائے تو اُس کی دل و جان کے ساتھ خدمت کر اور عقیدت کے ساتھ حاضری دیتا رہا کر۔ پس اُس کی صحبت کی برکت سے تو بھی اللہ والا ہو جائے گا۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کی جانب قریب ہونے کے لئے ہمتِ پرواز کو تیز کر دے اور ہمتِ پرواز میں تیزی کے لئے شرط یہ ہے کہ مشکوک غذا اور حرام کھانے سے پرہیز لازمی ہے۔

۱۱۔ تو اگر چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہو جاؤں تو یہ مقبولیتِ شریعت کے دائرہ میں رہ کر نصیب ہوگی شریعت سے باہر ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ اے صاحبِ عقل اس امر کو لازمی جان کر محنت کر۔

۱۲۔ اگر تو مقبول بندوں میں سے ہونا پسند کرتا ہے تو آدھی رات کی عبادت یعنی تہجد کو اپنے اوپر لازم کر اور رات کو آہ زاری سے اپنی بخشش طلب کر۔

۱۳۔ بغض اور کینہ نیز حسد سے دوری اختیار کر لیں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے محلہ میں شریر لوگوں کا کردار ادا کر بلکہ شرارت سے باز رہا کر۔

۱۴۔ اے بھائی اپنے آپ کو صاحبِ عزت اور محترم نہ خیال کیا کر یعنی اپنے آپ کو تو خود صاحبِ عزت نہ تصور کر اور دوسروں کو کم زور اور ذلیل جان کر حقارت کی نظر سے نہ دیکھا کر۔

۱۵۔ عزت اور ذلت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور اپنے آپ کو عزت والا تصور کرنا ناجائز ہے۔

۱۶۔ اللہ کو یاد کر اللہ کو یاد کر ہر وقت اور صبح و شام۔ اس لئے کہ تو صاحبِ ذکر و اہم کی صفت حاصل کر لے۔ یعنی ہر لمحہ اور ہر گھڑی ذکرِ الہی کی عادت بن جائے۔

۱۷۔ خدا کی یاد سے جو غافل ہوتا ہے وہ مردہ دل ہوتا ہے۔ اور اس کی آنکھیں نورِ ذکر سے اندھی ہوتی ہیں یعنی انوارِ ذکر کو نہیں دیکھ سکتیں اور اُس کا باطن بے نور و بے طلب ہوتا ہے۔ یعنی خدا کی معرفت کی خواہش ہی نہیں پیدا ہوتی۔

۱۸۔ اگر تیرا دل مردہ ہے تو پھر تیرے سر پر خلافت و جانشینی کی پگڑی کیسی ہے یعنی اس کی پھر کیا ضرورت ہے جبکہ تو اہل ہی نہیں ہے۔ اے جانشین ذرا ہوش سے کام لے تو نے کیسا کام کر رکھا ہے۔ جس کا تو اہل نہ تھا۔

۱۹۔ تیرا دل یادِ الہی سے بیدار اور زندہ ہی نہیں ہے تو پھر تو اے جان نشین خلافت کا حقدار ہی نہیں ہے۔ یہ تیری خلافت فقط تیری اپنی چاہت و خواہش ہے خدا کے ہاں تیرا یہ مقام ہرگز نہیں ہے۔

۲۰۔ اگر تو عالم بھی ہو گیا ہے اور ادیب فاضل بھی ہے۔ اور شیخ و جانشین بھی مشہور ہے۔ مگر جب صاحبِ حال و صاحبِ دل نہیں ہو سکا تو پھر کچھ بھی نہیں ہو سکا۔ صاحبِ حال ہونا اصل حقیقت ہے۔

۲۱۔ اگر تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کا عشق اور اُس کی طلب و محبت نہیں ہے اگرچہ تو بہت ماہر مبلغ و خطیب و مکرر کیوں نہ ہو یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔

۲۲۔ خدا کی یاد سے غافل ہونا شرمندگی در شرمندگی ہے۔ اور اُس کی ایسی یاد جو لاطیع اور بے غرض و غایت صرف خدا کی رضا جوئی کے لئے ہو یہ اصل بندگی اور حقیقی بندگی ہے۔

۲۳۔ اے حبیب! اگر تو خدا تعالیٰ کی طلب رکھتا ہے تو جب تو اپنے مقصد و مدعا میں کامیابی حاصل کر لے گا تو اُس کی قرب کو پا لے گا۔ اور اصل باللہ ہو سکے گا۔

راہِ نجات (نظم)

(مرتبہ حافظ عبدالرشید خلیفہ مجازِ حجت پیر عبدالحی مدظلہ تعالیٰ کیر وال ڈھوڈیال)

سرخ رو ہوگا وہی دونوں جہاں میں
 پابندِ جو زندگی میں ہو قرآنی اصول کا
 ہوگی نجاتِ اخروی یقیناً ہی آپ کی
 گر چٹنگی سے پکڑو گے دامنِ رسولؐ کا
 اُسی کو ہوگی نصیبِ خشر میں رفاقتِ رسولؐ کی
 اپنا لیا جس نے زندگی میں اسوۂ رسولؐ کا
 جبکہ عمل کی تاکید کی بنیٰ کو حضورؐ پاک نے
 فرمایا کام نہ آئے گا حشر میں رشتہ رسولؐ کا
 پھر حسبِ و نسب پر فخر کرنا ہے سب فضول
 نجات ہوگی اُس کو نصیب جسے نصیب ہوا کلمہ رسولؐ کا
 آسان ہوگا قبر میں جب آئیں گے منکر نکیر
 پابندِ جو رہا ہوں زندگی میں سنتِ رسولؐ کا
 تمہیں حشر میں نہ ہوگا خوف و خزن عبدالرشید
 اگر جان لیا زندگی میں تو نے رتبہ رسولؐ کا

کلام حاجی محمد اعظم خلیفہ حضرت سید پوریؒ کی والد

دلا ہوشیار ہو کر با خدا ہو بظاہر رنگ درویشانہ کیا ہے
 نہ کام آئے گی درویشی بظاہر دل درویش گرج حق سے جدا ہے
 زبان پر ذکر دل گر بے خبر ہے بزد عارفاں بس نا آشنا ہے
 حلاوت ذکر دائم دل میں گر ہو زباں ساکت ہو پھر بھی کیسا
 بسا کثرت میں خلوت کا مزا ہو طریقت کی غرض یہ انتہا ہے
 امام بحر عرفاں کا ہو تلمیذ اگر راہ خدا کی التجا ہے
 دل مردہ ہو زندہ یک نظر سے دل زنگار خوردہ کی جلا ہے
 ملے گر بحر عرفاں کا شاور جو مظہر نور ذات کبریا ہے
 اسی در پر پڑا رو خاکسارا تیرا مقصود گر ذات خدا ہے

شجرہ طریقت نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ (منظوم) (از قلم حاجی محمد اعظم)

فضل کریار محمد مصطفیٰؐ کے واسطے
 سید الکونین ختم الانبیاءؐ کے واسطے
 کر عطا صدق و صفا بہر جناب بو بکرؒ
 حضرت صدیقؒ یار با صفا کے واسطے
 حضرت سلیمانؑ فارس سا ہو پیدا اولولہ
 سید قاسمؒ امام بے ریا کے واسطے
 جعفر صادقؑ کی خاطر رکھ ز شیطان لعین
 بایزید بوسطائیؒ پارسا کے واسطے
 یا الہی کر کرم بہر جناب بوالحسنؒ
 بوعلی فارمدیؒ پیشوا کے واسطے
 یوسفؑ ہمدان کی خاطر رکھ سدا ثابت قدم
 عبدالحقؒ متقی و مقتدا کے واسطے
 خواجہ عارف ریوگریؒ سادل میں ہو سوز گداز
 حضرت محمود صاحبؒ ذوق لقا کے واسطے
 بوعلی رامیؒ سی دل میں ہو حُب نبی
 حضرت ساسؒ کان اتقیاء کے واسطے
 سید کلالؒ سائقوی عنایت کر مجھے
 خواجہ بہاؤ الدین تاج اولیاء کے واسطے
 کر عطا، زہد و روع یعقوبؒ چرخ کی طرح

اور عبید اللہ بحرِ احیاء کے واسطے
 حضرت خواجہ محمد زاہد درویشؒ سا
 کر عطاء نور و ضیاء شمس الضحیٰ کے واسطے
 خواجہ امکنیؒ کے صدقے باقی باللہ کے لئے
 ذکر تیرادل میں ہو روزِ جزا کے واسطے
 حضرت مجدد الف ثانیؒ سا ہوز ہد
 سید آدم بنوری مہتدا کے واسطے
 سعدی لاہور کی مانند دے علم و عمل
 حضرت یحییٰؒ کے فیض بے بہا کے واسطے
 حضرت عبدالشکورؒ و حافظ عبدالرزاقؒ
 کر قبول بارگاہ ان اولیاء کے واسطے
 از طفیل حضرت بابا محمد دہر میں
 شرِ شیطاں سے بجا خیر الواری کے واسطے
 حضرت فقیر محمد ہشتنگریؒ کے لئے
 ماسوا سے ہو غنا تیری رضا کے واسطے
 یا الہی! دے ہمیں الفت حبیب محترم
 خواجہ شمس الدینؒ تاج اولیاء کے واسطے
 نیز فرزندانِ ارجمند و جانشین
 بالخصوص عبداللہؒ کو اپنی رضا کے واسطے
 یا الہی دے محمد اعظم درویش کو
 درد و سوز اندورنی ہر گدا کے واسطے
 مدتوں سے ملتی ہے تیرے در پر خاکسار
 یا الہی کر کرم سب اولیاء کے واسطے

شجرہ طریقت نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ بطریق مناجات

(از قلم حبیب الرحمن حبیب مؤلف کتاب ہذا)

تیری طرف آرہے ہیں تیری لقاء کے واسطے کھینچ لے اپنی طرف اپنی رضا کے واسطے
 ہے طلبگاروں کی یارب تیری رحمت پر نظر نور عرفاں کر عطا اپنی سخا کے واسطے
 دے ہمیں سوز و گداز اور رقت در و جگر حضرت احمد محمد مصطفیٰ کے واسطے
 معرفت کے سب خزانے کھول دے یکبارگی حضرت صدیق اکبرؓ یا حرا کے واسطے
 کر عنایت تو ہمیں عشق محمد مصطفیٰ حضرت سلیمانؑ فارس مقتدا کے واسطے
 دے ہمیں اخلاص مولیٰ صدقے اپنی ذات کے حضرت قاسم امام الاصفیاء کے واسطے
 سینہ بے نور کو پُر نور کر دے یا الہ بعث صادق امام الاخیاء کے واسطے
 فتنہ فساق اور ابلیس سے تو ہی بچا با یزید بو سطانیؒ پارسا کے واسطے
 استقامت دین ہو اور دائمی ذکر دوام ابوالحسن خرقانؒ تاج اولیاء کے واسطے
 دین و ایماں کی طلب ہوتا حیات بو علی متقی و پارسا کے واسطے
 کامران ہو ں سالکین و شائقین یوسف ہمدان امام الاتقیاء کے واسطے
 زہد و تقویٰ کر عنایت تو ہمیں تازندگی عبدالخالقؒ غنجدانی باصفا کے واسطے
 کر منور نور وحدت سے الہ العالمین حضرت عارفؒ دلی بے ریا کے واسطے
 بغض و کینہ اور حسد کی آگ دل سے تو بجھا حضرت محمود صاحب بے ریا کے واسطے
 ذکر تیرا دل میں ہو اے پروردگار بوعلی راہتیؒ صاحب منتحی کے واسطے
 مجلس اہل دلاں نصیب کر میرے خدا حضرت بابا سماسی باوفاء کے واسطے
 معرفت کے نور سے روشن و معمور کر سید کلال کامل رہنما کے واسطے
 نام تیرا نقش ہو بر لوح دل میرے خدا خواجہ بہاؤ الدین تاج اصفیاء کے واسطے

فضل کر یا رب ہماری اہل اولاد پر
 عبید اللہ احرار زاہدؒ کی طرح
 کر عنایت بے نیازی دارفانی سے مجھے
 بحر عرفاں کے خزانے کر عیاں مولا سبھی
 معرفت کا راز داں کر باقی باللہ کی طرح
 حضرت احمد مجدد الف ثانیؒ کی مانند
 یا الہی دے ہمیں الفت محمد مصطفیٰؐ
 یا الہی دے سعادت سعدیؒ لاہوری
 حضرت عبدالشکورؒ و حافظ عبدزاق
 دل کی غفلت دور کر دے یا اللہ العالمین
 صبر ہو میرا شعار اور استقامت ہو نصیب
 زہد و تقویٰ کر عنایت اپنے فضل و کرم سے
 یا الہی عاجزی و انکساری نصیب کر
 کر جلی دل پہ میرے یا اللہ العالمین
 یا الہی دے رفیقانِ طریقت کو سدا
 کر حفاظت دوستوں کی یا اللہ العالمین
 کر کرم دونوں جہاں میں اے رب کریم
 تیرے بندوں کی محبت تیری الفت ہے مدام
 تیری در پہ عاجزی سے عرض کرتا ہے
 اے خواب میں ملاقات نصیب ہوئی اور مجھے اس کتاب کے
 علاوہ اور کتابیں لکھنے کی ترغیب دی اس لئے رہنمائی اپنی
 طرف منسوب کی ہے۔

شجرہ طریقت بطریق مناجات از قلم حافظ عبدالرشید ڈھوڈیال

(پیر بھائی مؤلف کتاب ہذا ولیفہ مجاز حضرت پیر صاحب عبدالحی، گیر وال)

التجا کرتا ہے عاصی اے خدا فضل کر ہم پر محمد مصطفیٰ کے واسطے
 بغض و کینہ سے یہ سینہ پاک کر حضرت صدیق اکبرؓ با صفا کے واسطے
 نخوت و بخل و حسد سے تو بچا حضرت سلیمان فارسؓ پارسا کے واسطے
 حرص دینا سے بچا تو یا اللہ العالمین سید قاسمؒ امام اولیا کے واسطے
 زینے قلبی سے بچا ہر دم خدا خواجہ جعفر متقی و مقتدا کے واسطے
 قلب کو ہر دم تو بچا تو غیر سے بازید بوسطائی پارسا کے واسطے
 حب مال و حب جاہ سے اجتناب ابوالحسن خرقائی کے ہمدان کے واسطے
 صاف رکھ امراض باطن سے ہمیں بوعلیؒ یوسفؒ ہمدان کے واسطے
 دل میں پیدا ذوق ہو عبدالحقؒ کی طرح اور عارف ریوگریؒ ذولقا کے واسطے
 حضرت محمود ساہو شوق مجھ کو ہر گھڑی اور تقویٰ دل میں ہو تیری رضا کے واسطے
 بوعلی رامبتنی سی تڑپ پیدا کر خدا حضرت بابا ساسیؒ پارسا کے واسطے
 الفیت کلاں جیسی کر عطا خواجہ بہاؤ الدین تاج اولیاء کے واسطے
 سنت نبویؐ کی ہو تقلید صبح و مسایع یعقوب چرخؒ مقتدا و با صفا کے واسطے
 یاد تیری یا الہی دل میں ہو ہر گھڑی عبید اللہؒ صاحب پیشوا کے واسطے
 خواجہ زاہدؒ کی طرح دے دردِ دل حضرت درویشؒ واصل با خدا کے واسطے
 قلب کو پُر نور کر معرفت کے نور سے خواجہ امکنیؒ شیخ پارسا کے واسطے
 واقف اسرار مخفی کر ہمیں رب کریم باقی باللہ زاہد حق آشنا کے واسطے
 نور عرفان و ہدایت سے ہمیں سرشار کر حضرت مجدد الف ثانیؒ شمس اولیا کے واسطے
 ہر گرجاں اللہ اللہ سے رہے ذاکر مدام سید آدم بنوریؒ مہتدا کے واسطے

ماسواللہ کے فکر سے تو ہی بچا
 خواجہ یحییٰ کی طرح علم و عمل کر دے عطا
 دل میں پیدا نور کر حرمت عبدالشکور
 ہو تڑپ اور ولولہ مانند عبدالرزاق
 غیر حق سے ہو غناء ہم کو نصیب
 قلب میرا ہو منور ہر دم بدم
 احقر سدا تجھ سے تقرب کی دعا
 نقشبندی سلسلہ ہے چشمہ آب حیات
 سلسلہ سے منسلک کوئی بھی ہو
 ظاہر و باطن ہمارا نور سے پر نور کر
 پُر خطا رُو سیاہ ہے یہ بندہ گرچہ
 مغفرت کی التجا کرتا ہے حافظ عبدالرشید
 حضرت سعدی لاہوری باضیاء کے واسطے
 اور دے تو معرفت اپنی رضا کے واسطے
 اور پیدا شوق کر سب اولیاء کے واسطے
 حضرت بابا محمد شیخ اولیاء کے واسطے
 فقیر محمد سید پوری کے واسطے
 خواجہ شمس الدین تاج اولیا کے واسطے
 مانگتا رہتا ہے یارب عبدالحی کے واسطے
 ہر پیاسے کو پلا تو اپنی سخا کے واسطے
 نظرِ رحمت اُس پہ کر اپنی رضا کے واسطے
 اپنے فضلِ رحمت بے انتہا کے واسطے
 ہاتھ اٹھا کے آچکا ہے التجا کے واسطے
 بخش دے تو کل گنا خیر الوری کے واسطے

دعائے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

- ۱۔ خُذْ بِلُطْفِكَ يَا إِلَهِي مَنْ لَهُ، ذَاذْ قَلِيلٌ
مُفْلِسٌ بِالصَّدَقِ يَأْتِي عِنْدَ بَابِكَ يَا جَلِيلٌ
- ۲۔ كَيْفَ خَالِي يَا إِلَهِي لَيْسَ لِي خَيْرُ الْعَمَلِ
سُوءُ أَعْمَالٍ كَثِيرٌ ذَاذْ طَاعَاتِي قَلِيلٌ
- ۳۔ مِنْهُ، عَضِيَانُ وَنَسِيَانُ وَسَهْوٌ بَعْدَ سَهْوٍ
مِنْكَ إِحْسَانٌ وَفَضْلٌ بَعْدَ أَعْطَاءِ الْجَزِيلِ

۴. ذَنْبُهُ، ذَنْبٌ عَظِيمٌ فَأَغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيمَ
 أَنَّهُ، شَخْصٌ غَرِيبٌ مُذْنَبٌ عَبْدٌ ذَلِيلٌ
 ۵. عَافِيْنِيْ مِنْ كُلِّ دَاءٍ وَأَقْضِ عَنِّي حَاجَتِيْ
 اِنْ لِيْ قَلْبًا سَقِيْمًا اَنْتَ مِنَ الشِّفَى الْعَلِيْلِ
 ۶. قُلْ لِنَارٍ بَرْدِيْ يَا رَبِّيْ فِي حَقِّيْ كَمَا
 قُلْتَ قُلْنَا يَا بَرْدِيْ يَا رَبِّيْ فِي حَقِّيْ كَمَا
 ۷. طَالَ يَا رَبِّيْ ذُنُوْبِيْ مِثْلَ رَمْلِ لَا تَعْدُ
 فَاعْفُ عَنِّي كُلَّ ذَنْبٍ وَصَفَحَ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ
 ۸. هَبْ لَنَا مُلْكًا كَبِيْرًا عَجْنَا مِمَّا لَخَافَ
 رَبُّنَا اِذْ اَنْتَ قَاضِيْ وَالْمُنَادِيْ جِبْرِ ثِيْلَ
 ۹. اَنْتَ كَافِيْ اَنْتَ وَافِيْ فِيْ مُهِمَّاتِ الْاُمُوْر
 اَنْتَ حَسْبِيْ اَنْتَ رَبِّيْ اَنْتَ لِيْ نَعْمَ الْوَكِيْلَ
 ۱۰. رَبِّ هَبْ لِيْ كَنْدُ فَضْلٍ اَنْتَ وَهَابُ الرَّحِيْمِ
 اَعْطِنِيْ مَا فِيْ ضَمِيْرِيْ ذُلْنِيْ خَيْرَ الدَّلِيْلِ
 ۱۱. اَيْنَ مُوسَى اَيْنَ عِيْسَى اَيْنَ يَحْيَى اَيْنَ نُوحَ
 اَنْتَ يَا صَدِيْقَ عَاصٍ تُبِّ اِلَى الْمَوْلَى الْجَلِيْلِ

ترجمہ:-

- ۱۔ اے اللہ مدد کر اپنی مہربانی سے اُس شخص کی کہ جس کے پاس ہدایت کا سرمایہ
 تھوڑا اور وہ مفلس ہے جو سچے دل سے اے اللہ تیرے دروازے پر آیا ہے۔
 ۲۔ اے اللہ میرا کیا حال ہے جبکہ میرے پاس اچھے اعمال نہیں ہیں۔ اور برے اعمال
 زیادہ ہیں۔ اور میری اطاعت و نیکیاں کم ہیں۔

۳۔ مجھ سے گناہ اور بھول پہ بھول ہو رہی ہے۔ مگر تیری طرف سے اے اللہ احسان فضل اور بخشش پہ بخشش زیادہ ہو رہی ہے۔

۴۔ اے اللہ میرا گناہ بہت بڑا ہے میرے اس گناہِ عظیم کو معاف فرما دے کیونکہ ! ایک گنہگار و غریب اور ذلیل بندہ ہوں۔

۵۔ مجھے ہر بیماری سے محفوظ کر اور میری ضرورتیں پوری فرما۔ میرا دل بیمار ہے۔ اور ! بیماروں کو شفا بخشے والا ہے۔

۶۔ اے اللہ آگ کو حکم فرما کہ وہ میرے حق میں ٹھنڈی ہو جائے۔ جس طرح ابر خلیل کے لئے آگ کو ٹھنڈا اور گلزار ہونے کا حکم فرمایا تھا۔

۷۔ اے اللہ میرے گناہ لاتعداد اور یت کے ذروں کی طرح لمبے (زیادہ) ہو گئے ہیں میرا ہر گناہ معاف فرما دے اور درگزر فرما دے تو بہت اچھا معاف کرنے والا ہے۔

۸۔ بخش ہم کو اے اللہ ملک بڑا اور نجات دے اُن (مضرات) چیزوں سے جن ہمیں ضرر کا خوف ہے۔ اے رب میرے تو انصاف کرنے والا ہے اور جبرائیل علیہ السلام پکارنے والے ہیں۔

۹۔ بڑی سے بڑی مشکلات کو دور کرنے کے لئے تو ہی کافی اور پورا ہے اور تو ہی میرے لئے بہت ہے اور میری بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔

۱۰۔ اے اللہ تو اپنے فضل کے خزانے بخش دے تو بہت بخشے والا ہے۔ اور دے مجھے و چیز جو میرے دل میں ہے اور اچھے راستے کی طرف میری رہنمائی فرما دے۔

(یہ تھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناجات و دعا۔ اگر وہ اس عاجزی اور انکساری کے ساتھ اعترافِ قصور کرتے ہوئے اپنے لئے معافی طلب کرتے

جو کہ صحابہ کرامؓ اور شہداء و اولیاء صلحاء سے بڑھ کر مقام رکھتے ہیں اور اپنے لئے آہ زاری کے ساتھ اور معافی کی طلب کرتے ہیں تو پھر عام مسلمین اور ہمیں تو بدرجہ اتم فکرِ آخرت کرنی لازمی ہے۔ کہ ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم کتنے پانی اور کتنے خشکی میں ہیں۔ ہمیں اپنے ہر فعل اور عمل کا

جائزہ لینا ہے کہ کیا ہم سے افعال اچھے ہی صادر ہو رہے ہیں یا کچھ پیچ و تاب کے ساتھ نفہ خواہش بھی ملی ہوئی ہے مگر صدیق اکبرؑ روزِ ڈرتے اور فریاد کرتے ہیں تو ہم کس طمع پر بے اور بے فکر زندگی گزار رہے ہیں اس امر کا جائزہ اور محاسبہ کرنا لازمی ہے) (مؤلف)

کلام حضرت عبدالرحمن جامیؒ

۱۔	نیمہ	!	جانب	بطحا	گزر	کن
ز	احوال	محمدؐ	را	خبر	کن	کن
۲۔	توئی	سلطان	عالم	یا	محمدؐ	
زروئے	لطف	سوئے	من	نظر	کن	کن
۳۔	بہر	ایں	جان	مشاقم	در	آنجو
فدائے	روضہ	خیر	البشر	کن		کن
۴۔	مشرف	گرچہ	شدیک	بار	جائی	
خدایا	ایں	کرم	بار	د	گر کن	

ترجمہ:- ۱۔ اے صبح کی تازہ ہوا ذرا مدینہ منورہ کی جانب بھی چل پھر کر آ جا۔ اور

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی خبر دے۔

۲۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہی عالم کا بادشاہ ہے۔ اپنے لطف چہرہ مبارک کو

جانب پھیر کر میری جانب نگاہ فرما دے۔

۳۔ اے اللہ میری اس مشتاق جان و جسم کو اُس مقام پر پہنچا دے۔ اور خیر البشر حضرت

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر فدا ہونے کا موقع فراہم فرما۔

۴۔ اگرچہ جامی ایک بار دیدارِ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو چکا ہے۔

مگر اے اللہ تعالیٰ مجھ پر دوبارہ روضہ اطہر پہ حاضری دینے کا کرم فرما دے۔

فیض و نحوست

فیض و نحوست ایسے اثرات و کیفیات کا نام ہے جو کسی انسان کے افعال و کردار۔ متعلق ہیں۔ اور یہ اثرات و کیفیات اس انسان کے افعال و نیات پر مرتب ہوتے ہیں اگر انسان کے افعال و کردار خدا تعالیٰ کی مرضی اور حکم الہی کے مطابق سرزد ہوتے ہیں تو اس اثرات اور کیفیت خوشگوار اور اچھی صورت اختیار کرتے ہوئے اس بندہ خدا کے ساتھ مناسبت اور وابستہ رہتی ہے۔ بندہ خدا جہاں بیٹھتا ہے چلتا ہے۔ لیٹتا ہے یا کسی مجلس میں شامل ہے تو اس کے حسن اخلاق و خدا تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کی برکت سے جو اثرات پیدا ہو کر کے ساتھ منسلک رہتے ہیں اس کو بھی سکون بخشتے ہیں اور اس کے ساتھ جو ہم مجلس ہوتے ان کے لئے بھی سکون بخش ہوتے ہیں۔ اور انہی اثرات و کیفیات کا نام فیض ہے۔ اور فہم در حقیقت ایک نوری کیفیت اور نوری اثرات ہوتے ہیں۔ جو کہ من جانب اللہ اس بندہ کے حسن اعمال کی پاداش میں اس پر برستے رہتے ہیں اور اس کو انوار سے منجلی رکھتے ہیں۔ فیض کا تعلق اس بندہ خدا کے ساتھ زندگی میں بھی ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے ایہ باللہ کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا تب بھی قبر میں حشر میں اور پل صراط پر یہ انوار اثرات ساتھ ہونگے۔ اور انوار الہی اس کو گیرے رہیں گے اور یہی حقیقی فیض و برکات ہوتے ہیں اس کے مقابلہ میں وہ اثرات و کیفیات جو کہ انسان کی بدکرداری بد اعمالی اور بد نیتی نیز تعالیٰ کے ناپسندیدہ اعمال کے ارتقاب سے جو پیدا ہوتے ہیں۔ نحوست کہلاتے ہیں۔ نحو۔ اندھیری اور دھواں کی صورت میں اس انسان کے ساتھ منسلک اور وابستہ رہتی ہے۔ انسان جہاں بیٹھتا ہے چلتا ہے اور جن جن جگہوں پر قیام پذیر ہوتا ہے۔ نحوست جو کہ خدا کی ناراضگی سے پیدا ہو کر اندھیری یا دھند و دھواں کی شکل میں ہوتی ہے اس انسان کے ساتھ رہتی ہے۔

زندگی میں بھی جب تک اصلاح دین نصیب نہیں ہوتی ساتھ رہتی ہے۔ اور پھر جب اسی حالت میں دنیا سے چلا گیا تو قبر میں حشر میں پل صراط پر یہ تاریکی ساتھ رہے گی۔ اور اس کو پریشان رکھے گی۔ اور یہ خدا کی ناراضگی کی نحوست و تاریکی اس کو گھیرے رہے گی۔ اسی کا نام نحوست اور کدورت و زنگار بھی ہے۔ اور اس کی قبر پر یہی نحوست تا قیامت رہے گی اور بعد حشر کے ساتھ رہے گی۔ اس لئے ابھی سے توبہ کر کے اپنے اعمال بد کو اعمالِ حسنہ میں تبدیل کیا جائے ورنہ بعد میں کوئی علاج کارگر نہ ہوگا۔ نحوست والا انسان جدھر بھی جاتا ہے اس کی نحوست ساتھ رہتی ہے۔ اور جس کے ساتھ ملاقات کرتا ہے تو یہ نحوست اُس کو بھی اپنی غلاظت میں ملوث کر دیتی ہے۔ خود جس جگہ یہ دھواں زہر آلود اٹھتا ہے اُس جگہ یا انسان کو ملوث کئے ہوئے ہے مگر اس کے قریب: بھی جاتا ہے اس کی آنکھوں کو بھی یہ دھواں لگ کر اشک بار کرنے میں بہت کردار ادا کرتا ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ اپنے اثرات میں پھنسا دیتا ہے۔ اسی لئے حکمِ الہی ہے

وَلَا تُطْعُ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَتَتَّبِعْ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ
 اتِّبَاعُ كَرِّحَىٰ هِيَ أَيْسَ نَفْسِ كِی اور اُس کو
 کام (حدِ الہی جو مقرر ہے) اُس حد کو
 پھلانگنے والا ہے۔

معلوم ہوا تا فرمانِ انسان جو کہ خدا کی یاد سے غافل ہے ایسے انسان کی پیروی: اس کے ساتھ ہاں سے ہاں نہ ملائی جائے بلکہ اُس کے ضرر سے بچنے کے لئے دور رہے اور کوئی نیک بات تلقین کرنی ہے تو ضرور کرے اور نہ ماننے کی صورت میں الگ رہے۔ جب تک ممکن ہے اُسے حق بات سنانے کی کوشش کرنے اگر اُس کی ہٹ دھرمی اور ضرر کا خطرہ ہو تو خاموشی اختیار کر کے دوری اختیار کرے۔ اور اُس کی نحوست سے بچنے کی از حد کوشش کرے۔ ان اثراتِ خیر و بد کو فیض و نحوست سے تعبیر کرتے ہیں۔

بعد الوفات اولیاء اللہ کے مزارات پر فیض کا تعلق

اولیاء اللہ کا جو تعلق مع اللہ زندگی میں ہوتا ہے۔ وہی تعلق مع اللہ دنیا سے رخ ہونے کے بعد قائم و دائم رہتا ہے۔ اولیاء اللہ کے قلوب پر جو رحمت خداوندی برکتی رہتی۔ وہی رحمت خداوندی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بدستور برکتی رہتی ہے۔ اور خداوند تعالیٰ رحمت کا تعلق قلب کے ساتھ دائمی رہتا ہے۔ اسی لئے اولیاء اللہ کے مزارات سرچشمہ ہوتے ہیں۔ مگر عام لوگوں کو یہ فیض و انوارات نصیب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس فیض و انوار کا تعلق بھی قلب کے ساتھ ہوتا ہے۔

جس کا قلب مردہ و غفلت میں ڈوبا ہوا اور حجاباتِ ظلماتی کے پردوں میں لپٹا مکدر ہوتا ہے۔ اُسے فیض و انوارات کی کوئی کیفیت و حقیقت محسوس نہیں ہو سکتی۔ جیسے زائد انفلوئز والے کو جبکہ زکام و ٹھنڈک کی بیماری میں مبتلا ناک بند ہو۔ تو خوشبو یا بدبو محسوس نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جس کا دل مکدر و بے حس ہو اور بوجہ غفلت مردہ ہو۔ اس کو بھی اولیاء کے قریب بیٹھ کر اولیاء اللہ پر برستے انوارات و فیوضات محسوس نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی مزار اولیاء اللہ پر جا کر کچھ رحمتِ الہی کے انوارات محسوس کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی برے اثرات احساس ہو سکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو رات دن رحمت و انوار برستے ہیں اس کو صرف اہل دل یعنی اہل حال انسان ہی محسوس کرتا اور مشاہدہ کر سکتا ہے۔ کم از کم احساس کی یہ علامت و اثرات ہوتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مزار پر پہنچ کر دل کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے اور خوفِ الہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ دل نرم اور رقت آمیزی کی حالت میں یادِ الہی میں محویت پیدا ہوتی ہے۔ یہ احساس و جس کی حقیقت صورت ہے۔ زیادہ

احساس کی صورت میں انوارِ ولایت کی بارش برستی دکھائی دیتی ہے۔ اور یہ منظر ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتا بلکہ ان انوارات و فیوضات کو دیکھنے یا محسوس کرنے کے لئے باطنی بصیرت درکار ہے۔ ظاہر نظر خواہ کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو باطنی کیفیات کے مشاہدہ سے قاصر ہے۔ ہاں ظاہری نظر قبور کی ظاہری شکل اور صورت کی زیارت کر سکتی ہے۔

قلبی سرور و لذت اور انوار و کیفیات صرف اہل دل و اہل حال ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ زندگی میں اولیاء اللہ کا تعلق باللہ ہر وقت رہتا ہے اور کسی وقت بھی تعلق مع اللہ ٹوٹنے نہیں پاتا۔ اور اولیاء اللہ کی روحانی زندگی کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی رضا اور دیدارِ الہی کی طلب ہو ہے۔ جس طرح مچھلی کا پانی کے بغیر زندہ رہنا محال ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے خاص بندو کا جو اولیاء اللہ کی صفت سے موصوف ہوتے ہیں۔ ان بندگانِ خدا کا خدا کی معرفت اور قرب کے بغیر زندگی بسر کرنا محال ہوتا ہے۔ اور اولیاء اللہ کے دنیا سے روپوش ہونے کے بعد یہ تعلق مع اللہ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ دنیا سے روپوش ہو کر جب عالمِ برزخ کی جانب پرو کرتے ہوئے اپنے مقام درجات پر فائز ہو جاتے ہیں تو ان کا تعلق مع اللہ قائم رہتا ہے۔ اور جسمِ عنصری جو کہ لحد میں ہوتا ہے اس کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اور انوارات بھی لحد پرستے ہیں۔ اور لحد میں جسمِ عنصری کا ہر ہر ذرہ ذکرِ الہی میں متحرک رہتا ہے اور جہاں خدا کا ذکر ہو وہاں انوارِ ذکرِ الہی ضرور برستے ہیں۔ اور اولیاء اللہ ناسوتی تعلق سے کٹ کر ملکوتی جبروتی اور لاہوتی تعلق میں استوار ہو کر رحمتِ خداوندی سے لطف اندوز ہوتے ہیں مگر ان کی لحد پریم انوارِ الہی کی بارش ہر وقت برستی رہتی ہے۔ جس سے صاحبِ حال اور صاحبِ بصیرت حضرات مستفیض ہوتے ہیں۔ اور اپنے قلوب کو ان انوارات سے منور کرنے میں استفادہ کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب قول الجلیل ص ۸۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

”کہ اہل اللہ کی نسبت (باطنی) سے مطلع ہونے کا یہ طریقہ ہے۔ کہ (طالبِ حق) اس کے سامنے بیٹھے اگر وہ زندہ ہو یا اس کی قبر کے پاس بیٹھے اگر وہ مردہ ہو۔ اور اپنی ذات کو ہر نسبت

سے خالی کر ڈالے۔ اور اپنی روح کو ان کی روح تک پہنچا دے چند ساعت یہاں تک^۱ روح سے متصل ہو کر مل جائے۔ پھر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے۔ پھر جو کیفیت (از اپنے نفس میں پاوے۔ تو البتہ وہی اُس شخص (اہل اللہ) کی نسبت ہے۔“

یعنی اہل اللہ کی مجلس میں اگر وہ زندہ ہے اور اہل اللہ کی قبر پر اگر وہ رخصت ہے بیٹھ کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے طریقہ کے مطابق مراقبہ کرے گا۔ تو دل کدورت زائل ہو کر دل صاف ہونے لگے گا۔ اور اہل اللہ کی کیفیت و انوار مراقب کے چمکیں گے۔

حضرت عبدالستار عرف بزرگ استاد و خلیفہ اجل حضرت خواجہ شمس الدین سید فرمایا کرتے تھے کہ قبر پر اہل اللہ سے جو فیض حاصل ہوتا ہے عارضی اور وقتی ہوتا ہے زیا تک اثر پذیر نہیں رہتا۔ اور جو فیض اہل اللہ جو کہ ابھی زندہ ہے اُس کی مجلس سے نصیب ہو وہ دائمی ہوتا ہے۔ اور یہ فیض طالب حق کی حقیقت کا جزو بن جاتا ہے۔ اور مزارات وال حقیقت کا جزو نہیں بنتا۔ اولیاء اللہ کی زندگی میں ان کی مجلس کے فیض سے بندہ طالب حق ک فائدہ پہنچتا ہے۔ اور اولیاء اللہ کی صحبت و مجلس میں فیض یافتہ انسان ہی بعد الوفا ت اولیاء قبور پر فیض حاصل کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

جن کے دل بے حس و مردہ خدا کے ذکر سے غافل معاصی کے پردوں میں ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ مردہ دل جو فیوضات و انوارات سے بے خبر رہتے ہیں۔ اگرچہ سے بارش یکساں برسی ہے مگر کھیتی بارش کے پانی کو جذب کر لیتی ہے اور ہری بھری ہو کر لہا لگتی ہے۔ مگر پتھر اوپر سے قدرے بھیگ جاتا ہے اور اندر سے اُسی طرح خشک رہتا ہے۔ بارش کا اثر جذب کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح جس کا دل آگاہی سے بے خبر یعنی سم بصیرت سے محروم ہوتا ہے وہ انوارات و فیوضات کے لطیف جھونکے محسوس نہیں کر سکتا۔ اور پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔ جو نہ خود بجلی ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو منور کر سکتا ہے اور نہ نوری شعاعوں کو

اپنے اندر منعکس کر سکتا ہے۔

پس دل کو نرم اور مجھلی کرنے کے لئے کسی پیرومرشد جو شریعت کی کا پابند اور رو انوارات سے دل کو روشن رکھتا ہو۔ اور نور معرفت سے منور ہوتا ہے۔ اگر ملے تو ایسے شخص صحبت و مجلس کرنی ضروری ہے۔ ایسے حق شناس اور روشن ضمیر انسان کی صحبت و مجلس سے طا حق کی چشم بھیت کھل جاتی ہے اور نور فراست نصیب ہو جاتا ہے۔ خوف خدا پیدا ہو کر اچ اور برائی اور حلال و حرام میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو خود کو بھی بچائے ہے اور اس کے ہم مجلس بھی برائیوں اور ناپسندیدہ اعمال سے بچ رہتے ہیں۔

کسی اچھے انسان کی زیارت پر انوار و برکات جو من جانب اللہ تعالیٰ وارد ہو ہیں۔ محسوس کر سکتا ہے اور برے انسان کی قبر پر ناراضگی کا دھواں جو من جانب اللہ نزول ہے۔ گویا اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھ کر جودل کو جلا نصیب ہوتی ہے اس نور فراست کی مدد سے باطل میں تمیز کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خدا رسیدہ انسان جو حقیقی معنوں بندہ خدا ہو کی مجلس میں رہنے اور استغفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرماوے۔ اور حقیقی بصیرت اور نور فراست نصیب کرے تاکہ حق کو حق جان کر سیدھی راہ پر گامزن رہیں اور باطل باطل سمجھ کر اپنے آپ کو اس کی نحوست سے بچا کر خدا تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کریں۔ صلاحیت نصیب ہو جائے۔

اور یہ نعمت غیر مترقبہ بغیر طلب کے خود بخود حاصل ہونی دشوار ہے۔ کیونکہ یہی کا اگر کھلا نہ ہو تو بارش کا قطرہ پڑ کر موتی ہرگز نہیں بن سکتا کھلے منہ میں بارش کا قطرہ پڑ کر موتی روپ دھار لیتا ہے۔ اور یہی کیفیت طلب و بے طلبی کی ہے۔ وما تو فیقی الا بالاً علیہ تو کلت و الیہ انیب۔

طالبِ راہِ حق کے لئے چند ضروری باتیں

(۱) خدا کی جانب متوجہ ہونے کا عہد اور اس کے ثمرات:- تہذوف و سلوک کو :-

کرنے والے خدا کی جانب یکسوئی و محبت کے ساتھ پیش قدمی کرنے والے کے لئے چہ ہدایات تحریر کی جاتی ہیں۔ جن کی روشنی میں سالک غور و فکر کرتے ہوئے راہِ ہدایت پر چلے اسے طے کرنے کا عزم کرتا ہے۔ اور اپنے اندر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اخلاقی حسنہ جمع کر لیتا ہے۔ اور اپنے شیخ و مرشد سے اس بات کا پختہ عہد کرتا ہے آئندہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی نہیں کرے گا۔ اور زندگی کو شریعت کے مطابق بسر کرے۔ ہوئے خدا تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے میں کوشاں رہے گا۔ اور نفس کی ہر صورت مخالفہ کرے گا۔ اپنے آپ کو صغائر و کبائر گناہوں سے بچانے کی کوشش کر کے خدا تعالیٰ کے ہر حکمِ تعمیل کرنے میں سستی نہیں کرے گا۔

جب خوش نصیب طالبِ حق اس بات پر عہد کرتے ہوئے پورا پورا کاربند ہو جہے تو من جانب اللہ اس کی تسلی و تسکین کے لئے بے شمار انعامات عطا کر دیئے جاتے ہیں۔ کو سکینہ اور وارداتِ غیبی کے نام سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ ان ہی وارداتِ غیبیہ میں سے پر انعام انشراح صدر ہے۔ جب انشراح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔ تو سالک عبادت و ریاضہ میں ایک گونہ لذت محسوس کرتا ہے۔ اور قلب میں جلا یعنی نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ذوقِ شوق کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ جب سالک اللہ کی عبادت کرتے ہوئے یہ کیفیات محسوس کرتا ہے۔ اس کو سکون اور راحتِ قلبی نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ عبادت کے مقبول بارگاہ ہونے کی دلیل ہے۔

مگر جب سالک سستی و غفلت اور بے ذوقی پیدا کرنے کے بعد قلبی جلا اور نورانیت

محسوس نہیں کرتا تو دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو گیا ہو جو تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سیاہی اور غفلت پیدا ہو گئی ہے۔ لہذا اسی وقت استغفار میں مشغول ہو کر انابت کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس وقت تک گریہ و زاری معافی طلب کرتا رہتا ہے۔ جب تک یہ پہلی حالت پر لوٹ نہیں آیا پہلے سے بھی کہیں زیادہ اور نورانیت محسوس نہیں کر لیتا۔ اور جب دوبارہ فیضان الہی سے مستفیض ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اپنی اچھائی و بزرگی تصور نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ کی جانب سے احسان اور فضل و کرم کے آگے جانتا ہے۔ جس کی بنا پر کمال عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ عظمت و تحمید بیان کرتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے محتاط رہتا ہے۔ کیونکہ سانپ کا ڈھسا ہوا ر سے بھی گھبراتا ہے۔ اس لئے زندگی بھر کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس سے انعامات و کرامات چھین جانے کا خدشہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا ہونے کا ذریعہ ہو۔ بلکہ اپنے ہر قدم ا حرکت کی نگرانی اور ناجائز امور سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور نفس و شیطان کے مکر و فریب سے اپنی محافظت کرتا ہے اسی کو نظر بر قدم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

طالب حق کے لئے مختلف کتب دینیہ سے حقائق و رموزات جمع کر کے مضامین اور مختلف عنوانوں میں ان امور مفیدہ کی نشاندہی کر دی ہے اور امور فاسدہ کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ کتاب ہذا میں اول تا آخر طالب حق کو فائدہ اور نقصان دینے والے واقعات پر مفصل بحث و تحیث ہو چکی ہے۔ لہذا موجودہ عنوان میں چند ضروری باتیں اجمالاً عرض کر دی جاتی ہیں جن کی روشنی میں طالب حق اپنے لئے راہ ہموار کرنے میں سہولت کے ساتھ راستہ تلاش کر سکا ہے۔ اور راہ سلوک کو طے کرنے میں کسی فریب کا ر کے ہاتھ نہیں چڑھتا۔ اور راہ سلوک میں رکاوٹ ڈالنے والے واقعات و حالات سے اجتناب کرتے ہوئے۔ اپنی قلبی صفائی کو برقرار رکھ کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکتا ہے۔ طالب حق کو کام آنے والی اور دل پر اثر انداز ہونے والی اسی عنوان کی حصہ نمبر دو تین اور چار میں اجمالاً ذکر

کردی جاتی ہیں۔

(۲) حدود شریعت کی پابندی: سالک حدود شریعت کی کمال پابندی کرتے ہوئے حضورؐ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا رہے۔ اور خلاف شریعت کوئی کام کرے ذکر و فکر اور مراقبہ کے شغل بتدریج و مسلسل کرتا رہے۔ اور کسی وقت بھی تساہل و سستی کرے۔ اور غفلت سے اجتناب کرتا رہے۔ ہر

وقت رجوع الی اللہ رکھے اور ذکر دائمی میں دوام حاصل کرے۔ کار و بار لین دین کرتے ہو۔ عدل و انصاف اور خدا کی مرضی کو ٹھوڑا خاطر رکھے۔ اور بازار میں بھی دلی رجحان خدا تعالیٰ جانب سے ادھر ادھر نہ ہٹائے بلکہ ہمتن رجوع الی اللہ پختہ رکھے۔ اور پنجابی اس کہاوت پر کرے۔ ”تھک کا کار دل یا رول“ اور اسی جملہ کو فارسی میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

۔ دست در کار دل بایار یعنی ہاتھ کام میں مصروف ہوں اور دل اللہ تعالیٰ ساتھ ہو۔ اور یہ کام قدرے محنت طلب ہے۔ آسانی سے اس کا خوگر نہیں ہو سکتا۔ جب تک تعالیٰ کے خصوصی فضل نہ ہو جائیں یہ حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مگر طلب کے ساتھ طلب طلب فقط و جذبہ جس نے طلب کیا پس اُس نے پالیا۔ یعنی طلب کو خاص دخل ہے۔ طلب کے ماں بھی بچہ کو دودھ نہیں پلاتی۔ اور جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو وہ اس ج مصداق ہوگا کہ اُس نے کثرت میں خلوت حاصل کر لی ہے۔ اور اسی کو خلوت در انجمن سے آ کیا گیا ہے۔ حاجی محمد اعظمؒ نے فرمایا۔

۔ سا کثرت میں خلوت کا مزہ ہو طریقت کی غرض یہ انتہا ہے

یعنی کسی وقت انجمن میں بھی خلوت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ کیفیت کی برکات اور انتہائی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ مجمع میں بھی خدا کے ساتھ ہو اس پر مجمع اثر انداز نہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں اخلاقی حسنہ کو اپنا شعار بنائے۔ مدح پر خوشی محسوس نہ کرے۔ اور ذم پر تنگی

محسوس نہ کرے۔ بلکہ برداشت کا دروازہ کھلا رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی و فضل سے فنا اتم نصیب ہو جائے گی تو ان حالات کا اثر دل پر کچھ اثر مرتب نہ کر سکے گا۔ گمنامی اور عجز کی اختیار کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے پس یہی طریقت و تصوف کی غرض و غایت ہے۔ سالک کی ترقی کا ذریعہ ہے۔

(۳) شیخ کے ساتھ ربط و تعلق:- سالک اپنے شیخ طریقت کی محبت میں سر

رہے۔ اور کسی قسم کی گستاخی و بے ادبی نہ کرے اور نہ ہی اُس کی مجلس میں بے باکی کے سا بات کرے اور نہ کھل کھلا کر ہنسے اگر کوئی بات ہنسی کی ہو تو فقط مسکرا سکتا ہے۔ اور نہ شیخ کے سا چلتے ہوئے برابر یا آگے چلے۔ اور نہ بیٹھے ہوئے شیخ کی جانب پاؤں لمبے کرے اور ایسی حرکت نہ کرے کہ جس سے شیخ کی وقعت دل سے جاتی رہے۔ اور شیخ کی مجلس میں خاموش کر بیٹھے۔ اسی میں اس کی ترقی کا راز ہے اگر شیخ کی طرف سے ذکر بتلانے اور ماڈون ہونے مامور بھی ہو چکا ہو تو بھی اپنے آپ کو اپنے ذہن و فکر میں نا اہل و نا بلد تصور کرے اور خود کو ادا اور بے حاصل ہی تصور کرے۔ اور اس سے کوئی بیعت ہو کر اگر اجرائے قلبی کے اثرات۔ سرفراز بھی ہو جائے تو اس کو بھی اپنے شیخ کی نسبت و فیض تصور کرے اپنی ذات کو انوار منعکس ہونے کا ذریعہ نہ جانے بلکہ دل میں خیال کرے کہ یہ میرے شیخ ہی کا فیض تھا۔ درمیان میں ایک مقرر کردہ پیغام رسان اور اپنی ہوں۔ اور اصل امر حقیقت پر مبنی ہے کہ اپنے وجود کو باعث برکت تصور نہیں کیا کرتا بلکہ اپنے شیخ کے سینہ منور کی برکت تصور کیا کرتا ہے۔ اور طالب حق جو کہ عشق و محبت اور طلب حق رکھتا ہے۔ اس کو باعث برکت اور من جانہ اللہ اور فیض اُترنے کا ذریعہ جانتا ہے۔ حضرت نور محمد عرف نانگا بابا اپنے طریقت کے دوستوں سے فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے آنے سے ہم بھی بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور آپ کی وجہ سے ہم پر بھی فیض وارد ہو جاتا ہے۔ سالک ایسے حلقہ ذکر میں جہاں شیخ بھی موجود ہو۔ بزرگانہ انداز کا

روپ نہ اختیار کرے اور جائے مخصوصہ پر نہ بیٹھے۔ اور اپنی نشست و برخاست سے ہمیشہ کے بزرگانہ انداز نہ رکھے۔ اپنے شیخ کی مجلس میں ادنیٰ خدمتگاروں کی طرح بیٹھے۔ کیونکہ مرید بھی آسان کام نہیں ہے۔ مرید کی جو تعریف عارفین نے بتائی ہے یہ ہے۔ اَلْمُرِيدُ لَا يُرِىَ اِلَّا اللّٰهَ یعنی مرید وہ ہے کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ نہیں چاہتا۔ اور حضرت باقی فرماتے ہیں۔ اَلْمُرِيدُ هُوَ الرَّائِي فِيْ اَوَّلِ قَصْدِهِ اِلَى اللّٰهِ یعنی مرید وہ ہے اپنے پہلے ہی ارادے میں خدا تعالیٰ کی جانب جانے والا ہو۔ (از مکتوبات باقی باللہ ص ۱۳) پس اپنے آپ کو کم تر جانے اور خود کو شیخ کے برابر تصور نہ کرے۔ شیخ کے بالمقابل ایسی جگہ پر نہ بیٹھے جو عزت تو قیر کے لحاظ سے شیخ کی جائے نشست سے مطابقت رکھتی ہو۔ نہ شیخ کی جائے نشست پر بیٹھے اور نہ شیخ کے مصطفیٰ پر نماز پڑھے ہاں اگر شیخ حکم دے تو یہ ام تعمیل ہوگی کیونکہ اَلْاَمْرُ فَوْقَ اَلْاَذْبِ! امر و حکم ادب سے اوپر کا درجہ رکھتا ہے۔ شیخ موجودگی میں اگر کسی بات پر ہنسی آجائے تو جبراً روکے۔ ہنسی و مذاق سے احتراز کرے۔ صر مسکرانے پر اکتفاء کرے۔ اور شیخ کی مجلس میں زیادہ کلام بھی نہ کرے اور نہ ایسا کوئی بیار واقعہ سنائے کہ مجمع شیخ کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ ہاں کی اجازت سے کچھ بیان کرے تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ تعمیل حکم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مجلس میں تشریف رکھتے اور آنے والے ناواقف حضرات جو کہ ایمان لانے کی غرض سے آئے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نظر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گما کرتے ہوئے متوجہ ہوتے تو حضرت ابو بکر صدیق اپنی کمال فراست کے نور سے بھانپ کر فو اٹھ جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اپنی چادر کا پنکھا بنا کر جھلنے لگتے تاکہ آنے والے حضرات آقا اور غلام میں تمیز کر سکیں۔

اسی طرح جس جگہ حلقہ ذکر میں شیخ موجود ہو تو شیخ کا وہ مرید جو اپنے شیخ کی جانب

سے خلیفہ مجاز ہے۔ عام مریدین کی طرح بیٹھے اور امتیازی شکل و صورت میں امتیازی جگہ بیٹھے تاکہ شیخ و مرید میں امتیاز ہو سکے۔ ورنہ ثمرات و انوار سے محروم ہو کر رہ جائے گا۔ اور پیہ مچنی و روشن دل کا نوری پرتو اس کے دل پر منعکس نہ ہو سکے گا۔ جب اپنے شیخ کے سر بحیثیت ایک غلام اور طالب ہو کر بیٹھے گا تو اس کے شیشہ دل سے کدورت صاف ہو کر مچائی جائے گا کیونکہ شیخ کے شیشہ دل کے مقابل ہونے پر وہ فیض الہی جو شیخ کے دل پر پرتو ہے۔ براہ راست مرید کے دل پر منعکس ہو کر مرید کے قلب کو روشن کر دے گا۔

حضرت باقی باللہ فرماتے ہیں کہ ”جب طالب کا آئینہ دل اپنے مرشد کے آئینہ کے مقابل ہوتا ہے تو جو کچھ مرشد کے آئینہ دل میں ہوتا ہے۔ مناسبت کے موافق مرید آئینہ دل میں پرتو ڈالتا ہے۔ (مکتوب باقی باللہ ص ۵۵)

اگر مرید اپنے آپ کو کامل تصور کرے گا تو بھرے ہوئے پیالے میں مزید کیا سا ہے۔ مرید اپنے شیخ کی مجلس میں ایسے گم ہو کر بیٹھے جیسے سورج کے حلقہ و مجلس میں ستار ہوتے ہیں مگر گم ہوتے ہیں اور سورج سے روشنی حاصل کر کے تاریک رات میں سورج کی موجودگی میں خوب روشن ہوتے ہیں۔ اسی طرح مریدین کے لئے شیخ بمنزلہ سورج کے۔ اگر مرید اپنے شیخ کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ رکھتے ہوئے خود کو نیستی کے عالم میں تہ کرتے ہوئے رہے گا تو خود بھی انور الہی سے مچنی ہوگا اور دوسروں کو بھی روشنی پہنچانے قابل ہو جائے گا۔ اندھیری قبر میں روشن ہوگا اور کل قیامت کی گھڑی میں بھی منور ہوگا اور صراط پر بھی اس کا نور آگے آگے اور دائیں جانب دوڑے گا۔ مگر سنت و شریعت کی تابعدا اور حکم خداوندی کی پابندی لازمی ہے۔

(۴) قلبی صفائی رکھنے کی احتیاطی تدابیر: صفائی اور نکھار ایک عمدہ اور اہم عمل ہے۔ ہر چیز کی صفائی اور نکھار اس کی زینت اور قیمت میں اضافہ کرتی ہے۔ جبکہ گندگی اور خرابی اس کے

وقار اور اہمیت کو کم کرتی ہے اسی طرح چیزوں کے علاوہ عمل میں بھی صفائی اور اچھائی عمل کو معیار پر پہنچا دیتی ہے۔ اور عمل میں کھوٹ اور بددیانتی اس عمل کو غیر مقبولیت کے درجہ پر دیتی ہے۔ گویا جس عمل میں صفائی اور دیانت داری ہو وہ عمل مقبول عام ہوتا ہے۔ اور جس میں صفائی اور دیانت داری نہ ہو وہ عمل غیر مقبول ہوتا ہے۔ یہ تو دنیاوی اعتبار سے ہے اعتبار سے بھی اچھا عمل جس میں صفائی ہو۔ خدا کو مقبول ہوتا ہے۔ اور برا عمل جو کہ بدینتی ہو یا جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل و سنت پر نہ ہو۔ خواہش نفسانی کے تابع ہو وہ عمل قابل قبول بارگاہ ہرگز نہ ہوگا۔ اب جو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہوگا اسے پاکدامنی، پرہیزگاری اور تقویٰ سے تعبیر کریں گے۔ اور ایسے افعال کا سرزد ہو: صفائی پر دلالت کرے گا۔ اسی طرح جو کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کے طریقہ سے متضاد سرزد ہوگا۔ فسق و فجور اور نافرمانی سے تعبیر کریں گے اور ایسے اعمال د صفائی نہ ہونے اور دلی کدورت کی پاداش میں سرزد ہوتے ہیں۔ دل کا صاف ہونا اور رنگ آلود ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

پس راہِ خدا کی طرف بڑھنے اور محنت کرنے میں سب سے پہلے سالک کے صفائی پیدا کرنا ضروری امر ہے۔ سالک کو اپنی قلبی صفائی برقرار رکھنے کے لئے چند چیزوں سے اجتناب کرنا پڑے گا۔ اگر ان چیزوں سے اجتناب نہ کیا گیا تو انوار و ثمرات سے مستفید نہ ہو سکے گا۔

۱۔ گناہوں سے اجتناب :- سالک کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب

اگرچہ کبار کے علاوہ صغائر ہی کیوں نہ ہوں بلکہ مباح امور سے بھی پرہیز کرے۔ گناہوں کا تاریکی کا ذریعہ ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کو دعوت دینے والے ہیں۔ اور جہنم میں پہنچانے والے ہیں۔

۲۔ دنیا طلبی:- دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہ دے۔ اور دلی طور پر میلان طبع دنیا طرف مائل نہ ہو۔ کیونکہ دنیا کی محبت بندے اور مولا کے درمیان پردہ و حجاب ہے۔ روحانہ کے لئے زہر قاتل ہے۔ جس کا ذائقہ میٹھا اور انجام ہلاکت و تباہی ہے۔ جیسے زہر ملا شہد بڑے میٹھا ہوتا ہے۔ مگر کھالینے کی بعد انجام کار ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔ مگر کھاتے ہوئے لذت سرور حاصل ہوتا ہے۔ یہی حالت دنیا کی محبت کی ہے کہ بظاہر لذت دیتی ہے۔ انجام کار سے دوری پیدا کر کے آخرت میں لذت و رسوائی کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔

۳۔ بُرا ماحول:- بری صحبت و مجلس سے پرہیز کرے۔ کیونکہ بری مجلس ایمان کے زہر ملی ہے۔ اور دل کو سیاہ کرتی ہے۔ اور قلب میں غفلت پیدا کرنے کا واسطہ ہے۔ بری مجلس کے اثرات دل میں سرایت کر کے خدا تعالیٰ سے دوری و بے خوفی پیدا اور نفسانی خواہشات بیدار کرتے ہیں۔

۴۔ حرام خوراک:- اکل حرام یعنی حرام و مشکوک غذا سے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ غذا کا لقمہ پیٹ میں جا کر نافرمانی کے اثرات پیدا کرے گا۔ کابلی و سستی میں اضافہ گا۔ عبادت قبول نہیں ہوگی۔ اور دعا بھی قبول نہیں ہوگی۔ اور یہ بات حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جس کے کپڑے حرام کھانا حرام کا ہو۔ وہ اگر چیخ چیخ کر بھی دعا مانگے اور آسمان کی طرف منہ کر کے پر زور انداز سے دعا مانگے دعا قبول نہ ہوگی۔ یہاں میں نے حدیث کا متن و مضمون بیان کیا ہے اصل واقعہ نہیں لکھا۔ صرف اشارۃً لکھا ہے۔ حضرت باقی باللہ فرماتے ہیں۔ ”اُ ہزار سال تک بھی ذکر کرتے رہو مگر تمہارا کھانا حلال نہیں تو کبھی بھی مقصود (یعنی خدا تک رسائی حاصل نہ ہوگا)“ (ماخوذ مکتوب باقی باللہ ص ۱۰۹) نیز فرمایا ”صرف لقمہ حلال پر کفایت نہ کرنی چاہیے بلکہ چاہیے کہ لکڑی (ایندھن) اور پانی اور برتن بھی وجہ حلال سے ہوں۔ اور

پکانے والا بھی حق تعالیٰ کے ساتھ حضور رکھتا ہو۔ اور کھاتے وقت بھی حضور اور آگاہی۔ کھائیں کیونکہ بے احتیاط قلم سے ایک ایسا دھواں اٹھتا ہے۔ جو کہ فیض کے راستوں کو بنا دیتا ہے۔ اور پاک روحیں جو فیض کا واسطہ ہیں (یعنی جو روحیں فیض منجانب اللہ تعالیٰ اترتی ہیں) قلب کے مقابل نہیں ہوتیں۔“ نیز فرمایا کہ ”حضرت داؤد و یونہی کا قول ہے معدہ کھانے کا محل ہے۔ اگر اس میں حلال ڈالا جائے تو بندگی کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور مشتبہ کھانا ہو تو راہ حق پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر حرام ہو تو نافرمانی و گناہ بڑھتے ہیں (ماخوذ مکتوبات باقی باللہ ص ۷)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں۔ ”حرام کا استعمال قلب اور دماغ دونوں تارک کر دیتا ہے۔ اور جب قلب تارک اور زنگ آلود ہو جائے تو عبادت کی مقبولیت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ پس حیات قلب و معرفت اور ذکر و سرور کے لئے اکل حلال لازمی ہے۔ حرام سراپا اثر ہے تو حلال سراپا خیر ہے۔ اور اس سے مومن پر ذات و صفات کے واضح ہوتے ہیں۔“ (از فتوح الغیب ص ۸۷)

۵۔ کثرت کلام:- زیادہ بولنا اور بے فائدہ کلام بھی دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اس لئے ہذا مذاق اور بغیر

ضرورت کے بحث و تبحر میں وقت صرف کرنا اور بلا ضرورت بات لمبا کرنے کی بجائے رجوع الی اللہ ہی رکھنا بہتر ہے۔ اور باتوں کی بجائے ذکر و فکر اور مراقبہ میں وقت صرف جائے۔ ورنہ خاموشی بہتر ہے۔ اور خاموشی میں بھی دنیاوی امور کو دل کے برتن میں ڈال کی مدھانی (جس سے دھی بلو کر مکھن نکالتے ہیں) سے خیالات کو نہ بلویا جائے کیونکہ خیالات خشک بلونے سے کچھ نہ مل سکے گا۔ البتہ پریشانی کی جھاگ ضرور چڑھے گی مگر ذکر اللہ کو فکر کی مدھانی کے ساتھ بلونے سے حقیقت و معرفت کا مکھن ضرور حاصل ہوگا۔ اور اس مکھن کے

حصول سے معرفت و قرب میں قدم رکھنا نصیب ہوگا۔ اس لئے اپنی زندگی کو خشک باتوں بے فائدہ بحث و تحیث میں ضائع نہ کیا جائے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید پورئی کے خلیفہ حضرت حاجی محمد اعظمؒ فرمایا کرتے تھے۔

کہ دوستو! ”اپنی بحث کو مختصر کیا کرو باتوں کی تعداد نہ بڑھایا کرو۔“

اُن کا یہ فرمان بھی اسی امر پر مبنی تھا کہ باتوں کی تعداد سے دل میں سختی پیدا ہوتی اس لئے بات مختصر کرتے ہوئے خدا کی جانب فوراً متوجہ ہو جایا کرو۔ کسی بندہ خدا نے اسی ضمن میں فرمایا ہے۔

دل نہ زُلفتن بمیرد در بدن گر چہ گفتارش بود در بدن

ترجمہ:- دل زیادہ باتوں سے تیرے اندر مردہ ہو جائے گا۔ اگرچہ تیری گفتگو عد کے موتیوں کی طرح سلیقہ شعاری کا روپ دھارے ہوئے کیوں نہ ہو۔ چونکہ عدن کے عمدہ اور خالص ہوتے ہیں اس لئے شاعر نے عدن کے موتیوں سے باتوں کی نسبت کر کے؛ باور کرا دیا ہے کہ خاموشی بہتر ہے مگر خاموشی بے معنی نہ ہو بلکہ معنوی ہو۔ اور معنوی خاموشی مقام اعلیٰ ہے۔ خاموشی ایسی کہ اللہ بس باقی ہوس جب ایسی خاموشی نصیب ہو جائے تو پھر خوشخبری ہے کہ ایک لمحہ کے لئے اللہ کا ہور بنادینا و مافیہا سے بہتر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی خاموشی نصیب فرما دے۔

۶۔ غیر جنس سے احتلاط:- سالک کو چاہیے کہ غیر جنس سے زیادہ احتلاط نہ رکھے یعنی

عورتوں میں بیٹھ کر اپنے حقیقی اوقات کو بے اثر نہ کرے اگرچہ عورتیں اس کی رشہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اس کا خیال بھی پاکیزہ ہو۔ مگر عورتوں کی مجلس طریقت کے لئے زہر قاتل ہے۔ اور غیر محرم عورتوں میں تو بیٹھنا جائز ہی نہیں۔ اس کے علاوہ مردوں میں جو طالب حق نہ ہوں اور طریقت میں داخل نہ ہوں اور اگر طریقت میں داخل بھی ہیں مگر ذہن و فکر میں سستی کرنے والے

ہیں یہ بھی غیر جنس میں داخل ہیں۔ پس ایسے غیر جنس جو طریقت میں داخل نہ ہوئے ہوں داخل ہو گئے ہیں۔ مگر رسی طور پر داخل ہیں۔ طلب حق کی آرزو اور چاشنی نصیب نہیں ہے اور غفلت میں زیادہ زندگی گزرتی ہے۔ ایسے لوگوں کی مجلس میں بھی دل میں کدورت بیٹھتی۔ اور اگر ایسا ساتھی جو طلب حق کی تمنا و آرزو سے بے خبر ہے اور ذکر و فکر میں اپنے گھر کے اوقات پر پرواہ نہیں کرتا صرف کبھی کبھی مجلس و ذکر میں حاضری کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اور اپنے گناہوں پر ندامت نصیب نہیں ہے۔ اگر ایسا آدمی مجلس ذکر میں شامل ہو جائے تو مجلس والوں کے۔ ایسا اثر ظاہر کرے گا جیسے صاف شفاف پانی کی بالٹی میں مٹی کا ایک ڈھیلا پھینکنے سے بالٹی کا پا گدلا ہو جاتا کرتا ہے۔ اسی طرح اس کی میل و کچیل مجلس میں بکھر جائے گی۔ پس مجلس خالص اور مخلص ساتھی بیٹھ کر کیا کریں۔ غیر جنس کو مجلس میں لانے سے گریز کریں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے تھے۔ ”تجھ پر واجب ہو جاتا ہے کہ مشرک فاسق و فاجر لوگوں کی صحبت سے قطعی پرہیز کرے۔ ورنہ جو اثرات اہل اللہ سے حاصل ہو ہونگے وہ مکدر اور زائل ہو جائیں گے۔ میں (عبدالقادر جیلانی) نے تیرے لئے مفید اور لوگوں کا امتیاز کر دیا ہے۔ اس کی پیروی کرنا اب تیرا (یعنی سالک کا) کام ہے۔ پس میرے ہوں کہ اللہ کی محبت کے لئے اہل اللہ کی صحبت کا التزام ضروری ہے۔“

(ماخوذ از فتوح الغیب ص)

۶۔ مطالعہ:- اللہ والوں کی کتب تصوف کے علاوہ کوئی ایسی کتاب ناول افسانہ یا غ

انسان کی تصانیف شدہ کتب کا مطالعہ نہ کیا جائے نیز اخبار مینی، ریڈیو۔ ٹی وی پروگرام اور کے ساتھ رغبت نہ رکھنے والوں کی تصانیف شدہ کتب کے مطالعہ سے بھی دل پر کدورت بیٹھتی رہتی ہے۔ اور گانے بجانے کی منحوس آواز جو کانوں پر پڑے اس سے بھی دل میں نحوست اترتی ہے اور دل مکدر و سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور بے ذوقی پیدا ہوتی ہے۔ لہذا ان چند تحریر شدہ اصول کو

مدِ نظر رکھ زندگی گزارنی چاہیے اور غیر مفید باتوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ؟
 سب کو راجح پر گامزن فرمائے آمین ثمہ آمین یا رب العالمین !

قارئین کرام سے آخری التماس

ناجیز مؤلف کتاب ہذا ”انوار ولایت شمسِ حصہ دوم“ میں اپنی لاعلمی و کم فہمی کی بنا پر مضامین مفصل و مدلل پیش نہیں کر سکا۔ صرف اپنے شیخ کے حکم کی تکمیل میں اور غلبہ شوق و محبت کے پیش نظر چند نونے پھولے الفاظ کا ذخیرہ یکجا کر کے آپ کی خدمت میں بشکل کتاب ہذا پیش کیا ہے۔ قارئین کرام اس کا بغور مطالعہ فرمادیں اور میری علمی اور ادبی غلطیوں سے مجھے آگاہ فرمادیں تاکہ آئندہ درستگی کی جائے اور میری یہ عرضداشت کہ مؤلف کے لئے پورے خلوص اور تہ دل سے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا خصوصی فضل او آخرت بہتر فرمائے اور میری اس ادنیٰ محنت کو اپنے دربارِ عالی میں قبول و منظور فرما کر میرے لئے دونوں جہاں کی کامیابی کا مرانی مقدم فرمائے۔ جب تک زندگی ہے اپنی یاد میں رکھے او آخر خاتمہ بالخیر فرمائے۔ اور اپنے خصوصی فضل سے خیر کثیر سے نوازے۔

یہاں الہی روزِ محشر کھول دے میرا نصیب زیرِ سایہ عرش الہی ہو حبیب

حمت بالخیر و بک لتعین

(مؤلف حبیب الرحمن حبیب میر وال)